اِنعامُ البارِی
دُرُوسِ بخاری شریف
افادات
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ
جامعہ دارالعلوم کراچی میں درسِ بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور رُوح پرور تقاریر
صحیح البُخاری: الجزء الثانی
کتاب المغازی (حصہ دوم)
(۳۷) باب قصة عكل وعرينة (۹۰) باب كم غزا النبي ﷺ؟
رقم الحديث: ۴۱۹۲-۴۴۷۳
جلد-۱۰
ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14
مکتبۃ الحراء
Ph:021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com
website: www.deeneislam.com

نام کتاب	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۱۰
افادات	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط وترتیب تخریج ومراجعت	محمد انور حسین (فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
ناشر	مکتبۃ الحراء، ۱۳۱/ ۸، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان
کمپوزنگ	حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35046223
باہتمام	محمد انور حسین عفی عنہ

ناشر: مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35046223 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

website:www.deeneislam.com

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35046223, 35159291 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021 32722401
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042 3753255
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021 35031565-6
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021 35032020
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 021 32631861

افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة و السلام على خير خلقه سيدنا و مولا نا محمد خاتم النبيين و إمام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و أصحابه أجمعين ، و على كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

۲۹رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا "سحبان محمود" صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرتؒ کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پر نور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاریؒ پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ جل جلالہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ جل جلالہ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے پیشِ نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے " **کتاب بدء الوحی** " سے " **کتاب النکاح** " آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرالیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کردی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کرسکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابلِ اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تا کہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جواب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تا کہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہوجائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہوجائے، اور احادیث سے اصلاحِ اعمال واخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہوجائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندۂ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتّب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ جل جلالہ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت ورحمت کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

۱۷ ررجب المرجب ۱۴۳۹ھ — بندہ محمد تقی عثمانی

بمطابق ۴ را پریل ۲۰۱۸ء، بروز بدھ — جامعہ دار العلوم کراچی

عرضِ ناشر

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

أمّا بعد۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان **محمود** صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیثؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (**کتاب بدء الوحی** سے **کتاب رد الجهمية على التوحيد**، ۹۷ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی ۱۲ جلدیں **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے نام سے طبع ہوچکی ہیں۔

یہ کتاب **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ جل جلالہ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثال کم ملتی ہے، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہوجاتے ہیں، علوم ومعارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف تفقہ علمی وتشریحات، ائمہ اربعہ کے فقہی اختلافات پر محققانہ مدلل تبصرے علم وتحقیق کی جان ہیں۔

صاحبانِ علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت وتحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط ونقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی بآسانی اور توفیق عطاء فرمائے تاکہ حدیث وعلومِ حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین. وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷ر رجب المرجب ۱۴۳۹ھ بمطابق ۴راپریل ۲۰۱۸ء بروز بدھ

خلاصة الفهارس

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الحمد لله و کفٰی و سلام علی عباده الذین اصطفی.

عرض مرتب

اساتذۂ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے ابنائے دار العلوم دیوبند وغیرہ میں **فیض الباری ، فضل الباری ، أنوار الباری ، لامع الدراری ، الکوکب الدری ، الحل المفهم لصحیح مسلم ، کشف الباری** ،تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت ،فقیہانہ بصیرت ،فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں ،درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث ونظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں ،خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ ،حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث ونظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دار العلوم دیو بند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل ودماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرتؒ کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ تمنا تشنۂ تکمیل رہی ،لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے ،اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی وعملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم وفن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث ،فقہ وتصوف اور تدین وتقوی کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب ''علوم القرآن'' ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت جچے تلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

> یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:
>
> **پہلی وجہ** تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق وتنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مأخذوں کے حوالے بقید ابواب وصفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہوسکتا ہے۔
>
> **اور دوسری وجہ** جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کردی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة ، وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجاب ،في مدينة كراتشي من باكستان ،متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة الشيخ محمد تقي العثماني ،نجل سماحة شيخنا المفتي الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالي في عافية وسرور.

فقام ذاك النجل الوارث الألمعي بتحقيق هذا الكتاب والتعليق عليه،بما يستكمل غاياته ومقاصده،ويتم فرائده و فوائده ؛ في ذوق علمي رفيع ،وتنسيق فني طباعي بديع، مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة. تتجلى فيها خدمات المحقق اللوذعي نفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع: شكر طلبة العلم والعلماء.

کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام **فتح الملهم بشرح صحيح مسلم** اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ نے ذہین وذکی فرزند، محدث جلیل ،فقیہ، ادیب واریب مولانا محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت وکوشش کو ابھارا کہ **فتح الملهم شرح مسلم** کی تکمیل کرے، کیونکہ آپؒ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانیؒ کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس باکمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کماحقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی "**تكملة فتح الملهم**" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله وإتمامه – إن شاء الله – لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض" هو الفقيه ابن الفقيه ،صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى العثمانى ،بن الفقيه العلامة المفتى مولانامحمدشفيع رحمه الله وأجزل مثوبته ،و تقبله فى الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أتعرف عن كثب على الأخ الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف الإسلامية ،ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى ، وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر ، حين سعدت به معى عضوا فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى بالبحرين ، والذى له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقية المطلع على المصادر،المتمكن من النظر والاستنباط،القادر على الاختيار والترجيح ،والواعى لما يدور حوله من أفكار و مشكلات – أنتجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لصحيح مسلم ، وبعبارة أخرى : فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح :حسن المحدث ، وملكة الفقيه ،وعقلية المعلم، وأناة القاضى،ورؤية العالم المعاصر،جنبا إلى جنب.

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه بذلك بعض أحبابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها فى مقدمته.

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذى يتأثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذى لايحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلا.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقى هو أولاها بالتنويه، وأوفاها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانى.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثا وتحقيقات حديثية، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هيأت له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراءته لثقافة العصر، واطلاعه على كثير من تياراته الفكرية، أن يعقد مقارنات شتى بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخرى وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ-

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و مآخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر وفکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے ارد گرد جو خیالات ونظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالا دستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلا شبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم وجدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل ابحاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب وثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کر دی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذۂ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ پچیس (۲۵) سالوں سے ان دروس ومجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہورہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریبا تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادۂ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبا کرام کے لئے وسائل وسہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص وعام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ / ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیثؒ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط وتحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہوگئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہوجاتی ہے (فالبشر یخطیٔ) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہوسکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم واحتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے'' کہ سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أو لیس من نعمة اللہ علیک أن تحدث و أنا شاھد فإن اصبت فذاک و إن اخطأت علمتک.

(طبقات ابن سعد : ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کروگے تو اس سے بہتر بات کیا ہوسکتی ہے اور اگر غلطی کروگے تو میں تم کو بتادوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا ''درس بخاری'' کی یہ کتاب بنام ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی ونظری تجلیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الٰہی، اپنے مشفق اساتذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاذ محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تبحر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم وفن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ وعطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء وتشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ''کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید'' تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ''۷۵۶۳'' اور ابواب ''۳۹۳۰'' پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگا دیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب التسعة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کردی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ معہ ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدۃ القاری** اور **تکملة فتح الملهم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکمله فتح الملهم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت وسلامت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان وقلم سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر وتشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القرأ حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبانِ علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت وتحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط ونقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور "**انعام الباری شرح صحیح البخاری**" کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وماذلک علی الله بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل ومتخصّص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷ ر رجب المرجب ۱۴۳۹ھ بمطابق ۴ را پریل ۲۰۱۸ء بروز بدھ

باب
قصة عكل وعرينة
و باب غزوة ذى قرد

(۳۷) باب قصة عكل وعرينة

عکل وعرینہ قبائل کا قصہ

۴۱۹۲ ـ حدثني عبد الأعلى بن حماد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة: أن أنسا ﷺ حدثهم: أن ناسا من عكل وعرينة قدموا المدينة على النبي ﷺ وتكلموا بالإسلام فقالوا يا نبي الله، إنا كنا أهل ضرع ولم نكن أهل ريف واستوخموا المدينة فأمر لهم رسول الله ﷺ بذود وراع، وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالها، فانطلقوا حتى إذا كانوا ناحية الحرة كفروا بعد إسلامهم وقتلوا راعي النبي ﷺ واستاقوا الذود، فبلغ النبي ﷺ فبعث الطلب في آثارهم فأمر بهم فسمروا أعينهم، وقطعوا أيديهم وأرجلهم، وتركوا في ناحية الحرة حتى ماتوا على حالهم. [راجع: ۲۳۳]

قال قتادة: وبلغنا أن النبي ﷺ بعد ذلک كان يحث على الصدقة وينهى عن المثلة. وقال شعبة وأبان وحماد، عن قتادة: من عرينة، قال يحيى بن أبي كثير وأيوب، عن أبي قلابة عن أنس: قدم نفر من عكل.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم دودھ دینے والے جانور رکھنے والے لوگ ہیں، ہم کھیتی باڑی کرنے والے لوگ نہیں ہیں، ہم کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے چند اونٹ اور ایک چرواہا ان کے ساتھ کر دیا اور ان لوگوں کو حکم دیا ان کو لیکر جنگل چلے جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیا کرو (علاج کی غرض سے) تو وہ لوگ جنگل کی طرف چلے گئے، یہاں تک کہ جب حرہ کے مقام پر پہنچے تو مرتد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانکا کر لے گئے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ ﷺ کے ایک گروہ کو ان کے پیچھے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا، چنانچہ جب ان کو گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو حرہ کے مقام پر چھوڑ دیا جائے، آخر کار وہ اسی حالت میں مر گئے۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد صدقہ کی ترغیب دیتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اور شعبہ، ابان اور حماد نے قتادہ سے روایت کرتے ہوئے صرف عرینہ کا ذکر کیا

اور یحیی بن ابی کثیر اور ایوب نے ابو قلابہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس ﷺ نے فرمایا کہ عکل کے کچھ لوگ آئے تھے۔

۴۱۹۳ ـ حدثني محمد بن عبد الرحيم: حدثنا حفص بن عمر أبو عمر الحوضي: حدثنا حماد بن زيد: حدثنا أيوب والحجاج الصواف قالا: حدثني أبو رجاء مولى أبي قلابة وكان معه بالشام: أن عمر بن عبدالعزيز استشار الناس يوما، قال: ما تقولون في هذا القسامة؟ فقالوا: حق قضى بها رسول الله ﷺ وقضت بها الخلفاء قبلك. قال: وأبو قلابة خلف سريره. فقال عنبسة بن سعيد: فأين حديث أنس في العرنيين؟ قال أبو قلابة: إياي حدثه أنس بن مالك، قال عبدالعزيز بن صهيب، عن أنس: من عرينة، وقال أبو قلابة، عن أنس: من عكل، وذكر القصة. [راجع: ۲۳۳]

ترجمہ: ابو رجاء روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم قسامت کے متعلق کیا جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ قسامت برحق ہے، رسول اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا ہے، جو کہ آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ابو رجاء کہتے ہیں کہ اس وقت ابو قلابہ، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے تخت کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، اتنے میں عنبسہ بن سعید بولے کہ حضرت انس ﷺ کی روایت کردہ حدیث عرنیین کہاں ہے؟ ابو قلابہ نے کہا کہ یہ حدیث تو حضرت انس بن مالک ﷺ نے مجھ سے ہی حدیث بیان کی تھی، اور اس کو عبد العزیز بن صہیب نے بھی حضرت انس ﷺ سے روایت کیا ہے، اس میں صرف عرینہ کا ذکر ہے، مگر ابو قلابہ کی روایت میں حضرت انس ﷺ سے عکل کا لفظ ذکر کیا گیا ہے، جو اس قصہ میں ہے۔

قسامت کا مسئلہ

ابو رجاء ابو قلابہ کے مولیٰ ہیں، وہ شام میں ان کے ساتھ تھے اور خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک دن لوگوں سے قسامت کے بارے میں مشورہ کیا کہ قسامت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

تو لوگوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا حق ہے جس پر رسول کریم ﷺ نے اس کے مطابق فیصلہ فرمایا اور خلفاء نے بھی، اس کے مطابق فیصلہ کیا یعنی یہ قسامت ایک شرعی حکم ہے۔

"قال وابو قلابه الخ" ابو قلابہ رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں، جو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے پیچھے بیٹھے تھے تو عنبسہ بن سعید نے عرنیین کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا ہوا؟

کہنے کا مطلب یہ تھا کہ بعض لوگ قسامت کو حکم شرعی ماننے کا انکار کرتے تھے اسی سیاق میں ابو قلابہ

اور عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ کی یہ گفتگو آئی ہے۔

یہاں پر صرف اتنی بات ہے کہ بعض لوگ قسامت کو حکم شرعی ماننے سے انکار کرتے تھے، جب ان سے کہا گیا کہ قسامت کے مطابق حضور ﷺ نے فیصلہ کیا ہے تو عنبسہ بن سعید نے اشکال کیا کہ اگر قسامت برحق ہوتی تو عرنیین کے معاملہ میں آپ قسامت کرواتے، اس لئے کہ حضور ﷺ کے راعی (چرواہا) حضرت یسار رضی اللہ عنہ جن کو ان لوگوں نے قتل کیا تھا وہ اسی طرح مقتول پایا گیا تھا، اور بینہ کوئی نہیں تھا تو قسامت ایسی صورت میں ہوتی ہے کہ مقتول پایا جائے اور بینہ کوئی نہ ہو

اگر قسامت حکم شرعی ہوتی تو رسول کریم ﷺ عرنیین کے سلسلہ میں قسامت کے مسئلہ پر عمل فرماتے، لیکن آپ ﷺ نے قسامت پر عمل نہیں فرمایا، تو اس لئے پوچھا کہ اگر قسامت برحق ہے تو عرنیین کی حدیث کہاں گئی؟

ابو قلابہ نے کہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے ہی سنائی تھی۔ پھر وہ حدیث تفصیل سے سنائی۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ قسامت واجب ہوئی کیونکہ وہاں تو عرنیین نے کئی جرائم کا ارتکاب کیا تھا، مرتد ہو گئے تھے، قتل کیا، ڈاکہ ڈالا یعنی اونٹ بھگا کر لے گئے، تو ان سب کے بارے میں نص آئی ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوْ يُصَلَّبُوٓاْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ ٱلْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [1]

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزاء یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دئے جائیں، یا انہیں زمین سے دُور کر دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔

یہاں قسامت کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی اور قسامت تو وہاں پر ہوتی ہے جہاں کسی کے قتل کے سلسلہ میں کوئی نص موجود نہ ہو، نہ کوئی بینہ موجود ہو، لہٰذا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ان شاء اللہ کتاب الحدود میں تفصیل آئے گی۔

---

[1] [المائدۃ: ۳۳]

(٣٨) باب غزوة ذی قرد

غزوۂ ذات قرد کا بیان

"وهي الغزوة التي أغاروا على لقاح النبي ﷺ قبل خيبر بثلاث."

ترجمہ: وہ غزوہ جس میں کچھ کافروں نے نبی ﷺ کے اونٹوں کو لوٹ لیا تھا اور یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے تین روز پہلے پیش آیا۔

وجہ تسمیہ

یہ غزوۂ ذات القرد ہے اور ذات القرد ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر مدینہ اور خیبر کے درمیان شام جانے والے راستے پر واقع تھا۔ یہاں رسول کریم ﷺ کے اونٹ چرتے تھے، قبیلہ غطفان کے لوگوں نے ان پر حملہ کیا اور اونٹوں کو بھگا کر لے جانے کی کوشش کی، تو اس کے جواب میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ایک ہی آدمی نے پورا معرکہ سر کیا۔ اس کو غزوہ ذات القرد کہتے ہیں، جس کی تفصیل اس حدیث میں آئی ہے۔ [۲]

غزوۂ ذات القرد کب پیش آیا؟

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ غزوہ ہے جس کے اندر نبی کریم ﷺ کے اونٹوں کے اوپر کفار نے یلغار کی تھی۔ اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ خیبر سے تین دن پہلے پیش آیا تھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ غزوہ حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن پہلے پیش آیا۔

صحیح مسلم کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن تمام اہل سیر و مغازی کہتے ہیں ذات القرد کا واقعہ حدیبیہ سے پہلے سن چھ ہجری میں پیش آیا اور واقعہ حدیبیہ سن چھ ہجری ذی القعدہ میں ہوا۔

---

[۲] على مسيرة ليلتين من المدينة بينها وبين خيبر على طريق الشام. عمدة القاري، ج:١٧، ص: ٢٣٢

بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ شعبان میں ہوا۔
بعض کہتے ہیں کہ ربیع الاول میں ہوا لیکن حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔
لیکن زیادہ صحیح بات وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ خیبر سے تین دن پہلے پیش آیا۔
اس واسطے کہ غزوہ ذات القرد کا واقعہ امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔
اس میں سلمہ بن اکوع ﷺ نے اس واقعہ کی بہت تفصیل بتائی ہے، اسی کے آخر میں انہوں نے کہا کہ **"فلما لبثنا بالمدينة الا ثلاث ليال حتى خرجنا الى خيبر"** جب یہ واقعہ ہوا تو پھر تین دن کے بعد خیبر کی طرف روانہ ہوئے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ [۳]

۴۱۹۴ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا حاتم، عن يزيد بن أبي عبيد قال: سمعت سلمة بن الأكوع يقول: خرجت قبل أن يؤذن بالأولى وكانت لقاح رسول الله ﷺ ترعى بذي قرد، فلقيني غلام لعبد الرحمن بن عوف فقال: أخذت لقاح رسول الله ﷺ، قلت: من أخذها؟ قال: غطفان، قال: فصرخت ثلاث صرخات: يا صباحاه، قال فأسمعت ما بين لابتي المدينة، ثم اندفعت على وجهي حتى أدركتهم وقد أخذوا يسقون من الماء فجعلت أرميهم بنبلي، وكنت راميا وأقول: أنا ابن الأكوع، واليوم يوم الرضع، وأرتجز حتى استنقذت اللقاح منهم واستلبت منهم ثلاثين بردة، قال: وجاء النبي ﷺ والناس فقلت: يانبي الله، قد حميت القوم الماء وهم عطاش، فابعث إليهم الساعة فقال: ((يا ابن الأكوع ملكت فأسجح))، قال: ثم رجعنا ويردفني رسول الله ﷺ على ناقته حتى دخلنا المدينة.

[راجع: ۳۰۴۱]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ فرماتے ہیں کہ میں صبح کی اذان سے پہلے (جنگل کی طرف) نکلا، مقام ذی قرد میں نبی اکرم ﷺ کی دودھ والی اونٹنیاں چر رہی تھیں، مجھ سے عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کا غلام ملا اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں پکڑی گئیں، میں نے پوچھا کس نے پکڑا؟ اس نے جواب دیا کہ قبیلہ عظفان کے لوگوں نے۔ تو میں نے تین آوازیں یا صباحاہ (یہ کلمہ دشمن کی آمد کی اطلاع پر لوگوں کو جمع کرنے کے لئے بولا جاتا ہے) کہہ کر لگائیں۔ جس سے اہل مدینہ کو خبر ہوگئی، پھر میں فوراً سیدھا چلا، حتیٰ کہ ان کافروں کو جا پکڑا، وہ ان اونٹنیوں کو پانی پلانے لگے تو میں ان پر تیر چلانے لگا، اور میں تیرانداز تھا، میں یہ رجز پڑھتا رہا کہ میں ابن اکوع

---

[۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة ذي قرد وغيره، رقم: ۱۸۰۷ وعمدة القاري، ج:۱۷، ص:۳۳۳، وفتح الباري، ج:۷، ص:۴۶۰

ہوں، آج کا دن کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے، حتیٰ کہ میں نے ان سے اونٹنیوں کو چھڑا لیا اور میں نے ان سے تیس چادریں بھی چھین لیں۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ اور دوسرے لوگ بھی آ گئے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے ان کو پانی بھی نہیں پینے دیا، حالانکہ وہ پیاسے تھے، لہٰذا فوراً ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیج دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن اکوع! تم نے انہیں بھگا دیا ہے، لہٰذا اب چھوڑو، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم واپس آ گئے، اور رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر مجھے پیچھے بٹھا کر لائے، حتیٰ کہ ہم مدینہ میں داخل ہو گئے۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **"خرجت قبل أن يؤذن الخ"** میں مدینہ منورہ سے فجر کی اذان سے بھی پہلے جنگل کی طرف نکلا، ذی القرد کے مقام پر آپ ﷺ کی دودھ والی اونٹنیاں چر رہی تھیں۔

"فلقيني غلام لعبدالرحمن الخ" راستے میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام مجھے ملے۔

بعض روایتوں میں حضور اکرم ﷺ کا غلام کہا گیا ہے اور اس غلام کا نام رباح تھا۔ عین ممکن ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اصل غلام ہوں اور حضور ﷺ کی بھی خدمت کرتے ہوں تو اس واسطے دونوں کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ [۴]

"فقال أخذت الخ" انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول کریم ﷺ کی اونٹنیاں اُٹھالی گئی، **"قلت من أخذها الخ"** میں نے ان سے پوچھا کہ کون لے گئے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ قبیلہ غطفان کے لوگ لے کر گئے، **"قال فصرخت الخ"** تو میں تین مرتبہ زور سے چیخا۔

"يا صباحا" اہلِ عرب کا طریقہ تھا کہ جب دشمن حملہ آور ہوتا تو اپنے لوگوں کو اس حملہ سے باخبر کرنے کے لئے یہ جملہ بولا کرتے تھے، اس واسطے کہ عام طور پر حملہ صبح کے وقت میں ہوا کرتا تھا۔ [۵]

"قال فاسمعت مابين الخ" مدینہ کی دو حروں کے درمیان جو جگہ تھی سب جگہ میری آواز پہنچ گئی۔ یعنی میری آواز سارے علاقہ میں پھیل گئی اور صبح کا وقت خاموشی کا ہوتا ہے اور خاموشی کے نتیجہ میں جو آواز دی جائے تو وہ گونجتی اور پھیلتی بھی ہے۔

---

[۴] لم الف على اسمه ، ويحتمل ان يكون هورباح غلام رسول الله ﷺ كمافى رواية مسلم، فتح البارى، ج:۷، ص: ۴۶۱

[۵] قوله: ((ياصباحاه)) كلمة تقال عند الغارة، عمدة القارى، ج:۱۷، ص: ۳۳۳

"لم التفت الخ" کہتے ہیں کہ پھر میں اپنے چہرے کی سیدھ میں بھاگ کھڑا ہوا دائیں بائیں متوجہ ہوئے بغیر، یعنی ایک طرف حضور ﷺ اور صحابۂ کرام ﷡ کو آواز دے کر آگاہ کیا تا کہ وہ آجائیں اور دوسری طرف میں دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے اکیلا ہی نکل کھڑا ہوا۔

"حتی ادرکتهم الخ" یہاں تک کہ میں نے ان کو پالیا اور وہ پانی پینے ہی والے تھے یعنی قریب تھے کہ پانی پی لیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے اونٹوں کو لوٹا تھا میں ان تک پہنچ گیا۔

"فجعلت أرميهم الخ" حضرت سلمہ بن اکوع ﷛ فرماتے ہیں جب میں دیکھا کہ وہ لوگ پانی پینے اور ستانے کی غرض سے رکے ہیں تو میں نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔

"وكنت راميا الخ" اور میں بڑا تیر انداز تھا اور ساتھ میں یہ رجز بھی پڑھتا جارہا تھا:

أنا ابن الأكوع — **واليوم يوم الرضع**

میں اکوع کا بیٹا ہوں — آج کا دن کمینوں کی تباہی کا ہے

"رضع" "راضع" کی جمع ہے اس کے معنی لعین اور کمینہ کے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے ہاں یہ بات مشہور تھی کہ جو کمینے لوگ ہیں وہ بکری کے تھن سے منہ لگا کر دودھ پیتے ہیں، اس واسطے کہ اگر دودھ برتن میں نکالیں گے تو اس کی آواز سن کر شاید کوئی آجائے اور مانگ لے اور پھر اس کو دینا پڑے تو اس سے احتراز کے طور پر وہ تھن سے منہ لگا کر پی لیتے تھے۔ [۷]

"وأرتجز حتى استنقذت اللقاح الخ" یہاں تک کہ میں نے ساری اونٹنیاں ان سے چھڑا لی۔ اور صرف اُونٹنیاں ہی نہیں بلکہ میں نے ان سے تیس چادریں بھی چھین لیں یعنی وہ لوگ جب بدحواسی کی حالت میں بھاگے تو اپنی چادریں بھی چھوڑ گئے۔

"قال: وجاء النبي ﷺ الخ" حضرت سلمہ بن اکوع ﷛ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان لوگوں سے چھینی گئیں اونٹنیاں واپس لے لیں اور حملہ آور فرار ہو گئے تو اس کے بعد حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام ﷡ تشریف لائے۔

"فقلت يانبي الله! قد حميت الخ" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اس قوم سے پانی بھی نہیں پینے نہیں دیا یعنی وہ اس چشمہ میں سے پانی نہیں پی سکے وہ اب بھی پیاسے ہیں ابھی فوراً آپ ﷺ ان کے پیچھے لشکر بھیج دیجئے تا کہ ان سب کو ختم کر دیں۔

---

[۷] ((الرضع)) بضم الراء وتشديد الضاد المعجمة جمع: الراضع، أي: اللئيم، وأصله أن رجلاً كان يرضع ابله أو غنمه ولا يحلبها لئلا يسمع صوت الحلبة الفقير فيطمع فيه. عمدة القاري، ج:۱۷، ص: ۳۳۴

"فقال: یاابن الأکوع! ملکت الخ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن اکوع! اب تم نے قابو پالیا ہے تو اب نرمی سے کام لو یعنی گرے ہوئے دشمن پر وار کرنا کوئی اچھی بات نہیں ، یہ جملہ سرکار دوعالم ﷺ کے ارشاد کے بعد محاورہ بن گیا، پہلی بار آپ ﷺ نے استعمال کیا اس کے بعد ضرب المثل بن گیا۔

"قال ثم رجعنا ویردفنی الخ" حضرت سلمہ بن اکوع ؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ واپس لوٹے اس حالات میں کہ آپ نے مجھے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا کہ یعنی آپ ﷺ نے ان کے کارنامے کے اعتراف کے طور پر ان کو اپنی اونٹنی کے پیچھے بٹھایا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ذات القرد کے واقعہ کو مختصر روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بہت تفصیل سے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس لئے وہاں پر دیکھ لیا جائے ، جسکا حوالہ پیچھے گزر گیا ہے۔

باب
غزوة خيبر

(۳۹) باب غزوة خيبر

غزوۂ خیبر کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے غزوۂ خیبر کے متعلق احادیث روایت فرما رہے ہیں۔ یہ متفق علیہ ہے کہ غزوۂ خیبر سن سات ہجری میں حدیبیہ کے بعد ہوا۔

واقعہ حدیبیہ میں آپ ﷺ کو ایک طرح سے خیبر کی فتح کی بشارت دی گئی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾[1]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے جو واقعے کے مطابق ہے۔ تم لوگ ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں اس طرح امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے کہ تم (میں سے کچھ) نے اپنے سروں کو بے خوف وخطر منڈوایا ہوگا اور (کچھ نے) بال تراشے ہوں گے۔ اللہ وہ باتیں جانتا ہے جو تمہیں نہیں معلوم ہیں۔ چنانچہ اس نے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے ایک قریبی فتح طے کردی ہے۔

تو اس فتح قریب سے مراد یہی غزوۂ خیبر ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ

---

[1] [الفتح: ۲۷]

لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ ؎

ترجمہ: اللہ نے تم سے بہت سے مالِ غنیمت کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم حاصل کرو گے، اب فوری طور پر اُس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے، اور لوگوں کے ہاتھوں سے تم کو روک دیا، تاکہ یہ مؤمنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں اللہ سیدھے راستے پر ڈال دے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بہت سے مال غنیمت کا جو وعدہ فرمایا ہے تو یہ جلدی دے بھی دئے، یعنی غزوۂ خیبر کے مغانم۔

غزوہ خیبر کا پس منظر

اس کا واقعہ معروف ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنونضیر اور بنوقینقاع کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا تھا تو ان کی بڑی تعداد خیبر میں آباد ہوگئی تھی اور وہ کئی بستیوں کا مجموعہ تھا اس لئے بعض مرتبہ اسے خیابیر بھی کہتے ہیں کیونکہ کئی بستیاں تھی اور کئی قلعے تھے۔ یہودیوں کے جتنے بڑے بڑے سردار تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنا قلعہ بنا رکھا تھا اور بعض مشترک شہر کی شکل میں تھے۔ یہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے، خیبر کی ہر بستی مسلمانوں کے خلاف ایک مستقل سازش کا مرکز تھی کبھی قریش کو حملہ کرنے پر اکسا رہے ہیں، کبھی مدینہ منورہ کے منافقین کی پیٹھ تھپک رہے ہیں۔ غرض مسلمانوں کو پریشان کرنے کا کوئی دقیقہ چھوڑتے نہیں تھے۔

دوسری طرف جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ حدیبیہ کے موقع پر رسول کریم ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ ایک لحاظ سے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان تھے اس لئے کہ مدینہ کے شمال میں یہودی تھے اور جنوب میں قریش مکہ تھے اور دونوں طرف سے حملوں اور سازشوں کا خطرہ۔

جب صلح حدیبیہ کی وجہ سے آپ کو جنوب کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوگیا کہ اب یہ کوئی حملہ نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اب شمال کی طرف پیش قدمی کی جائے، کیونکہ شمال کی طرف خیبر کا علاقہ تھا جو یہودیوں کا مرکز تھا۔

؎ [الفتح: ۲۰]

خیبر پر حملہ

لہٰذا آپ ﷺ نے سن سات ہجری میں حدیبیہ کے بعد پہلی پیش قدمی خیبر کی طرف فرمائی۔

اس کے متفرق واقعات یہاں پر آنے والے ہیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ خیبر کئی قلعوں پر مشتمل تھا اس واسطے غزوۂ خیبر بھی کافی طویل عرصہ تک جاری رہا اور یکے بعد دیگرے آپ ﷺ نے خیبر کے مختلف قلعے فتح فرمائے، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ مضبوط اور سب سے زیادہ آباد قلعۂ قموص تھا۔

یہی وہ قلعہ ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ مرحب سے ہوا اور اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

یہ قلعہ میں دیکھا ہے، اب تک موجود ہے اگر چہ بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔

اسی قلعہ کے نیچے وہ واقعہ بھی پیش آیا تھا کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گدھوں کا گوشت پکا رہے تھے اور اس کی حرمت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو منع فرمایا، چنانچہ جن دیگوں میں وہ گوشت پکایا گیا تھا وہ دیگیں الٹ دی گئیں۔ یہ سب قلعہ قموص کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد خیبر کے باقی دوسرے قلعے بھی فتح فرمائے، لیکن سب سے بڑا معرکہ قموص کے اوپر ہوا تھا اور اسی کو فتح کرنے میں زیادہ دن لگے تھے۔ یہاں اتنا تعارف کافی ہے۔

روایتوں کے اندر مختلف واقعات آرہے ہیں ان میں ان شاء اللہ تفصیل آجائے گی۔

۴۱۹۵ ۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمة، عن مالک، عن يحی بن سعيد، عن بشير بن يسار: أن سويد بن النعمان أخبره أنه خرج مع النبی ﷺ عام خيبر حتی إذا كنا بالصهباء وهي من أدنی خيبر صلی العصر ثم دعا بالأزواد فلم يؤت إلا بالسويق، فأمر به فثری فأكل وأكلنا ثم قام إلی المغرب فمضمض ومضمضنا ثم صلی ولم يتوضأ. [راجع: ۲۰۹]

ترجمہ: حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کے سال نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ (جنگ کے ارادہ سے) نکلے، جب مقام صہباء میں پہنچے جو خیبر کے قریب ہے تو آپ ﷺ نے نماز عصر پڑھی، پھر آپ ﷺ نے توشہ سفر (جو کسی کے پاس تھا) طلب فرمایا، تو بجز ستو کے اور کچھ بھی نہ آیا، تو آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اس کو پانی میں گھول دیا گیا، اور ہم سب نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کھایا، پھر آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے اور ہم نے کلی کی، اور بغیر وضو کے اعادہ کے آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی۔

تشریح

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ خیبر پر حملہ کرنے کی غرض سے نکلے،

"حتی إذا كنا بالصهباء الخ" یہاں تک کہ ہم جب صہباء کے مقام پر پہنچے اور یہ خیبر کے قریب ترین جگہ تھی، پہاڑ کے نیچے ایک وادی ہے جس کو صہباء کہتے ہیں وہاں پر یہ واقعہ پیش آیا جس کو حضرت سوید بن نعمان ﷺ بیان فرمارہے ہیں۔

اگر مدینہ طیبہ سے خیبر جائیں تو خیبر آنے سے کچھ پہلے پہاڑ کے دامن میں ایک جگہ ہے اس کو صہباء کہتے ہیں اور میں نے بھی اس کی زیارت کی ہے۔ [۳]

آپ ﷺ نے وہاں عصر کی نماز پڑھی، **"ثم دعا بالازواد الخ"** پھر آپ ﷺ نے توشے منگوائے جو لوگ اپنے ساتھ کھانا وغیرہ لائے تھے کہا کہ سب لے آؤ، **"فلم يؤت الخ"** آپ ﷺ کے پاس نہیں لایا گیا مگر ستو یعنی تمام لوگ ستو لے کر آگئے۔

"فأمر به فثرى الخ" آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو پانی میں بھگولیا جائے، پھر آپ ﷺ نے وہ تناول فرمایا اور ہم نے بھی کھایا۔

"ثم قام إلى المغرب الخ" پھر آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے اور ہم نے کلی کی، اور بغیر وضو کے اعادہ کے آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی۔

یہ حدیث کتاب الطہارت میں بھی گزر چکی ہے۔

۴۱۹۶ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة: حدثنا حاتم بن اسماعيل، عن يزيد بن أبي عبيد، عن سلمة بن الأكوع ﷺ قال: خرجنا مع النبي ﷺ إلى خيبر، فسرنا ليلا، فقال رجل من القوم لعامر: ياعامر، ألا تسمعنا من هنيهاتك؟ - وكان عامر رجلا شاعرا - فنزل يحدو بالقوم يقول:

اللّٰهم لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

فاغفر فداء لك ما اتقينا وألقين سكينة علينا

وثبت الأقدام إن لاقينا إنا إذا صيح بنا أتينا

وبالصياح عولوا علينا

فقال رسول الله ﷺ: ((من هذا السائق؟)) قالوا: عامر بن الأكوع، قال: ((يرحمه الله))، قال رجل من القوم: وجبت يا نبي الله لو أمتعتنا به. فأتينا خيبر فحاصرناهم حتى أصابتنا مخمصة شديدة، ثم إن الله تعالى فتحها عليهم. فلما أمسى الناس مساء اليوم الذي

---

[۳] ((بالصهباء)) هو موضع على روحة من خيبر، عمدة القاري، ج:۱۷، ص: ۳۳۴ وجہاں دیدہ، ص: ۱۷۳

فتحت عليهم أوقدوا نيرانا كثيرة، فقال النبي ﷺ: ((ما هذه النيران؟ على أى شئ توقدون؟)) قالوا: على لحم، قال: ((على أى لحم؟)) قال لحم حمر الإنسية، قال النبي ﷺ: ((أهريقوها واكسروها))، فقال رجل: يا رسول الله، أو نهريقها ونغسلها؟ قال: ((أوذاك))، فلما تصاف القوم كان سيف عامر قصيرا، فتناول به ساق يهودى ليضربه ويرجع ذباب سيفه فأصاب عين ركبة عامر فمات منه، قال: فلما قفلوا قال سلمة: رآنى رسول الله ﷺ وهو آخذ يدى، قال: ((ما لك؟)) قلت له: فداك أبى وأمى، زعموا أن عامرا حبط عمله. قال النبى ﷺ: ((كذب من قاله، إن له أجرين - وجمع بين إصبعيه - إنه لجاهد مجاهد، قل عربى مشى بها مثله)). حدثنا قتيبة: حدثنا حاتم قال: ((نشأ بها)).
[راجع: ۲۴۷۷]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ خیبر کی جانب (جنگ کے ارادہ سے) چلے، ہم رات میں جا رہے تھے کہ ایک شخص نے حضرت عامر بن اکوع ﷺ سے کہا کہ تم ہمیں اپنے اشعار کیوں نہیں سناتے؟ عامر بن اکوع ﷺ ایک شاعر آدمی تھے (یہ سن کر) وہ نیچے اترے اور اس طرح حدی خوانی کرنے لگے۔

اے اللہ! اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے — اور نہ کوئی صدقہ ادا کرتے، نہ کوئی نماز پڑھتے
بخش دیجئے جو گناہ ہم نے کئے ہیں ہم آپ پر فداء ہوں — او آپ ہم پر سکینت اور اطمینان ڈال دیجئے
اور ہمارے قدم جما دینا، اگر ہماری مڈبھیر ہو جائے — ہم کو جب جہاد کیلئے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں
اور بلند آواز سے (ایک دوسرے سے) ہمارے خلاف انہوں نے مدد طلب کی ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ حدی خواں کون ہے؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا کہ عامر بن اکوع ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے، تو جماعت میں سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب یہ جنت یا شہادت کا مستحق ہو گئے ہیں، آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منتفع ہونے دیا ہوتا، پھر ہم خیبر پہنچ گئے تو ہم نے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا، حتی کہ ہمیں سخت بھوک لگی، پھر اللہ تعالیٰ نے خیبر میں مسلمانوں کو فتح عطاء فرمائی، فتح کے دن مسلمانوں نے شام کو خوب آگ سلگائی، تو نبی ﷺ نے فرمایا، یہ کیسی آگ ہے؟ اور تم لوگ اس پر کیا چیز پکا رہے ہو؟ عرض کیا گیا کہ گوشت، دریافت فرمایا کس کا گوشت؟ عرض کیا پالتو گدھوں کا گوشت، آپ ﷺ نے فرمایا پھینک دو، اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم (گوشت) پھینک کر ہانڈی دھو ڈالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، یا ایسا کر لو۔ جب قوم کی صف بندی ہوئی (اور لڑائی شروع ہوئی تو چونکہ) عامر ﷺ کی تلوار چھوٹی تھی، انہوں نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار ماری لیکن اس کی دھار پلٹ کر ان کے گھٹنے کی

چکتی میں لگی، اور اسی سے ان کی وفات ہوگئی، حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ کہتے ہیں کہ جب واپسی ہوئی تو نبی ﷺ نے جو میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے مجھے کچھ مغموم دیکھ کر، فرمایا تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ عامر بن اکوع کے عمل اکارت گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ایسا کہتا ہے وہ جھوٹا ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر فرمایا کہ اسے دوگنا اجر ملے گا، اور یہ کہ وہ کوشش کرنے والا مجاہد تھا، بہت کم مدینہ میں چلنے والے عربی اس جیسے ہیں، قتیبہ نے بواسطہ حاتم یہ الفاظ روایت کئے ہیں **نشابها**۔

تشریح

حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جب خیبر کی طرف جنگ کرنے کیلئے نکلے، ہم نے ایک رات سفر کیا، **"فقال رجل من القوم الخ"** تو لوگوں میں سے ایک شخص نے عامر سے کہا، عامر سلمہ بن اکوع کے بھائی تھے، اور یہ شاعر آدمی تھے سفر میں رات کو جا رہے تھے، تو کسی نے ان سے کہا کہ کیا آپ ہمیں اپنے اشعار میں سے کچھ نہیں سناتے؟ چنانچہ حضرت عامر بن اکوع ﷺ اپنی سواری سے نیچے اترے اور انہوں نے حدی پڑھنی شروع کی جس سے اونٹ تیز چلتا ہے۔

عرب میں شاعری کا آغاز

عرب میں شاعری کا آغاز حدی سے ہوا۔ اس کا آغاز یوں ہوا کہ مضر بن نزار اونٹ پر جا رہا تھا کہ وہ اونٹ سے گرا اور ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اونٹ میں چونکہ دھکے لگتے ہیں تو اس کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی اس کو بہت تکلیف ہوئی تو جب اونٹ کا دھکا لگتا تو وہ کہتا، **"وایداہ"** پھر لگتا تو کہتا **"ھایداہ، وایداہ"** وہ یہ کہتا جا رہا تھا تو اونٹ اور تیز بھاگ پڑا۔

لوگوں نے یہ سمجھا کہ اونٹ کے سامنے اگر کلام موزون پڑھا جائے تو یہ خوش ہوتے ہیں اور تیز بھاگتے ہیں، اس واسطے لوگوں نے حدی بنانی شروع کر دی، عربوں کی سب سے پہلی شاعری حدی سے شروع ہوئی۔ [٢٤]

---

[٢٤] قوله: ((یحدو بالقوم))، من الحدود، وهو سوق الابل والغناء لها، یقال: حدوت الابل حدواً وحداء، ویقال للشمال: حدواء لأنها تحدو السحاب، والابل تحب الحداء، ولایکون الحداء الا شعرا او رجزاً. واول من سن حداء الابل مضر بن نزار لما سقط عن بعیره فکسرت یده فبقی یقول: وایداه وایداه. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۲۳۶

حضرت عامر بن اکوع ﷺ بھی حدی پڑھنی شروع کی اور یہ اشعار پڑھنے لگے کہ:

اللّٰھم لو لا أنت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اے اللہ! اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ کوئی صدقہ ادا کرتے، نہ کوئی نماز پڑھتے

فاغفر فداء لک ما اتقینا والقین سکینة علینا

بخش دیجئے جو گناہ ہم نے کئے ہیں ہم آپ پر فداء ہوں اور آپ ہم پر سکینت اور اطمینان ڈال دیجئے

اشکال اور جواب

"فداء لک" عام طور سے اللہ تعالیٰ سے نہیں کہا جاتا کہ اے اللہ ہم آپ پر فدا ہوں کیونکہ آدمی اس چیز پر فدا ہوتا ہے کہ جس کی ہلاکت کا تصور ہو کہ آپ بچ جائیں اور میں آپ کی جگہ قربان ہو جاؤں، فدا ہونے کا مطلب ہوتا ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ سے تو ہلاکت کا تصور ہے ہی نہیں، لہٰذا وہاں پر تفدیہ بھی نہیں اس لئے جواب یہ ہے کہ لیکن یہاں تفدیہ سے مراد تفدیہ معروفہ نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہم اللہ کے حکم پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔ [۵]

وثبت الأقدام إن لاقینا إنا إذا صیح بنا أتینا

اور ہمارے قدم جما دینا، اگر ہماری مڈبھیڑ ہو جائے ہم کو جب جہاد کیلئے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں

یعنی جب کوئی مصیبت زدہ آدمی اپنی مصیبت کو دور کرنے کے لئے ہم کو پکارتا ہے تو ہم اس کی مدد کو آجاتے ہیں اور بعض نسخوں میں **"أتینا"** کے بجائے **"أبینا"** آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم کو اگر ناحق کام کی طرف بلایا جائے تو پھر ہم انکار کر دیتے ہیں۔

وبالصیاح عولوا علینا

اس کی دو مختلف تشریح بھی ہو سکتی ہے:

ایک: اگر پہلا مصرعہ یوں پڑھیں کہ جب ہم سے فریاد کی جاتی ہے تو ہم آجاتے ہیں تو اس مصرعہ کے معنی یہ ہوں گے:

فریاد کرنے کے ذریعہ انہوں نے ہم پر بھروسہ کیا

---

[۵] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۳۶

"عولوا علینا" کے معنی ہے اس پر بھروسہ کیا۔ تو جو لوگ ہم سے فریاد کر کے ہم کو پکارتے ہیں وہ فریاد کے ذریعہ ہم پر بھروسہ کرتے ہیں کہ اگر ہم فریاد کریں گے تو ضرور یہ مدد کو پہنچ جائیں گے۔

دوسرا: معنی یہ ہے کہ **"عولوا علینا عول یعول تعویلا"** کے معنی قصد کرنے کے بھی آتے ہیں تو اگر ہم پہلے مصرعہ یوں پڑھیں **"ان اذا صحینا بنا ابینا"** یعنی اگر ہمیں ناحق کی طرف پکارا جائے تو ہم انکار کر دیتے ہیں تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے:

پکارنے کے ذریعہ وہ ہمارا قصد کرتے ہیں

یعنی ہمارے دشمن ایسے ناحق پکار کا جواب دے کر ہمارا قصد کرتے ہیں۔

لیکن پہلے معنی زیادہ واضح ہے اور وہ زیادہ قریب ہے کہ جب ہم کو پکارا جاتا ہے، ہم سے فریاد کی جاتی ہے تو ہم آجاتے ہیں اور پکار کے ذریعہ ہی پکارنے والے ہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ [۲]

"فقال رسول اللہ ﷺ الخ" جب آپ ﷺ نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار سنے تو پوچھا کہ یہ کون ہے، جو ایسے اشعار پڑھ پڑھ کے اونٹنیوں کو چڑا رہا ہے؟

"قالوا عامر الاکوع" تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جوب دیا یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، **"قال: یرحمہ اللہ"** پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس پر رحم فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شہادت کی بشارت

جب نبی کریم ﷺ کسی شخص کے بارے میں جہاد کو جاتے ہوئے یہ فقرہ **"یرحم اللہ"** ارشاد فرماتے تھے تو یہ عام طور پر اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ صاحب جہاد میں شہید ہو جائیں گے۔

"فقال رجل من القوم الخ" جب آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا، دوسری روایت میں آتا ہے کہ یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، یارسول اللہ! ان کے لئے جنت واجب ہوگئی کہ آپ ﷺ نے شہادت دے دی کہ یہ اس غزوہ میں شہید ہونے والے ہیں۔

"لو امتعتنا بہ" کیوں نہ آپ نے ان کے ذریعے مزید ہم کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہوتا، یعنی ابھی اتنی جلدی شہید نہ ہوتے بلکہ اس سے اور کچھ فائدہ اٹھاتے۔

"فاتینا خیبر الخ" اس کے بعد ہم خیبر پہنچے، اور خیبر کے قلعوں میں موجود یہودیوں کا محاصرہ کیا۔

---

[۲] عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۳۳۷، وفتح الباری، ج:۷، ص:۶۶

"حتی اصابتنا الخ" یہاں تک کہ ہمیں بہت سخت بھوک لگنے لگی، **"ثم إن اللہ تعالٰی فتحھا الخ"** پھر اللہ تعالٰی نے خیبر میں مسلمانوں کو فتح نوازا۔

"فلما أمسی الناس الخ" جس دن خیبر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور شام کا وقت ہوا تو لشکر کے لوگوں نے کھانا پکانے کی غرض سے بہت ساری آگ جلائی اور ان پر دیگیں چڑھائی گئیں۔

"فقال النبی ﷺ ماھذہ النیران الخ" یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آگ ہے اور کس لئے جلا رہے ہیں، **"قالوا علی لحم الخ"** تو لوگوں نے نے بتایا کہ گوشت پکایا جا رہا ہے پھر آنحضرت نے دریافت کیا کہ کس چیز کا گوشت بنا رہے ہو؟ بتایا گیا کہ پالتو گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔

"قال النبی ﷺ: اھریقوا ھا واکسروھا الخ" آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب دیگیں بہادو اور یہ سب دیگیں توڑ دو یعنی دیگوں میں جو گدھوں کا گوشت پکایا جا رہا ہے اس کو ضائع کردو اور ان دیگوں کو بھی توڑ ڈالو، **"فقال رجل یارسول اللہ: او نھریقوھا الخ"** ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! گر ہم اس سالن کو بہادیں اور دیگوں کو دھودیں یعنی ان دیگوں کو توڑنے کے بجائیں دھودیں تا کہ وہ پاک ہو جائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے ایسا ہی کرو۔

"فلما تصاف القوم الخ" جب لوگوں نے صف بندی کی تو حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی تلوار ذرا چھوٹی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کے پنڈلی پر اس تلوار کے ذریعہ حملہ کیا تا کہ اس یہودی کو ماریں تو ان کی تلوار کی وہ لوٹ آئی۔

"فاصاب عین رکبۃ الخ" لوٹ کر آنے والی تلوار حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے اپنے گھٹنے پر لگی جس سے وہ زخمی ہو گئے یعنی وہ تلوار حملے کے وقت اچک گئی اور اچک کر اس کا اگلا حصہ واپس آیا اور ان کے گھٹنے پر جا کر لگ گیا، **"فمات منہ الخ"** اسی زخم کے نتیجے میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے یہودی سردار مرحب سے لڑتے ہوئے یہ واقعہ پیش آیا پہلے مرحب سے ان ہی کا مقابلہ ہوا تھا اور پھر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

"قال: فلما قفلوا الخ" حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ غزوۂ خیبر سے واپس مدینہ واپس آنے لگے، **"رآنی رسول اللہ ﷺ الخ"** حضورِ اکرم ﷺ نے مجھے مغموم دیکھا، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پکڑا ہوا تھا، **"قال: مالک؟"** پوچھنے لگے کیا بات ہے کیوں مغموم ہو؟

"قلت لہ فداک ابی وامی الخ" میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، لوگ یہ کہہ رہے ہیں دعوی کر رہے ہیں کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کا عمل خبط ہو گیا یعنی لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ عامر سے خودکشی ہوئی۔

"قال النبی ﷺ: کذب من قالہ" آپ ﷺ نے فرمایا جو یہ کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

"وانا له اجرين ۔ وجمع بين اصبعيه" اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر فرمایا کہ اسے دوگنا اجر ملے گا، **"انه لجاهد فجاهد الخ"** اور یہ کہ وہ کوشش کرنے والا مجاہد تھا یعنی وہ جہاد کرنے والے تھے۔ **"قلّ عربی مشی / نشأ بها مثله"** کہ کوئی عربی صفات و کمال میں ان کے برابر و مشابہ نہیں ہے یا یہ معنی ہوگا کہ کوئی عربی ایسا نہیں ہے جو ان کی طرح زمین پہ چلا ہو، دونوں معنی ہو سکتے ہیں، یہ ان کی بڑی تعریف کی۔

یعنی عبارت اصل میں اس طرح ہے **"قل عربیه مشی بها مثله ای مثل هذا الرجل"**۔

اور تیسری روایت حافظ ابن اسمٰعیل سے مروی ہے **"نشأ بها"** کہا۔

"قل عربیه نشأ بهامثله" کوئی عربی زمین کے اوپر کم ہی ہے جس نے زمین کے اوپر یا مدینہ میں عامر بن اکوع ﷺ کی طرح نشو ونما پائی ہو۔

۴۱۹۷ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن حميد الطويل، عن أنس ﷺ: أن رسول الله ﷺ أتى خيبر ليلا وكان إذا أتى قوما بليل لم يغر بهم حتى يصبح. فلما أصبح خرجت اليهود بمساحيهم ومكاتلهم. فلما رأوه قالوا: محمد والله، محمد والخميس. فقال النبي ﷺ: ((خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين)). [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت خیبر پہنچے اور آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ رات کو پہنچتے تو ان پر صبح تک حملہ نہیں کرتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے کلہاڑے اور زنبیلیں (کھیتی باڑی کا سامان) لیکر نکلے، جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگے، یہ تو محمد ہیں اور اللہ کی قسم محمد بمع لشکر کے موجود ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، خیبر برباد ہوگیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑیں تو ان ڈرائے ہوؤں کی صبح بُری ہوتی ہے۔

تشریح

اس روایت میں حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت خیبر میں تشریف لائے، **"وکان اذا لیلا الخ"** جب کسی قوم کے پاس آپ ﷺ رات کو آتے تو آپ ان کے قریب نہیں جاتے تھے جب تک کہ صبح نہ ہو جائے یعنی رات کے وقت کسی پر حملہ نہیں کرتے تھے۔

"فلما اصبح خرجت الخ" تو جب صبح کا وقت ہوا تو یہودی نکلے اپنے پھاوڑے اور ٹوکریاں لیکر چونکہ خیبر کے لوگ کھیتی باڑی کرنے والے لوگ تھے اس واسطے کھیتی باڑی کی چیزیں لے کر نکلے، **"فلما راوه

قالوا: الخ" جب انہوں نے نکل کر حضور ﷺ کو اور مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محمد آ گئے ہیں اور اللہ کی قسم محمد بڑے لشکر لے کر آئے ہیں۔

خیبر کی فتح کی پیشنگوئی

"**فقال النبی ﷺ: خربت خیبر**" تو نبی کریم ﷺ نے خیبر کے لفظ سے تفاءل فرمایا کہ خیبر برباد ہوگیا یعنی اب یہ ہمارے مقابلہ پر ٹک نہیں سکیں گے، "**انا اذا نزلنا الخ**" جب ہم کسی قوم کے میدان پر جا کر اترتے ہیں تو جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کی صبح ہو رہی ہوتی ہے یعنی بالآخر ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں جگہ جگہ لائے ہیں۔

۴۱۹۸ ۔ أخبرنا صدقة بن الفضل: أخبرنا ابن عيينة: حدثنا أيوب، عن محمد ابن سيرين، عن أنس بن مالک ﷺ قال: صبحنا خيبر بكرة فخرج أهلها بالمساحي فلما بصروا بالنبي ﷺ قالوا: محمد والله، محمد والخميس، فقال النبي ﷺ: ((الله أكبر، خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين)). فأصبنا من لحوم الحمر. فنادى منادي النبي ﷺ: إن الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر فإنها رجس.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ خیبر میں صبح سویرے موجود تھے کہ اہل خیبر اپنے کلہاڑے لیکر نکلے، جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے یہ تو محمد ہیں، بخدا محمد مع لشکر کے موجود ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر، خیبر برباد ہوگیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بُری ہوتی ہے۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ ہمیں گدھوں کا گوشت ملا، تو آنحضرت ﷺ کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہیں گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔

۴۱۹۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن عبدالوهاب: حدثنا عبدالوهاب: حدثنا أيوب، عن محمد، عن أنس بن مالک ﷺ: أن رسول الله ﷺ جاءه جاء فقال: أكلت الحمر، فسكت. ثم أتاه الثانية فقال: أكلت الحمر، فسكت. ثم أتاه الثالثة فقال: أفنيت الحمر. فأمر مناديا فنادى في الناس: إن الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر الأهلية، فأكفئت القدور وإنها لتفور باللحم. [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! گدھے کھالئے گئے، آپ ﷺ خاموش رہے، پھر اس نے آکر دوبارہ عرض کیا کہ گدھے کھالئے گئے، آپ ﷺ نے جواب نہ دیا، پھر اس نے تیسری مرتبہ آکر عرض کیا کہ (اب تو) گدھے ختم ہوگئے تو آپ ﷺ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے لوگوں میں یہ اعلان کیا کہ اللہ اور اس کا رسول! تمہیں پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، تو ہانڈیاں اُلٹ دی گئیں، حالانکہ ان میں گوشت خوب پک رہا تھا۔

گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت

حضرت انس بن مالک ﷜ کی اس روایت میں آیا ہے کہ آپ کو گدھوں کے گوشت کے کھانے کے متعلق بتایا گیا، **"فقال: اکلت الحمر، فسکت الخ"** یہاں تین مرتبہ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی، پہلے دو مرتبہ میں آپ ﷺ خاموش رہے، تیسری مرتبہ میں منادی کو اعلان کا حکم فرمایا۔

"ان اللہ و رسولہ الخ" اللہ اور اس کا رسول! تمہیں پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس وقت تک حرمت کا حکم نہیں آیا تھا اور وحی بعد میں نازل ہوئی اس کی بنا پر آپ ﷺ نے پہلی دو مرتبہ سکوت فرمایا اور تیسری مرتبہ وحی آنے کے بعد منادی کے ذریعے اعلان فرمایا۔

حمر یعنی گدھے کی دو قسمیں ہیں:

ایک **"حمر الاھلیہ أو انسیہ"** یعنی پالتو گدھا۔

دوسرا **"حمر الوحشی"** یعنی جنگلی گدھا۔

پالتو گدھے کا گوشت بالاتفاق جمہور صحابہ کرام ﷜ اور فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک حرام ہے، جبکہ حمر وحشیہ یعنی جنگلی گدھے کا گوشت بالاتفاق جائز ہے۔

پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت کے بارے میں مختلف علتیں بیان کی گئی ہیں۔

کسی نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ باربرداری کا جانور ہے، اگر اس کا گوشت کھانا شروع کر دیا جائے گا تو سواری اور باربرداری کے کام میں مشکل پیش آئے گی، کسی نے کہا کہ وہ گندگی کھاتا ہے اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا لیکن اصل علت وہی ہے جو پچھلی حدیث میں بیان کی گئی ہے **"فانها رجس"** کہ یہ نجس ہے، اس وجہ سے حرام ہے۔ [۷]

---

[۷] فان لحوم الحمر ((رجس)) ای: قذر ونتن، وقيل: الرجس العذاب، فيحتمل أن يريد: أنها تؤيد الى العذاب، والنهی عن لحوم الحمر الأهلية للتحريم عند الجمهور، عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۴۰

۴۲۰۰ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن ثابت، عن أنس ﷺ قال: صلى النبي ﷺ الصبح قريبا من خيبر بغلس ثم قال: ((الله أكبر خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين)). فخرجوا يسعون في السكك. فقتل النبي ﷺ المقاتلة وسبى الذرية، وكان في السبي صفية فصارت إلى دحية الكلبي ثم صارت إلى النبي ﷺ فجعل عتقها صداقها. فقال عبدالعزيز بن صهيب لثابت: يا أبا محمد، أنت قلت لأنس: ما أصدقها؟ فحرك ثابت رأسه تصديقا له. [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے قریب اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھی، پھر فرمایا اللہ اکبر! خیبر برباد ہوگیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بُری ہوتی ہے۔ اہل خیبر نکل کر گلی کوچوں میں بھاگنے لگے، آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کرنے والوں کو تو قتل کردیا، اور بچوں اور عورتوں کو قید کرلیا، قیدیوں میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں (پہلے) وہ حضرت دحیہ کلبی ﷺ کے حصہ میں آئیں تھیں، پھر آنحضرت ﷺ کے حصہ میں چلی گئیں، آپ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر، ان کی آزادی کو مقرر فرمایا۔

عبدالعزیز بن صہیب نے ثابت سے کہا کہ اے ابومحمد! کیا تم نے انس سے کہا تھا کہ آنحضور ﷺ نے ان کا کیا مہر مقرر فرمایا تھا، تو انہوں نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اپنا سر ہلا دیا۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا واقعہ

اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لڑنے والوں کو قتل کیا، عورتوں، بچوں کو قیدی بنایا۔

ان قیدیوں میں ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھیں، ان کا باپ یہود کا سردار تھا اور شروع میں یہ سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں اور بعد میں کنانہ بن ربیع کے نکاح میں تھیں، جب نبی کریم ﷺ خیبر پر حملہ آور ہوئے تو اس وقت بھی کنانہ بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔ [۸]

---

[۸] صفية هي بنت حيي بن أخطب بن سعية، من ذرية هارون بن عمران عليه السلام، وأمها برة بنت شموال من بني قريظة، وكانت تحت سلام بن مشكم القرظي ثم فارقها فتزوجها كنانة بن الربيع بن أبي الحقيق النضري. فتح الباري، ج:۷، ص:۴۶۹

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے حملہ سے ذرا پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ چاند آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آ گیا اور یہ جنوب کی طرف سے آیا تھا تو صبح کو نیند سے اٹھ کر انہوں نے اس خواب کا اپنے شوہر کنانہ بن ربیع سے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں ایسا دیکھا ہے تو کنانہ بن ربیع نے ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ تو مدینہ کے بادشاہ کی بیوی بننے کا خواب دیکھ رہی ہے۔

خواب کا یہ واقعہ پیش آ چکا تھا اس کے بعد رسول کریم ﷺ خیبر پر حملہ آور ہوئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا گرفتار ہوئیں۔ [۹]

جب خیبر میں مسلمانوں کو فتح ملی تو اسی دوران حضرت دحیہ کلبی ؓ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر عرض کیا کہ مجھے کوئی کنیز عطاء فرما دیجئے آپ ﷺ نے کہا کہ جا کر لے لو چنانچہ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا۔ چونکہ یہ سردار کی بیٹی تھیں، سردار کی بیوی تھیں اور وہ سردار کنانہ بن ربیع اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ سردار کی بیٹی اس کے پاس جائے یہ آپ ہی کے پاس ہونی چاہئے اور اس واسطے بھی کہ یہ اگر آپ کے پاس ہوگی تو کسی کو بھی اعتراض نہ ہوگا اور اگر کسی اور کے پاس گئی تو ترجیح بلا مرجح کا اعتراض لازم آئے گا اس واسطے آپ ہی کے مناسب ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی ؓ سے فرمایا کہ ان کے بدلہ میں کوئی دوسری جاریہ لے لو انہی کی ایک چچا زاد بہن تھی وہ دحیہ کلبی کو دی گئی لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان کو اس پر اطمینان نہ ہوا تو پھر آپ ﷺ نے پھر چند اور کنیزیں بھی ان کو دی اور حضرت صفیہ حضور ﷺ کے حصہ میں آئیں۔ [۱۰]

حضرت صفیہ کا اصل نام زینب ہے، ان کو صفی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ صفی اس حصہ کو کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے کوئی چیز حضور ﷺ کے لئے خاص کر دی جائے، تو ان کو صفیہ اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ بطور حصہ حضور ﷺ کے پاس آئی تھیں۔ [۱۱]

---

[۹] سیرۃ ابن ھشام، ج:۲، ص:۳۳۶

[۱۰] فتح الباری، ج:۷، ص:۴۷۰۔۴۶۹

[۱۱] كان للنبي ﷺ اذا غزا كان له سهم صاف يأخذه من حيث شاء، وكانت صفية من ذلك السهم، وقيل ان صفية كان اسمها قبل ان تسبى زينب، فلما صارت من الصفي سميت صفية. فتح الباری، ج:۷، ص:۴۸۰

جب حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی ملکیت میں آ گئی تو مسند احمد بن حنبل کی روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے پیشکش کی کہ اگر تم چاہو تو تمہیں آزاد کر کے تمہارے گھر والوں کے پاس بھیج دوں اور اگر تم چاہو تو پھر میں تم سے نکاح کرلوں تو انہوں نے دوسری صورت یعنی رسول کریم ﷺ سے نکاح کرنے کو ترجیح دی، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔

"فجعل عتقها صداقها الخ" تو آپ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کی آزادی کو مقرر فرمایا۔ [۱۲]

آزادی بطور مہر

اسی واقعہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ استدلال فرماتے ہیں کہ مال ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ آزادی کو بھی مہر بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن حنفیہ کی طرف سے اس کے دو جواب دئے گئے ہیں:

ایک یہ رسول کریم ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آزادی کو مہر بنالیا۔

دوسرا یہ کہ **"وجعل عتقها صداقها"** آپ ﷺ نے ان کو آزاد کیا **"عتق علی مال"** پھر اس مال کو ان کو مہر بنا دیا۔ تو یہ آزادی کو مہر نہیں بنایا بلکہ آزادی جس مال پر ہوئی تھا اس مال کو مہر بنایا۔ [۱۳]

"فقال عبدالعزیز الخ" عبدالعزیز اس حدیث کو ثابت سے روایت کررہے ہیں تو انہوں نے ثابت سے کہا **"یاأبامحمد، أأنت قلت لأنس الخ"** یعنی آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کیا مہر دیا تھا یعنی یہ سوال کیا تھا کہ جس کے جواب میں کہا؟

"فحرک ثابت رأسه الخ" تو ثابت رحمہ اللہ نے سر ہلا کر اس بات کی تصدیق کی کہ ہاں میں نے پوچھا تھا کہ حضور ﷺ نے کیا مہر دیا تھا تو اسکے جواب میں انہوں نے کہا۔

۴۲۰۱ ۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن عبد العزيز بن صهيب قال: سمعت أنس ابن مالك رضي الله عنه يقول: سبى النبي ﷺ صفية فأعتقها وتزوجها، فقال ثابت لأنس: ما أصدقها؟ قال: أصدقها نفسها فأعتقها. [راجع: ۳۷۱]

---

[۱۲] واصطفىٰ رسول الله صفية بنت حيي، فاتخذها لنفسه، وخيرها ان يعتقها وتكون زوجته، أو تلحق بأهلها، فاختارت ان يعتقها وتكون زوجته ......الىٰ آخره، رقم: ۱۲۴۳۶، مسند أحمد بن جنبل

[۱۳] عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۳۳-۱۳۲

ترجمہ: عبدالعزیز بن صہیب کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک ﷺ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے صفیہ کو قیدی بنایا پھر ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا، تو ثابت نے حضرت انس ﷺ سے دریافت کیا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ خود ان کو ہی ان کا مہر مقرر فرمایا پھر ان کو آزاد کر دیا۔

۴۲۰۲ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا عبد الواحد، عن عاصم، عن أبي عثمان، عن أبي موسى الاشعري قال: لما غزا رسول الله ﷺ خيبر أو قال: لما توجه رسول الله ﷺ أشرف الناس على واد فرفعوا أصواتهم بالتكبير: الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، فقال رسول الله ﷺ: ((اربعوا على أنفسكم إنكم لا تدعون أصم ولا غائبا. إنكم تدعون سميعا قريبا وهو معكم))، وأنا خلف دابة رسول الله ﷺ فسمعني وأنا أقول: لا حول ولا قوة إلا بالله، فقال لي: ((يا عبد الله بن قيس))، قلت: لبيك رسول الله، قال: ((ألا أدلك على كلمة من كنوز الجنة؟)) قلت: بلى يا رسول الله فداك أبي وأمي. قال: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)). [راجع: ۲۹۹۲]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا یا یہ فرمایا کہ جب آپ ﷺ خیبر کی طرف چلے تو لوگ ایک وادی پر پہنچ کر بلند آواز سے تکبیر پڑھنے لگے **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لاالٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر** آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ پر نرمی کرو (یعنی زور سے نہ چیخو) کیونکہ تم کسی بہرے یا غیر موجود ذات کو نہیں پکار رہے ہو، تم جسے پکار رہے ہو وہ سب سے زیادہ سننے والا ہے اور وہ تمہارے قریب ہے۔ اور میں آنحضرت ﷺ کی سواری کے پیچھے تھا تو آپ ﷺ نے مجھے **لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ** کہتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس! میں نے عرض کیا لبیک اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! ضرور بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ کلمہ **لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ** ہے۔

آہستہ آواز سے ذکر کی تلقین

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے خیبر کی جنگ لڑی یا یہ کہا کہ جب آپ ﷺ روانہ ہوئے۔

اس کے ظاہر سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ خیبر کو جانے کے وقت کا واقعہ ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابوموسیٰ اشعری ﷺ اس وقت ساتھ نہیں تھے بلکہ یہ واپسی کا واقعہ ہے۔

"فلما اشرف الناس الخ" لوگ ایک وادی کے پاس پہنچے تو زور زور سے تکبیریں کہنے لگے، **"اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ إلا اللہ"** تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آپ پر نرمی کرو یعنی آہستہ آواز سے پڑھو، **"الکم تدعو الخ"** تم کسی ایسی ذات کو نہیں پکار رہے ہو جو بہری ہو اور غائب ہو، **"الکم تدعون الخ"** تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو قریب دیکھے سننے والی ہے اور آپ کے ساتھ ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ ذکر میں جہر مفرط ٹھیک نہیں ہے۔ تھوڑا بہت جہر ہو تو جائز ہے اور ٹھیک ہے، اگرچہ افضل اس میں بھی خفی ذکر ہے، لیکن جہر مفرط جائز نہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ﴾ [۱۴]

ترجمہ: اور اپنے رَبّ کا صبح وشام ذکر کیا کرو، اپنے دِل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر! اور اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ [۱۵]

"وانا خلف دابۃ رسول الخ" تو ابو موسی اشعری ﷺ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی سواری کے پیچھے تھا تو آپ ﷺ نے مجھے سنا کہ میں **لا حول ولا قوۃ إلا باللہ** پڑھ رہا تھا۔

'فقال یا عبداللہ الخ" آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عبداللہ بن قیس! یہ حضرت ابو موسی اشعری ﷺ کا نام ہے، تو میں نے کہا کہ میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! یعنی میں آپ کا حکم سننے کیلئے حاضر ہوں۔

" قال الا ادلک علی کلمۃ الخ" رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟

---

[۱۴] [الاعراف: ۲۰۵]

[۱۵] [ذکر اللہ کی اصل روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہے دل سے اُس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں رقت ہونی چاہئے، بچی رغبت ورہبت سے خدا کو پکارے جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پُکارتا ہے۔ ذاکر کے لہجے میں، آواز میں اور ہیئت میں تضرع وخوف کا رنگ محسوس ہونا چاہئے۔ ذکر و مذکور کی عظمت وجلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے۔ ﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾ اسی لئے زیادہ چلّانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سِراً یا جہراً خدا کا ذکر کرے تو خدا اس کا ذکر کریگا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہوسکتی ہے۔ فائدہ نمبر: ۳۔ (الاعراف: ۲۰۵، تفسیر عثمانی)]

"قلت: بلى يا رسول الله الخ" میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! مجھے ضرور وہ کلمہ بتائیے جو جنت کے خزانوں میں سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ کلمہ **لاحول ولا قوة الا بالله** ہے۔

۴۲۰۳ ۔ حدثنا قتيبة: حدثنا يعقوب، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد الساعدى ﷺ: أن رسول الله ﷺ التقى هو والمشركون فاقتتلوا، فلما مال رسول الله ﷺ إلى عسكره ومال الآخرون إلى عسكرهم وفي أصحاب رسول الله ﷺ رجل لا يدع لهم شاذة ولا فاذة إلا اتبعها يضربها بسيفه، فقال: ماأجزأ منا اليوم أحد كما أجزأ فلان فقال رسول الله ﷺ: ((أما إنه من أهل النار))، فقال رجل من القوم: أنا صاحبه، قال: فخرج معه كلما وقف وقف معه وإذا أسرع أسرع معه، قال: فجرح الرجل جرحا شديدا فاستعجل الموت فوضع سيفه بالأرض وذبابه بين ثدييه ثم تحامل على سيفه فقتل نفسه، فخرج الرجل إلى رسول الله ﷺ فقال: أشهد أنك رسول الله، قال: ((وماذاك؟)) قال: الرجل الذى ذكرت آنفاأنه من أهل النار، فأعظم الناس ذلك، فقلت: أنا لكم به، فخرجت في طلبه ثم جرح جرحا شديدا فاستعجل الموت فوضع نصل سيفه في الأرض وذبابه بين ثدييه ثم تحامل عليه فقتل نفسه، فقال رسول الله ﷺ عند ذلك: ((إن الرجل ليعمل عمل أهل الجنة فيما يبدو للناس وهو من أهل النار، وإن الرجل ليعمل عمل أهل النار فيما يبدو للناس وهو من أهل الجنة)). [راجع: ۲۸۹۸]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین صف آرا ہوکر خوب لڑے، پھر رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگ اپنے اپنے لشکروں کی طرف واپس آئے، اور اصحاب نبی ﷺ کے لشکر میں ایک ایسا بھی آدمی تھا جو کسی اکیلے یہودی کو بغیر تلوار سے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا تھا، مسلمانوں میں سے کسی نے کہا کہ ہماری طرف سے جتنا کام آج فلاں شخص نے کیا، کسی نے نہیں کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سن لو کہ وہ جہنمی ہے، تو قوم میں سے کسی نے کہا کہ میں اب اسکے ساتھ رہوں گا، چنانچہ وہ اس کے پیچھے ہوگیا کہ جب وہ ٹھہرتا تو یہ بھی ٹھہر جاتا، اور جب وہ تیزی سے چلتا تو یہ بھی چلنے لگتا، وہ کہتا ہے کہ پھر اس شخص کے ایک سخت زخم لگا جس کی وجہ اس نے جلدی سے مرنا چاہا تو اس نے اپنی تلوار زمین پر ٹیک کر اس کی نوک اپنے سینے کے درمیان رکھی، پھر اس پر اپنا بوجھ ڈال کر جھول گیا اور خودکشی کر لی، تو یہ آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا ابھی آپ نے جو ایک شخص کے دوزخی ہونے کے متعلق فرمایا تھا تو لوگوں کو یہ چیز دشوار سی معلوم ہوئی، تو میں نے کہا اس کی حقیقت معلوم کرنے

کا ذمہ دار میں ہوں، چنانچہ میں اس کی تلاش میں چلا، پھر وہ سخت زخمی ہوا، جلدی مرنے کے لئے اپنی تلوار کو زمین پر ٹیک کر اس کی نوک اپنے سینہ کے درمیان رکھ لی، پھر اس پر اپنا بوجھ ڈال کر خودکشی کر لی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان لوگوں کی نظر میں جنتیوں جیسے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخیوں میں سے ہوتا ہے اور کوئی شخص لوگوں کی نظر میں اہل دوزخ جیسے عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔

عمل بالخاتمہ کا اعتبار

حضرت سہل بن سعد ؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اور مشرکین یعنی یہودیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ جو واقعہ آگے بیان کیا جا رہا ہے یہ غزوۂ خیبر کا ہے یا کسی اور غزوہ کا لیکن اسی واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ اگلی روایت میں آ رہا ہے اس میں صراحت ہے کہ یہ خیبر کا واقعہ ہے۔

بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو یہاں پر اس لئے لائے ہیں کہ ان کے خیال میں اگلی روایت میں جو واقعہ آ رہا ہے وہ اور یہ ایک ہی ہیں اور چونکہ دوسری روایت میں خیبر کا ذکر ہے تو اس لئے اس کو بھی غزوۂ خیبر کا واقعہ قرار دیدیا۔

شارح صحیح بخاری علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ اس بات پر بہت ناراض ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ سمجھنا بہت غلط ہے کیونکہ دونوں واقعے بالکل جدا ہیں اور دونوں کو ایک ہی غزوہ کا یا ایک ہی آدمی کا واقعہ قرار دینا مشکل ہے، لہٰذا امام بخاری جو روایت یہاں پر لائے ہیں یہ روایت بالکل بے مناسب لائے ہیں، کیونکہ یہ واقعہ اگلی روایت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ الگ ہے۔ [۲۱]

"فلما مال رسول اللہ ﷺ الخ" پھر رسول اللہ ﷺ اور کفار اپنے اپنے لشکروں کی طرف واپس آئے یعنی لڑائی میں وقفہ ہوا تو دونوں لشکروں کے لوگ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے اور رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی ایسا بھی تھا جو کسی تنہا یا الگ تھلگ آدمی کو نہیں چھوڑتا تھا مگر اس کے پیچھے لگ جاتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑ رہا تھا اگر کوئی آدمی الگ تھلگ بھی ہوا اور تنہا بھی ہو تو اس کو بھی نہیں چھوڑتا تھا اس کے پیچھے لگ جاتا تھا اور یہاں تک کہ اس کو مار کے چھوڑ دیتا تھا۔

---

[۲۱] لا وجه لذكر هذا الحديث هنا لأنه ليس فيه تعلق ما بغزوة خيبر ظاهراً، وقد تعسف بعضهم، فقال: يتحد هذا الحديث بحديث أبي هريرة الذي يليه في القصة، وصرح في حديث أبي هريرة أن ذلك كان بخيبر، فبينهما بون بعيد في ألفاظ المتن، يعرف ذلك من يقف عليهما. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۴۲

"شاذة ولا فاذة ــ شاذة" اصل میں کہتے ہیں بکری کے غلے میں سے بکری کہیں الگ ہٹ جائیں۔اور **"فاذة"** کے معنی وہی ہے منفرد۔

"فقال ما اجزاء منا الخ" تو کسی نے کہا"**قال**" کا فاعل یہاں پر مذکور نہیں ہے، مراد ہے کہ صحابہ ﷺ میں سے کسی نے کہا کہ ہم سے آج کے دن کوئی بھی کافی نہ ہوا جیسے کہ فلاں شخص کافی ہوا، یعنی جس طرح کی بہترین لڑائی کا اس نے مظاہرہ کیا ایسا اور کسی نے آج کے دن نہیں کیا۔

"فقال رسول اللہ ﷺ:أما انه الخ" آپ ﷺ نے فرمایا کہ سن لو کہ یہ آدمی اہل جہنم میں سے ہے۔

"فقال رجل من القوم أنا صاحبه الخ" تو مسلمانوں کے لشکر میں سے کسی نے کہا کہ اب میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ساتھ رہنے کا کیا مطلب؟

مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ اتنی بے جگری سے لڑ رہا ہے، جہاد کر رہا ہے، تو یہ اہل جنت میں سے ہونا چاہیے تھا لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کو جہنمیوں میں سے قرار دیا تو اب مجھے دیکھنا ہوگا کہ یہ ایسا کونسا عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ اہل دوزخ میں سے شمار کیا گیا۔

حضور اقدس ﷺ کو بذریعہ وحی اس (بہادر شخص) کا (جس کا نام روایات میں قزمان آیا ہے) انجام معلوم ہوگیا تھا کہ جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ویسا ہی ہوا اور وہ شخص خودکشی کر کے حرام موت مرگیا۔ [۷]

"قال فخرج الخ" تو یہ کہنے والے بھی اُس شخص کے ساتھ نکلے،"**كلما وقف معه الخ**" وہ دوڑتا تو یہ بھی دوڑتے وہ رکتا تو یہ بھی رکتے۔

"قال:فجرح الرجل الخ" یہ پیچھا کرنے والے کہتے ہیں وہ آدمی کچھ دیر کے بعد بہت سخت زخمی ہوگیا، تو زخموں کی تکلیف کی وجہ سے اس نے موت کو اپنے اوپر جلدی طلب کر لیا کہ زمین کے اوپر اپنی تلوار رکھی اور اس کی نوک سینے کے درمیان رکھی، **"ثم تحامل عليه الخ"** پھر جھک کر اس تلوار کے اوپر گر گیا اور اس طرح اپنے آپ کو قتل کر ڈالا یعنی خودکشی کر لی۔

"فخرج رجل الخ" وہ صاحب جو پیچھے لگے ہوئے تھے، وہ صاحب نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے، **"فقال الخ"** اور آکر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی اللہ کے رسول ہیں، رسول اللہ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا ہے؟

"قال:الرجل الذی الخ" تو کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے جس شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اہل نار میں سے ہے۔

---

[۷] عمدة القاری، رقم:۴۲۰۳، ۴۲۰۲ ج:۱۷، ص:۳۴۳-۳۴۲

"فأعظم الناس ذلک الخ" تو لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی تھی تو میں نے کہا کہ میں تمہارا کفیل ہوں اور تمہاری ذمہ داری لیتاہوں اس کے بارے میں کہ میں مستقل اس کے ساتھ رہوں گا یعنی اُس شخص کو دیکھتا رہوں گا کہ اُس کا کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے اُسکو رسول اللہ ﷺ نے جہنمی قرار دیا۔

"فخرجت فی الخ" چنانچہ میں شخص کی میں تلاش میں گیا اور اسکا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ وہ سخت زخمی ہوا، اپنے زخموں کی تکلیف وشدت کی وجہ سے جلدی مرنے کی آرزو کرنے لگا، پھر جلدی مرنے کیلئے تا کہ تکلیف سے نجات ملے، اس نے اپنی تلوار کو زمین پر ٹیک کر اس کی نوک اپنے سینہ کے درمیان رکھ لی، اس پر اپنا بوجھ ڈال کر خودکشی کرلی۔

فقال رسول اللہ ﷺ عند ذالک الخ" تو یہ بات سن رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے ظاہر پر ہمیشہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا بعض اقات ایسا ہوتا ہے اعمال سے ایسا لگتا ہے کہ جنتی ہے لیکن ہوتا جہنمی ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ظاہری عمل دوزخ کے لوگوں کی طرح ہوتا ہے مگر وہ جنتی لوگوں میں سے ہوتا ہے۔

بس اللہ تعالیٰ بچائے اور ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے، آمین۔

یہ وہ واقعہ ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک جنگ کے دوران ایسا واقعہ پیش آیا، وہ جنگ کون سی تھی یہ پتہ نہیں لگ رہا، اگلی روایت بھی اس سے ملتی جلتی ہے اور جو کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے۔

۴۲۰۴ ۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزھری قال: أخبرنی سعید بن المسیب أن أبا ھریرۃ ﷺ قال: شھدنا خیبر فقال رسول اللہ ﷺ لرجل ممن معه یدعی الإسلام: ((ھذا من أھل النار)). فلما حضر القتال قاتل الرجل أشد القتال حتی کثرت به الجراحة فکاد بعض الناس یرتاب، فوجد الرجل ألم الجراحة فأھوی بیدہ إلی کنانته فاستخرج منھا أسھما فنحر بھا نفسه. فاشتد رجال من المسلمین فقالوا: یا رسول اللہ صدق اللہ حدیثک ،انتحر فلان فقتل نفسه. فقال: ((قم یافلان فأذن أنه لایدخل الجنة إلا مؤمن. إن اللہ یؤید الدین بالرجل الفاجر))، تابعه معمر، عن الزھری. [راجع: ۳۰۶۲]

۴۲۰۵ ۔ وقال شبیب، عن یونس، عن ابن شھاب: أخبرنی ابن المسیب وعبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب أن أبا ھریرۃ قال: شھدنا مع النبی ﷺ حنینا. وقال ابن المبارک، عن یونس، عن الزھری، عن سعید عن النبی ﷺ، تابعه صالح، عن الزھری. وقال الزبیدی، أخبرنی الزھری: أن عبدالرحمٰن بن کعب أخبرہ أن عبیداللہ بن کعب قال: أخبرنی من شھد مع النبی ﷺ خیبر، قال: الزھری، وأخبرنی عبیداللہ بن عبد اللہ

وسعید عن النبی ﷺ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر میں حاضر تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں جو خود کو مسلمان کہتا تھا اور آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اہل جہنم میں سے ہے، لیکن جب لڑائی شروع ہوئی تو اس شخص نے زبردست لڑائی کی یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ زخمی ہوگیا، قریب تھا کہ بعض لوگ شک میں پڑ جاتے (آپ ﷺ کے فرمان کے بارے میں) کہ نہ جانے آپ ﷺ کے اس فرمان سے کیا مقصد ہے، جسے ہم سمجھ نہ سکے، جب اس زخمی شخص کو اپنوں زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ ترکش میں ڈال کر کچھ تیر نکالے اور پھر اس سے خود کو ذبح کرلیا، تو کچھ مسلمان تیزی سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کی بات کو سچ کر دکھایا کہ فلاں شخص نے خود کو تیر مار کر خودکشی کرلی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں شخص کھڑے ہوکر لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں مومن کے سوا اور کوئی نہیں جائے گا، اور اللہ بدکار شخص کے ذریعہ بھی اپنے دین کی مدد فرماتا ہے۔ معمر نے زہری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے متابع حدیث روایت کی ہے۔

اور شعیب کہتے ہیں کہ انہوں نے یونس سے، اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ مجھے ابن میتب اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے **شھد مع النبی ﷺ خیبر** اور ابن مبارک نے روایت کی یونس سے، انہوں نے زہری سے، اور سعید نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے، صالح نے زہری کے واسطے سے اس روایت کی متابعت کی ہے۔ زبیدی کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن کعب نے بیان کہ عبیداللہ بن کعب یہ الفاظ کہے **أخبرنی من شھد مع النبی ﷺ خیبر**، زہری کہتے ہیں کہ مجھے عبیداللہ بن عبداللہ اور سعید بن میتب نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔ [۱۸]

تشریح

یہاں صراحت ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کا ہے۔

"**فقال رسول اللہ ﷺ الخ**" آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کے بارے میں فرمایا جو کہ اسلام کا دعوی کرتا تھا یعنی خود کو مسلمان کہتا تھا، "**ھذا من اھل النار فلما الخ**" یہ شخص جہنمیوں سے ہے، جب قتال کا وقت آیا تو وہ بہت بے جگری سے لڑا۔

---

[۱۸] عمدة القاری، رقم: ۴۲۰۵، ج: ۱۷، ص: ۳۴۳

یعنی اتنی زبردست طریقہ سے لڑائی کی کہ اسکو زخم بہت لگے یہاں تک کہ بعض لوگوں کے دل میں شکوک پیدا ہونے لگے کہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اہل نار میں سے ہے حالانکہ یہ اتنی بہادری سے جہاد کر رہا ہے تو یہ کیسے جہنمی ہوسکتا ہے؟

"فوجدالرجل الخ" زخمی ہونے کے بعد اس شخص کو زخموں کی تکلیف پہنچی، تو اس نے اپنے ہاتھوں کو اپنے تیرکش کی طرف لے گیا اور اس میں سے کچھ تیر نکالے اور اس سے اپنے آپ کو ذبح کرلیا۔

اس لئے علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ایک واقعہ نہیں ہے اس لئے کہ پہلے واقعہ میں آیا ہے کہ تلوار سے اپنے آپ کو قتل کیا تھا اور یہاں پر یہ ہے کہ تیروں سے قتل کیا۔

لیکن ان کو الگ الگ واقعہ قرار دینے کے لئے تنہا اتنی بات کافی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو کہ اس نے پہلے تیر سے بھی کوشش کی پھر تلوار سے بھی۔

"فقال: قم یافلان انہ الخ" آپ ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو فرمایا اے فلاں شخص کھڑے ہوجاؤ اور یہ اعلان کردو، **"الا یدخل الجنة الا مومن ان اللہ یوید الخ"** جنت میں مومن کے سوا اور کوئی نہیں جائے گا اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ایک فاجر شخص سے تائید فرماتے ہیں۔

محض یہ سمجھنا کہ ہم دین کا کام کر رہے ہیں تو ضرور نجات ہوگی، کچھ پتہ نہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیونکہ بعض اوقات دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے بھی کرالیتے ہیں جو ظاہر میں فاجر ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ دین کا کام اور دین کی خدمت تنہا نجات کے لئے کافی نہیں جب تک کہ دوسرے اعمال بھی درست نہ ہوں۔

"تابعہ معمر عن الزھری الخ" کہتے ہیں کہ یہی روایت معمر نے بھی زہری سے روایت کی ہے اوپر جو روایت آئی ہے وہ زہری سے شعیب بن اُبی حمزہ روایت کر رہے ہیں، اسی طرح جیسے اوپر ہے۔

"وقال شبیب، عن یونس الخ" دوسرے نسخوں میں خیبر کی جگہ حنین ہے اور وہ نسخے زیادہ صحیح ہیں، تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شبیب نے یہ حدیث یونس بن یزید سے روایت کی ہے اور انہوں نے امام زہری رحمہ اللہ سے، گویا امام زہری کے دو شاگرد اوپر گذرے ایک شبیب بن اُبی حمزہ اور دوسرے معمر بن راشد، ان دونوں نے تو اس کو خیبر کا واقعہ قرار دیا۔

لیکن شبیب نے جو روایت کی ہے یونس سے، یونس روایت کر رہے ہیں علامہ زہری رحمہ اللہ سے تو اس میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ حنین میں شامل ہوئے تو گویا انہوں نے یہ غزوہ حنین کا قرار دیا۔

"قال ابن المبارک الخ" عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بھی یونس سے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ وہ سعید سے مرسلا روایت کر رہے ہیں، درمیان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ نہیں ہے **عن النبی** ﷺ۔

"تابعه، صالح عن الزهري" اور صالح بن کیسان نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے یعنی سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مرسلا روایت کیا ہے۔

"وقال الزبيدي اخبرنا الخ" اور زبیدی نے جو زہری سے روایت کی ہے اس میں یہ بات ہے کہ عبید اللہ بن کعب کہتے ہیں کہ مجھے ایسے شخص نے خبر دی جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر میں شامل تھا، تو یہاں پر عبید اللہ بن کعب نے کسی ایسے صحابی کے ذریعہ نقل کیا جو خیبر میں شامل تھے تو گویا انہوں نے معمر اور شعیب کی تائید کی۔ **"وقال الزهري الخ"** اور زہری نے یہ بھی کہا کہ مجھے سعید نے مرسلاً خبر دی ہے۔

خلاصۂ کلام

تو خلاصہ یہ نکلا کہ خیبر والی روایت مرسلا بھی مروی ہے اور موصولاً بھی مروی ہے اور حنین والی روایت محض موصولاً روایت ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مجموعہ کو لانے سے ترجیح اس بات کو دینا چاہتے ہیں کہ پھر خیبر والی روایت کو زیادہ تر راوی خیبر کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔

۴۲۰۶ ـ حدثنا المكي بن إبراهيم: حدثنا يزيد بن أبي عبيد قال رأيت أثر ضربة في ساق سلمة فقلت يا أبا مسلم، ما هذه الضربة؟ قال: هذه ضربة أصابتها يوم خيبر. فقال الناس: أصيب سلمة، فأتيت النبي ﷺ فنفث فيه ثلاث نفثات فما اشتكيتها حتى الساعة. [۱۹]

ترجمہ: یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ ؓ کی پنڈلی میں تلوار کی چوٹ کا نشان دیکھا تو میں نے پوچھا اے ابو مسلم! یہ چوٹ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا میرے یہ چوٹ خیبر کے دن لگی تھی، لوگوں نے تو یہ کہا کہ سلمہ مر گیا میں آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے اس پر تین مرتبہ دم فرما دیا تو مجھے اس وقت سے اب تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

تشریح

حضرت یزید بن اَبی عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع ؓ کی پنڈلی میں تلوار کے ایک ضرب کا نشان دیکھا تو میں نے پوچھا کہ **"يا أبا مسلم الخ"** یہ کس چیز کا نشان ہے؟

---

[۱۹] سنن ابو داؤد، کتاب الطب، باب كيف الرقى، رقم: ۳۸۹۴، مسند أحمد، مسند المدنيين، حديث سلمة بن الأكوع، رقم: ۱۶۵۱۴

"أبا مسلم" یہ حضرت سلمہ بن اکوع ﷜ کی کنیت ہے۔

"قال: هذه ضربة الخ" تو فرمایا کہ یہ تلوار کا وہ نشان ہے جو اس پنڈلی کو خیبر کے دن کو لگا تھا ،تو لوگوں نے کہا تھا کہ سلمہ بن اکوع کو بہت چوٹ لگ گئی ہے۔"فأتيت النبي ﷺ فنفث الخ" تو میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ پھونک ماری تو آج تک مجھے اس پاؤں میں کوئی شکایت نہ ہوئی۔

۴۲۰۷ ۔ حدثنا عبدالله بن مسلمة: حدثنا ابن أبي حازم، عن ابيه، عن سهل قال: التقى النبي ﷺ والمشركون في بعض مغازية فاقتتلوا فمال كل قوم الى عسكرهم وفي المسلمين رجل لا يدع من المشركين شاذة ولا فاذة الا اتبعها فضربها بسيفه. فقيل: يارسول الله، ما اجزأ احد ما اجزأ فلان، فقال: ((انه من أهل النار))، فقالوا: اينا من أهل الجنة ان كان هذا من اهل النار؟ فقال رجل من القوم: لأتبعنه فاذا اسرع وأبطأ كنت معه حتى جرح فاستعجل الموت فوضع نصاب سيفه بالارض وذبابه بين ثديه ثم تحامل عليه فقتل نفسه، فجاء الرجل الى النبي ﷺ فقال: اشهد انك رسول الله، فقال: ((وما ذاك؟)) فأخبره فقال: ((ان الرجل ليعمل بعمل اهل الجنة فيما يبدو للناس وانه من اهل النار. ويعمل بعمل اهل النار فيما يبدو للناس وهو من اهل الجنة)). [راجع: ۲۸۹۸]

ترجمہ: ابن ابی حازم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کے والد، حضرت سہل ﷜ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک غزوہ یعنی خیبر میں رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مقابل ہوکر خوب لڑے، پھر ہر قوم اپنے اپنے لشکر کی طرف واپس ہوئی، مسلمانوں کے لشکر میں ایک شخص تھا جو اکیلے مشرک کو نہ چھوڑتا تھا، بلکہ اس کے پیچھے سے آکر اس کے تلوار مارتا، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! جتنا کام فلاں نے کیا کسی نے نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص تو دوزخی ہے۔صحابۂ کرام ﷡ نے دل میں کہا اگر وہ دوزخی ہے تو پھر ہم میں جنتی کون ہوگا، اتنے میں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اس کے پیچھے رہوں گا تاکہ اس کا امتحان کروں، جب وہ تیز چلتا یا آہستہ، تو میں اس کے ساتھ رہتا، حتیٰ کہ وہ زخمی ہوا اور زخموں کی تکلیف سے بے تاب ہوکر جلدی مرنا چاہا، چنانچہ اس نے تلوار کا قبضہ زمین سے لگا کر اس کی نوک کو اپنے سینہ کے درمیان رکھا، پھر اس پر اپنا بوجھ ڈال کر خودکشی کرلی، اب وہ شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہوئی، تو اس نے وہ واقعہ آپ ﷺ کو سنا دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی لوگوں کی نظر میں جنتیوں جیسا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے، اور کوئی لوگوں کی نظر میں دوزخیوں جیسا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔

۴۲۰۸ ۔ حدثنا محمد بن سعيد الخزاعي: حدثنا زياد بن الربيع، عن أبي عمران،

قال: نظر أنس إلى الناس يوم الجمعة فرأى طيالسة فقال: كأنهم الساعة يهود خيبر. [۴۰]

ترجمہ: ابوعمران رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس ﷺ نے جمعہ کے دن لوگوں پر ایسی چادریں دیکھیں، جو یہود خیبر کی چادروں کی طرح رنگین تھیں، تو فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت خیبر کے یہودیوں کی طرح معلوم ہو رہے ہیں۔

یہود کی مشابہت سے ممانعت

حضرت ابوعمران رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ﷺ نے "**نظر أنس إلى الناس يوم الجمعة فرأى طيالسة**" شہر بصرہ میں لوگوں کو جمعہ کے دن دیکھا کہ لوگ بڑی بڑی چادریں پہنے ہوئے ہیں۔

حضرت انس بن مالک ﷺ نے دیکھ کر کہا "**كأنهم الساعة يهود خيبر**" ایسا لگ رہا ہے کہ خیبر کے یہودی ہیں یعنی خیبر کے یہودی اسی طرح کی بڑی بڑی چادریں پہنا کرتے تھے تو جن لوگوں کو پہنا ہوا دیکھا تو دیکھ کر کہا کہ مجھے یاد آ گیا ہے کہ خیبر کے یہودی اس طرح کی چادر پہنا کرتے تھے۔

طیالسة ـ "**طیلسان**" کی جمع ہے، چادر کو کہتے ہیں، چونکہ یہ مخصوص قسم کی سیاہ چادر تھی جو یہودی استعمال کرتے تھے۔

اس لئے حضرت انس بن مالک ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کی مشابہت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ [۴۱]

۴۲۰۹ ـ حدثنا عبد الله بن مسلمة: حدثنا حاتم، عن يزيد بن أبى عبيد، عن سلمة ﷺ قال: كان على ﷺ تخلف عن النبى ﷺ فى خيبر وكان رمدا فقال: أنا أتخلف عن النبى ﷺ فلحق به فلما بتنا الليلة التى فتحت قال: ((لأعطين الراية أو ليأخذن الراية غدا رجل يحبه الله ورسوله يفتح عليه))، فنحن نرجوها فقيل: هذا على، فأعطاه ففتح عليه. [راجع: ۲۹۷۶]

---

[۴۰] انفرد به البخارى.

[۴۱] كان هؤلاء الناس الذين رأى عليهم الطيالسة يهود خيبر، وهذا انكار عليهم لأن التشبه بهم ممنوع، وأدنى الدرجات فيه الكراهة، وقد روى ابن خزيمة وأبونعيم: أن أنساً قال: ماشبهت الناس اليوم فى المسجد وكثرة الطيالسة الا يهود خيبر. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۴۷

ترجمہ: یزید بن ابی عبید حضرت سلمہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی ﷺ آشوب چشم میں مبتلا تھے تو وہ غزوۂ خیبر میں رسول ﷺ کے ساتھ نہیں آئے تھے، پھر حضرت علی ﷺ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ سے پیچھے رہ جاؤں ایسا نہیں ہوسکتا، لہٰذا وہ بھی آگئے، جب وہ رات آئی جس کی صبح کو خیبر فتح ہوا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا یا فرمایا کہ کل ایسا شخص جھنڈا لے گا جس سے اللہ اور رسول محبت رکھتے ہیں، اسی کے ہاتھ پر فتح بھی حاصل ہوگی، لہٰذا ہم اس جھنڈے کے اُمیدوار تھے کہ کہا گیا، علی آگئے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے انہیں جھنڈا دیا اور انکے ہاتھ پر فتح ہوئی۔

تشریح

حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ بیماری کی وجہ سے نبی کریم ﷺ سے خیبر میں پیچھے رہ گئے تھے، یعنی جب آپ ﷺ خیبر کیلئے روانہ ہوئے تو حضرت علی ﷺ آپ کے ساتھ روانہ نہ ہوسکے۔

"وکان رمدا" اس روز حضرت علی ﷺ کی آنکھیں دکھ رہی تھی یعنی آشوب چشم کی بیماری تھی۔

"رمد" آنکھ کے دکھنے کی بیماری کو کہتے ہیں۔

"فقال: أنا أتخلف الخ" جب وہ پیچھے رہ گئے اور حضور اکرم ﷺ خیبر تشریف لے گئے تو بعد میں ان کے دل میں خیال آیا کہ میں حضور ﷺ سے پیچھے رہ جاؤں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، چنانچہ حضرت علی ﷺ پیچھے سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جا ملے۔ اب اس میں دونوں احتمال ہیں کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ملے یا عین اس وقت جب قموص کا قلعہ فتح ہونے والا تھا اس وقت جا ملے۔

حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نے وہ رات گذاری جس رات کے اگلے دن قلعہ قموص فتح ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا یا یہ فرمایا کہ کل جھنڈا ایک ایسا شخص لے گا،

"رجل یحب اللہ ورسولہ الخ" اس سے پہلے صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو بھی جھنڈا دے دیا گیا تھا مگر فتح نہیں ہو پایا تھا تو فرمایا کہ میں کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا کہ جس سے اللہ اور رسول محبت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ فتح ہو جائے گا۔

"فنحن نرجو الخ" تو ہمیں کچھ امید ہوگئی کہ شاید ہمیں مل جائے اور یہ سعادت ہم میں سے کسی کے حصہ میں آجائے، **"فقیل هذا علی الخ"** تو اتنے میں آپ ﷺ سے کہا گیا کہ علی آگئے ہیں تو آپ ﷺ نے جھنڈا ان کو دیا اور ان کے ہاتھوں قلعہ فتح ہوگیا۔ آگے اس واقعہ کی مکمل تفصیل آرہی ہے۔

۴۲۱۰ ـ حدثنا قتیبة بن سعید: حدثنا یعقوب بن عبد الرحمٰن، عن أبی حازم قال:

أخبرني سهل بن سعد ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال يوم خيبر: ((لأعطين هذه الراية غدا رجلا يفتح الله على يديه، يحب الله ورسوله، ويحبه الله ورسوله)). قال: فبات الناس يدوكون ليلتهم أيهم يعطاها فلما أصبح الناس غدوا على رسول الله ﷺ كلهم يرجو أن يعطاها فقال: ((أين علي بن أبي طالب؟)) فقيل: هو يا رسول الله يشتكي عينيه، قال: فأرسلوا اليه، فأتي به فبصق رسول الله ﷺ في عينيه ودعا له فبرأ حتى كأن لم يكن به وجع فأعطاه الراية فقال علي: يارسول الله، أقاتلهم حتى يكونوا مثلنا؟ فقال: ((انفذ على رسلك حتى تنزل بساحتهم ثم ادعهم إلى الأسلام وأخبرهم بما يجب عليهم من حق الله فيه. فوالله لأن يهدي الله بك رجلا واحدا خير لك من أن يكون لك حمر النعم)).[راجع: ۲۹۴۲]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا میں کل یہ پرچم ایسے شخص کو دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ سہل ﷺ کہتے ہیں کہ لوگوں نے وہ رات بڑی بے چینی سے گزاری کہ دیکھیں کہ کل پرچم کس کو عطا ہوتا ہے، جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، اور ہر ایک اس پرچم کے ملنے کا خواہشمند تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا علی بن ابو طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان کے پاس آدمی بھیج کر انہیں بلاؤ، چنانچہ انہیں بلایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب ودہن ان کی آنکھوں میں لگا کر ان کے لئے دعا کی تو وہ ایسے تندرست ہوگئے گویا انہیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں پرچم دیدیا، حضرت علی ﷺ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں ان سے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہوجائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سیدھے جا کر ان کے میدان میں اتر پڑو، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو، اور اسلام میں اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہوں وہ بتاؤ، اللہ کی قسم! تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو ہدایت فرما دینا تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

فاتح قلعۂ قموص

یہ قلعہ خیبر کے قلعوں میں نہایت مستحکم و مضبوط قلعہ تھا۔

اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے حضور اقدس ﷺ نے پہلے دن جھنڈا دیکر حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کو بھیجا، باوجود پوری توانائی اور جدوجہد کے قلعہ فتح نہ ہوسکا وہ واپس آگئے، دوسرے روز حضور اقدس ﷺ نے حضرت

عمر فاروق ﷺ کو جھنڈا دیکر روانہ فرمایا، حضرت عمر فاروق ﷺ نے بھی پوری طرح سے جد وجہد وقتال کیا لیکن قلعہ فتح کئے بغیر واپس آ گئے۔ ۲۲

حضرت سہل بن سعد ﷺ فرماتے ہیں کہ اس دن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کل نشان رجھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہو اور اللہ اور اُس کا رسول اس کو محبوب رکھتے ہوں اور اُس کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح فرمائے۔

حضرت سہل بن سعد ﷺ فرماتے ہیں کہ ہیں کہ لوگوں نے وہ رات بڑی تمنا اور اشتیاق میں گزاری کہ دیکھیں کہ یہ سعادت مندی کس کے حصے میں آتی ہے اور کل پرچم کس کو عطا ہوتا ہے، چنانچہ جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، اور ہر ایک اس پرچم کے ملنے کا خواہشمند تھا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو بلایا، ان کی آنکھیں اس وقت آشوبِ چشم کی بیماری میں مبتلاء تھیں، حضرت علی ﷺ کی آنکھ میں آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن ڈالا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹھیک کردیا اور آنکھ ایسی ہوگئی جیسے کہ کچھ درد تھا ہی نہیں پھر آپ ﷺ نے جھنڈا ان کو عطا فرمایا۔

"**فاعطاه الراية**" جب ان کو پرچم عطاء کیا گیا تو پھر حضرت علی ﷺ نے عرض کیا "**اقاتلهم حتى يكونوا مثلنا؟**" اے اللہ کے رسول! کیا میں ان سے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح نہ ہو جائیں؟ یعنی مسلمان نہ ہو جائیں۔

جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت پہنچانے کا حکم

تو آپ ﷺ نے فرمایا "**انفذ على رسلك**" تم چلو اپنے طریقہ کے مطابق یعنی جو طریقہ کار تمہارا ہے اس کے مطابق یا جیسے حالت میں تم ہو اسی حالت میں آگے بڑھو "**حتى تنزل بساحتهم ثم ادعهم إلى الأسلام واخبرهم الخ**" یہاں تک کہ جب ان کے میدان میں اتر پڑو تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہوں وہ بتاؤ۔

"**فوالله لأن يهدى الخ**" اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک کو بھی ہدایت دے دیں تو تمہارے لئے بہتر ہے بنسبت اس بات سے کہ تمہیں سرخ اونٹ ملیں، لہٰذا پہلے اسلام کی دعوت دو، دعوت دینے کے بعد اگر وہ قبول نہ کریں پھر جہاد کرو۔

---

۲۲ فتح الباری، ج:۷، ص:۴۷۶

اس سے معلوم ہوا کہ قتال سے پہلے دعوت مستحب ہے اگر کفار کو پہلے دعوت نہیں پہنچی ہو تو تب تو واجب ہے اور اگر دعوت پہلے پہنچ چکی ہے تو پھر مستحب ہے کہ پہلے دعوت دی جائے پھر اس کے بعد قتال کیا جائے۔ ۲۳

۴۲۱۱ ۔ حدثنا عبدالغفار بن داود: حدثنا یعقوب بن عبدالرحمٰن ح.وحدثنی أحمد: حدثنا ابن وهب قال: أخبرنی یعقوب بن عبدالرحمٰن الزهری، عن عمر ومولی المطلب، عن أنس بن مالک ﷺ قال: قدمنا خیبر فلما فتح الله علیه الحصن ذکر له جمال صفیة بنت حیی بن أخطب وقد قتل زوجها وکانت عروسا فاصطفاها النبی ﷺ لنفسه فخرج بها حتی بلغ بها سد الصهباء حلت فبنی بها رسول الله ﷺ، ثم صنع حیسا فی نطع صغیر ثم قال لی: ((آذن من حولک))، فکانت تلک ولیمته علی صفیة. ثم خرجنا إلی المدینة فرأیت النبی ﷺ یحوی لها وراءه بعباءة ثم یجلس عند بعیره فیضع رکبته وتضع صفیة رجلها علی رکبته حتی ترکب. [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر آئے جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو قلعہ خیبر میں فتح عنایت فرمادی تو آپ ﷺ سے صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا، وہ نئی دلہن ہی تھیں کہ ان کا شوہر مارا گیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمالیا، آنحضرت ﷺ انہیں اپنے ہمراہ لے کر چلے، یہاں تک کہ جب ہم مقام سد صہباء میں پہنچے تو صفیہ رضی اللہ عنہا حلال ہوگئیں تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ خلوت فرمائی، پھر آپ ﷺ نے مالیدہ بنا کر چھوٹے سے دسترخوان پر رکھ کر مجھ سے فرمایا اپنے آس پاس کے لوگوں کو جا کر بتا دو چنانچہ یہی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ تھا، اور ہم مدینہ کی طرف چلے تو میں نے نبی کریم ﷺ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے اپنے پیچھے ایک چادر بچھاتے ہوئے دیکھا، پھر آپ ﷺ اپنے اونٹ کے قریب بیٹھتے اور اپنا زانوئے مبارک ٹکا دیتے، حضرت صفیہ آپ ﷺ کے زانوئے مبارک پر اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کا واقعہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ پہلے تفصیل گزر چکا ہے۔

اس روایت میں حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ہم خیبر آئے تو اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرادیا تو اس

---

۲۳ من أراد التفصیل فلیراجع : فتح الباری، رقم: ۴۲۱۰، ج: ۷، ص: ۴۷۸

کے بعد آپ کے سامنے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال اور ان کے مرتبہ کا ذکر کیا گیا، **"وقد قتل زوجھا الخ"** اور ان کے شوہر کو خیبر کی لڑائی میں قتل کر دیا گیا تھا **"وکانت عروسا"** اور وہ نئی دلہن تھی یعنی ان کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔

مراد یہ ہے کہ پہلے تو ان کی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی بعد میں کنانہ بن ربیع سے نئی نئی شادی ہوئی تھی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے ان کا انتخاب کیا جس کی مکمل تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

"فخرج بھا الخ" اس کے بعد جب خیبر سے مدینہ واپسی کا سفر ہوا تو اس بات کا حضرت انس ﷺ ذکر فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ لے کر چلے، یہاں تک کہ ہم سد صہباء کے مقام پر پہنچے اور وہاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حیض سے پاک ہوئیں تو آپ ﷺ نے بناء فرمائی۔

اس سے پہلے آیا تھا کہ جب آپ ﷺ خیبر سے نکلے اور صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں تو انہوں نے خود ہی انتخاب کیا تھا کہ ان سے نکاح کریں۔

بعد میں نبی کریم ﷺ ان کے پاس جاتے تو یہ گویا تھوڑا سا اعراض کرتیں اور پھر جب ایک دو مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے پھر اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مجھے رسول کریم ﷺ پر یہ اندیشہ ہے کہ اگر یہودی آپ کو میرے ساتھ دیکھیں گے تو ان کے اوپر اچانک غیرت سوار نہ ہو جائے اور وہ آنحضرت ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچادیں۔ اس واسطے میں ذرا احتیاط کر رہی ہوں کہ خیبر کی حدود سے نکل جائیں۔

چنانچہ مدینہ واپسی پر خیبر کی حدود سے جب سب نکل گئے اور سد الصہباء کے مقام پر پہنچے تو پھر آپ ﷺ نے بناء فرمائی۔ [۲۴]

"ثم صنع حیسا الخ" پھر آپ نے حلوہ بنایا اور ایک چھوٹے سے دستر خوان پر اس کو رکھا گیا۔

"حیس" ایک حلوہ کی طرح کی چیز ہوتی تھی، جس میں کچھ پنیر، کچھ گھی اور کچھ شہد ملا کر بناتے تھے اور اہل عرب کے ہاں یہ اچھا شمار ہوتا تھا۔

"ثم قال لی: آذن الخ" پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا جو تمہارے آس پاس لوگ ہیں ان کو بلالو آنحضرت ﷺ کی طرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ یہی تھا یعنی باہر لوگوں میں اعلان کر دو تا کہ وہ ولیمہ کیلئے آجائیں۔

---

[۲۴] قالت ام سنان الأسلمية: وكانت من أضوأ ما يكون من النساء، فدخل على أهله، فلما أصبح سألتها عما قال لها فقالت: قال لي ((ماحملك على الامتناع من النّزول أوّلا؟)) فقلت: خشيت عليك من قرب اليهود، فزادها ذلك عنده. الإصابة في تمييز الصحابة، كتاب النساء: ۱۱۴۰۷ – صفية بنت حيي، ج:۸، ص: ۲۱۰

"ثم خرجنا الی المدینة الخ" حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ جانے لگے تو میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے چادر تیار کر رہے تھے یعنی اپنے پیچھے بٹھانے کیلئے چادر کو درست کر رہے تھے تاکہ اس کے اوپر وہ بیٹھیں۔

"ثم یجلس عند بعیرہ فیضع الخ" پھر آپ ﷺ اپنے اونٹ کے پاس بیٹھے اور اپنا گھٹنا مبارک رکھ دیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے گھٹنے کے اوپر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہوگئیں۔

۴۲۱۲ ۔ حدثنا إسماعيل قال: حدثنا أخي، عن سليمان، عن يحيى، عن حميد الطويل: سمع أنس بن مالک ﷺ أن النبي ﷺ أقام على صفية بنت حيي بطريق خيبر ثلاثة أيام حتى أعرس بها. وكانت فيمن ضرب عليها الحجاب. [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حمید بن طویل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک ﷺ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے راستے میں صفیہ بن حیی رضی اللہ عنہا کے لئے تین دن قیام فرمایا یہاں تک کہ ان سے خلوت فرمائی اور وہ ان ازواج مطہرات میں سے تھیں جن پر پردہ فرض ہوا۔

۴۲۱۳ ۔ حدثنا سعيد بن أبي مريم: أخبرنا محمد بن جعفر بن أبي كثير: أخبرني حميد أنه سمع أنسا ﷺ يقول: أقام النبي ﷺ بين خيبر والمدينة ثلاث ليال يبنى عليه بصفية، فدعوت المسلمين إلى وليمة وما كان فيها من خبز ولا لحم وما كان فيها إلا أن أمر بلالا بالأنطاع فبسطت فألقى عليها التمر والأقط والسمن. فقال المسلمون: إحدى أمهات المؤمنين أو ما ملكت يمينه؟ قالوا: إن حجبها فهي إحدى أمهات المؤمنين، وإن لم يحجبها فهي مما ملكت يمينه. فلما ارتحل وطأ لها خلفه ومد الحجاب. [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حمید بن طویل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک ﷺ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ اور خیبر کے راستہ میں تین دن فروکش رہے، جہاں آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے ولیمہ میں مسلمانوں کو بلایا، اور اس ولیمہ میں نہ روٹی تھی نہ گوشت، اس میں صرف یہ ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے بلال ﷺ کو دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، چنانچہ دسترخوان بچھا دیئے گئے، تو آپ ﷺ نے اس پر چھوہارے، پنیر اور گھی رکھ دیا۔ تو مسلمان آپس میں کہنے لگے کہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمہات المؤمنین میں سے ہیں یا آنحضرت ﷺ کی کنیز ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ ان کا پردہ کرائیں گے، تو اُمہات المومنین میں سے ہوں گی، اور اگر پردہ نہ کرایا تو پھر کنیز ہیں، جب آپ ﷺ نے کوچ کیا تو ان کے لئے اپنے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور پردہ کھینچ دیا۔

قیدی سے ام المؤمنین ہونے کا اعزاز

جب یہ تمام واقعہ ہوا تو مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا یا تو **"احدی امہات المؤمنین"** یعنی امہات المؤمنین میں سے ہیں نکاح کی وجہ سے یا **"ماملکت یمینہ"** آپ ﷺ کی باندی ہیں؟

تو بعض صحابہ نے کہا **"إن حجبها فهی إحدی أمهات المؤمنین"** اگر آپ ﷺ نے ان کو پردہ کرایا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ امہات المؤمنین یعنی ازواجِ مطہرات میں سے ہیں اور اگر پردہ نہیں کیا تو پھر یہ باندی ہوں گی کیونکہ پردہ آزاد عورت کے لئے ہے باندی یا کنیز کے لئے نہیں۔

"فلما ارتحل وطأ لها خلفه ومد الحجاب" جب آپ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے چادر پیچھے بچھائی اور پردہ کھینچ دیا، تو چونکہ پردہ ہوگیا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے نکاح فرمایا ہے اور یہ امہات المؤمنین میں سے ہیں۔

۴۲۱۴ ۔ حدثنا أبو الولید: حدثنا شعبة ح. وحدثنی عبداللہ بن محمد: حدثنا وهب: حدثنا شعبة، عن حمید بن هلال، عن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال: کنا محاصری خیبر فرمی إنسان بجراب فیه شحم فنزوت لآخذه فالتفت فإذاالنبی ﷺ فاستحییت. [۲۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے ایک کھانے کا تھیلا پھینکا، جس پر چربی تھی، تو میں اسے لینے کو دوڑا، جب پیچھے مُڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ موجود ہیں مجھے بڑی شرم آئی۔

مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے استعمال کا حکم

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا ہوا تھا **"فرمی إنسان بجراب فیه شحم"** تو وہاں سے کسی شخص نے ایک تھیلا پھینکا جس میں کچھ چربی تھی تو میں

---

[۲۵] وفی صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب جواز الأکل من طعام الغنیمة فی دار الحرب، رقم: ۱۷۷۲، و سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی اباحة الطعام فی أرض العدو، رقم: ۲۷۰۲، وسنن النسائی، کتاب الضحایا، باب ذبائح الیهود، رقم: ۴۳۳۵، و مسند أحمد، مسند المدنیین، حدیث عبداللہ بن مغفل المزنی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم، رقم: ۱۶۷۹۱، و سنن الدارمی، کتاب السیر، باب أکل الطعام قبل أن تقسم الغنیمة، رقم: ۲۵۴۲

اس کو لینے کے لئے بھاگا تا کہ اس کو حاصل کرلوں۔

اچانک میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ وہاں تشریف فرما تھے تو مجھ شرم آگئی، یعنی اگرچہ کھانے پینے کی چیزیں دوران جنگ تقسیم غنیمت سے پہلے لینے کی گنجائش ہوتی ہے۔

ابھی تک مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا اور کھانے پینے کی چیز کسی کو مل گئی اور وہ لیکر کھالے تو جائز ہے۔اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے جو عمل کیا تھا وہ ناجائز نہیں تھا لیکن چونکہ اس میں ایک طرح سے حرص علی الطعام ہے۔

اس واسطے کہا جب میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے ہیں اور مجھے دیکھ رہے ہیں، تو مجھے شرم آگئی کہ میں نے ایسا کام کیا۔

۴۲۱۵ ـ حدثنی عبید بن إسماعیل، عن أبی أسامة، عن عبید الله، عن نافع وسالم، عن ابن عمر: أن رسول الله ﷺ نهی یوم خیبر عن أكل الثوم وعن لحوم الحمر الأهلية.

نهی عن اكل الثوم هوعن نافع وحده ولحوم الحمر الاهلية عن سالم [راجع: ۸۵۳]

ترجمہ: حضرت نافع اور حضرت سالم رحمہما اللہ دونوں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن لہسن اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی۔لہسن کے کھانے کی ممانعت کے راوی صرف نافع رحمہ اللہ ہیں اور پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت حضرت سالم رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

لہسن کھانے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں دو چیزوں کو جمع کیا ہے:

ایک لہسن کے کھانے کی ممانعت۔

دوسرا پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت۔

"**لحوم الحمر الاهليه**" یعنی گدھے کے گوشت کا مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔

"**اكل الثوم**" یہاں پر لہسن کی ممانعت تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے اور وہ بھی اس وقت جب کچا لہسن ہو جس سے منہ میں بدبو آئے۔

"**اكل الثوم**" کا جو جملہ ہے یہ نافع رحمہ اللہ نے تنہا روایت کیا ہے اور "**لحوم الحمر الاهليه**" یہ سالم رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

۴۲۱۶ ۔ حدثني يحيى بن قزعة: حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن عبد الله والحسن ابني محمد بن علي، عن أبيهما، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه : أن رسول الله ﷺ نهى عن متعة النساء يوم خيبر، وعن أكل لحوم الحمر الإنسية. [انظر: ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱] [۲۶]

ترجمہ: عبداللہ وحسن رحمہما اللہ اپنے والد محمد بن علی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے سے ممانعت فرمائی اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی۔

تشریح

اس روایت میں حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے سے اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔

متعہ کا مفہوم

کوئی شخص کسی عورت سے کہے **"اتمتع بک کذا مدة بکذا من المال"** یعنی میں تم سے اتنی مدت اتنے مال کے عوض فائدہ اٹھاؤں گا اور وہ عورت اس کو قبول کرلے۔

اس میں نہ لفظِ نکاح استعمال ہوتا ہے اور نہ دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے، بخلاف نکاحِ موقت کے کہ اس میں لفظِ نکاح بھی ہوتا ہے اور دو گواہ بھی ہوتے ہیں البتہ مدت متعین ہوتی ہے۔

---

[۲۶] وفی صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب نكاح المتعة، وبيان أنه أبيح، ثم نسخ، واستقر الى يوم القيامة، رقم: ۱۴۰۷، وسنن الترمذی، أبواب النكاح، باب ماجاء فی تحريم نكاح المتعة، رقم: ۱۱۲۱، وأبواب الأطعمة، باب ماجاء فی لحوم حمر الاهلية، رقم: ۱۷۹۴، وسنن النسائی، كتاب النكاح، باب تحريم المتعة، رقم: ۳۳۶۵، ۳۵۶۶، ۳۵۶۷، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحوم الاهلية، رقم: ۴۳۳۴، ۴۳۳۵، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب نهى عن نكاح المتعة، رقم: ۱۹۶۱، ومؤطا امام مالك، كتاب النكاح، باب نكاح المتعة، رقم: ۴۱، ومسند أحمد، مسند علی بن أبی طالب، رقم: ۵۹۶، ۸۱۶، ۲۰۴، ۱۲۰۴، ۱۲۵۴، وسنن الدارمی، كتاب الاضاحی، باب فی لحوم الحمر الاهلية، رقم: ۲۰۳۳، كتاب النكاح، باب نهى عن متعة النساء، رقم: ۲۲۴۳

حرمتِ متعہ

متعہ کی حرمت پر تمام امت کا اجماع ہے اور سوائے روافض کے کوئی اس کی حلت کا قائل نہیں، حضرت علی ﷺ سے متعہ کی حرمت میں متعدد روایتیں آئی ہیں، مگر پھر بھی حضرت علی ﷺ کی محبت کے یہ دعویدار متعہ پر اس درجہ مسحور ہیں کہ حضرت علی ﷺ کی بھی نہیں سنتے اس لئے ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

البتہ صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا جواز منقول ہے، وہ بھی محض اضطرار کے موقع پر جواز کے قائل تھے پھر اس سے بھی رجوع کرلیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیدائش ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے ہوئی اور آٹھ یا نو برس کی عمر تک اپنے والدین کے ساتھ مکہ میں رہے، فتح مکہ کے بعد ۸ ھ میں جب حضرت عباس ﷺ نے مع خاندان کے ہجرت فرمائی تو ابن عباس اپنے والد محترم کے ساتھ مدینہ حاضر ہوئے اور غزوۂ خیبر (جس میں حرمتِ متعہ کا اعلان ہوا تھا) وہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے مدینہ آنے سے قبل ہو چکا تھا اور اس عرصہ میں کوئی متعہ کا واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔

اسلئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بذاتِ خود متعہ کے متعلق کوئی خبر نہیں ہوئی صرف دوسرے صحابہ کی زبانی سنا اور اس بناء پر یہ فتویٰ دیا کہ جس طرح مجبوری کی حالت میں مردار وخنزیر مباح ہوجاتا ہے اسی طرح مجبوری کی حالت میں متعہ بھی جائز ہے۔

لیکن بعد میں حضرت علی اور دیگر صحابہ ﷺ نے متعہ کے متعلق قیامت تک کی حرمت اور ممانعت کی روایتیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سنائیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے رجوع فرمالیا۔

بعد ازاں حضرت عمر ﷺ کے زمانۂ خلافت میں بعض لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر، جن کو تحریم متعہ کی خبر نہ پہنچی تھی اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے تو حضرت عمر ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے اور منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا اور متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا تاکہ اس کی حرمت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے اور یہ فرمایا کہ میرے اس اعلان کے بعد اگر کوئی متعہ کرے گا تو میں اس پر زنا کی حد جاری کروں گا۔ اس وقت سے متعہ بالکل موقوف ہوگیا اور اس پر تمام صحابۂ کرام ﷺ کا اجماع ہوگیا۔ [۲۷]

---

[۲۷] احکام القرآن للجصاص، [النساء: ۲۵] ج: ۳، ص: ۹۵، ۹۶ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة، رقم: ۱۴۰۵

یہاں پر دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث یہ ہے کہ متعہ کی حرمت پر عموماً اس آیتِ قرآنی سے استدلال کیا جاتا ہے

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾ [۲۸]

ترجمہ: اور جو اپنی شرمگاہوں کی (سب سے) حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیوں کہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔

حرمتِ متعہ کی آیتِ مستدل پر اشکال

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس لئے کی قرآن کریم میں یہ آیت دو مقام پر آئی ایک سورۂ مومنون میں، اور دوسرے سورۂ معارج میں، اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں، جبکہ متعہ کی حلت وحرمت کی تمام روایات اس پر دال ہیں کہ متعہ ہجرت کے بعد حرام ہوا اور وہ ایک سے زائد غزوات میں حلال تھا، پھر یہ آیت متعہ کے حق میں کیسے مُحرِّم ہو سکتی ہے؟

اشکال کا جواب

اسکے جواب میں شراح حدیث وتفسیر کافی سرگردان رہے، لیکن اطمینان بخش جوابات کم دیئے گئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزیہ میں یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ متعہ بالمعنی المعروف اسلام میں کبھی حلال نہیں ہوا اور اس کو مذکورہ آیت نے شروع میں ہی حرام کر دیا تھا البتہ مختلف غزوات کے موقعہ پر جس متعہ کی اجازت احادیث میں مروی ہے اس سے مراد نکاحِ موقت ہے، لہذا یہ آیت شروع ہی سے حرمتِ متعہ پر دلالت کر رہی ہے۔ [۲۹]

---

[۲۸] [المؤمنون: ۵، المعارج: ۲۹]

[۲۹] حکم حرمتِ متعہ، ج: ۲، ص: ۳۹

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی فیض الباری میں اسی کے قریب یہ قول اختیار کیا ہے کہ متعہ بالمعنی المعروف تو ہمیشہ حرام تھا البتہ جس چیز کی اجازت دی گئی تھی اس سے مراد **"نکاح بِاضمار نیۃ الفرقۃ"** تھا، یہ نکاح پہلے قضاء اور دیانۃً دونوں طرح جائز تھا، بعد میں اگرچہ قضاء جائز ہی رہا لیکن دیانۃً اسے ناجائز قرار دیدیا گیا۔

اسی بات کو احادیث میں ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا کہ متعہ کی شروع میں اجازت دی گئی تھی، بعد میں اسے ناجائز کردیا گیا۔ [۳۰]

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اس دعویٰ پر سنن ترمذی میں موجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتِ باب سے استدلال کیا ہے **"قال: انما كانت المتعة في أوّل الاسلام كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المرأة بقدر مايرى أنه يقيم فتحفظ له متاعه وتصلح له شيئه حتى اذانزلت الآية ﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ قال ابن عباس فكل فرج سوىٰ هذين فهو حرام"**۔ [۳۱]

حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت انور شاہ کشمیری رحمہما اللہ کے مذکورہ دونوں جوابات اگر دلائل سے ان کی تائید ہورہی ہوتی تو خاصے قوی ہوتے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں جوابات محض دعویٰ ہیں اوران تمام احادیث کا ظاہر جن میں لفظ متعہ آیا ہے ان دونوں جوابات کی تردید کررہا ہے بالخصوص حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق پر متعدد اشکالات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا یہ کہ یہ روایت موسیٰ بن عبیدہ کی وجہ سے متکلم فیہ ہے۔ [۳۲]

دوم یہ کہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے متعہ کی جو تشریح کی ہے وہ ان کی مستدل روایت کے الفاظ سے پوری طرح واضح نہیں ہوتی بلکہ اس روایت کو بھی متعہ بالمعنی المعروف پر بآسانی محمول کیا جاسکتا ہے۔

سوم یہ کہ اس روایت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ آیتِ قرآنی **﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾** نے متعہ کو منسوخ کردیا، اب اگر متعہ سے وہی معنی مراد لئے جائیں جو حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

---

[۳۰] فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نھی رسول اللہ عن نکاح المتعة أخيراً، ج: ۴، ص: ۲۸۲

[۳۱] سنن الترمذی، أبواب النکاح، باب ماجاء فی تحریم النکاح المتعة، رقم: ۱۱۲۲

[۳۲] میزان الاعتدال. حرف المیم، رقم: ۸۸۹۵، موسی بن عبیدة الزبذی، ج: ۴، ص: ۲۱۳، و المجروحین لابن حبان، ج: ۱، ص: ۱۰۷

نے لئے ہیں تب بھی اصل اعتراض لوٹ آتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور حلتِ متعہ کی روایات مدنی ہیں۔ [۴۳]

رخصت ہے حلت نہیں

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ متعہ بالمعنی المعروف کو مذکورہ آیتِ قرآنی نے مکہ مکرمہ میں ہی حرام کر دیا تھا اور وہ بدستور حرام ہی رہا البتہ بعض غزوات کے موقع پر ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے ایک محدود مدت کے لئے اس کی اجازت دی گئی جو رخصت تھی، حلت نہیں جیسے لحمِ خنزیر یہ حرام ہے لیکن اضطرار کے موقع پر اس کا کھانا ہو جاتا ہے، نہ اسلئے کہ وہ حلال ہو گیا بلکہ اس لئے کہ خاص حالات کی وجہ سے شریعت نے ایک محدود رخصت عطا فرما دی ہے۔ حاصل یہ کہ ایسی رخصت حرمت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور اس رخصت کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ وہ حرمت منسوخ ہو گئی۔

اس جواب کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اجازتِ متعہ کی تقریباً تمام روایات میں رخصت کا لفظ استعمال ہوا ہے نہ کہ حلت کا۔

اس اعتراض کا ایک دوسرا جواب بھی دیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ مذکورہ آیت میں ازواج سے مراد وہ عورتیں ہیں جو عقدِ مشروع کے ذریعے سے حلال کی گئی ہوں اور ابتداء اسلام میں عقدِ مشروع چونکہ صرف نکاح تھا اس لئے آیت حرمتِ متعہ بھی دال تھی۔

پھر بعد میں جب نبی کریم ﷺ نے کچھ عرصہ کے لئے متعہ کی اجازت دی تو متعہ بھی عقدِ مشروع کے تحت آ گیا اور ایسی تمام عورتیں جن کے ساتھ متعہ کیا گیا ''ازواج'' کے تحت داخل ہو گئیں اس لئے نہ آیت کی مخالفت ہوئی، نہ آیت کو منسوخ کیا گیا۔ بعد میں جب دوبارہ متعہ کو ممنوع کر دیا گیا تو وہ عقدِ مشروع نہ رہا اور ایسی عورتیں ''ازواج'' کے مفہوم سے خارج ہو گئیں، اس لئے اب یہ آیت ہمیشہ کے لئے حرمتِ متعہ پر دال ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ متعہ کی حرمت کس زمانے میں ہوئی؟

اس بارے میں روایات میں شدید تعارض پایا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام ہوا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر حرام ہوا۔ [۴۴]

---

۴۳ تفسیر قرطبی، سورۃ المؤمنون، ج:۱۲، ص:۱۰۲، وسورۃ المعارج، ج:۱۸، ص:۲۷۸

۴۴ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، رقم: ۱۴۰۶

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر ہوا۔ [۳۵]
بعض سے غزوۂ اوطاس کے موقع پر متعہ حرام ہوا۔ [۳۶]
بعض روایات سے اس کی حرمت غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوئی۔ [۳۷]
ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر حرام ہوا۔ [۳۸]

رفعِ تعارض

تعارض رفع کرنے کیلئے بعض حضرات نے فرمایا کہ حرمتِ متعہ ایک مرتبہ ہوچکی تھی لیکن اسکا اعلان بار بار مختلف مواقع پر کیا گیا، جس نے جس غزوہ میں یہ حکم پہلی بار سنا، اس نے حرمت کو اسی غزوہ سے منسوب کرلیا۔ [۳۹]

---

[۳۵] سنن النسائی، کتاب النکاح، باب تحریم المتعة، رقم: ۳۳۶۷، وفتح الباری، کتاب النکاح، باب نهی رسول الله ﷺ عن نکاح المتعة أخیراً، ج: ۹، ص: ۶۸

[۳۶] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة، رقم: ۱۴۰۵

[۳۷] نصب الرایة، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، ج: ۳، ص: ۱۷۹

[۳۸] سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی نکاح المتعة، رقم: ۲۰۷۲ وفتح الباری، ج: ۹، ص: ۱۷۹

[۳۹] وقد اختلف فی وقت تحریم نکاح المتعة فأغرب ماروی فی ذلک روایة من قال فی غزوة تبوک، ثم روایة الحسن أن ذلک کان فی عمرة القضاء، والمشهور فی تحریمها أن ذلک کان فی غزوة الفتح کما أخرجه مسلم من حدیث الربیع بن سبرة عن أبیه، وفی روایة عن الربیع أخرجها أبوداؤد أنه کان فی حجة الوداع، قال ومن قال من الرواة کان فی غزوة أوطاس فهو موافق لمن قال عام الفتح اهـ . فتحصل مما أشار الیه ستة مواطن: خیبر، ثم عمرة القضاء، ثم الفتح، ثم أوطاس، ثم تبوک، ثم حجة الوداع. وبقی علیه حنین لأنها وقعت فی روایة قد نبهت علیها قبل، فاما أن یکون ذهل عنها أوترکها عمداً لخطأ رواتها، أو لکون غزوة أوطاس وحنین واحدة. فأما روایة تبوک فأخرجها اسحٰق بن راهویه وابن حبان من طریقه من حدیث أبی هریرة: ((أن النبی ﷺ لما نزل بثنیة الوداع رأی مصابیح وسمع نساء یبکین، فقال: ماهذا؟ فقالوا: یارسول الله! نساء کانوا تمتعوا منهن. فقال: هدم المتعة النکاح والطلاق والمیراث)) وأخرجه الحازمی من حدیث جابر قال: ((خرجنا مع رسول الله ﷺ الی غزوة تبوک حتی اذا کنا عند العقبة مما یلی الشام جاءت نسوة قد کنا تمتعنا بهن یطفن برجالنا، فجاء رسول الله ﷺ فذکرنا ذلک له، قال فغضب وقام خطیبا فحمدالله وأثنی علیه ونهی عن المتعة، فتوادعنا یومئذ فسمیت ثنیة الوداع)). فتح الباری، ج: ۹، ص: ۱۶۹

لیکن یہ جواب اطمینان بخش نہیں کیونکہ روایات کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ جس روایت میں غزوۂ تبوک کا ذکر ہے اس میں کسی راوی سے وہم ہوا ہے اور حضرت علی ﷺ کی روایت **"نهى عن متعة النساء وعن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر"** اس روایت میں **"زمن خيبر"** کا تعلق صرف **"لحوم الحمر الأهلية"** سے ہے یعنی **"لحوم حمر"** کو غزوۂ خیبر میں حرام قرار دیا گیا۔

اور **"نهى عن متعة النساء"** ایک الگ جملہ ہے جس کا **"زمن خيبر"** سے کوئی تعلق نہیں، ورنہ دراصل فتحِ مکہ کے موقع پر متعہ کی اجازت دی گئی تھی پھر اسے حرام کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ فتح مکہ، غزوۂ حنین واوطاس ایک ہی سفر میں پیش آئے تھے اس لئے کسی نے اس کی نسبت فتح مکہ کی طرف کر دی اور کسی نے حنین یا اوطاس کی طرف۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ جواب بھی تکلف سے خالی نہیں۔

احقر کے نزدیک سب سے بہتر جواب علامہ طیبی رحمہ اللہ کا ہے کہ ایک مرتبہ غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ حرام ہو گیا تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر ایک محدود مدت کیلئے دوبارہ اس کی رخصت دی گئی اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا۔ [۲۴]

۴۲۱۷ ـ حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبد الله: حدثنا عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ نهى يوم خيبر عن لحوم الحمر الأهلية. [راجع: ۸۵۳]

۴۲۱۸ ـ حدثني إسحاق بن نصر: حدثنا محمد بن عبيد: حدثنا عبيد الله، عن نافع وسالم، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نهى رسول الله ﷺ عن أكل لحوم الحمر الأهلية. [راجع: ۸۵۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی۔

۴۲۱۹ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن عمرو، عن محمد

---

[۲۴] قال الشيخ محي الدين: والصحيح المختار أن التحريم والإباحة كانا مرتين، وكانت حلالا قبل خيبر ثم حرمت يوم خيبر، ثم أبيحت يوم فتح مكة وهو يوم أوطاس، لاتصالهما، ثم حرمت بعد ثلاثة أيام تحريما مؤبدا إلى يوم القيامة.
شرح المشكاة للطيبي الكاشف عن حقائق السنن (شرح مشكاة المصابيح)، ج:۷، ص:۲۲۸۸

ابن علی، عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال: نھی رسول اللہ ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص فی الخیل. [انظر: ۵۵۲۰، ۵۵۲۴] [۱]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت فرمائی۔

گھوڑے کا گوشت کھانے کا مسئلہ

اس روایت میں ہے کہ "**رخص فی الخیل**" کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے، اس حدیث کی وجہ سے جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز ہے۔

احناف میں صاحبین رحمہما اللہ کا بھی قول جمہور فقہاء کے موافق ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے، اور وہ اس آیت سے استدلال فرماتے ہیں :

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ [۲]

ترجمہ: اور گھوڑے، خچر اور گدھے اسی نے پیدا کئے ہیں
تا کہ تم اس پر سواری کرو، اور وہ زینت کا سامان بنیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے موضع امتنان میں یعنی احسانات میں شمار کرتے ہوئے یہ بتایا کہ یہ چیزیں تو سواری اور زینت کیلئے پیدا کی گئی، اگر کھانا جائز ہوتا تو کھانے کا بھی ذکر ہوتا۔

---

[۱] وفی صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح ومایؤکل من الحیوانات، باب فی أکل لحوم الخیل، رقم: ۱۹۴۱، و سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب فی باب فی أکل لحوم الخیل، رقم: ۳۷۸۹، ۳۷۸۸، باب فی أکل لحوم الحمر الأهلية، رقم: ۳۸۰۸، وسنن الترمذی، أبواب الأطعمة، باب فی کراهية کل ذی ناب وذی مخلب، رقم: ۱۴۷۸، باب فی أکل لحوم الخيل، رقم: ۱۷۹۳، وسنن النسائی، کتاب الصید والذبائح، باب الاذن فی أکل لحوم الخیل، رقم: ۴۳۲۷ـ۴۳۳۹، باب تحريم أکل لحوم الخيل، رقم: ۴۳۳۳، باب اباحة أکل لحوم الحمر الوحش، رقم: ۴۳۴۳، وسنن ابن ماجه، کتاب الذبائح، باب لحوم الخيل، رقم: ۳۱۹۷، باب لحوم البغال، رقم: ۱۳۱، ومسند أحمد، مسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۴۴۵۰، ۱۴۳۶۳، ۱۴۴۶۴، ۱۴۸۴۰، ۱۴۸۹۰، ۱۴۹۰۲، ۱۵۱۳۵، وسنن الدارمی، کتاب الأضاحی، باب فی أکل لحوم الخیل، رقم: ۲۰۳۶

[۲] [النحل: ۸]

دوسرا استدلال حضرت خالد بن ولید ﷺ کی ایک حدیث سے ہے جو سنن ابوداؤد اور سنن نسائی وغیرہ میں آئی ہے، اس میں حضرت خالد بن ولید ﷺ فرماتے ہیں کہ **"نهى رسول الله ﷺ عن أكل لحوم الخيل، والبغال والحمير"** رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔ [۴۳]

یہ وہ روایت ہے جس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے اور حدیث الباب میں جو بات گزری اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانے کی بات ہوگی جب گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہوگا۔ [۴۴]

بعد میں بعض حضرات نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا رجوع بھی صاحبین رحمہما اللہ کے قول کی طرف نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی پھر جائز ہوگیا۔

۴۲۲۰ ـ حدثنا سعيد بن سليمان: حدثنا عباد، عن الشيباني قال: سمعت ابن أبي أوفى رضي الله عنهما: أصابتنا مجاعة يوم خيبر فإن القدور لتغلي، قال: وبعضها نضجت فجاء منادي النبي ﷺ: لا تأكلوا من لحوم الحمر شيئا وأهريقوها، قال ابن أبي أوفى: فتحدثنا أنه إنما نهى عنها لأنها لم تخمس. وقال بعضهم: نهى عنها البتة لأنها كانت تأكل العذرة. [راجع: ۳۱۵۵]

ترجمہ: ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن ہم پر بھوک کا غلبہ ہوا اس وقت ہانڈیوں میں جوش آرہا تھا، اور کچھ پک گئی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کے منادی نے آکر کہا کہ گدھوں کا گوشت ذرا سا بھی نہ کھاؤ، اور ہانڈیاں کو بہادو۔ ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ہم آپس میں کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے صرف اس لئے منع فرمایا ہے کہ ان میں سے ابھی خمس نہیں نکلا ہے، اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ نے یقیناً اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ نجاست کھاتا ہے۔

---

[۴۳] سنن ابو داؤد، کتاب الأطعمة، باب في أكل لحوم الخيل، رقم: ۳۷۹۰ وسنن النسائي، كتاب الصيد والذبائح، تحريم أكل لحوم الخيل، رقم: ۴۳۳۲

[۴۴] (واما) لحم الخيل فقد قال ابو حنيفة ـ رضي الله عنه ـ يكره وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله لايكره، وبه اخذ الشافعي رحمه الله .... (واما) على ظاهر الرواية عن ابي حنيفة ـ رضي الله عنه ـ انه يكره اكله ولم يطلق التحريم لاختلاف الحديث الرواية في الباب واختلاف السلف فكره اكل لحمه احتياطاً لباب الحرمة. بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الذبائح والصيود، الماكول وغير الماكول من الحيوانات، ج:۵، ص:۳۸

تشریح

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں ہے جب حضور ﷺ نے گدھے کے گوشت سے منع فرمایا تو ہم نے آپس میں اس بارے میں یہ باتیں کیں، بعض نے کہا منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جن گدھوں کا گوشت پکایا جارہا تھا، ان میں سے ابھی تک خمس نہیں نکالا گیا تھا، اس لئے منع فرمایا تھا۔

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لئے منع کر دیا، گدھے کا گوشت کھانا جائز ہی نہیں ہے، اس واسطے کہ وہ نجاست کھاتے ہیں۔ تو زیادہ لوگوں کا کہنا یہی ہے نجاست کی وجہ ان کا ناجائز ہونا تھا، محض اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ خمس نہیں نکالا گیا تھا۔

۴۲۲۱، ۴۲۲۲ ـ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا شعبة: أخبرني عدي بن ثابت، عن البراء وعبد الله بن أبي أوفى أنهم كانوا مع النبي ﷺ فأصابوا حمرا واطبخوها، فنادى منادي النبي ﷺ: أكفئوا القدور. [انظر: ۴۲۲۳، ۴۲۲۵، ۴۲۲۶، ۵۵۲۵] ۴۵ ؎

ترجمہ: عدی بن ثابت حضرت براء اور عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے پھر انہیں گدھے ملے تو انہوں نے ان کا گوشت پکایا، تو نبی کریم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ ہانڈیاں انڈیل دو۔

۴۲۲۳، ۴۲۲۴ ـ حدثني إسحاق: حدثنا عبد الصمد: حدثنا شعبة: أخبرني عدي بن ثابت قال: سمعت البراء وابن أبي أوفى رضي الله عنهم يحدثان عن النبي ﷺ أنه قال يوم خيبر وقد نصبوا القدور: ((أكفئوا القدور)). [راجع: ۳۱۵۳، ۴۲۲۱]

ترجمہ: حضرت براء اور عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے روز، جبکہ ہانڈیوں کو چولہوں پر چڑھا دیا گیا تھا صحابہ کرام ؓ فرمایا کہ ہانڈیاں انڈیل دو۔

---

۴۵ ؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح ومايؤكل من الحيوان، باب تحريم أكل لحم الحمر الأنسية، رقم: ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، وسنن النسائي، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحوم الحمر الأهلية، رقم: ۴۳۳۹، ۴۳۳۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الذبائح، باب لحوم الحمر الوحشية، رقم: ۳۱۹۴، ۳۱۹۲، ومسند أحمد، حديث البراء بن عازب، رقم: ۱۸۵۷۳، ۱۸۶۷۰، بقية حديث عبدالله بن اوفى عن النبي ﷺ، رقم: ۱۹۱۱۶، ۱۹۱۴۷، حديث عبدالله بن اوفى، رقم: ۱۹۴۰۰

۴۲۲۵ ـ حدثنا مسلم: حدثنا شعبة، عن عدي بن ثابت، عن البراء قال: غزونا مع النبي ﷺ نحوه. [راجع: ۴۲۲۱]

ترجمہ: حضرت براء ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کیا پھر وہی حدیث بیان کی جو پیچھے روایت کی گئی ہے۔

۴۲۲۶ ـ حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا ابن أبي زائدة: أخبرنا عاصم، عن عامر، عن البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: أمرنا النبي ا في غزوة خيبر أن نلقي الحمر الأهلية نيئة ونضيجة، ثم لم يأمرنا بأكله بعد. [راجع: ۴۲۲۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر میں حکم دیا کہ پالتو گدھوں کا گوشت پھینک دو، کچا بھی اور پکا ہوا بھی، پھر آپ ﷺ ہمیں اس کے کھانے کا کبھی حکم نہیں دیا۔

۴۲۲۷ ـ حدثنا محمد بن أبي الحسين: حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي، عن عاصم، عن عامر، عن ابن عباس قال: لا أدري أنهى عنه رسول الله ﷺ من أجل انه كان حمولة الناس فكره أن تذهب حمولتهم أو حرمه في يوم خيبر لحم الحمر.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے اس لئے گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کی بار برداری کے کام آتا ہے اور ان کے کھا لینے سے لوگوں کو تکلیف ہوگی یا آپ ﷺ نے خیبر کے دن ہمیشہ کے لئے پالتو گدھوں کا گوشت حرام کر دیا ہے۔

تشریح

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت میں اپنا خیال بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ پتہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے جو منع فرمایا تھا وہ کس وجہ سے تھا۔

"من اجل انه كان حمولة الناس فكره أن تذهب حمولتهم" وہ اس وجہ سے منع فرمایا تھا کہ وہ سواری کے جانور تھے اور وہ لوگوں کی بار برداری کے کام آتا ہے اور اندیشہ یہ ہوا کہ اگر ان کو کھا لیا گیا تو سواریاں کم رہ جائیں گی۔

یا یہ کہ **"أو حرمه في يوم خيبر لحم الحمر"** آپ ﷺ نے خیبر کے دن ہمیشہ کے لئے اور مستقل پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہی کر دیا۔

۴۲۲۸ ـ حدثنا الحسن بن إسحاق: حدثنا محمد بن سابق: حدثنا زائدة، عن عبيد

الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قسم رسول الله ﷺ يوم خيبر للفرس سهمين وللراجل سهما، قال: فسره نافع فقال: إذا كان مع الرجل فرس فله ثلاثة أسهم فإن لم يكن له فرس فله سهم. [راجع: ۲۸۶۳]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن آپ ﷺ نے مال غنیمت اس طرح تقسیم فرمایا کہ گھوڑے کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ۔ نافع نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی کہ اگر کسی کے پاس گھوڑا ہوتا تو اسے تین حصے ملتے، ایک اس کا اور دو گھوڑے کے، اور اگر اس کے پاس گھوڑا نہ ہوتا تو اسے ایک حصہ ملتا۔

مالِ غنیمت میں گھڑ سوار کا حصہ

مالِ غنیمت کی تقسیم میں گھڑ سوار شخص کا حصہ کیا ہوگا اور پیدل شخص کا حصہ کیا ہوگا؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور فقہائے کرام رحمہم اللہ اجمعین کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کا مسلک

یہ جمہور فقہاء کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گھڑ سوار کو مالِ غنیمت میں سے تین حصے دیئے جائیں گے، ایک حصہ خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ [۲۶]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ فارس کے دو حصے ہوں گے، ایک حصہ اس گھڑ سوار کا اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کا۔ [۲۷]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جو دارقطنی، بیہقی اور وغیرہ میں حضرت ابن عمر

---

[۲۶] واحتج بهذه الأحاديث جمهور العلماء: أن سهام الفارس ثلاثة: سهمان لفرسه وسهم له، وبه قال مالك والشافعی واحمد وابویوسف ومحمد. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۲۲۸

[۲۷] وقال أبوحنيفة: لايسهم للفارس الا سهم واحد ولفرسه سهم. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۲۲۹

رضی اللہ عنہما ہے جس میں ایک حصہ گھوڑے اور ایک حصہ لڑنے والے (گھڑسوار) کو دینے کا ذکر ہے۔ [۴۸]

اور اسی طرح سنن ابوداؤد میں حضرت مجمع بن جاریہ انصاری ﷺ کی روایت ہے کہ **"فاعطی الفارس سهمين و اعطاء الراجل سهما"** اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ ایک اس آدمی کا اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کا۔ [۴۹]

حدیث میں تطبیق

حدیثِ باب کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ لفظ یا تو اصل میں ''فارس'' تھا اور راوی نے اس کو فرس کہہ دیا۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ اس میں جو دو حصے گھوڑے کو دیئے گئے وہ بطور مالِ غنیمت کے نہیں دیئے گئے بلکہ بطور نفل دیئے گئے۔

امام کو نفل کا اختیار حاصل ہے

اس لئے کہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مالِ غنیمت کے علاوہ کسی کو بطور انعام دینا چاہے تو اس کا اختیار ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ فرس کو جو ایک حصہ زیادہ دیا گیا ہے، وہ بطور نفل دیا گیا ورنہ استحقاق دو حصے کا تھا، یعنی ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ لڑنے والے کا۔

۴۲۲۹ ـ حدثنا يحى بن بكير: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب، أن جبير بن مطعم أخبره قال: مشيت أنا وعثمان بن عفان إلى النبى ﷺ فقلنا: أعطيت بني المطلب من خمس خيبر وتركتنا ونحن بمنزلة واحدة منك؟ فقال: ((إنما بنو هاشم وبنو المطلب شئ واحد)). قال جبير: ولم يقسم النبى ﷺ لبنى

---

[۴۸] واحتج في ذلك بما رواه الطبراني في ((معجمه))، وكذا بما رواه ابن أبي شيبة في ((مصنفه))، وأيضا بما رواه الدار قطني في كتابه ((المؤتلف والمختلف)) من حديث عبد الرحمن بن أمين عن ابن عمر: أن النبي، كان يقسم لفارس وللراجل سهماً. كذا ذكره العلامة بدر الدين العيني في عمدة القاری، ج:۱۴، ص: ۲۲۹، ۲۲۸، وسنن الدار قطني، كتاب السير، ج:۵، ص: ۱۸۸، رقم: ۴۱۸۲، والسنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب قسم الفئ والغنيمة، باب ماجاء في سهم الراجل والفارس، ج:۶، ص: ۵۲۹، ۱۲۸۶۹

[۴۹] سنن ابو داؤد، كتاب الجهاد، باب فمن اسهم له سهماً، ج:۳، ص: ۷۶، رقم: ۲۷۳۶

عبد شمس وبنی نوفل شیئا. [راجع: ۳۱۴۰]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جبیر بن مطعم ﷺ نے خبر دی کہ میں اور حضرت عثمان بن عفان ﷺ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور ہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بنی مطلب کو خیبر کے خمس میں سے حصہ دیا، اور ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ ہم آپ ﷺ سے قرابت میں ایک ہی درجہ میں ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے جواب دیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں، حضرت جبیر بن مطعم ﷺ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ حصہ نہیں دیا۔

نصرت و مدد کو قرابت پر فوقیت

حضرت جبیر بن مطعم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان ﷺ ہم دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گئے اور ہم نے عرض کیا آپ ﷺ نے بنو مطلب کو تو خیبر کے خمس میں سے دیا لیکن ہم کو چھوڑ دیا۔

اصل میں یوں ہے کہ عبد مناف آنحضرت ﷺ کے پردادا ہوئے تو ان کے چار بیٹے تھے:

ایک ہاشم جن سے حضور ﷺ ہوئے، دوسرے **مطلب** تھے، تیسرے **نوفل** تھے اور چوتھے **عبد شمس** تھے۔

تو بنو ہاشم رسول کریم ﷺ کے خاندان کے لوگ ہی ہیں۔

آپ ﷺ نے بنو مطلب کو بھی خیبر کے خمس میں سے کچھ عطا فرمایا تھا لیکن بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو نہیں دیا تھا۔ حضرت جبیر بن مطعم ﷺ بنو نوفل میں سے تھے اور حضرت عثمان بن عفان ﷺ بنو عبد شمس میں سے تھے۔

ان دونوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے عبد المطلب کے اولاد کو تو دیا ہے حالانکہ ہمارا درجہ بھی عبد مناف کی اولاد کے وہی ہے جو بنو مطلب کا ہے۔ [۹]

آپ ﷺ نے فرمایا **"انما بنو هاشم وبنو مطلب شئ واحد"** کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہے دونوں کا درجہ ایک ہے۔ اس لئے کہ بنو مطلب وہ تھے جنہوں نے شعب اُبی طالب کے محاصرہ کے موقع پر بنو ہاشم کا ساتھ دیا، ہر موقع پر بنو ہاشم کا ساتھ دیا بخلاف بنو نوفل او بنو عبد شمس کے کہ انہوں نے اس موقع پر ساتھ نہیں دیا۔

بہر حال معلوم ہوا کہ بنو مطلب اور بنو نوفل وغیرہ سے رشتہ داری کا تعلق ایک جیسا تھا لیکن آپ ﷺ نے دوسری باتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بنو مطلب کو بنو عبد الشمس اور بنو نوفل پر ترجیح دی۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ اگر بنیاد قرابت ہوتی تو سب کو یکساں طور پر دیتے لیکن چونکہ سب کو یکساں نہیں دیا، اس لئے معلوم ہوا کہ بنیاد قرابت نہیں ہے۔

۴۲۳۰ ـ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة: حدثنا برید بن عبد اللہ، عن أبی بردة، عن أبی موسی ﷺ قال: بلغنا مخرج النبی ﷺ ونحن بالیمن فخرجنا مهاجرین إلیه أنا وأخوان لی أنا أصغرهم،أحدهما أبو بردة والآخرأبو رهم .إما قال: بضعا،وإما قال: فی ثلاثة وخمسین أو اثنین وخمسین رجلا من قومی، فرکبنا سفینة، فألقتنا سفینتنا إلی النجاشی بالحبشة. فوافقنا جعفر بن أبی طالب فأقمنا معه حتی قدمنا جمیعا فوافقنا النبی ﷺ حین افتتح خیبر. وکان أناس من الناس یقولون لنا یعنی لأهل السفینة: سبقناکم بالهجرة. ودخلت أسماء بنت عمیس، وهی ممن قدم معنا، علی حفصة زوج النبی ﷺ زائرة وقد کانت هاجرت إلی النجاشی فیمن هاجر فدخل عمرعلی حفصة، وأسماء عندها، فقال عمر حین رأی أسماء: من هذه؟ قالت: أسماء بنت عمیس، قال عمر: الحبشیة هذه؟ آلبحریة هذه؟ قالت أسماء: نعم، قال: سبقناکم بالهجرة، فنحن أحق برسول اللہ ﷺ منکم، فغضبت وقالت: کلا واللہ، کنتم مع رسول اللہ ﷺ یطعم جائعکم ویعظ جاهلکم وکنا فی دار ـ أو فی أرض ـ البعداء البغضاء بالحبشة وذلک فی اللہ وفی رسوله ﷺ، وایم اللہ لا أطعم طعاما ولا أشرب شرابا حتی أذکرما قلت لرسول اللہ ﷺ ونحن کنا نؤذی ونخاف، وسأذکر ذلک للنبی ﷺ وأسأله واللہ لا أکذب ولا أزیغ ولا أزید علیه. [راجع: ۳۱۳۶]

۴۲۳۱ ـ فلما جاء النبی ﷺ قالت : یانبی اللہ ،إن عمر قال کذاوکذا ،قال: ((فما قلت له؟)) قالت :قلت له کذاوکذا ،قال: ((لیس بأحق بی منکم ،وله ولأصحابه هجرة واحدة،ولکم أنتم أهل السفینةهجرتان)).قالت: فلقدرأیت أبا موسی وأصحاب السفینة یأتوننی أرسالا یسألوننی عن هذا الحدیث ،ما من الدنیا شیء هم به أفرح ولا أعظم فی أنفسهم مما قال لهم النبی ﷺ. قال أبو بردة: قالت أسماء: فلقدرأیت أبا موسی وإنه لیستعید هذا الحدیث منی.

۴۲۳۲ ـ قال أبو بردة ،عن أبی موسی :قال النبی ﷺ:((إنی لأعرف أصوات رفقة الأشعریین بالقرآن حین یدخلون باللیل ،وأعرف منازلهم من أصواتهم بالقرآن باللیل وإن کنت لم أرمنازلهم حین نزلوابالنهار .ومنهم حکیم إذالقی الخیل ـ أو قال: العدو ـ قال لهم : إن أصحابی یأمرونکم أن تنظروهم)).

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ﷺ نے بیان کیا کہ ہمیں یمن میں آنحضرت ﷺ کے مکہ سے ہجرت کی خبر ملی تو

میں اور میرے دو بھائی جن سے میں چھوٹا تھا ایک ابو بردہ اور دوسرے ابورہم، ابوموسیٰ ﷺ فرماتے ہیں ہم پچاس سے کچھ زیادہ، یا یہ فرمایا کہ ۵۲ یا ۵۳ آدمیوں کے ہمراہ جو میری قوم کے تھے، ہم لوگ کشتی میں سوار ہو گئے، اس کشتی نے ہمیں حبشہ میں نجاشی کے پاس پہنچا دیا، تو وہاں ہمیں حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ ملے، ہم ان کے ساتھ مقیم ہو گئے۔

وہاں سے ہم سب مدینہ کی طرف چلے تو آنحضرت ﷺ سے فتح خیبر کے موقع پر ملاقات ہوئی، کچھ لوگ ہم اہل سفینہ سے یہ کہنے لگے کہ ہجرت میں لوگ تم سے سبقت لے گئے، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ آئی تھیں، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ملاقات کی غرض سے گئیں۔ اور انہوں نے مہاجرین کے ساتھ نجاشی کی طرف بھی ہجرت کی تھی، اسماء رضی اللہ عنہا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہی تھیں کہ حضرت عمر ﷺ، حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اسماء رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اسماء بنت عمیس ہیں، حضرت عمر ﷺ نے کہا کیا حبشہ والی یہ ہیں؟ کیا سمندر والی یہ ہیں؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں! حضرت عمر ﷺ نے کہا ہجرت میں ہم تم پر سبقت لے گئے، لہٰذا ہم تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے قریب اور حق دار ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر غصہ آ گیا، اور کہا ہرگز نہیں، بخدا تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے، اور ناواقف کو نصیحت و وعظ فرماتے تھے، اور ہم لوگ حبشہ میں غیروں اور دشمنوں کے گھر یا ملک میں تھے، اور یہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راستہ میں تھا، اور خدا کی قسم میرے اوپر کھانا پینا حرام ہے، جب تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے تمہاری بات نہ کہہ دوں، اور ہمیں تو ایذا دی جاتی تھی اور خوف دلایا جاتا تھا۔ میں بہت جلد یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کر کے آپ سے پوچھوں گی، اللہ کی قسم! نہ میں جھوٹ بولوں گی، نہ ہی کج روی اختیار کروں گی، اور نہ اس سے زیادہ بات بیان کروں گی۔

پھر جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! عمر نے ایسا ایسا کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ان سے اس اس طرح کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے قریب اور حقدار نہیں ہیں، کیوں کہ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی ایک مرتبہ ہجرت ہے، اور اے اہل سفینہ! تمہاری دو مرتبہ ہجرت ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں ابوموسیٰ اور اہل سفینہ کو دیکھتی کہ وہ میرے پاس گروہ در گروہ آتے اور یہ حدیث مجھ سے پوچھتے، دنیا کی کوئی چیز ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بڑی اور مسرت بخش نہیں تھی۔ ابو بردہ کہتے ہیں، اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابوموسیٰ ﷺ اس حدیث کو بار بار مجھ سے سنتے تھے۔

ابو بردہ بواسطہ ابوموسیٰ ﷺ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا اشعری لوگوں کے قرآن پڑھنے کی آواز کو جب وہ رات میں آتے ہیں پہچان لیتا ہوں، اور میں ان کے رات میں قرآن پڑھنے کی آواز سے ان کی منزلوں کو پہچان جاتا ہوں، اگرچہ دن میں، میں نے ان کی فرودگاہ نہ دیکھی ہو، ان میں سے حکیم بھی ہیں، جب وہ کسی جماعت یا دشمن سے مقابلہ کرتے تو ان سے کہتے میرے ساتھی تمہیں انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اشعریین کا یمن سے حبشہ پہنچنے کا واقعہ

اس روایت میں حضرت ابوموسی اشعری ﷺ اپنا واقعہ بیان فرمارہے ہیں، ان کا اصل وطن یمن میں تھا۔ ہم کو نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے کی اطلاع ملی جبکہ ہم یمن میں تھے۔

"فخرجنا مهاجرين الخ" تو ہم آپ کی طرف ہجرت کرنے کے ارادے سے نکلے، اس سفر میں میرے ہمراہ میرے دو بھائی تھے اور میں ان میں سب سے چھوٹا تھا، ایک ابو بردہ تھے اور دوسرے ابورہم تھے۔

"اما قال بضعا، واما قال: في ثلاثة الخ" ہم پچاس سے کچھ زیادہ، یا یہ فرمایا کہ باون یا ترپن آدمیوں کے ہمراہ، جو میری قوم کے تھے، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کر کے نکلے، **"فركبنا سفينة"** یمن سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آنے کیلئے ہم کشتی پر سوار ہوئے یعنی سمندری راستہ اختیار کیا۔

جزیرۃ العرب کی جغرافیائی حدود

جزیرۃ العرب کی ہیئت مربع کی صورت میں ہے، مغربی جانب بحیرۂ احمر اور خلیج عقبہ ہے، جنوب مشرق میں بحیرۂ عرب ہے اور شمال مشرق میں خلیج عمان، خلیج فارس اور آبنائے ہرمز واقع ہے۔

ملک یمن جزیرۃ العرب کے جنوب مغرب میں بحیرۂ احمر اور بحیرہ عرب کے کنارے پر واقع ہے، یمن کے شمال میں مکہ مکرمہ (اور موجود دور میں سعودی عرب) واقع ہے، یمن کے مغرب میں چونکہ بحیرۂ احمر واقع ہے تو یہاں کے لوگ اس دور میں مکہ جانے کے لئے دو راستہ اختیار کرتے تھے۔

ایک راستہ یہ تھا کہ یمن کے شمال میں خشکی کے راستے جائیں لیکن یہ راستہ بہت دشوار گذار ہے۔

دوسرا راستہ سمندر کی طرف جارہا ہے بحیرۂ عرب سے جو کہ یمن کے جنوب میں واقع ہے، بحیرۂ احمر میں داخل ہوں یا براہ راست بحیرۂ احمر جو کہ یمن کے مغربی جانب ہے وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر جدہ کے ساحل پر اتریں اور پھر وہاں سے مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ جائیں۔

بحیرۂ احمر کے ایک طرف تو جزیرۂ عرب ہے، یعنی مشرق میں اور مغرب اور جنوب کی طرف افریقہ ہے۔ جس میں کچھ حصہ حبشہ کا پڑتا ہے اور کچھ صومالیہ کا پڑتا ہے۔ درمیان میں بحیرۂ احمر پٹی کی طرح واقع ہے کہ اس کے ایک طرف تو جزیرہ عرب ہے، اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے، افریقہ کا شمال مشرقی کنارہ ہے، تو اس میں صومالیہ بھی آتا ہے اور حبشہ بھی آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جزیرۃ العرب کی حدارد ن کی سرحد سے یمن تک لمبائی میں اور چوڑائی میں بحیرۂ احمر سے خلیج فارس تک ہے۔ اس وقت جزیرۃ العرب میں کم از کم ایک درجن حکومتیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک حکومت تھی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **"فالقتنا سفينتنا إلى النجاشي بالحبشة"** ہم کشتی میں جارہے تھے کشتی ہوا کے رخ کی وجہ سے اِدھر کو جانے کے بجائے اُدھر کو ہوگئی اور یوں ہمیں اس کشتی نے حبشہ کے ساحل پر پہنچادیا۔

"فوافقنا جعفر بن أبي طالب الخ" وہاں جا کر ہم جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مل گئے، وہ ہم سے پہلے سے ہی ہجرت کر کے حبشہ گئے ہوئے تھے تو ہم ان کے ساتھ ٹھہر گئے یہاں تک کہ ہم سب اکٹھے حبشہ سے مدینہ منورہ آئے۔

حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت

"فوافقنا النبي ﷺ حين الخ" ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جا کر ملے جب کہ آپ ﷺ نے خیبر فتح کیا یعنی خیبر کا غزوہ ہو چکا تھا اور آپ ﷺ خیبر فتح فرما چکے تھے، جب ہم لوگ پہنچے۔

"وكان أناس من الناس الخ" اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ہم سے کہا کرتے تھے **"لأهل السفينة"** یعنی حبشہ سے جو لوگ کشتی میں سوار ہو کے آئے تھے تو ان سے بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم تم سے ہجرت میں سبقت کر گئے، یعنی تم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ بعد میں پہنچے اور ہم پہلے ہی مدینہ منورہ آچکے تھے۔

"ودخلت أسماء بنت عميس الخ" اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، اور وہ وہاں سے یعنی حبشہ سے ہمارے ساتھ ہی آئی تھیں، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی غرض سے ملنے کے لئے گئیں۔

"وقد كانت هاجرت الخ" اور انہوں نے بھی ہجرت کی تھی نجاشی کی طرف ان لوگوں کے ساتھ جو ہجرت کر کے حبشہ کی طرف گئے تھے۔

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن ہیں، اور بالکل ابتداء میں اسلام لے آئیں تھیں، ان کا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو یہ ان کے ساتھ تھیں، ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقعہ پر مدینہ منورہ آئیں، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد (جسکا واقعہ ان شاء اللہ آگے آئے گا)، ان کا نکاح نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کروادیا تھا، حجۃ الوداع کے موقع پر ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کی تیمارداری اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی کرتی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، اور ان سے حضرت علی کے دو بیٹے ہوئے۔ [۵۰]

"فدخل عمر علی حفصة الخ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اس وقت حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"فقال عمر حین رأی اسماء الخ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔

"قال عمر: آلحبشیة ھذہ الخ" کیا یہ وہی حبشہ والی ہے، کیا یہ وہی سمندر والی ہے یعنی کیا یہ وہی ہیں جو حبشہ سے آئی ہے اور سمندر کے راستے سے آئی ہے؟ تو اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہاں میں وہی ہوں، **"قال: سبقناکم بالھجرۃ الخ"** تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم نے ہجرت میں تم پر سبقت لی ہے اور ہم تمہارے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب اور حق دار ہیں۔

"فغضبت الخ" تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اس بات پر غصہ آگیا اور کہا **"کلا واللہ، کنتم مع رسول اللہ ﷺ الخ"** ہرگز نہیں اللہ کی قسم! تم لوگ تو مسلسل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے کہ وہ تم میں جو بھوکے تھے ان کو کھلاتے تھے اور تم میں جو جاہل تھے ان کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔

---

[۵۰] سیر أعلام النبلاء، ج:۳، ص:۵۱۷

"**وكنا في دار أو في أرض الخ**" اور ہم تو دور دراز اپنوں سے دور، مبغوض لوگوں کے وطن حبشہ کے اندر تھے، جہاں کوئی نہ ہمیں کھلانے والا تھا نہ کوئی نصیحت کرنے والا تھا، "**وذلک في الله الخ**" اور ہم نے یہ ہجرت اور یہ تکالیف اللہ اور رسول کی خاطر ہی اختیار کی تھیں، تو یہ کیا بات آپ نے کہہ دی۔

"**وايم الله لا أطعم طعاما ا الخ**" اللہ کی قسم! میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گی اور پانی بھی نہیں پیوؤں گی جب تک کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے نہ ذکر کرلوں، "**ونحن كنا نؤذى ونخاف الخ**" اور ہمیں تکلیفیں دی جارہی تھی اور ہمیں خوف دلایا جارہا تھا، میں یہ سارا کچھ حضور ﷺ کے سامنے بیان کروں گی اور جھوٹ نہیں بولوں گی اور کوئی ٹیڑھی بات نہیں کروں گی اور جو کچھ واقعہ ہوا ہے اس سے زیادہ اپنی طرف سے نہیں بتاؤں گی۔

اہلِ سفینہ کی قدردانی اوران سے قرابت

"**فلما جاء النبی ﷺ قالت: يانبی الخ**" چنانچہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے کہا کہ عمر نے اس طرح کی بات کی ہے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس سے کیا کہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے یہ یہ بات کہی ان سے یعنی وہ سب کچھ بیان کیا۔

"**قال: ليس باحق بی منكم الخ**" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے نزدیک تم سے زیادہ قریبی اور حق دار نہیں ہے، اوران کو اوران کے ساتھیوں کو تو ایک ہی ہجرت نصیب ہوئی مدینہ کی طرف اور اے کشتی والو! تم کو تو دو ہجرتیں ملی ہیں یعنی ایک حبشہ کی طرف اور ایک مدینہ منورہ کی طرف۔

"**أهل السفينة**" یہ یا تو منادی مضاف ہے بحذف حرف النداء "**يا اهل السفينه**" یا منصوب علی سبیل الإختصاص ہے "**واخص اهل السفينه**" اور ہوسکتا ہے کہ "**أهل السفينة**" ہو "**لكم**" کی ضمیر سے بدل ہوکر۔

ابوموسی اشعری ﷺ کی اس حدیث کی سماعت کیلئے بیتابی

"**قالت فلقد رأيت الخ**" اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے تو کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابوموسی اشعری ﷺ اور کشتی میں سوار ہونے والے دوسرے لوگ میرے پاس جماعت در جماعت یعنی بڑی تعداد میں آرہے ہیں۔

"**يسألونی عن هذا الحديث الخ**" اور مجھ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمارے بارے میں کیا ارشاد فرمایا، دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی کہ جس پر وہ زیادہ خوش ہوں اور نہ

ان کی نگاہ میں اتنی بڑی چیز تھی جتنی کہ رسول کریم ﷺ کی یہ بات ان کے لئے عظیم تھی۔

ابو بردہ رحمہ اللہ جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور وہی حدیث کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں **"قالت اسماء: فلقد رأيت أباموسى الخ"** حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اس حدیث کو بار بار لوٹا کر مجھ سے سنا کرتے تھے، اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے لذت حاصل کرنے کے لئے۔

نبی کریم ﷺ کی اشعریین سے الفت ومحبت

"وقال أبوبردة الخ" اور یہ اسی سند سے دوسری روایت نقل کر رہے ہیں کہ ابو بردہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **"قال النبي ﷺ اني لأعرف أصوات الخ"** اشعریین کے رفقاء کی قرآن پڑھنے کی آوازیں میں پہچان لیتا ہوں جب وہ رات کے وقت میں داخل ہوتے ہیں یعنی ان کے قرآن پڑھنے کی آوازیں میں الگ سے پہچان لیتا ہوں۔

"واعرف منازلهم من أصواتهم الخ" اور رات کے وقت میں جب قرآن پڑھتے ہیں تو میں انکی آوازوں سے ان کی منزلیں بھی پہچان لیتا ہوں کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔

"وان كنت لم أر منازلهم الخ" اگر چہ میں ان کی منزلیں نہ دیکھ پاتا ہوں جب کہ وہ اترتے ہوں دن کے وقت میں یعنی دن کے اوقات میں وہ کہاں رہتے ہیں یہ بسا اوقات مجھے پتہ نہیں ہوتا لیکن رات کو جب ان کی تلاوت کی آواز آتی ہے تو اس سے مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ اشعریین کہاں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو وہ تلاوت میں خوش آواز ہوں گے۔

دوسرا حضور اکرم ﷺ کو ان سے تعلق اور محبت کہ ان کے بارے میں یہ فکر کہ وہ کہاں ہیں۔

"ومنهم حكيم اذالقي الخيل الخ" اور انہی اشعری لوگوں میں سے ایک صاحب حضرت حکیم رضی اللہ عنہ تھے کہ جب کبھی دشمن کے لشکر کا سامنا ہوتا تو ان دشمنوں سے کہتے ہیں **"ان اصحابي يامرونكم ان تنظروهم"** یعنی جب یہ آگے جاتے دشمن کی طرف اور آگے بڑھتے تو دشمن ان کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا، تو یہ ان سے کہتے کہ میرے ساتھیوں نے تم سے کہا ہے کہ تھوڑی دیر ان کا انتظار کرلو وہ بھی پیچھے آرہے ہیں۔

مطلب یہ کہ تم بھاگو نہیں تھوڑی دیر ان کا انتظار کرلو کہ وہ بھی پیچھے سے آنے والے ہیں یعنی یہ اتنے بہادر تھے کہ دشمن کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر مزید ان کو قتال پر اور لڑائی پر برانگیختہ کرتے تھے بجائے اس کے کہ ان سے ڈریں۔

۴۲۳۳ــ حدثني إسحاق بن أبراهيم :سمع حفص بن غياث: حدثنا بريد بن عبد الله، عن أبي موسى، قال: قدمنا على النبي ﷺ بعد أن افتتح خيبر فقسم لنا ولم يقسم لأحد لم يشهد الفتح غيرنا .[راجع: ۳۱۳۶]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس فتح خیبر کے بعد آئے تو آپ ﷺ نے مال غنیمت میں ہمارے لئے تقسیم کرتے وقت حصہ مقرر فرمایا، حالانکہ ہم غزوہ خیبر میں شریک نہیں ہوئے تھے، اور آپ ﷺ نے ہمارے علاوہ کسی کو بھی جو فتح خیبر میں شریک نہ تھا حصہ نہیں دیا۔

لڑائی کے بعد شریک ہونے والوں کیلئے مالِ غنیمت کا حکم

اس روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب حبشہ سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے، اس وقت آپ ﷺ خیبر کو فتح کر چکے تھے۔

"فقسم لنا" تو جب مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تو آپ ﷺ نے ہمیں بھی تقسیم غنیمت میں شامل فرمایا۔ **"ولم يقسم لأحد لم يشهد الفتح غيرنا"** اور ہمارے علاوہ مالِ غنیمت کسی اور کو تقسیم نہیں کیا جو کہ فتح کے وقت میں موجود نہیں تھا۔

یعنی ہم ان لوگوں میں شامل ہے جو فتح میں موجود نہیں تھے پھر بھی آپ ﷺ نے ہمیں (ملکِ حبشہ سے کشتی میں سفر کر کے آنے والے اصحاب سفینہ کو) مال غنیمت تقسیم فرمایا اور باقی کسی کو جو فتح کے وقت موجود نہیں تھے مال غنیمت کی تقسیم میں شامل نہیں فرمایا۔

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد اور فتح مکمل ہونے کے بعد اگر کچھ لوگ آجاتے ہیں تو وہ آیا مال غنیمت کی تقسیم میں شامل ہوں گے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جنگ میں شامل نہیں وہ مال غنیمت کی تقسیم میں بھی شامل نہیں۔ سیدھی بات ہے کہ ان کو مال غنیمت میں سے کسی چیز کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جو لوگ آکر شامل ہوگئے اگر چہ وہ جنگ میں شامل نہ ہوئے ہوں وہ مال غنیمت میں حصہ دار ہوں گے جب تک کہ مال غنیمت تقسیم کر کے دارالاسلام میں پہنچ نہ گیا ہو۔ دارالاسلام میں پہنچ جائے تو پھر اس کے بعد آنے والا حصہ دار نہیں ہے لیکن دارلاسلام میں پہنچنے سے پہلے پہلے حصہ دار ہے۔

اب اس حدیث کا ایک حصہ شافعیہ کا مطابق ہے اور دوسرا حصہ حنفیہ کے مطابق ہے۔ غیر اشعریین کو تقسیم نہیں فرمایا یہ شافعیہ کے مطابق ہے۔ اور اشعریین کو تقسیم فرمایا تو بظاہر یہ حنفیہ کے مطابق ہے۔

لہٰذا دونوں جانب کے علماء اس میں تاویل کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کیا قصہ ہے اشعریین کو دیا اور غیر اشعرین کو نہیں دیا تو اس وجہ سے اس میں کافی لمبی چوڑی توجیہات کی گئی ہیں۔

لیکن جو زیادہ واضح بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب خیبر فتح ہوگیا اور نبی کریم ﷺ کی حکومت وہاں قائم ہوگئی تو وہ دارالاسلام بن گیا اب جو مال غنیمت ہے وہ دارالاسلام میں ہے اور جب دارالاسلام میں ہے تو اب آنے والے اس کے حصہ دار نہیں۔

لہٰذا غیر اشعریین کو جو نہیں دیا وہ اسی عام قاعدہ کے مطابق نہیں دیا اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کو جو مال دیا وہ خمس میں سے دیا گیا، لہٰذا خمس کے اندر تو نبی کریم ﷺ کو مکمل اختیار ہے کہ جس کو چاہے دیدیں تو اس پر کسی اعتراض کی بات نہیں ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اشعریین کی خصوصیت ہو کہ انہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں کہ پہلے خود رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے، کشتی انکو حبشہ لے گئی اور حبشہ میں اتنے عرصہ جلاوطنی کی زندگی گذاری تو یہ سب تکلیفیں اٹھائیں، اس واسطے آپ ﷺ نے ان کے تطییبِ خاطر کیلئے خاص طور پر اس مرتبہ شامل کرلیا ہو ورنہ عام حکم یہ نہیں تھا۔ [۵۱]

۴۲۳۴ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد: حدثنا معاویة بن عمرو: قال أبو اسحاق، عن مالک بن أنس قال: حدثنی ثور: قال سالم مولی ابن مطیع: أنه سمع أبا هریرة رضی اللہ عنہ یقول: افتتحنا خیبر ولم نغنم ذهبا ولا فضة، إنما غنمنا البقر والإبل والمتاع والحوائط ثم انصرفنا مع رسول اللہ ﷺ إلی وادی القری ومعه عبد له یقال له: مدعم، أهداه له أحد بنی الضباب، فبینما هو یحط رحل رسول اللہ ﷺ إذ جاءه سهم عائر حتی أصاب ذلک العبد. فقال الناس: هنیئا له الشهادة، فقال رسول اللہ ﷺ: ((بل والذی نفسی بیده إن الشملة التی أصابها یوم خیبر من المغانم لم تصبها المقاسم لتشتعل علیه نارا)). فجاء رجل حین سمع ذلک من النبی ﷺ بشراک أو بشراکین فقال: هذا شیٔ کنت أصبته، فقال رسول

---

[۵۱] واحتج أصحابنا بهذا الحدیث علی أن الذین یلحقون الغنیمة قبل احرازها بدار الاسلام یشارکونهم فیها، خلافاً للشافعیة، فانهم احتجو بقوله ﷺ: الغنیمة لمن شهد الوقعة. قلت: هذا موقوف علی عمر رضی اللہ عنہ، ورفعه غریب! فان قلت: قال بعض الشافعیة: حدیث أبی موسی محمول علی أنهم شهدوا قبل حوز الغنائم. قلت: یحتاج ذلک الی بیان، وقال ابن حبان فی ((صحیحه)): انما اعطاهم من خمس خمسة لیستمیل به قلوبهم ولم یعطهم من الغنیمة لانهم لم یشهدوا فتح خیبر. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۶۳، و ج: ۱۵، ص: ۶۷

ﷺ: ((شراک أو شراکان من نار)). [انظر: ۶۷۰۷] ۵۲

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے خیبر فتح کیا، اور ہمیں مال غنیمت میں سونا چاندی نہیں ملا، بلکہ گائے، اونٹ، اسباب اور باغ ملے، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ میں آئے، اور آپ ﷺ کے ہمراہ مدعم نامی آپ ﷺ کا غلام تھا جو بنی ضباب کے ایک آدمی نے آپ کو نذرانہ میں دیا تھا، وہ آپ ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اتنے میں ایک ایسا تیر جس کے مارنے والے کا پتہ نہ تھا اس طرف آیا اور اس غلام کو لگ گیا، لوگوں نے کہا اس کو شہادت مبارک ہو، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر کے دن مال غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے لے لی تھی، اس پر آگ کا شعلہ بنے گی، رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سن کر ایک آدمی ایک یا دو تسمہ لے کر آیا اور کہنے لگا یہ چیز مجھے ملی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تسمے بھی آگ کے ہو جاتے۔

تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "افتتحنا خیبر" ہم نے خیبر فتح کیا۔

اگر چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہوئے تھے، فتح خیبر بعد میں آئے تھے، لیکن متکلم کا صیغہ "المسلمون" کے معنی میں ہے کہ ہم مسلمانوں نے خیبر فتح کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ **"افتتحنا أی: افتتح المسلمون خیبر"** یعنی جب مسلمانوں نے خیبر فتح کیا۔ ۵۳

"ولم نغنم ذهبا ولا فضة الخ" تو ہمیں مال غنیمت میں نہ سونا ملا نہ چاندی، ہمیں جو ملا وہ گائے، اونٹ، سامان اور باغات، پھر ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ میں چلے گئے۔

خیبر کو فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ وادی القریٰ تشریف لے گئے تھے اور وادی القریٰ والوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مصالحت کر لی تھی۔

---

۵۲ وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم الغلول وأنه لایدخل الجنة الا المؤمنون، رقم: ۱۱۵، وسنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی تعظیم الغلول، رقم: ۲۷۱۱، وسنن النسائی، کتاب الایمان والنذور، هل تدخل الأرضون فی المال اذا نذر، رقم: ۳۸۲۷، ومؤطا مالک، کتاب الجهاد، باب ماجاء فی الغلول، رقم: ۲۵

۵۳ وقوله: ((افتتحنا))، أی المسلمون. فتح الباری، ج: ۷، ص: ۴۸۸، وعمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۳۶۴

"ومعه عبد له يقال له: مدعم الخ" اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جس کا نام مدعم تھا، بنی ضباب کے کسی آدمی نے وہ غلام بطور ہدیہ نبی کریم ﷺ کو پیش کیا تھا۔ وہ غلام رسول کریم ﷺ کا کجاوا اتار رہا تھا، اونٹ کی پشت سے کجاوا زمین پر اتار کر رکھ رہا تھا، **"إذ جاء سهم عائر"** کہ اتنے میں ایک ایسا تیر آیا جس کا پھینکنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"سهم عائر" اس تیر کو کہتے ہیں جس کا پھینکنے والا نظر نہ آئے۔ اس کو **"سهم غرق"** بھی کہتے ہیں اور **"سهم عائر"** بھی کہتے ہیں۔

"حتى أصاب ذلک العبد الخ" یہاں تک کہ وہ تیر آ کر اس غلام کو لگ گیا، اسی میں وہ شہید ہو گیا تو لوگوں نے کہا کہ ان کو شہادت مبارک ہو۔

تقسیم سے قبل مالِ غنیمت سے اُٹھانا بھی حرام

"فقال رسول الله ﷺ بل والذی نفسی الخ" آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

بعض روایتوں میں **"بلیٰ"** ہے بعض میں **"بل"** ہے اور بعض میں **"کلا"** ہے۔

"کلا" تو سمجھ میں آتا ہے اور **"بل"** بھی سمجھ میں آتا ہے، البتہ **"بلی"** میں ذرا اشکال ہے، کیونکہ آگے آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس طرح کا شہادت کا حکم نہ لگاؤ کیونکہ ان کو عذاب ہو رہا ہے۔

تو اس لئے بعض لوگوں نے کہا **"بلی"** ہو تو بھی اس کے معنی بن سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ شہادت تو ٹھیک ہے ان کی شہادت تو ہوئی ہے، شہادت کے احکام تو دنیا میں ان پر جاری ہوں گے لیکن ساتھ ساتھ بتلایا کہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ حقوق العباد بھی اس سے ساقط ہو گئے ہوں، لہٰذا حقوق العباد کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے، یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

"ان الشملة التی أصابها الخ" وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن مال غنیمت میں سے لے لی تھی، **"لم تصبها المقاسم الخ"** جن کو تقسیم ابھی تک لاحق نہیں ہوئی تھی یعنی مال غنیمت ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھی اور چادر اس نے اٹھالی تھی تو اس وقت وہ اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔

"فجاء رجل حین سمع الخ" تو جب یہ بات سنی تو ایک شخص ایک یا دو تسمے لایا اور آ کر کہا کہ میں نے یہ اٹھالئے تھے، **"فقال رسول الله ﷺ: شراک أو شراکان من نار"** آپ ﷺ نے فرمایا ایک یا دو آگ کے تسمے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ شہادت سے حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے، مال غنیمت میں اگر کسی نے خیانت کی ہے تو محض شہید ہونے سے وہ معاف نہیں ہوگی اور اللہ بچائے عذاب ہونے کا اندیشہ ہے۔

۴۲۳۵ ۔ حدثنا سعید بن أبی مریم: أخبرنامحمد بن جعفر قال: أخبرنی زید، عن أبیہ: أنہ سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول: أما والذی نفسی بیدہ لو لا أن أترک آخر الناس ببانا لیس لھم شیٔ ما فتحت علی قریۃ إلاقسمتھا کما قسم النبی ﷺ خیبر ولکنی أترکھا خزانۃ لھم یقتسمونھا. [راجع: ۲۳۳۴]

ترجمہ: زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مجھے آنے والی نسلوں کے مفلس ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو جو ملک بھی فتح ہوتا میں اسے اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح نبی کریم ﷺ نے کیا تھا، لیکن میں اسے آنے والوں کے لئے خزانہ کے طور پر چھوڑ رہا ہوں جسے وہ تقسیم کرلیں گے۔

۴۲۳۶ ۔ حدثنی محمد بن المثنی: حدثنا ابن مھدی، عن مالک بن أنس، عن زید بن أسلم، عن أبیہ، عن عمر رضی اللہ عنہ قال: لو لا آخر المسلمین ما فتحت علیھم قریۃ إلا قسمتھا کما قسم النبی ﷺ خیبر. [راجع: ۲۳۳۴]

ترجمہ: زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ بھی فتح ہوتا میں اسے تقسیم کر دیتا، جس طرح کہ نبی ﷺ نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔

مفتوحہ اراضی کے بارے میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ **"لو لا أن أترک آخر الناس ببانا"** اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کو میں خالی چھوڑ دوں گا۔

"ببان" کے معنی ہے خالی، فقیر، جس کے پاس کچھ نہ ہو، یہ عربی کا کلمہ نہیں ہے کسی اور زبان کا کلمہ ہے جو یہاں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استعمال کرلیا اور یہاں معنی میں ہوئے فقیر کے یعنی جس کے پاس مال نہ ہو۔ [۵۴]

---

[۵۴] قولہ: ((ببانا)) بفتح الباء الموحدۃ الأولی وتشدید الثانیۃ وبالنون، معناہ: شیئاً واحداً، وقال الخطابی: ولا أحسب ھذہ اللفظۃ عربیۃ ولم أسمعھا فی غیر ھذا الحدیث. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۳۶۵

فرمایا کہ مجھے اندیشہ یہ نہ ہوتا کہ میں آخر میں آنے والے لوگوں کو فقیر بنا کر چھوڑوں گا تو جب بھی کوئی بستی فتح ہوتی تو اس کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کرتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین تقسیم فرمائی۔

یہ بات آپ رضی اللہ عنہ نے اراضی یعنی سواد شام اور عراق کے زمینوں کے بارے فرمائی تھی میں کہ جب شام اور عراق فتح ہوئے تو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال یہ تھا کہ ان کی زمین بھی اسی طرح تقسیم کی جائے مسلمانوں کے درمیان جس طرح خیبر کی زمین حضور ﷺ نے تقسیم فرمائی تھی۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اس طرح تقسیم کرتا رہا تو پھر آگے آنے والوں کیلئے کچھ بھی نہیں بچے گا، لہٰذا انہوں نے زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے ان کے مالکان کو ان پر برقرار رکھا اور ان پر خراج عائد کردیا اس خیال سے کہ وہ خراج بیت المال سے سارے تقسیم ہو کر مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

یہ واقعہ بہت اہم سمجھا جاتا ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اسلام میں نظام اراضی میں نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس لئے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بہت اختصار کے ساتھ نقل فرمائی ہے، جس سے پورا مفہوم واضح نہیں ہوتا، اسکی تھوڑی سی تفصیل سمجھنے کی ضرورت ہے، جو بڑی اہم ہے، کیونکہ اسکی بنیاد پر بہت سے احکام شرعیہ ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے زمانۂ مبارک میں عام طور سے یہ طریقہ تھا کہ جب طاقت کے ذریعے کوئی شہر یا ملک فتح ہوتا تھا تو اس کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھیں، جب خیبر فتح ہوا تو خیبر کے فتح ہونے کے وقت نبی ﷺ نے خیبر کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیں جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ملی تھی۔ [۵۵]

بعد میں جب بحرین فتح ہوا تو بحرین کی فتح کے بعد بھی نبی کریم ﷺ نے وہاں کی زمینیں بھی مجاہدین میں تقسیم فرمائیں۔

---

[۵۵] ان عمر رضی اللہ تعالی عنہ، تصدق بمال لہ علی عهد رسول اللہ ﷺ و کان یقال لہ: ثمغ، و کان نخلاً فقال عمر: یارسول اللہ! انی استفدت مالاً وھو عندی نفیس، فاردت ان أتصدق بہ، فقال النبی ﷺ: ((تصدق باصلہ، لایباع ولایوھب ولایورث، ولکن ینفق ثمرہ)). فتصدق بہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فصدقتہ تلک فی سبیل اللہ وفی الرقاب والمساکین والضیف وابن السبیل ولذی القربی، ولاجناح علی من ولیہ أن یاکل منہ بالمعروف أو یؤکل صدیقہ غیر متمول بہ. قولہ: ((تصدق باصلہ))، ھذہ العبارۃ کنایۃ عن الوقف. عمدۃ القاری، ج: ۱۲، ص: ۲۵۵، ۲۵۴

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی یہی طریقہ برقرار رہا کہ جب کوئی بستی یا ملک فتح ہوتا تو اس کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی جاتی تھیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور عراق فتح ہوا، اس کے بعد شام فتح ہوا، جب عراق فتح ہوا تو دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے کی زمینوں کو **"ارض السـواد"** کہا جاتا تھا، اس وقت جن مجاہدین نے عراق فتح کیا تھا ان کا خیال یہ تھا کہ پرانے دستور اور معمول کے مطابق یہ زمینیں ہمارے درمیان تقسیم ہوں گی اور ہمیں ان کا مالک بنایا جائے گا۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں تردّد ہوا اور ان کی رائے یہ تھی کہ زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان پرانے مالکوں کو ہی زمینوں پر برقرار رکھا جائے اور ان پر خراج عائد کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر ساری زمینیں اسی طرح تقسیم کی جاتی رہیں کہ جب بھی کوئی ملک فتح ہوا مجاہدین میں تقسیم کردی گئیں تو ساری زمینوں کا مجاہدین کے درمیان ارتکاز ہو جائے گا کہ سب مجاہدین بڑی بڑی زمینوں اور رقبوں کے مالک ہو جائیں گے اور آنے والی نسلیں یا جو لوگ نئے مسلمان ہونگے جو جہاد میں شریک نہیں تھے تو ان کے لئے کوئی زمین باقی نہیں رہے گی، وہ دیکھیں گے کہ تمام زمینیں اپنے مالکوں سے سمیت تقسیم ہو چکی ہیں اور باپ دادوں سے میراث میں بٹتی آرہی ہیں تو ان بعد میں آنے والوں کا کیا ہوگا؟ اس واسطے اگر سب زمین تقسیم کردی جائے تو یہ مفسدہ لازم آنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ایسا کرنے کے بجائے ہم یہ کریں کہ جن ممالک کو ہم نے فتح کیا ہے ان کے مالکانِ اراضی سے کہیں کہ آپ بدستور ان کی کاشت جاری رکھیں البتہ ہمیں خراج دیں، تو ان پر خراج عائد کر کے وہ خراج بیت المال میں جمع کردیا جائے، اور بیت المال چونکہ سارے مسلمانوں کا حق ہے، لہٰذا اس کا فائدہ سارے مسلمانوں کو پہنچے گا اور ان میں آنے والے مسلمان بھی داخل ہوں گے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی سے اختلاف

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ میری رائے یہ ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی دو گروہ ہو گئے۔

ایک گروہ جو اس رائے کے حق میں نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ زمینوں کے اندر وہی طریقہ جاری رہنا چاہئے جو نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں جاری تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی جاری تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ زمینیں اور ان کے باشندے

سب مالِ غنیمت ہی کا حصہ ہیں یعنی مالِ غنیمت کی تقسیم عام قاعدے کے مطابق ہی مجاہدین میں تقسیم ہونی چاہئے کیونکہ ان کا حق ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کی بات سن کر حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ بات تو آپ کی صحیح ہے کہ یہ زمینیں مالِ غنیمت کا حصہ ہیں، لیکن میری رائے یہ نہیں ہے کہ انہیں مجاہدین میں تقسیم کیا جائے۔

کیونکہ میرے بعد کوئی ایسا شہر فتح نہیں ہوگا جس سے کچھ زیادہ مال و جائیداد حاصل ہو بلکہ بعید نہیں کہ وہ نیا شہر مسلمانوں پر بوجھ ہی بنا رہے اور اگر میں عراق وشام کی زمینیں ان کے زمینداروں سمیت تقسیم کردیں تو سرحدوں کی حفاظت کیلئے رقم کہاں سے آئے گی؟ شام وعراق کے علاقوں میں جو یتیم اور بیوائیں موجود ہیں ان کی دیکھ بھال کیسے ہوگی؟ ۵۶

دیگر باتوں کی اپنی ایک حیثیت اور مقام تھا، لیکن یہ بات زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ آنے والے مسلمانوں پر بھی احسان ہو اور ان کا خیال ہو۔ ۵۷

بعض حضرات نے حضرت عمر ﷺ کی اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ نے ہماری تلواروں سے جو مالِ غنیمت ہمیں عطا فرمایا ہے وہ ایسے لوگوں کے لئے روک رکھیں جو اس معرکے میں نہ حاضر تھے، نہ موجود تھے اور ایسے لوگوں کی اولاد اور اولاد کی کے لئے روکے رکھیں جو جنگ میں شریک نہیں؟

---

۵۶ وقال الطبری: المعنی: لولا أن أترکهم فقرا معدمین لا شیء لهم، أی: متساویین فی الفقر، ویقال: معناه لولا أترک الذین هم من بعدنا فقراء مستویین فی الفقر لقسمت أراضی القری المفتوحة بین الغانمین، لکنی ما قسمتها بل جعلتها وقفاً مؤبداً ترکتها کالخزانة لهم یقتسمونها کل وقت الی یوم القیامة. وغرضه أنی لا أقسمها علی الغانمین کما قسم رسول الله ، نظراً الی المصلحة العامة للمسلمین، وذلک کان بعد استرضائه لهم، کما فعل عمر بن الخطاب بأرض العراق وقال ابن الأثیر: معناه: لأسوین بینهم فی العطاء حتی یکونوا شیئاً واحداً لا فضل لأحد علی غیره. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۶۵

۵۷ ((الا قسمتها))، زاد ابن ادریس الثقفی فی روایة: ما افتتح المسلمون قریة من قری الکفار الاقسمتها سهماناً. قوله: ((بین اهلها))، ای: الغانمین. قوله: ((کما قسم النبی ﷺ))، وزاد ابن ادریس فی روایته: ولکن أردت أن یکون جزیة تجری علیهم، وقدکان عمر رضی الله تعالیٰ عنه، یعلم أن المال یعز، وأن الشح یغلب، وأن لاملک بعد کسری یقیم وتحرز خزائنه فیغنی بها فقراء المسلمین، فأشفق أن یبقی آخر الناس لا شیء لهم، فرأی أن یحبس الأرض ولا یقسمها، کما فعل بأرض السواد، نظراً للمسلمین وشفقة علی آخرهم بدوام نفعها لهم ودر خیرها علیهم، وبهذا قال مالک فی أشهر قولیه: ان الأرض لا تقسم. عمدة القاری، ج:۱۲، ص: ۲۵۵،۲۵۶

ان حضرات کے جواب میں حضرت عمر ﷺ نے یہی فرمایا کہ یہ ایک رائے ہے کوئی حتمی فیصلہ نہیں، چنانچہ لوگوں نے کہا کہ مزید لوگوں سے بھی مشورہ کر لیجئے۔

چنانچہ حضرت عمر ﷺ نے اس معاملے میں مہاجرین اولین سے مشورہ فرمایا، ان میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کی رائے تھی کہ مجاہدین کے حقوق انہیں میں تقسیم کئے جائیں، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

بعض دوسرے صحابہ کرام ﷺ جن میں حضرت عثمان ﷺ، حضرت علی ﷺ، حضرت طلحہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ بھی داخل ہیں، حضرت عمر ﷺ کی اس رائے سے متفق تھے کہ اگر اسی طرح زمینیں تقسیم کی جاتی رہیں تو آنے والوں کے لئے کوئی زمین نہیں رہے گی۔

اب جب یہ اختلاف سامنے آیا تو حضرت عمر ﷺ کے مہاجرین وانصار کے مختلف گروہوں کے بڑے بڑے حضرات کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تفصیلی تقریر فرمائی۔

حضرت عمر ﷺ کی تقریر

حضرت عمر ﷺ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لئے زحمت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے معاملات کی جس امانت کا بوجھ مجھ پر ڈالا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس میں آپ بھی شریک ہوں، اس لئے کہ میں بھی لوگوں جیسا ہی ایک شخص ہوں، لہٰذا حق بات کا برملا اظہار کریں، جو چاہے میری رائے کے خلاف رائے دے اور جو چاہے میری موافقت کرے اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میری خواہش ہے آپ اس میں میری موافقت واتباع کریں۔

میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو یا کوئی بدعت یا سنت کے خلاف ہو، آپ کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب قرآن موجود ہے، جو حق بات کہتی ہے۔

خدا کی قسم! اگر میں اپنے کسی ارادے کا اظہار کروں گا تو اس کا مقصد بھی حق تک پہنچنا ہی ہوگا۔

اس پر صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ فرمائیے، ہم توجہ سے سن رہے ہیں۔

اب حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے ان لوگوں کی باتیں سنی ہوں گی جن کا خیال ہے کہ میں عراق وشام کی زمینیں لوگوں میں تقسیم نہ کر کے ان کے حقوق پر ظلم کر رہا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی ظلم کا ارتکاب کروں، اگر میں نے ان لوگوں سے کوئی ایسی چیز ظلماً لی ہوتی جو ان کی ملکیت میں ہوتی اور وہ میں ان سے چھین کر کسی اور کو دے دیتا تو یقیناً میں شقاوت کا مرتکب ہوتا۔

لیکن میں نے سوچا ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کے بعد کوئی ایسی اہم سرزمین باقی نہیں رہی جو آئندہ فتح ہو، اللہ تعالیٰ نے آج ہمیں کسریٰ کا مال ودولت، اس کی زمینیں اور اس کے لوگ مالِ غنیمت کے طور پر عطاء فرمائے،

جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے تو جتنا مال و دولت غنیمت میں حاصل ہوا تھا، وہ میں نے اس کے مستحقین یعنی مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور اس کا پانچواں حصہ نکال کر بیت المال میں جمع کر دیا، اسے قاعدہ کے مطابق صرف کر دیا اور کچھ کو صرف کرنے میں لگا ہوں۔

لیکن زمینوں کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ انہیں ان کے مالکوں کے ساتھ روک رکھوں اور ان لوگوں کے ذمے ان زمینوں کا خراج عائد کر دوں اور ان کی جانوں کے تحفظ کیلئے ان پر جزیہ عائد کر دوں، یہ لوگ جزیہ اور خراج ادا کرتے رہیں جو مسلمانوں کیلئے فیٔ بن جائے، اس مال سے مجاہدین بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کی اولاد بھی اور آئندہ آنے والے مسلمان بھی فائدہ اٹھائیں۔

کیونکہ اگر اس طرح سے فتح کے بعد زمینیں تقسیم کی جاتی رہیں تو ایک طرف تو یہ ہوگا کہ ساری زمینیں مجاہدین کی ملکیت میں آ جائیں گی اور دوسرے حضرات رمسلمان جو آئندہ آنے والے ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔

دوسری طرف یہ ہوگا کہ عالم اسلام کی ضروریات بڑھتی جارہی ہیں، عالم اسلام کا خطہ وسیع ہو رہا ہے ،ہمیں سرحدوں کی حفاظت کی ضرورت ہے، اس کیلئے فوج کی ضروت ہے، ان کی تنخواہوں کا مسئلہ ہے، اسلحہ کی ضرورت ہے، نئی نئی بستیاں بن رہی ہیں ان کے انتظام وانصرام کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔

اگر یہ ساری کی ساری زمینیں اسی طرح تقسیم کر دی گئیں اور ان کے باشندے غلاموں کے طور پر تقسیم کر دئے گئے تو ان سرحدوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ عالم اسلام کی ان نت نئی ضروریات کو کون پورا کرے گا؟

اور ساتھ فاروق اعظم حضرت عمرؓ نے آیت کریمہ بھی تلاوت فرمائی جس میں مصارف وغنیمت کا ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُ وا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَالَّذِينَ جَاءُ وا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [58]

---

[58] [الحشر: ۹، ۱۰]

اس آیت کے آخر میں جہاں مالِ غنیمت کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے پہلے مہاجرین کا ذکر کیا، پھر آگے انصار کا ذکر کیا پھر بعد میں آنے والے مسلمانوں کا بھی ذکر آیا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمانا یہ تھا کہ غنیمت کے مستحقین میں اللہ تعالیٰ نے تین درجات مقرر فرمائے ہیں:

ایک مہاجرین، دوسرے انصار اور تیسرے بعد میں آنے والے مسلمان۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر میں ساری زمینوں کو مہاجرین اور انصار میں تقسیم کردوں گا تو بعد میں آنے والوں کا کیا بنے گا۔

لہٰذا میں کسی پر ظلم نہیں کر رہا اور نہ میں کسی کی ملکیت کو ضبط کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ جو مالِ غنیمت حاصل ہو رہا ہے وہ سارا کا سارا اگر اسی طرح تقسیم کر دیا گیا، زمینیں اسی طرح تقسیم کر دی گئیں تو بعد میں آنے والوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

حالانکہ قرآن کریم میں ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ﴾ کہا گیا ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جو موجودہ املاک اراضی ہیں ان کو ان کی اراضی پر برقرار رکھا جائے اور ان پر خراج عائد کر کے وہ خراج بیت المال میں داخل کیا جائے، تا کہ بیت المال کے ذریعے سارے مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچے، یہاں تک کہ آنے والی (قیامت تک) نسلوں کو بھی نفع پہنچے۔ [59، 60]

جب یہ تقریر فرمائی اور اپنے دلائل پیش کئے تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اتفاق کرلیا اور کہا کہ آپ کی رائے صائب ہے، آپ نے اچھی بات سوچی ہے۔

---

[59] قوله: ((لولا آخر المسلمين)) المعنى: لو قسمت كل قرية على الفاتحين لما بقي شيء لمن يجيء بعدهم من المسلمين، قال الكرماني: هو حقهم لم لا يقسم عليهم، فأجاب بأنه يسترضيهم بالبيع ونحوه ويوقفه على الكل، كما فعل بأرض العراق وغيرها. قوله: ((كما قسم النبي خيبر))، ولم يكن قسم خيبر بكمالها، ولكنه قسم منها طائفة وترك طائفة لم يقسمها، والذي قسم منها هو الشق والنطاة، وترك سائرها فللامام أن يفعل من ذلك ما رآه صلاحاً، واحتج عمر، رضي الله تعالىٰ عنه، في ترك قسمة الأرض بقوله تعالىٰ: ﴿وما أفاء الله على رسوله﴾ [الحشر: ۷] الى قوله: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ﴾ [الحشر: ۱۰]. وقال عمر: هذه الآية قد استوعبت الناس كلهم فلم يبق أحد منهم الا وله في هذا المال حق حتى الراعي بعدي، وقال أبو عبيد: والى هذه الآية ذهب علي ومعاذ، رضي الله تعالىٰ عنهما، وأشار عمر باقرار الأرض لمن يأتي بعده. عمدة القاري، ج: ۱۵، ص: ۶۸

[60] ماخوذ از معارف القرآن، [سورة الحشر: ۱۰] ج: ۸، ص: ۳۷۰، ۳۷۱

یوں اس مجلس شوریٰ کے بعد یہ بات تمام صحابہ کرام ﷺ کے اتفاق سے طے پائی۔

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم ﷺ نے فرمایا کہ بات واضح ہوگئی ہے، اب کون ایسا شخص ہے جو عقل اور تجربہ رکھتا ہو، زمینوں کا صحیح انتظام کرے اور زمینداروں پر اتنا خراج عائد کرے جو اُن کیلئے قابلِ برداشت ہو؟

صحابۂ کرام ﷺ نے حضرت عثمان بن حنیف ﷺ کے نام پر اتفاق کیا اور کہا کہ ان کو اس کام کے لئے بھیج دیجئے، ان کو اس معاملے میں عقل وبصیرت اور تجربہ حاصل ہے۔

حضرت فاروق اعظم ﷺ نے انہیں سواد (عراق) کی زمین کی پیائش کا حکم دیا۔

پھر حضرت فاروق اعظم ﷺ نے عراق کی زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے وہاں کے پہلے کاشتکاروں کو کاشت کے لئے دیدیں اور ان پر خراج عائد کرلیا اور وہ خراج بیت المال میں جمع ہوتا رہا، پھر یہی معاملہ حضرت فاروق اعظم ﷺ نے شام کی زمینوں کے ساتھ بھی کیا۔

حضرت فاروق اعظم ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے کوفہ کی زمینوں سے خراج کی آمدنی دس کروڑ درہم حاصل ہوئی۔ [۶۱]

متفق علیہ مسئلہ

اس واقعہ سے فقہی مسئلہ متفق علیہ طور پر نکلتا ہے کہ اگر فوجی طاقت سے کوئی علاقہ فتح کیا جائے تو اس میں امام کو اختیار ہے:

ایک یہ کہ اگر چاہے تو وہاں کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کردے، پھر مجاہدین ان زمینوں کے ساتھ جو چاہیں کریں۔

دوسرا یہ کہ اگر چاہے تو وہاں کے زمینداروں کو برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کردے۔

امام کو یہ دونوں اختیار حاصل ہیں، جس میں مصلحت سمجھے اس کو اختیار کرے۔

ایک فقہی مسئلہ یہ مستنبط ہوا، جس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔

مختلف فیہ مسئلہ

لیکن اگر امام دوسری صورت اختیار کرے یعنی مجاہدین میں تقسیم نہ کرے بلکہ وہاں کے املاک اراضی کو

---

[۶۱] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم، ص: ۳۲-۳۰

برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج عائد کر دیتا ہے، تو اس خراج کی فقہی حیثیت کیا ہے؟

اور ان کے املاک کو زمینوں پر برقرار رکھنے کی فقہی حیثیت کیا ہے؟

اس بارے میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو سابقہ املاک کو برقرار رکھا تھا، اس کے معنی یہ تھے کہ وہ زمینیں ان ہی مالکان کی ملکیت میں برقرار رہیں، وہیں کے لوگ ان زمینوں کے مالک رہے، ملکیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، صرف اتنا ہوا کہ ان پر خراج عائد کر دیا گیا اور وہ خراج بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔

لیکن زمینیں انہی کی ملکیت ہیں اور ان میں ان کی میراث بھی جاری ہوگی اور ان کے اوپر مالکانہ تصرف کرنے کا تمام تر حق ان کو حاصل تھا، صرف خراج لے کر بیت المال میں داخل کر دیا گیا تا کہ اس سے دوسرے مسلمانوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے۔ [۶۲]

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت اس قول کے مطابق ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا قول

امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عمل کیا تھا، اس کے نتیجے میں وہ زمینیں سابق املاک کی ملکیت میں برقرار نہیں رہیں، بلکہ وہ بیت المال پر وقف ہوگئیں۔

اور بیت المال پر وقف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بیت المال ایک طرح سے ان کا متولی یا مالک بن گیا، اب جو خراج وہ ادا کر رہے ہیں وہ درحقیقت اس زمین کا کرایہ ہے، جو بیت المال میں داخل کیا جا رہا ہے،

---

[۶۲] وقال أبو حنيفة: الإمام مخير إن شاء قسمها وإن شاء أوقفها، فإن أوقفها فهي ملك للكفار الذين كانت لهم، ولا تقسم الغنائم إلا بعد الخروج من دار الحرب. المحلى بالآثار، كتاب الجهاد، مسألة تقسم الغنائم كما هي بالقيمة ولا تباع، ج:۵، ص:۳۰۸

تا کہ اس بیت المال کے ذریعے موقوف علیہم میں تقسیم کیا جائے۔ [۶۳، ۶۴]

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے اقوال میں فرق

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سابقہ املاک کی ملکیت برقرار رہے گی اور وہ مالکانہ تصرفات کے حقدار ہیں اور جو خراج دیا جارہا ہے، وہ ایک ٹیکس ہے جو ان سے وصول کیا جارہا ہے جیسے مسلمانوں سے ان کی زمینوں پر عشر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح کافروں سے ٹیکس کی طور پر خراج لیا جارہا ہے، ورنہ ملکیت انہی کی برقرار ہے۔

جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ٹیکس نہیں بلکہ زمین وقف ہوگئی ہے اور وقف ہونے کی وجہ سے وہ اس کی ملکیت نہیں رہی اور اب جو وہ استعمال کررہے ہیں اس کے خراج کی صورت میں کرایہ ادا کررہے ہیں اور وہ کرایہ موقوف علیہم پر خرچ ہوگا اور موقوف علیہم سارے مسلمان ہیں۔

اس لئے اس اراضی خراجیہ کو امام مالک رحمہ اللہ اراضی موقوفہ کہتے ہیں اور حنفیہ ان کو اراضی مملوکہ میں شمار کرتے ہیں، تو دونوں کی تخریج اور تکییف میں یہ فرق ہے۔

قومی ملکیت میں لینے پر استدلال درست نہیں

میں نے یہ تفصیل اس لئے بیان کردی ہے کہ آج کل کے معاصر متجددین حضرت عمر ؓ کے اس فیصلے کو توڑ جوڑ کر نیشنلائزیشن (Nationalization) سے تعبیر کرتے ہیں کہ انہوں نے عراق کی زمینیں نیشنلائز (Nationalize) کردی تھیں۔

یعنی ان کو قومی ملکیت میں قرار دیا تھا، اور خراج عائد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو قومی ملکیت میں قرار دے کر ان سے کرایہ وصول کیا اور پھر وہ کرایہ ساری قوم پر خرچ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قومی ملکیت میں لینے کی بات ہے۔

---

[۶۳] واختلف فی الأرض التی ابقاها عمر بغیر قسمة، فذهب الجمهور الی انه وقفها لنوائب المسلمین واجری فیها الخراج ومنع بیعها وقال بعض الکوفیین: ابقاها ملکا لمن کان بها من الکفرة وضرب علیهم الخراج، وقد أشتد نکیر کثیر من فقهاء أهل الحدیث علی هذه المقالة، ولبسطها موضع غیر هذا. واللہ أعلم. فتح الباری، ج:۶، ص:۲۲۵، کتاب فرض الخمس، باب الغنیمة لمن شهد الوقعة، رقم:۳۱۲۵

[۶۴] اعلاء السنن، ج:۱۲، ص:۷۷

لیکن جو تفصیل میں نے عرض کی ہے اس کے مطابق یہ بات درست نہیں ہے۔

کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان کی ملکیت برقرار تھی اور وہ ٹیکس ادا کر رہے تھے اور امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ اراضی موقوفہ تھی، ان کا کرایہ ادا کر رہے تھے، لیکن کسی بھی فقیہ نے ان کو بیت المال کی ملکیت قرار نہیں دیا۔

لہٰذا ان کو قومی ملکیت سے تعبیر کرنا درست نہیں۔

مصلحت عامہ کے تحت زمینیں لینے پر استدلال

بعض لوگوں نے اس واقعہ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مصلحت عامہ کی وجہ سے حکومت لوگوں کی زمینیں بلا معاوضہ لے کر قومی ملکیت قرار دے سکتی ہے۔

لیکن اس واقعہ میں اس بات کا تصور کہیں بھی موجود نہیں کہ کسی سے اس کی زمین چھین کر بیت المال میں داخل کر دی ہو بلکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے ملکیت برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج عائد کیا تا کہ اس خراج کی آمدنی آئندہ ہر دور کے مسلمانوں کے کام آتی رہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر اعتراض کیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ یہ تمہاری وہ زمینیں ہیں کہ جن کے اوپر ہم نے جنگیں لڑی ہیں، لہٰذا یہ ہمیں ملنی چاہئیں۔

یہ اس معنی میں ہے کہ ہماری ملکیت تھی، ان کی دفاع میں ہم نے جنگیں لڑی ہیں، حالانکہ دفاع کیلئے نہیں لڑی تھیں، بلکہ ان کو فتح کرنے کیلئے لڑی تھیں۔ لہٰذا اس واقعہ سے اس پر کسی طرح استدلال نہیں ہو سکتا۔

تحدید ملکیت کے جائز و ناجائز طریقے

تحدید ملکیت کے دو طریقے ہوتے ہیں:

تحدید ملکیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حکومت یہ اعلان کرے کہ جو شخص اب تک جتنی زمینوں کا مالک ہے، اس سے زیادہ زمین نہیں خریدے گا یا اپنی ملکیت میں نہیں لائے گا۔

اگر یہ اعلان کر دیں تو جائز ہے، کیونکہ نئی زمین خریدنا ایک مباح کام ہے اور حکومت نے مصلحت عامہ کی خاطر اس پر پابندی عائد کر دی ہے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

تحدید ملکیت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس کے پاس زائد زمینیں ہیں وہ اس سے چھین لی جائیں گی یعنی اگر چہ اس نے جائز طریقے سے حاصل کی ہیں، لیکن اس سے زائد ہیں تو وہ چھین لی جائیں گی۔

اس معنی میں تحدید ملکیت ناجائز ہے اور اس کا کہیں کوئی جواز وثبوت نہیں ہے۔ [٦٥]

٤٢٣٧ - حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان قال: سمعت الزهري وسأله إسماعيل بن أمية قال: أخبرني عنبسة بن سعيد: أن أبا هريرة رضي الله عنه أتى النبي ﷺ فسأله قال له بعض بني سعيد بن العاص: لا تعطه يا رسول الله، فقال أبو هريرة: هذا قاتل ابن قوقل، فقال: واعجباه لوبر تدلى من قدوم الضأن. [راجع: ٢٨٢٧]

ترجمہ: عنبسہ بن سعید حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ غنیمت خیبر میں سے مجھے بھی حصہ ملے، تو سعید بن عاص کے کسی لڑکے نے کہا یا رسول اللہ! ان کو حصہ نہ دیجئے، ابو ہریرہ نے کہا اسی کو نہ دیجئے کیونکہ یہ ابن قوقل کا قاتل ہے، تو اس نے کہا تعجب ہے اس اوبلے پر جو کوہ ضان کی چوٹیوں سے ابھی اتر کر آیا ہے۔

٤٢٣٨ - ويذكر عن الزبيدي، عن الزهري قال: أخبرني عنبسة بن سعيد: أنه سمع أبا هريرة يخبر سعيد بن العاص قال: بعث رسول الله ﷺ أبان على سرية من المدينة قبل نجد، قال أبو هريرة: فقدم أبان وأصحابه على النبي ﷺ بخيبر بعدما افتتحها وإن حزم خيلهم لليف، قال أبو هريرة: قلت: يا رسول الله لا تقسم لهم، قال أبان: وأنت بهذا يا وبر تحدر من رأس ضال؟ فقال النبي ﷺ: ((يا أبان اجلس))، فلم يقسم لهم. قال أبو عبدالله: الضال: السدر [راجع: ٢٨٢٧]

ترجمہ: عنبسہ بن سعید کہتے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے سنا کہ وہ حضرت سعید بن عاص ﷺ کو خبر دے رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابان کو مدینہ سے نجد کی طرف کسی لشکر کا سردار مقرر کر کے روانہ کیا تھا، حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خیبر میں فتح کے بعد ابان اور ان کے ساتھی نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے اور ان کے گھوڑوں کی پٹیاں چھال کی تھیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انہیں مال غنیمت میں سے حصہ

---

[٦٥] مسئلہ ہذا کی مزید تفصیل وادلہ ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، كتاب الحرث والمزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي ﷺ وأرض الخراج ومزارعتهم ومعاملتهم، رقم: ٢٣٣٤، ج:٧، ص: ٥٦٦، ملکیتِ زمین اور اس کی تحدید، ص: ٥٨٢تا٦١١، وفتح الباري، كتاب فرض الخمس، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، رقم: ٣١٢٥، ج:٦، ص: ٢٢٥، وعمدة القاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، ج:١٧، ص: ٣٦٥، وايضاً في كتاب الخمس، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، رقم: ٣١٢٥، ج:١٥، ص: ٦٧، واعلاء السنن، ج: ١٢، ص: ٧٤تا١٠٣، كتاب السير، أبواب الغنائم وقسمتها، وفتح القدير، باب الغنائم وقسمتها، ج:٥، ص: ٤٧٩

نہ دیجئے، تو ابان نے کہا او بلے! جو کوہ ضان کی چوٹیوں سے ابھی اتر کر آیا ہے تو یہ بات کہتا ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا اے ابان! بیٹھ جاؤ، اور انہیں حصہ نہ دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضال جنگلی بیری کو کہتے ہیں۔

۴۲۳۹ ـ حدثنا موسی بن أسماعیل: حدثنا عمرو بن یحیی بن سعید: أخبرنی جدی: أن أبان بن سعید أقبل إلی النبی ﷺ فسلم علیه فقال أبو هریرة: یارسول الله، هذا قاتل ابن قوقل. وقال أبان لأبی هریرة: واعجبا لک، وبرتدأدأ من قدوم ضأن ینعی علی امرأ أکرمه الله بیدی، ومنعه أن یهنی بیده. [راجع: ۲۸۲۷]

ترجمہ: عمرو بن یحیٰی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا ابان بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سلام کیا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! یہ ابن قوقل کا قاتل ہے، تو ابان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تجھ پر تعجب ہے کہ تو ایک بھوسی ہے جو کوہ ضان سے اتر کر آئی ہے اور ایسے شخص کے مارنے کا مجھ پر عیب لگاتا ہے جسے اللہ نے میرے ہاتھوں (شہادت دے کر) بزرگی دی، اور مجھے اس کے ہاتھ سے (حالت کفر میں قتل کرا کے) ذلیل ہونے سے بچالیا۔

واقعہ کی تفصیل

پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عنبسہ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور اس وقت خیبر کا غزوہ ختم ہو چکا تھا۔

"فسأله قال له بعض بنی الخ" آکر انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ خیبر کے غنائم میں سے کچھ ان کو بھی دیا جائے، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے بعض بیٹے جو وہاں پر موجود تھے انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ! آپ ان کو مال غنیمت میں سے کچھ بھی نہ دیجئے مطلب یہ ہے کہ یہ جنگ میں شریک تو ہوئے نہیں ہیں تو اس لئے آپ ﷺ ان کو مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہ دیجئے۔

"فقال أبو هریرة: هذا قاتل الخ" یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ابن قوقل کے قاتل ہے۔
غزوۂ احد میں ابان بن سعید کافروں کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے اور مسلمانوں میں سے ابن قوقل رضی اللہ عنہ کو انہوں نے شہید کیا تھا تو اس کی طرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ یہ ابن قوقل کا قاتل ہے لہٰذا اس کی بات پر کوئی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔

"فقال: واعجباه لوبرتدلی": ابان بن سعید نے کہا تعجب ہے ایک بھوسی کو جو لٹک کر آ گئی ہے ضان کے پہاڑ سے۔

"وبر" یہ ایک جانور کا نام ہے جو بلی کی طرح کا ہوتا ہے اور بلی سے چھوٹا ہوتا ہے گھر میں اس کو پالتے ہیں۔ بعض نے اس کا ترجمہ بجو سے کیا ہے۔ لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ بجو یہ ایک جنگلی جانور ہے اور وبر کی تشریح یہ کی ہے کہ وہ گھر میں پالتو جانور ہے لیکن ساتھ میں یہ کہا کہ وہ نہ بلی ہے اور نہ تو کتا ہے بلی جیسا ہے تو اس لئے میں نے ترجمہ کیا پھوسی سے، ہمارے ہاں چھوٹی بلی کو پھوسی کہہ دیتے ہیں۔

"قدوم الضان" ایک پہاڑ کا نام ہے جو یمن میں تھا اور قبیلۂ دوس جہاں کے حضرت ابو ہریرہ ؓ ہیں وہاں پر یہ پہاڑ تھا۔ تو آج یہ کہہ رہا ہے کہ میں ابن قوقل کا قاتل ہوں۔

"اخبرنی عنبسة بن سعید الخ" حضرت عنبسہ بن سعید رحمہ اللہ سے ہی دوسری روایت میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے حضرت ابو ہریرہ ؓ، سعید بن عاص ؓ کو بتارہے تھے کہ **"بعث رسول اللہ ﷺ الخ"** حضور اکرم ﷺ نے ابان بن سعید کو مدینہ منورہ سے نجد کی طرف ایک سریہ میں بھیجا تھا۔

"قال ابوھریرة: فقدم ابان الخ" جب وہ حضرات اس مہم سے فارغ ہو کر حضور اکرم ﷺ کے پاس خیبر پہنچے تو اس وقت خیبر فتح ہو چکا تھا، **"وان حزم خیلھم الخ"** اور جس وقت وہ لوگ واپس لوٹے تو ان کے گھوڑوں کے اوپر بچھے ہوئے جو پالان اور ڈھیر وغیرہ تھے یعنی بطور زین کے جو حصہ استعمال کر رہے تھے وہ لیف تھا یعنی خستہ حالی کی وجہ ان کے گھوڑوں پر کھجور کی چھال کی زین تھی۔

"قال ابوھریرة: قلت: یارسول اللہ الخ" میں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ ان کو مال غنیمت میں حصہ نہ دیجئے کیونکہ یہ لوگ جنگ میں شامل نہیں تھے۔

"قال ابان: وانت یاوبر الخ" تو ابان نے کہا کہ ایک پھوسی کو جو لٹک کر آ گئی ہے ضان کے پہاڑ سے یعنی کیا اب تم اس مقام پر آ گئے ہو کہ تم حضور ﷺ کو مشورہ دے رہے ہو کہ ان کو مال غنیمت سے حصہ نہ دیجئے۔

"فقال النبی ﷺ: یاابان اجلس الخ" نبی کریم ﷺ نے ابان کو خاموش ہونے کا حکم دیا اور پھر ان کو تقسیم نہیں فرمایا۔

تیسری روایت میں جو جملہ نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ **"ینعی علی امرأ اکرمه اللہ بیدی"** ایک ایسے شخص کی وجہ سے میرے اوپر عیب لگا رہے ہو، جس کو اللہ نے میرے ہاتھوں اکرام سے نوازا، یعنی اگر میں نے قتل کیا تو میرے قتل کے نتیجہ میں وہ شہید ہوئے، شہادت کا مرتبہ پایا تو اللہ نے میرے ہاتھوں ان کا اکرام کیا۔

"ومنعه أن یھنی بیده" اور اس کو روک دیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے کہ وہ اپنے ہاتھ سے میری اہانت کرتے یعنی دونوں کو فائدہ ہوا کہ میں اہانت سے بچ گیا اور ان کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ تو آج ان کی بنیاد پر میرے اوپر عیب لگا رہے ہیں کہ میں ابن قوقل ؓ کا قاتل ہوں تو اب اس کی کیا ضرورت ہے اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بعد میں اسلام کی توفیق دے دی اور وہ سب قصے ختم ہو گئے۔

پہلی روایت میں ہے کہ ابان بن سعید ﷺ نے کہا تھا کہ ابو ہریرہ ﷺ کو نہ دیجئے ۔ پھر انہوں نے کہا کہ ابن قوقل ﷺ کا قاتل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے کہا کہ ان کو نہ دیجئے تو دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ جملہ دونوں نے ہی کہا تھا، ابان ﷺ نے ابو ہریرہ ﷺ کے بارے میں اور ابو ہریرہ ﷺ نے ابان ﷺ کے بارے میں اور اسی واسطے دونوں کے درمیان ان کلمات کا تبادلہ بھی ہوا۔

۴۲۴۰، ۴۲۴۱ ـ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عروة، عن عائشة: أن فاطمة بنت النبي ﷺ أرسلت إلى أبي بكر تسأله ميراثها من رسول الله ﷺ مما أفاء الله عليه بالمدينة وفدک وما بقي من خمس خيبر، فقال أبو بكر: إن رسول الله ﷺ قال: ((لا نورث، ما تركنا صدقة، إنما يأكل آل محمد ﷺ في هذا المال))، وإني والله لا أغير شيئا من صدقة رسول الله ﷺ عن حالها التي كان عليها في عهد رسول الله ﷺ، ولأعملن فيها بما عمل به رسول الله ﷺ. فأبى أبو بكر أن يدفع إلى فاطمة منها شيئا فوجدت فاطمة على أبي بكر في ذلک فهجرته فلم تكلمه حتى توفيت: وعاشت بعد النبي ﷺ ستة أشهر، فلما توفيت دفنها زوجها علي ليلا ولم يؤذن بها أبا بكر وصلى عليها. وكان لعلي من الناس وجه حياة فاطمة، فلما توفيت استنكر علي وجوه الناس فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته ولم يكن يبايع تلک الأشهر، فأرسل إلى أبي بكر: أن ائتنا ولا يأتنا أحد معک، كراهية ليحضر عمر، فقال عمر: لا والله لا تدخل عليهم وحدک، فقال أبوبكر: وما عسيتهم أن يفعلوا بي؟ والله لآتينهم، فدخل عليهم أبو بكر فتشهد علي، فقال: إنا قد عرفنا فضلک وما أعطاک الله. ولم ننفس عليک خيرا ساقه الله إليک. ولكنک استبددت علينا بالأمر وكنا نرى لقرابتنا من رسول الله ﷺ نصيبا حتى فاضت عينا أبي بكر. فلما تكلم أبو بكر قال: والذي نفسي بيده لقرابة رسول الله ﷺ أحب إلي أن أصل من قرابتي. وأما الذي شجر بيني وبينكم من هذه الأموال فلم آل فيها عن الخير ولم أترک أمرا رأيت رسول الله ﷺ يصنعه فيها إلا صنعته. فقال علي لأبي بكر: موعدک العشية للبيعة، فلما صلى أبوبكر الظهر. رقي المنبر فتشهد وذكر شأن علي وتخلفه عن البيعة وعذره بالذي اعتذر إليه. ثم استغفر وتشهد علي فعظم حق أبي بكر وحدث أنه لم يحمله على الذي صنع نفاسة على أبي بكر ولا إنكارا للذي فضله الله به ولكنا نرى لنا. في هذا الأمر نصيبا. فاستبد علينا فوجدنا في أنفسنا، فسر بذلک المسلمون وقالوا: أصبت. وكان المسلمون إلى علي قريبا حين راجع الأمر المعروف

.[راجع: ۳۰۹۲،۳۰۹۳]

ترجمہ: عروہ بن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ دختر نبی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں بھیجا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اس مال کی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ اور فدک میں دیا تھا، اور خیبر کے بقیہ خمس کی میراث چاہتے چاہتے ہیں، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، ہاں آل محمد ﷺ اس میں سے بقدرِ ضرورت کھا سکتی ہے، اور میں رسول اللہ ﷺ کے صدقہ میں آپ ﷺ کے عہد مبارک کے عمل کے خلاف بالکل تبدیلی نہیں کر سکتا، اور میں اس میں اسی طرح عمل درآمد کروں گا جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں، اور انہوں نے اپنی وفات تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو نہ کی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں، جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں رات ہی کو دفن کر دیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع بھی نہ دی، اور خود ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھ لی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں وجاہت حاصل تھی، جب ان کی وفات ہوگئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا رخ پھرا ہوا پایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے صلح اور بیعت کی درخواست کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مہینوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں اور آپ کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو، یہ اس لئے کہا کہ کہیں عمر نہ آجائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا نہیں بخدا آپ وہاں تنہا نہ جائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے ان سے یہ امید نہیں کہ وہ میرے ساتھ کچھ برائی کریں، بخدا میں ان کے پاس جاؤں گا۔

لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس چلے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تشہد کے بعد فرمایا کہ ہم آپ کی فضیلت اور اللہ کے عطاء کردہ انعامات کو بخوبی جانتے ہیں نیز ہمیں اس بھلائی میں یعنی خلافت میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے کوئی حسد نہیں، لیکن آپ نے اس امر خلافت میں ہم پر زیادتی کی ہے، حالانکہ قرابت رسول ﷺ کی بناء پر ہم سمجھتے تھے کہ یہ خلافت ہمارا حصہ ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا اللہ کی قسم! قرابت رسول ﷺ کی رعایت میری نظر میں اپنی قرابت کی رعایت سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور میرے اور تمہارے درمیان آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو اختلاف ہوا ہے تو میں نے اس میں امر خیر سے کوتاہی نہیں کی، اور اس مال میں، میں نے جو کام آنحضرت ﷺ کو کرتے دیکھا اسے نہیں چھوڑا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ زوال کے بعد آپ سے بیعت کرنے کا وعدہ ہے۔

جب حضرت ابو بکر ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو آپ منبر پر بیٹھے اور تشہد کے بعد حضرت علی ﷺ کا مقام، بیعت سے ان کا پیچھے رہنے اور انہوں نے جو عذر پیش کئے تھے انہیں بیان فرمایا، پھر حضرت علی ﷺ نے استغفار اور تشہد کے بعد حضرت ابو بکر ﷺ کے حقوق کی عظمت و بزرگی بیان کر کے فرمایا کہ میرے اس فعل کا باعث حضرت ابو بکر ﷺ پر حسد یا اللہ نے انہیں جس خلافت سے نوازا ہے، اس کا انکار نہیں تھا، لیکن ہم سمجھتے تھے کہ امر خلافت میں ہمارا بھی حصہ تھا، لیکن حضرت ابو بکر ﷺ اس میں ہمیں چھوڑ کر (خلافت کے معاملے میں ہم سے مشورہ نہیں کیا) خود مختار بن گئے تو اس سے ہمارے دل میں کچھ رنج تھا، تمام مسلمان اس واقعہ سے خوش ہو گئے، اور کہا کہ آپ ﷺ نے درست کام کیا، اور مسلمان حضرت علی ﷺ کے اس وقت سے پھر قریب ہو گئے جب انہوں نے امر بالمعروف کی طرف رجوع کر لیا۔

واقعۂ فدک کی حقیقت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کے پاس پیغام بھیجا جس میں ان سے اپنی میراث طلب کر رہی تھی رسول کریم ﷺ سے ان اموال میں سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بطور فئے عطا فرمائے تھے مدینہ منورہ، فدک اور خیبر میں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ بتایا تھا کہ بنو نضیر کے اموال میں سے کس طرح حضور اقدس ﷺ کے اموال ہوئے اور فدک میں کیا ہوا اور خیبر میں کیا ہوا وہاں ساری تفصیل عرض کر چکا۔

حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے اس بات کے جواب میں فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے **"لا نورث ما ترکنا صدقة الخ"** کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اگر **"لا نُورِث"** پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے اور اگر **"لا نُورَث"** پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے، یعنی حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جواب میں یہ حدیث سنائی، اس سے پتہ چلا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔

"انما یأکل آل محمد الخ" اور حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت اس مال میں سے کھائیں گے مطلب یہ ہے کہ ان کا نفقہ اس میں سے جاری ہوگا لیکن ان کو تملیک کے طور پر میراث نہیں دی جاسکتی۔

"وانی واللہ لا اغیر شیئا الخ" میں اس مال میں کوئی تغیر نہیں کروں گا کہ جس طرح آپ ﷺ اپنی زندگی میں خرچ کرتے تھے اور میں بھی اسی طرح خرچ کرتا رہوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا یعنی ازواج

مطہرات کا نفقہ، آپ ﷺ کے صاحبزادیوں کا اور دیگر اہلِ بیت جو کچھ بھی نفقہ تھا وہ اسی طرح جاری رہے گا۔

"فابیٰ أبو بکر أن يدفع الخ" تو اس حدیث کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بطورِ تملیک اس میں سے کچھ دینے سے انکار کر دیا۔

"فوجدت فاطمة الخ" تو اس بات پر فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے غمگین ہوئیں یا ناراض ہوئیں دونوں معنی ہو سکتے ہیں اور انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے بات نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جس طرح یہ روایت یہاں پر منقول ہوئی ہے اس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا حصہ ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس جملہ **" فابیٰ أبو بکر أن يدفع الى فاطمة منها شيئا"** پر ختم ہوگئی۔

اور آگے **"فوجدت فاطمة"** سے آخر روایت تک یہ امام زہری رحمہ اللہ کا ادراج ہے جو وہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غصہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آگیا اور انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور بات نہیں کی۔

یہ سب امام زہری رحمہ اللہ کا ادراج ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث چھتیس طریقوں سے مروی ہے۔ جن میں سے گیارہ طریق وہ ہیں جو امام زہری کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بیان کئے ہیں ان میں سے کسی میں یہ موجود نہیں ہے اور صرف زہری کے طریق میں ہے۔

سنن بیہقی کی ایک روایت میں **"قال"** کا لفظ بیچ میں مقصود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امام زہری رحمہ اللہ کا ادراج ہے۔ [۶۶]

تو یہ کہنا کہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور ناراضگی کی وجہ سے چھوڑا اور انتقال تک بات چیت تک نہیں کی تو یہ بات زہری کا اپنا، یا تو خیال ہے یا جس کسی سے سنا ہوگا اس کا ماخذ انہوں نے نہیں بتایا اور زہری کی مراسیل بہت ہی کمزور مراسیل ہوتی ہیں۔

---

[۶۶] السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب قسم الفئ والغنيمة، باب بيان مصرف أربعة أخماس الفئ بعد رسول الله ﷺ الخ، رقم: ۱۲۷۳۲، ج: ۶، ص: ۴۸۹

ایک تو یہ بات سمجھ لینا کہ امام زہری کا یہ ایک بڑا مشکل مسئلہ ہے کہ بکثرت روایتوں میں ادراج کر دیتے ہیں، اور پتہ نہیں لگتا کہ ان کا قول کہاں سے شروع ہوا اور اصل روایت کہاں سے اور بہت سے مؤرخین نے ان کے اس بات کے اوپر سخت تنقید کی ہے کہ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

بعض لوگوں نے ان کو بتایا بھی کہ آپ بیان کیا کریں کہ حدیث کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں سے ختم ہوئی اور کہاں سے آپ کا اپنا قول شروع ہو گیا، تو یہ بات ان سے معروف ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر فرض کر و انہوں نے کسی دوسرے سے سنا تھا اور اس کا نام نہیں لیا تو یہ مرسل ہوئی اور مرسل زہری کی بڑی کمزور ہے۔

محدثین کہتے ہیں کہ یہ ہوا ہے جیسے کہ یہ ہوا اڑ گئی، قرار نہیں اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس واسطے آگے جو کچھ آرہا ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہ جو کہا **"فهجرته فلم تكلمه الخ"** تو دوسری روایات اس کے بالکل برخلاف ہیں۔

تکملہ فتح الملہم۔ کتاب الجہاد میں یہ حدیث آئی ہے اور وہاں پر میں نے کم از کم آٹھ دس حدیثیں روایت کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر ؓ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے معاملات بالکل پرسکون ہو گئے تھے تو یہ کہنا کہ ان کو چھوڑ دیا یہ بھی صحیح نہیں۔ [۶۷]

اور خود امام زہری رحمہ اللہ کی روایت عمر بن شبہ کی **تاریخ المدینۃ** میں آتی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **"فلم تكلمه في ذالك المال حتى توفيت"** حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق اکبر ؓ سے دوبارہ اس مال کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ وہ وفات پا گئیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر ؓ سے جو میراث کا مطالبہ کیا تھا اس کو اپنی زندگی میں پھر کبھی نہیں دہرایا، اس لئے کہ حدیث پہنچ چکی تھی یہ مطلب نہیں کہ بات چیت کو چھوڑ دیا۔ [۶۸]

میرا موقف

تمام روایات کو مدنظر رکھنے کے بعد میں نے **تکملہ فتح الملہم** میں جو کچھ موقف اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صدیق اکبر ؓ نے یہ حدیث سنادی کہ **"لا نورث الخ"** تو

---

۶۷ تكملة فتح الملهم، كتاب الجهاد والسير، ج:۳، ص:۹۳

۶۸ تاريخ المدينة لابن شبه، ذكر فاطمة والعباس وعلي رضي الله عنه، وطلب ميراثهم، ج:۱، ص:۱۹۷

ظاہر ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حدیث کے آگے کیا بولیں گی اور یقیناً وہ اس سے مطمئن ہوگئی کہ جب یہ حدیث ہے تو پھر میراث کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

البتہ اس کے بعد انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ٹھیک ہے کہ میراث تو نہیں مل سکتی لیکن ان اراضی کو تولیت ہمیں دے دی جائے، یعنی باغ فدک، خیبر کی اراضی بنو ہاشم یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت علی ﷺ کو دیدی جائے۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ نے یہ مطالبہ اس لئے منظور نہیں کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کو چند دن ہوئے ہیں اور اگر ان کی تولیت بنی ہاشم کے حوالہ کردی گئی تو عام تأثر یہ ہوگا کہ حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہوئی اور میراثِ انبیاء کا یہ مسئلہ ملتبس ہونے کا اندیشہ تھا، اس واسطے انہوں نے تولیت حوالہ نہیں کہ اور کہا یہی طریقہ چلا آیا ہے انبیاء کرام کا کہ ان کے زیر ولایت جو زمین ہوتی ہے تو اس کی شخص کی طرف تولیت منتقل ہوتی ہے جو بعد میں خلیفہ بنے تو اس واسطے حضرت صدیق اکبر ﷺ نے تولیت بھی منتقل کرنا پسند نہیں فرمایا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس بات /اجتہاد پر مطمئن نہیں تھیں، وہ سمجھتی تھیں اگر یہ تولیت دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں اور پھر بھی نہیں دے رہے، اس وجہ سے تھوڑی سی قلب میں رنجش رہی۔

یہ ایسی رنجش ہے جیسا کہ دو مجتہدین کے درمیان اختلاف آراء کی صورت میں ہوجاتی ہے۔ غرض یہ کہ معمولی رنجش تھی وہ اس درجہ کی نہیں تھی کہ بات چیت چھوڑ دیں اور ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے محسوس فرمایا کہ یہ چھوٹی سی رنجش رہنا بھی مناسب نہیں اس لئے حضرت صدیق اکبر ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میری جان مال اور آبرو سب رسول کریم ﷺ کے خاندان پر قربان ہے لیکن میں نے یہ معاملہ اس وجہ سے کیا تھا، تو آپ خدا کے لئے مجھ سے راضی ہو جائیں، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں بالکل راضی ہوں۔ [۶۹]

یہ روایت اچھی خاصی معتبر کتابوں میں موجود ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے **البدایة والنهایة** میں اس کی تمام بحث نقل کی ہے، تو اس لئے یہ تأثر جو اس جملہ سے بن رہا ہے تو یہ تأثر بالکل صحیح نہیں ہے۔ [۷۰]

اور اس موضوع پر حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے بہترین کتاب **"رحماء بینهم"** کے نام سے لکھی ہے۔ اللہ تعالی ان کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔

---

[۶۹] السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب قسم الفیئ والغنیمة، باب بیان مصرف أربعة أخماس الفیئ بعد رسول الله ﷺ الخ، رقم: ۱۲۷۳۵، ج: ۶، ص: ۴۹۱

[۷۰] السیرة النبویة لابن کثیر، باب بیان أنه علیه السلام: لانورث، ج: ۴، ص: ۵۷۰، والبدایة والنهایة، ج: ۵، ص: ۲۸۵

ایسی کتاب اس موضوع پر میری نظر سے نہیں گذری جتنی بہترین کتاب یہ ہے، اس میں حضرت صدیق اکبر ﷺ، حضرت علی ﷺ ان کے باہمی تعلقات اور حضرت عثمان ﷺ کے درمیان جو رنجش بتائی جاتی ہے ان کی حقیقت اور تفصیل بہترین انداز میں بیان کی گئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ شیعیت کے تردید میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس کتاب جیسی بہترین کتاب میری نظر سے نہیں گذری ہے۔

اس کتاب میں بھی اس روایت پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور بالکل دو اور دو چار کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کے ادراج سے یہ تأثر جو بن رہا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

آگے کہتے ہیں **"وعاشت بعد النبی ﷺ ستة أشهر الخ"** حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی وفات کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں، جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت علی ﷺ نے رات کے وقت ان کو دفن کر دیا اور حضرت صدیق اکبر ﷺ کو اطلاع بھی نہیں دی۔

یہ بھی امام زہری رحمہ اللہ کے ادراج کا حصہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خود تو اس وقت موجود نہیں تھے کہ کہا جائے کہ انہوں نے دیکھ کر یہ بات کہی ہے، پتہ نہیں کہ یہ بات کہاں سے سنی ہے۔

اس کے برخلاف بڑے قوی دلائل موجود ہیں، ابھی جو میں نے عرض کی کہ تعلقات بالکل صحیح ہو گئے تھے، دوسری بات یہ کہ ایک دو نہیں دسویں احادیث سے ثابت ہے کہ جس زمانہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھی تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا مستقل طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کیا کرتی تھی، جو صدیق اکبر ﷺ کی زوجہ تھی اور غسل بھی متفق علیہ طور پر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔

اب یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کی بیوی تیمارداری کر رہی ہیں اور انتقال کے وقت وہ غسل دے رہی ہیں اور حضرت صدیق اکبر ﷺ کو پتہ نہیں کہ انتقال ہو گیا ہے۔

یہ بات عقل میں آنے والی ہے ہی نہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کو اطلاع نہیں تھی، یہ ساری بات ان روایتوں کی وجہ سے بالکل غلط ہے۔

پھر یہ کہنا کہ حضرت علی ﷺ نے نماز پڑھائی، ٹھیک ہے کہ اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ نے نماز پڑھائی لیکن دوسری متعدد روایات میں یہ صراحت ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ نے نماز پڑھائی اور وہ روایتیں بھی میں نے **تکملہ فتح الملہم** میں نقل کی ہیں۔

مولانا نافع صاحب نے کتاب **"رحماء بینھم"** میں اس کے بارے میں بھی بہت ہی تفصیل سے بحث کی ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ بنو ہاشم کا مستقل طریقہ یہ تھا کہ وہ ہمیشہ ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا تو امیر وقت سے ہی نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے، چاہے امیر وقت سے ان کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کی موجودگی میں حضرت علی ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے نماز نہ

پڑھوائی ہوتو یہ بھی بات صحیح نہیں ۔

"وکان لعلی من الناس وجه حیاۃ الخ" اب یہ بھی سب اپنے خیالات ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں لوگوں میں حضرت علی ﷺ کی وجاہت تھی اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو حضرت علی ﷺ نے لوگوں کے چہروں کو اجنبی سمجھا، تو اس وجہ سے انہوں نے حضرت ابو بکر ﷺ سے مصالحت کرنا چاہا اوران سے بیعت کرنا چاہا اوران چھ مہینوں کے اندر بیعت نہیں کی تھی۔

یعنی جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں لوگ عزت کرتے تھے ان کی وجاہت تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد لوگوں نے منہ پھیر لیا اور حضرت علی ﷺ کے ساتھ اس عزت واحترام کے ساتھ پیش نہ آتے جو پہلے پیش آیا کرتے تھے۔

یہ بات بھی بالکل عجیب بھی ہے یہ صحابۂ کرام ﷺ کا مزاج ہی نہیں تھا، وہ اس وجہ سے کہ حضرت علی ﷺ کے فضائل تھے، ان کی اپنی حیثیت تھی اوران کی اپنی شخصیت تھی، تو یہ سمجھنا کہ اب لوگوں نے ان کے ساتھ برتاؤ بدل دیا تو یہ درست نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس جملہ سے حضرت علی ﷺ کا جو کردار سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک لوگوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اثرات تھے تو اس وقت تک تو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر ﷺ سے مستغنی سمجھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو لوگوں کا رویہ بدلا ہوا دیکھا تو اپنا مفاد اس میں نظر آیا کہ اب بیعت کرلیں، لہٰذا مصالحت کرلی، یعنی ناراضگی اپنی ذات کیلئے تھی اور مصالحت بھی اپنی ذات کیلئے کی۔ **العیاذ باللہ العلی العظیم۔**

یہ روایت چونکہ صحیح بخاری میں ہے اور روایت میں بھی امام زہری رحمہ اللہ کے ادراج کی صراحت کہیں موجود نہیں، لہٰذا عام طور پر لوگ سمجھتے رہے کہ یہ سب باتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ اس وجہ سے یہ بات لوگوں میں مشہور ہوگئی کہ چھ ماہ تک حضرت علی ﷺ نے صدیق اکبر ﷺ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔

لیکن حقیقتاً واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کے ہاتھوں ابتداً دو تین دن کے اندر اندر بیعت کرلی تھی اوراس پر بھی آٹھ دس روایتیں شاہد ہیں، جو مولانا محمد نافع صاحب نے بھی نقل کی ہیں اور میں نے بھی **"تکملۃ فتح الملہم"** میں ایک ایک کرکے بیان کی ہیں۔

ان تمام احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی ﷺ نے ایک دو دن کے اندر ہی حضرت صدیق اکبر ﷺ کے ہاتھوں بیعت کرلی تھی، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ چھ مہینے کے بعد دوبارہ تجدید کی ہو، شکوک وشبہات لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے ہوں، ان شکوک وشبہات کو زائل کرنے کے لئے حضرت علی ﷺ نے دوبارہ بیعت کرلی ہو ممکن ہے ایسا ہوسکتا ہے، لیکن یہ کہنا کہ پورے عرصہ میں بیعت نہیں کی تھی ان روایتوں کی موجودگی میں یہ

صحیح نہیں۔ [اے]

"فارسل الی ابی بکر ﷺ الخ" حضرت علی ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس آجایئے لیکن آپ کے ساتھ کوئی نہ آئے، اکیلا ہی آئے گا۔ اور یہ پیغام اس لئے بھیجا تھا تاکہ حضرت عمر ﷺ ساتھ نہ آئیں۔

"فقال عمر ﷺ: لا واللہ لاتدخل الخ" حضرت صدیق اکبر ﷺ نے جب حضرت عمر ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو عمر ﷺ نے فرمایا کہ کہ آپ ہرگز انکے پاس تنہا نہ جایئے، تو حضرت صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا مجھے ایسا کوئی اندیشہ نہیں کہ وہ میرے ساتھ کوئی برا معاملہ کریں گے اور بخدا میں انکے پاس ضرور جاؤں گا۔

"فدخل علیهم ابوبکر، فتشهد علی الخ" حضرت صدیق اکبر ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت علی ﷺ نے تشہد بیان کیا یعنی خطبہ پڑھا پھر فرمایا کہ ہم نے آپ کے مرتبے کو پہچانا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اور ہم نے کبھی آپ سے کسی بھلائی میں حسد نہیں کیا، **"ولکنک استبددت علینا بالأمر الخ"** لیکن آپ نے اس معاملہ میں یعنی خلافت کے معاملے میں اپنے آپ کو مستقل کرلیا۔

اس کا کیا معنی؟ مطلب یہ کہ ہم سے مشورہ نہیں کیا اور ہم رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے گمان کرتے تھے کہ ہمارا بھی کچھ حصہ ہے، حصہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ مشورے میں، صلاح میں وغیرہ ہم سے رائے لی جائے۔

"حتی فاضت عینا ابی بکر" یہاں تک کہ صدیق اکبر ﷺ کی آنکھیں بھر آئی یعنی جب یہ بات سنی تو حضرت ابوبکر ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"فلما تکلم ابوبکر: والذی نفسی الخ" حضرت صدیق اکبر ﷺ نے جب بات کی تو ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کی قرابت مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ میں اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں یعنی رسول اللہ ﷺ کا خاندان اور رشتہ دار مجھے اپنے خاندان اور رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہیں۔

"واما الذی شجر بینی وبینکم الخ" اور جہاں تک بات ہے میرے اور آپ کے درمیان ان اموال کے بارے میں جو کچھ اختلاف پیدا ہوا تو اس میں، میں نے بھلائی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، **"ولم أترک أمرا رأیت الخ"** اور میں نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جو رسول کریم ﷺ سے کرتے ہوئے دیکھی ہو جو آپ ﷺ کرتے تھے وہی کچھ میں نے کیا۔

[اے] واقعۂ فدک کی تفصیل اور مسئلہ کا تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیں: تکملة فتح الملهم، کتاب الجهاد والسیر، ج:۳، ص:۱۰۱-۷۸، و رحماء بینهم، حصہ صدیقی، ص: ۱۰۹ تا ۱۷۷۔

"فقال علی لأبی بکر: الخ" حضرت علی ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ﷺ سے کہا کہ آپ کے ساتھ میرا وعدہ بیعت کے لئے آج کی شام ہے یعنی میں آج شام آپ سے بیعت کروں گا۔

"فلما صلی أبوبکر الظهر الخ" جب حضرت صدیق اکبر ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اور منبر پر چڑھے تو حضرت علی ﷺ کی شان کو بیان کیا اور ان کے بیعت سے پیچھے رہنے کی وجوہات اور انہوں نے جو اپنے عذر بیان کئے تھے وہ سب باتیں بیان کیں۔

"ثم استغفر وتشهد علی فعظم حق أبی بکر الخ" پھر حضرت علی ﷺ نے استغفار وتشہد پڑھا اور صدیق اکبر ﷺ کے افضلیت اور ان حق کو عظیم قرار دیا، **"وحدث أنه لم یحمله علی الخ"** اور انہوں نے بتایا کہ یہ کام انہوں نے ابوبکر صدیق اکبر ﷺ سے کسی حسد کی وجہ سے نہیں کیا، **"ولا إنکارا للذی الخ"** اور نہ یہ کام انہوں نے اس وجہ سے کیا کہ وہ انکار کریں اس فضیلت کا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔

"ولکن نری لنا الخ" لیکن ہم بس اتنا سمجھتے تھے کہ خلافت میں ہمارا بھی حصہ تھا، لیکن حضرت ابو بکر ﷺ نے خلافت کے معاملے میں ہم سے مشورہ نہیں کیا تو اس سے ہمارے دل میں کچھ رنج تھا۔

مسلمان یہ دیکھ کر خوش ہوئے کہ انہوں نے بیعت کر لی **"وقالوا: أصبت الخ"** اور انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اچھا کیا اور مسلمان حضرت علی ﷺ سے زیادہ قریب ہوگئے۔

یعنی ان سے محبت کے زیادہ قریب ہوگئے جب انہوں نے امر بالمعروف کی طرف مراجعت کر لی یعنی ایسے کام کی طرف جو نیک کام تھا، اس کی طرف لوٹ آئے اور صدیق اکبر ﷺ کے ہاتھ پر جب بیعت کر لی تو ان کے ساتھ زیادہ محبت کا برتاؤ کیا۔

اس روایت میں درمیان میں جو امام زہری رحمہ اللہ کا ادراج آگیا ہے اس سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی رنجش تھی اور اسی رنجش کی حالت میں ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تھی۔

۴۲۴۲ ۔ حدثنی محمد بن بشار: حدثنا حرمی: حدثنا شعبة: أخبرنی عمارة، عن عکرمة، عن عائشة رضی الله عنها قالت: لما فتحت خیبر قلنا: الآن نشبع من التمر. [۲۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب خیبر فتح ہوا تو اس وقت ہم نے کہا اب ہم پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں گے۔

۴۲۴۳ ۔ حدثنا الحسن: حدثنا قرّة بن حبیب: حدثنا عبدالرحمن بن عبدالله بن

---

[۲۷] انفرد به البخاری.

دینار، عن ابیه، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: ما شبعنا حتّٰی فتحنا خیبر.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تک خیبر فتح نہیں ہوا تھا ہم نے جی بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔

(۴۰) باب استعمال النبی ﷺ علی أهل خیبر

آنحضرت ﷺ کا اہل خیبر پر عامل مقرر کرنے کا بیان

۴۲۴۴، ۴۲۴۵ ـ حدثنا اسماعیل: حدثنی مالک، عن عبدالرحمن بن عبدالمجید بن سهیل، عن سعید بن المسیب، عن ابی سعید الخدری، وأبی هریرة: ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاء ة بتمر جنیب، فقال رسول اللہ ﷺ: ((کل تمر خیبر هکذا؟)) فقال: لا واللہ یارسول اللہ انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین، بالثلاثة، فقال: ((لا تفعل، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا)) [راجع: ۲۲۰۱، ۲۲۰۲]

ترجمہ: سعید بن مسیب رحمہ اللہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا وہ وہاں سے عمدہ کھجوریں لائے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں بخدا اے اللہ کے رسول! ہم اس طرح کی ایک صاع (عمدہ) کھجور دو صاع (ناقص کھجور) کے بدلے میں اور دو صاع، تین صاع کے بدلے میں لیتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کیا کرو بلکہ ناقص کھجور پہلے درہم کے بدلے بیچ ڈالو، پھر ان دراہم سے عمدہ کھجور خرید لیا کرو۔

بٹائی کا معاملہ

یہاں پر صرف اتنا حصہ ہے کہ "**ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلا علی خیبر**" یہ مقصود ہے۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور زمین اللہ، اس کے رسول اور اہل اسلام کی ہو گئی تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یہود حسبِ معاہدہ یہاں سے جلا وطن ہو جائیں۔

لیکن یہود نے درخواست کی کہ آپ اس زمین پر ہمیں رہنے دیجئے ہم زراعت کریں گے جو پیداوار ہو گی اس کا نصف حصہ آپ کو ادا کیا کریں گے۔

آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی صراحت فرمادی جب تک چاہیں گے اس وقت تک تم کو برقرار رکھیں گے۔ [۳۷]

اس طرح کا معاملہ سب سے پہلے خیبر میں ہوا اس لئے ایسے معاملہ کا نام مخابرہ ہو گیا۔

جب بٹائی کا وقت آتا تو آپ ﷺ پیداوار کا اندازہ کرنے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پیداوار کو دو حصوں پر تقسیم کر کے کہتے کہ جس حصے کو چاہو لے لو، یہود اس عدل وانصاف کو دیکھ کر یہ کہتے کہ ایسے ہی عدل وانصاف سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔

۴۲۴۶، ۴۲۴۷ ۔ وقال عبدالعزيز بن محمد، عن عبدالمجيد، عن سعيد: ان أباسعيد وأباهريرة حدثاه: ان النبی ﷺ بعث اخابنی عدی من الانصار الی الخيبر فامره عليها. [راجع: ۲۲۰۱، ۲۲۰۲]

وعن عبدالمجيد، عن أبی صالح السمان، عن أبی هريرة، وأبی سعيد مثله.

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے خاندان بنی عدی کے بھائی کو خیبر بھیجا اور انہیں وہاں کا عامل مقرر فرمایا۔

اور عبدالمجید نے ابوصالح سمان سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے اسی طرح سے روایت کی ہے۔

(۴۱) باب: معاملة النبی ﷺ أهل خيبر

اہل خیبر کے ساتھ نبی ﷺ کے معاملہ کا بیان

۴۲۴۸ ۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا جويرية، عن نافع، عن عبدالله رضی اللہ عنہ قال: أعطى النبی ﷺ خيبر اليهود ان يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما يخرج منها. [راجع: ۲۲۸۵]

---

[۳۷] باب اذا قال رب الارض اقرکم ما اقرکم الله ولم يذكر اجلا معلوما فهما علی تراضيهما / باب اذا قال رب الارض أقرك ما أقرك الله — صحیح البخاری: باب اذاقال رب الارض اقرک نقرکم بهاعلی ذلک ماشئنا۔ صحيح البخاری، كتاب الحرث والمزارعة، رقم: ۲۳۳۸، وباب اذا اشترط فی المزارعة اذا شئت اخرجتک۔ صحيح البخاری، كتاب الحرث والمزارعة، رقم: ۲۷۳۰

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن عمر) رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر (زمین اور باغات) یہودیوں کے دے دیا کہ وہ لوگ اس میں محنت کریں اور کھیتی باڑی کریں اور انہیں اس کی پیداوار کا آدھا حصہ ملے گا۔

(۴۲) باب: الشاة التی سمت للنبی ﷺ بخیبر

خیبر میں نبی ﷺ کیلئے زہر آلود بکری کا بیان

رواه عروة، عن عائشة عن النبی ﷺ.

ترجمہ: حضرت عروہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

۴۲۴۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث: حدثنی سعید، عن أبی هريرة ﷺ قال: لما فتحت خیبر أهديت لرسول الله ﷺ شاة فیها سم. [راجع: ۳۱۶۹]

ترجمہ: لیث روایت کرتے ہیں کہ مجھے سعید نے روایت بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بکری ہدیہ میں پیش کی گئی جس میں زہر تھا۔

بھنی ہوئی بکری میں زہر دینے کا واقعہ

فتح کے بعد حضور اکرم ﷺ نے چند روز خیبر میں ہی قیام فرمایا، ایک دن زینب بنت حارث، زوجۂ سلام بن مشکم نے ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ میں آپ کی خدمت میں بھیجی اور اس میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے اس بکری کو چکھتے ہی اپنے ہاتھ روک لیا، حضرت بشر بن براء بن معرور ﷺ جو آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے انہوں اس وقت تک کچھ کھالیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ روک لو! کیونکہ اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے۔

زینب بنت حارث کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا کہ تم کو کس چیز نے ابھارا کہ اس میں زہر ملا دیا، اس نے اقرار کیا کہ بے شک اس میں زہر ملایا ہے اس لئے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع کر دے گا اور اگر آپ نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پا جائیں گے۔

چونکہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے اس لئے آپ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، لیکن بعد میں جب بشر بن براء بن معرور ﷺ اس زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو زینب کو وارثانِ بشر کے حوالے

کر دیا گیا اور انہوں نے اس کو بشر کے قصاص میں قتل کیا۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ زینب اقرارِ جرم کرنے کے بعد اسلام لے آئی اور یہ کہا کہ مجھے اب آپ کا صادق ہونا بالکل واضح ہوگیا ہے، آپ کو اور تمام حاضرین مجلس کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

امام زہری اور سلیمان نے ابتداءً قتل نہ کرنے کی وجہ یہی بتلائی کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔ [۴۷]

خود نبی کریم ﷺ نے جب چکھا تھا تو اس چکھنے کا تھوڑا سا جو اثر تھا وہ آپ ﷺ پر ظاہر ہوا اور آخری وقت میں بھی یعنی وفات کے وقت میں بھی اس زہر کا اثر ظاہر رہا۔

---

[۴۷] وروی البیهقی من طریق سفیان بن حسین عن الزهری عن سعید بن المسیب وابی سلمة عن ابی هریرة: ((ان امراة من الیهود اهدت لرسول الله ﷺ شاة مسمومة فاکل، فقال لأصحابه: أمسکو فانها مسمومة، وقال لها: ماحملک علی ذلک؟ قالت: أردت ان کنت نبیا فیطلعک الله، وان کنت کاذبا فأریح الناس منک، قال فما عرض لها))، ومن طریق ابی نضرة عن جابر نحوه ((فلم یعاقبها))، وروی عبدالرزاق فی مصنفه عن معمر عن الزهری عن ابیّ بن کعب مثله وزاد ((فاحتجم عل الکاهل)) قال، قال الزهری: ((فاسلمت فترکها)) قال معمر: والناس یقولون قتلها. وأخرج ابن سعد عن شیخه الواقدی باسانید متعددة له هذه القصة مطولة وفی آخره ((قال فدفعها الی ولاة بشر بن البراء فقتلوها)). فتح الباری، ج:۷، ص:۴۹۷

باب زيد بن حارثة

و

باب عمرة القضاء

(۴۳) باب: غزوة زيد بن حارثة

زید بن حارثہؓ کے غزوہ کا بیان

۴۲۵۰ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحي بن سعيد: حدثنا سفيان بن سعيد: حدثنا عبدالله بن دينار، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: أمر رسول الله ﷺ أسامة على قوم فطعنوا في إمارته فقال: ((إن تطعنوا في إمارته فقد طعنتم في إمارة أبيه من قبله، وايم الله لقد كان خليقا للإمارة، وإن كان من أحب النا س إلي، وإن هذا لمن أحب الناس إلي بعده)). [راجع: ۳۷۳۰]

ترجمہ: عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قوم پر اسامہ بن زیدؓ کو امیر بنایا، تو لوگوں نے ان کی امارت پر طعن کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج تم اسامہ کی امارت پر طعن کر رہے ہو تو پہلے تم نے ان کے باپ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا، اللہ کی قسم! وہ امیر ہونے کے مستحق اور اہل تھے، اور وہ مجھے تمام لوگوں میں زیادہ محبوب تھے، اور ان کے بعد یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

سریۂ بنوفزارہ

یہ زید بن حارثہؓ کا غزوہ ہے، یہ غزوہ ان کی طرف اس لئے منسوب ہے کہ ان کو امیر بنایا گیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ موتہ سے قبل سات مواقع پر حضرت زید بن حارثہؓ کو آپ ﷺ نے امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا لیکن بظاہر یہاں جو مقصود ہے وہ یہ ہے کہ آخری مرتبہ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو امیر بنایا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ تجارت کیلئے شام گئے تھے اور اس زمانے میں جب شام کی طرف تجارت کے لئے جاتے، تو قافلہ اور کارواں لے کر جاتے تھے، تو اس قافلہ میں دوسرے صحابۂ کرامؓ کے اموال بھی تھے، جب شام سے واپس آرہے تھے تو بنوفزارہ کے لوگوں نے حضرت زید بن حارثہؓ کے قافلے پر حملہ کیا، اس حملہ میں بنوفزارہ کے سردار جو پیش پیش تھے ان میں ایک قرفہ نام کی عورت بھی تھی اور حضرت زید بن حارثہؓ اس غزوہ میں زخمی بھی ہوئے۔

جب واپس مدینہ منورہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے پھر حضرت زید بن حارثہ ؓ کو سریہ کا امیر بنا کر بنو فزارہ سے لڑنے کے لئے بھیجا چنانچہ یہ گئے اور جا کر پھر اس سردار عورت قرفہ کو قتل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سریہ میں فتح فرمائی۔

یہاں اس حدیث میں حضرت زید بن حارثہ ؓ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس سے یہ سریہ بنو فزارہ مراد ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا تھا، اس واسطے اس حدیث کو یہاں پر ذکر کیا۔ لیکن حدیث میں اس سریہ کا کوئی حال ذکر نہیں کیا، صرف ایک اشارہ کیا ہے۔[1]

حضور اقدس ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دن قبل حضرت اسامہ ؓ کو ایک سریہ کا امیر بنایا، یعنی حضرت زید بن حارثہ ؓ کے بیٹے کو، تو لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ یہ تو چھوٹا بچہ ہے، اس کو امیر بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ ان طعنہ کرنے والوں کا سردار عیاش بن ربیعہ تھا اس نے کہا کہ ایک کم سن لڑکے کو کبار صحابہ کا امیر بنا دیا گیا ہے۔

یہ خبر حضرت عمر ؓ کو پہنچی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی جس پر رسول کریم ﷺ خفاء ہوئے اور خطبہ فرمایا کہ اگر تم ان کی امارت پر طعن کر رہے ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ تم لوگ تو اس سے پہلے اس کے والد حضرت زید بن حارث ؓ کی امارت پر بھی طعن کر چکے ہو جب میں نے ان کو امیر بنایا تھا، تو یہ زید بن حارثہ ؓ کی طرف اشارہ ہو گیا۔[2]

---

[1] والسابعة الى ناس من بنى فزارة، وكان خرج قبلها فى تجارة فخرج عليه ناس من بنى فزارة فأخذوا مامعه وضربوه فجهزه النبى اليهم فأوقع بهم وقتل أم قرفة بكسر القاف وسكون الراء بعدها فاء وهى فاطمة بن ربيعة بن بدر زوج مالك بن حذيفة بن بدر عم عيينة بن حصن بن حذيفة وكانت معظمة فيهم، فيقال ربطها فى ذنب فرستين وأجرها فتقطعت، أسر بنتها وكانت جميلة، ولعل هذه الاخيرة مراد المصنف. فتح البارى، ج:۷، ص:۴۹۸ و عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۷۴، وكتاب المغازى للواقدى، ج:۲، ص:۵۶۴

[2] قوله: ((فطعن))، يقال: طعن بالرمح وباليد: يطعن بالظم، وطعن فى العرض والنسب: يطعن بالفتح، وقيل: هما لغتان فيهما. قوله: ((بعض الناس)) منهم عياش بن أبى ربيعة المخزومى. قوله: ((امارته)) بكسر الهمزة. قوله: ((فى امارة أبيه))، وهى: امارة زيد بن حارثة فى غزوة مؤتة. قوله: ((ان كان لخليقا)) أى: ان زيداً كان خليقاً بالامارة، يعنى: أنهم طعنوا فى امارة زيد وظهر لهم فى الآخر انه كان جديراً لائقاً بها، فكذلك حال أسامة. وفيه: جواز امارة الموالي، وتولية الصغار على الكبار، والمفضول على الفاضل للمصلحة. وقال الكرمانى: الأحب بمعنى المحبوب. قلت: ما ظهر لى وجه العدول عن معنى التفضيل. عمدة القارى، ۳۴۷

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنانے کی مصلحت یہ تھی کہ ان کے والد غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تھے، تو ان کی دل جوئی کے علاوہ یہ خیال بھی تھا کہ وہ اپنے والد کی شہادت یاد کر کے ان کافروں سے دل جمعی سے لڑیں گے۔

زید بن حارث اور ان کے بیٹے اسامہ سے محبت

"وایم اللہ لقد کان خلیقا للإمارة" اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھے۔

"وإن کان من أحب النا س إلی، وإن هذا لمن أحب الناس إلی بعده" اور زید بن حارث مجھے تمام لوگوں میں زیادہ محبوب تھے، اور زید کے بعد اسکا یہ بیٹا اسامہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۴۴) باب: عمرة القضاء

عمرہ قضاء کا بیان

ذكره أنس عن النبي ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس نے ﷛ اسے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

۴۲۵۱ ـ حدثني عبيد الله بن موسى، عن اسرائيل، عن ابي اسحاق، عن البراء ﷛ قال: لما اعتمر النبي ﷺ في ذي القعدة فابى اهل مكة ان يدعوه يدخل مكة حتى قاضاهم على ان يقيم بها ثلاثة ايام. فلما كُتب الكِتاب كَتبوا: هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله. قالوا: لانقرلك بهذا. لونعلم انك رسول الله ما منعناك شيئا، ولكن انت محمد بن عبدالله، فقال: أنا رسول الله، وأنا محمد بن عبدالله. ثم قال لعلي: ((امح رسول الله))، قال علي: لا والله لا امحوك ابداً، فاخذ رسول الله ﷺ الكِتاب وليس يحسن يكتب، فكتب: هذا ما قاضى محمد بن عبدالله لا يدخل مكة السلاح الا السيف في القراب، وان لا يخرج من اهلها بأحد ان اراد ان يتبعه، وأن لا يمنع من أصحابه أحداً ان أراد ان يقيم بها. فلما دخلها ومضى الأجل أتوا عليا فقالوا: قل لصاحبك: اخرج عنافقد مضى الأجل. فخرج النبي ﷺ فتبعته ابنة حمزة تنادي: ياعم يا عم، فتناولها علي فأخذ بيدها وقال لفاطمة: دونك ابنة عمك، حملتها. فاختصم فيها علي وزيد وجعفر، فقال علي: انا أخذتها وهي بنت عمي. ،وقال جعفر: ابنة عمي وخالتها تحتي. وقال زيد: بنت أخي، فقضى بها النبي ﷺ لخالتها وقال: ((الخالة بمنزلة الأم)). وقال لعلي: ((أنت مني وأنا منك)) وقال لجعفر: ((أشبهت خلقي وخلقي)). وقال لزيد: ((أنت أخونا ومولانا)). وقال علي: ألا تتزوج بنت حمزة؟ قال: ((انها بنت أخي من الرضاعة)). [راجع: ۱۷۸۱]

ترجمہ: ابواسحٰق رحمہ اللہ حضرت براء ﷛ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ذیقعدہ میں عمرہ کا ارادہ فرمایا تو اہل مکہ نے آپ ﷺ کے مکہ میں داخل ہونے سے انکار کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان سے اس شرط پر صلح کی کہ (آئندہ سال) مکہ میں تین دن مقیم رہیں گے، جب مسلمانوں نے صلح نامہ لکھا (تو اس میں یہ) لکھ دیا کہ یہ محمد رسول اللہ کا صلح نامہ ہے، تو کفار نے کہا کہ ہم تو اس کا اقرار نہیں کرتے، اگر ہم آپ کو

اللہ کا رسول ﷺ سمجھتے تو آپ کو ہم بالکل نہ روکتے، لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ بھی ہوں، پھر آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ مٹا دو، حضرت علی ؓ نے عرض کیا، اللہ کی قسم! میں تو اسے کبھی نہیں مٹا سکتا، تو رسول اللہ ﷺ نے وہ صلح نامہ لے لیا، حالانکہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے یہ لکھا: یہ محمد بن عبد اللہ کا صلح نامہ ہے کہ آپ مکہ میں سوائے غلاف پوش تلوار کے دوسرے ہتھیار لے کر نہ آئیں گے، اور اہل مکہ میں اگر کوئی آپ کے ساتھ جانا چاہے گا تو آپ اسے نہیں لے جائیں گے، اور اگر آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے گا تو آپ نہ روکیں گے۔

جب آپ مکہ تشریف لائے اور مدت پوری ہوگئی تو کفار نے حضرت علی ؓ کے پاس آ کر کہا کہ آپ اپنے ساتھی سے کہہ دیجئے کہ یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ مدت پوری ہوگئی ہے، تو نبی ﷺ مکہ سے تشریف لے گئے، حضرت حمزہ ؓ کی صاحبزادی چچا چچا پکارتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے چلی تو انہیں حضرت علی ؓ نے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ اپنے چچا کی صاحبزادی کو لے لو کہ میں نے اسے لے لیا ہے۔

اس کے معاملے میں علی، زید اور جعفر میں جھگڑا ہوا، حضرت علی ؓ نے کہا کہ میں نے ہی اسے لیا ہے، اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے، جعفر ؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے، اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، زید ؓ نے کہا یہ میری بھتیجی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا یعنی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا، اور فرمایا خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اور حضرت علی ؓ سے بطور تسلی فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، اور حضرت جعفر ؓ سے فرمایا کہ تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو اور حضرت زید ؓ سے فرمایا تم ہمارا بھائی اور ہمارے غلام ہو، حضرت علی ؓ نے کہا کہ آپ، حمزہ ؓ کی صاحبزادی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

صلح حدیبیہ کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، لیکن یہاں ایک بات وضاحت طلب ہے۔

حدیبیہ کا جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو کفار کی جانب سے لفظِ رسول اللہ پر اعتراض کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے مٹانے کا حکم دیا تو حضرت علی ؓ نے رسول اللہ کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو اس میں صراحت ہے **"فاخذ رسول اللہ ﷺ الکِتاب ولیس یحسن یکتب، فکتب"** آپ ﷺ نے لے لیا اور خود لکھا۔

اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ بات حضور اقدس ﷺ کے امی ہونے کے منافی لگتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لکھا۔

اس کی علماء نے دو توجیہات کی ہیں:

پہلی توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ جو واقعہ ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو بطور معجزہ اس وقت لکھنے کی صلاحیت عطا کر دی گئی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے لکھ دیا۔

دوسری توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ آپ ﷺ کا امی ہونا عمومی اعتبار سے تھا لیکن جیسا کہ کوئی آدمی امی ہو لیکن رفتہ رفتہ کم از کم دستخط کر لینا سیکھ لیتا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی دستخط اور اپنا نام لکھ پاتے تھے تو اس وجہ سے آپ ﷺ نے یہاں پر تحریر فرمایا۔

اصل میں تو یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ آپ باوجود امی ہونے کے ایسے عظیم الشان علوم و معارف آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے کہ ساری دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ہوگئی۔

امی ومقتدان عالم بے سایہ وسائبان عالم............

اگر اتنا تھوڑا سا سکھا دیا گیا ہو اور کسی وقت میں آپ ﷺ نے اپنا نام لکھ لیا ہو تو یہ آپ کی عمومی شان امیت کے منافی نہیں ہے۔ [۳]

اب اس روایت کا جو اگلا حصہ نیا ہے وہ دیکھ لیتے ہیں۔

"فلما دخلها ومضى الاجل الخ" اگلے سال مسلمان آپ ﷺ کے ہمراہ عمرۃ القضاء اداء کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے، معاہدہ کے مطابق جب تین دن کی مدت گذر گئی تو کفار مکہ میں سے چند لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا جوش اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

اصل میں ہوا یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو معاہدہ تھا کہ اگلے سال بغیر ہتھیاروں کے آئیں گے اور عمرہ کریں گے، جب اگلے سال تشریف لائے تو احتیاطاً آپ ﷺ نے ہتھیار ساتھ رکھے تھے، لیکن وہ باہر تک چھوڑ دیئے اور مکہ مکرمہ میں صرف تلوار کے ساتھ داخل ہوئے۔

---

[۳] انه كتب بنفسه خرقاً لعادة على سبيل المعجزة. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۲۷۶ و فتح البارى، ج:۷، ص:۵۰۴، ۵۰۳

اس وقت میں بعض صحابۂ کرام ﷺ نے خاص طور پر انصاری صحابۂ کرام ﷺ نے ذرا خوشی اور فخر کا مظاہرہ بھی کیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ نے یہ شعر پڑھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله **قد أنزل الرحمن فی تنزیله**

اے کافروں آپ کا راستہ چھوڑ دو — اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا ہے

بأن خیر القتل فی سبیله **نحن قتلناکم علی تأویله**

بہترین قتل وہ کہ جو خدا کی راہ میں ہو — ہم نے تم سے جہاد کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے

کماقتلناکم علیٰ تنزیله

ہم نے تم سے جہاد وقتال اس کے حکم کے مطابق کرتے ہیں

اور بیہقی کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادہ ہے۔

الیوم نضربکم علی تنزیله **ضرباً یزیل الهام عن مقبله**

آج اللہ کے حکم کے مطابق ہم تمہیں ایسا ماریں گے — ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے الگ ہوجائے

ویذهل الخلیل عن خلیله **یارب الی مؤمن بقیله**

اور دوست کو دوست سے بخبر بنادے — اے اللہ! میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں

اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

ویذهل الخلیل عن خلیله **الی رأیت الحق فی قبوله**

اور دوست کو دوست سے بخبر بنادے — میں اس کے قبول کرنے ہی کو حق سمجھتا ہوں

مسلمانوں کا اس شوکت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، عبداللہ بن رواحہ ﷺ کا اشعار پڑھنا، کفار کو کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا، لیکن مجبور تھے کہ معاہدہ کر چکے تھے۔ اس واسطے مجبوراً دیکھ رہے تھے اب یہ چاہتے تھے کہ اگر یہ رک گئے تو پھر ہمارے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو اس واسطے حضرت علی ﷺ سے کہا کہ جلدی نکل جائیں۔ [۶]

حضرت حمزہ ﷺ کی بیٹی کے ساتھ آنے کا واقعہ

"فخرج النبی ﷺ الخ" آپ ﷺ معاہدہ کے مطابق تین دن کے ٹھہرنے کے بعد چلنے لگے

---

[۶] عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۷۴۔ ۳۷۵ وفتح الباری، ج:۷، ص: ۵۰۱

تو حضرت حمزہ ﷺ کی چھوٹی بیٹی آپ ﷺ کے ساتھ اے چچا! اے چچا! کہہ کر پیچھے لگ گئی۔

حضور ﷺ حضرت حمزہ ﷺ کو چچا کہا کرتے تھے تو وہ چچا کی بیٹی تھی لیکن یہاں وہ آپ ﷺ کو چچا کہہ رہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے لوگ ہر بڑے کو چچا کہتے تھے تو بڑا ہونے کی ناطے انہوں نے یا عمی یا عمی کہا۔

"فتناولها علی فاخذ بیدها وقال لفاطمة الخ" تو حضرت علی ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ لو یہ تمہاری چچا کی بیٹی ہے اس کو اپنے پاس رکھو، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔

" فاختصم علی الخ" بعد میں جب مدینہ پہنچ گئے علی، جعفر اور زید ﷺ کے درمیان اختلاف ہوا کہ کون ان کو اپنی تولیت میں لے؟

"قال علی: أنا أخذتها الخ" حضرت علی ﷺ نے کہا میں نے ہی ان کو وہاں سے لیا اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔

"وقال جعفر: ابنة عمی الخ" اور حضرت جعفر ﷺ نے کہا کہ ایک تو میرے چچا کی بیٹی ہے اور دوسرا یہ کہ اس بچی کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔

"وقال زید: ابنة اخی" حضرت زید بن حارثہ ﷺ نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، یہاں بھائی سے مراد اسلامی بھائی۔

"فقضی بها النبی ﷺ لخالتها الخ" تو آنحضرت ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو اس وقت حضرت جعفر ﷺ کے نکاح میں تھیں تو انکے حق میں فیصلہ کیا۔

"وقال لعلی: انت منی وأنا منک وقال الخ" جب بچی حضرت جعفر ﷺ کی پرورش میں چلی گئی تو اب حضرت علی ﷺ سے بطور تسلی فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور حضرت جعفر ﷺ سے کہا کہ تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو اور حضرت زید ﷺ سے فرمایا تم ہمارا بھائی اور ہمارے غلام ہو۔

" وقال علی: الا تتزوج بنت حمزة؟ الخ" حضرت علی ﷺ نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ حمزہ کی بیٹی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ رضاعت میں میری بھتیجی ہے کیونکہ حضرت حمزہ ﷺ، حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، لہٰذا یہ رضاعی بھتیجی ہوگئی تو اس لئے میرے لئے حلال نہیں ہے۔

۴۲۵۲ ـ حدثني محمد ـ هو ابن رافع ـ: حدثنا سريج: حدثنا فليح ح وحدثني محمد بن الحسين بن إبراهيم: حدثني أبي: حدثنا فليح بن سليمان، عن نافع، عن ابن

عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ خرج معتمرا فحال كفار قريش بينه وبين البيت، فنحر هديه وحلق رأسه بالحديبية وقاضاهم على أن يعتمر العام المقبل، ولا يحمل سلاحا عليهم إلا سيوفا، ولا يقيم بها إلا ما أحبوا. فاعتمر من العام المقبل فدخلها كما كان صالحهم. فلما أن أقام بها ثلاثا أمروه أن يخرج فخرج.[۵]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے قصد سے چلے تو کفار قریش آپ کے بیت اللہ پہنچنے سے آڑے آئے، تو آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قربانی ذبح فرمائی، سر کے بال منڈوائے اور ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ آپ آئندہ سال عمرہ ادا کریں گے اور سوائے تلواروں کے کوئی ہتھیار نہ لائیں گے، کفار کی خواہش کے مطابق مکہ میں ٹھہریں گے، تو آپ نے آئندہ سال عمرہ ادا فرمایا اور مکہ میں صلح کے مطابق آپ داخل ہوئے، جب آپ تین دن وہاں ٹھہر چکے تو کفار نے آپ سے چلے جانے کو کہا تو آپ چلے گئے۔

۴۲۵۳ ـ حدثني عثمان بن أبي شيبة: حدثنا جرير، عن منصور، عن مجاهد قال: دخلت أنا وعروة بن الزبير المسجد فإذا عبدالله بن عمر رضى الله عنهما جالس إلى حجرة عائشة ثم قال: كم اعتمر النبي ﷺ؟ قال: أربعا إحداهن في رجب. [راجع: ۱۷۷۵]

۴۲۵۴ ـ ثم سمعنا استنان عائشة. قال عروة: يا أم المؤمنين، ألا تسمعين ما يقول أبو عبدالرحمٰن؟ إن النبي ﷺ اعتمر أربع عمر إحداهن في رجب، فقالت: ما اعتمر النبي ﷺ عمرة إلا وهو شاهد، وما اعتمر في رجب قط. [راجع: ۱۷۷۶]

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، پھر عروہ ؓ نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا، چار جن میں سے ایک رجب میں کیا۔

---

[۵] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان جواز التحلل بالاحصار وجواز القران، رقم: ۱۲۰۳، وسنن النسائي، كتاب المناسك الحج، باب اذا احل بالعمرة هل يجعل معها حجاً، رقم: ۲۶۴۲، وباب فيمن احصر بعدو، رقم: ۲۷۵۹، وباب طواف القارن، رقم: ۲۹۳۳، وموطا مالک، كتاب الحج، باب الحج عمن يحج عنه، رقم: ۹۹، ومسند احمد، مسند عبدالله بن عمر رضى الله عنهما، رقم: ۴۵۹۵، ۵۲۹۸، ۵۳۲۲، ۶۰۶۷، ۶۲۲۷، ۶۲۶۸، ۶۳۹۱، وسنن الدارمي، كتاب المناسک، باب في المحصر بعدو، رقم: ۱۹۳۵

ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آواز سنی تو عروہ نے کہا کہ اے ام المؤمنین! کیا آپ نے حضرت ابوعبدالرحمٰن کی بات نہیں سنی؟ کہ آپ ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں، جن میں سے ایک رجب میں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی ﷺ نے جب بھی عمرہ کیا تو یہ اس میں موجود تھے، آپ ﷺ نے رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا۔

رجب میں عمرہ

اس روایت میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس تشریف فرما ہیں۔

تو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کتنے عمرے کئے تھے؟ **"قال: أربعا"** فرمایا کہ چار عمرے کئے تھے۔ اور بعض نسخوں میں اضافہ ہے کہ **"احدھاھن فی رجب"** ان میں نے ایک عمرہ رجب میں تھا، یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔

"ثم سمعنا استنان عائشة" اس کے بعد ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آواز پردے کے پیچھے سنی تو عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا **"یاأم المؤمنین ألا تسمعین الخ"** اے ام المؤمنین! کیا آپ سن رہی ہیں کہ ابوعبدالرحمٰن کیا کہہ رہے ہیں؟ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کیا کہہ رہے ہیں۔ **"إن النبی ﷺ اعتمر الخ"** کہ نبی کریم ﷺ نے چار عمرے کئے اور ان میں سے ایک رجب میں کیا تھا۔

"فقالت: ما اعتمر النبی ﷺ عمرة الخ" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے جو عمرہ بھی کیا ہے اس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ضرور موجود ہوتے تھے، لہٰذا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو بات صحیح یاد ہوتی، لیکن آپ ﷺ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا یعنی اس معاملہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وہم ہوگیا ہے۔

۴۲۵۵ ۔ حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفیان، عن إسماعیل بن أبي خالد، سمع ابن أبي أوفى یقول: لما اعتمر رسول الله ﷺ سترناه من غلمان المشركین ومنهم أن یؤذوا رسول الله ﷺ. [راجع: ۱۶۰۰]

ترجمہ: اسماعیل بن ابی خالد روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن اوفی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرما رہے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا تو ہم لوگوں نے آپ ﷺ کو مشرکین کے لڑکوں اور ان سے چھپا لیا (یعنی ان کے

گردگھیرا ڈال لیا) تا کہ وہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نا پہنچا سکیں۔

۴۲۵۶ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا حماد هو ابن زید، عن أیوب، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قدم رسول اللہ ﷺ وأصحابه فقال المشركون: إنه یقدم علیکم وفد وهنتهم حمی یثرب. فأمرهم النبی ﷺ أن یرملوا الأشواط الثلاثة، وأن یمشوا ما بین الرکنین. ولم یمنعه أن یأمرهم أن یرملوا الأشواط کلها إلا الإبقاء علیهم. وزاد ابن سلمة، عن أیوب، عن سعیدبن جبیر، عن ابن عباس قال: لما قدم النبی ﷺ لعامه الذی استأمن قال: ((ارملوا، لیری المشرکین قوتکم)). والمشرکون من قبل قعیقعان. [راجع: ۱۶۰۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ﷺ جب آئے تو مشرکین نے آپس میں کہا کہ تمہارے پاس وہ جماعت آرہی ہے، جس کو یثرب کے بخار نے کمزور کردیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلنے کا حکم دیا، اور دونوں رکنوں کے درمیان آہستہ چلنے کا اور تمام چکروں میں اکڑ کر چلنے کا حکم آپ ﷺ نے صرف مسلمانوں پر شفقت اور نرمی کرتے ہوئے نہیں دیا۔ ابن سلمہ، ایوب اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ جب نبی ﷺ صلح کے سال تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکڑ کر چلو تا کہ مشرکین تمہاری کی قوت دیکھ لیں اور مشرکین کوہ قعیقعان کی جانب سے دیکھا کرتے۔

طواف کے دوران رمل کا حکم

جب رسول اللہ ﷺ عمرۂ قضا کی غرض سے تشریف لائے اور ساتھ میں آپ کے صحابۂ کرام ﷺ بھی تھے، تو مشرکین نے کہا کہ **"فقال المشرکون: إنه یقدم الخ"** تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کردیا ہے یعنی جب یہاں سے گئے تھے تو صحت مند تھے وہاں جا کر یثرب والوں کی طرح ہو کر کمزور ہو گئے ہیں۔

"وأمره النبی ﷺ أن یرملوا الأشواط الثلاثة الخ" اس واسطے آپ ﷺ نے پہلے تین چکروں میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا حکم دیا، اور دو رکنوں کے درمیان یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان چلنے کا حکم دیا کہ اس میں رمل نہ کریں۔

اس لئے کہ ان مشرکین کو دکھانا مقصود تھا جو طواف کرتے ہوئے مسلمانوں کو دیکھا کرتے تھے، چنانچہ

رمل حجر اسود سے شروع ہوتا ہے اور رکن یمانی پر آ کر ختم ہو جاتا ہے تو یہاں سے جب چلیں گے تو عام طریقے سے چلیں گے۔

"ولم یمنعه أن یأمرهم أن یرملوا الأشواط الخ" اور یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کرو، باقی سارے چکروں میں رمل کرنے کا حکم نہیں دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں پر شفقت تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سات چکروں میں رمل کرنے سے تھک جائیں اور زیادہ کمزور نظر آنے لگیں، تو اس واسطے تین چکروں کا حکم دیا۔

"قال: لما قدم النبی ﷺ لعامه الذی استأمن الخ" ابن سلمہ، ایوب اور سعید بن جبیر نے اس روایت میں زیادتی کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب نبی ﷺ صلح کے سال تشریف لائے یعنی جس سال آپ ﷺ امن طلب کر کے عمرۃ قضاء کے لئے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکڑ کر چلو تا کہ مشرکین تمہاری کی قوت دیکھ لیں۔

"والمشرکون من قبل قعیقعان" مشرکین کوہ قعیقعان کی جانب سے مسلمانوں کو دیکھا کرتے تھے، یہ قعیقعان وہ پہاڑ ہے جو ابوقبیس کے مقابل ہے۔

ابوقبیس جنوب میں ہے اور قعیقعان شمال میں ہے اور وہیں پر دار الندوی تھا جہاں مشرکین مکہ مشورہ کیا کرتے تھے۔ [۱]

۴۲۵۷ ـ حدثني محمد، عن سفيان بن عيينة، عن عمرو، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: إنما سعى النبي ﷺ بالبيت وبين الصفا والمروة ليري المشركين قوته. [راجع: ۱۶۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے طواف میں اور صفا و مروہ کے درمیان کافروں کو اپنی قوت دکھانے کی غرض سے دوڑ رہے تھے۔

۴۲۵۸ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا وهيب قال: حدثنا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: تزوج النبي ﷺ ميمونة وهو محرم، وبنى بها وهو حلال، وماتت بسرف. [راجع: ۱۸۳۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا اور حلال ہونے کے بعد خلوت فرمائی اور حضرت میمونہ کا انتقال مقام سرف میں ہوا۔

---

[۱] مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں۔ انعام الباری، ج:۵، ص: ۲۵۰، ۲۴۹، رقم الحدیث: ۱۶۰۲

۴۲۵۹ ۔ قال أبو عبداللہ وزاد ابن إسحاق : حدثنی ابن أبی نجیح وأبان بن صالح، عن عطاء ومجاهد ،عن ابن عباس قال: تزوج النبی ﷺ میمونة فی عمرة القضاء. [راجع: ۱۸۳۷]

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمرہ قضا میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

حالتِ احرام میں نکاح

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح اس سفر یعنی عمرۃ القضاء میں ہوا تھا۔

اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ آپ نے نکاح کیا تھا جب کہ حالت احرام میں تھے اور بنا فرمایا جب کہ آپ حلال ہو گئے تھے۔

یہ حنفیہ کے مسلک کے عین مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حالت احرام میں نکاح ہو سکتا ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حالت احرام میں ہوا تھا۔ اس کی تفصیل کتاب الحج میں گذر چکی ہے۔ [۷]

---

[۷] من أراد التفصیل فلیراجع :صحیح البخاری، کتاب جزاء الصید، باب تزویج المحرم، رقم:۱۸۳۷، وانعام الباری، ج:۵ ، ص: ۴۳۳

باب غزوة موتة

و

بعث النبی ﷺ اسامة بن زید الی الحرقات من جھینة

(۴۵) باب غزوة موتة من ارض الشام

غزوہ موتہ کا بیان، جو ملک شام میں ہے

غزوۂ موتہ کا پس منظر

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے تحت غزوۂ موتہ کے متعلق احادیث ذکر فرما رہے ہیں اور غزوۂ موتہ بھی حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بڑے اہم غزوات میں سے ہے۔

اس غزوہ کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد مختلف سلاطین اور امراء کے نام جو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے تھے، ان میں سے ایک مکتوب گرامی آپ ﷺ نے بصرہ کے والی کے نام بھی بھیجا تھا۔

بصرہ اس زمانے میں شام کا ایک شہر تھا اور ایک وسیع و عریض خطے پر اس کا اطلاق ہوتا تھا، چنانچہ اس کے والی کو آپ ﷺ نے مکتوب روانہ فرمایا اور جن صحابی حضرت حارث بن عمیر ﷺ کو دے کر بھیجا تھا، قبل اس کے کہ وہ آپ ﷺ کا خط بصرہ کے والی کو پیش کرتے اس سے پہلے ہی غسان کے سردار شرحبیل بن عمرو نے ان کو قید کرلیا اور قید کر کے بصرہ کے والی کے پاس بھیج دیا اور بصرہ کے والی نے ان کو قتل کر دیا۔

ایک تو صحابیٔ رسول ﷺ کا قتل اور صحابی بھی وہ جو ایلچی ہے، یہ بین الاقوامی قانون اس وقت سے چلا آرہا ہے اور تمام مہذب قومیں اس قانون کا احترام کرتی تھیں کہ ایلچی کو کبھی قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ اس بین الاقوامی قوانین اور رسم و رواج کے مطابق بدترین بدعہدی اور انسانیت سے گری ہوئی حرکت تھی اور یہ انتہائی پست قسم کا اعلانِ جنگ بھی سمجھا جاتا تھا۔

تمام کافر، مسلمان اور ہر قوم کے افراد اس معاہدہ کی پیروی کرتے تھے کہ جو شخص کوئی پیغام لے کر آیا ہے خواہ وہ دشمن ہی کا پیغام لے کر آیا ہو تو اس کو قتل کرنا کسی حالت میں جائز نہیں تھا یعنی غیرت مند قوم کا ایلچی قتل کر دیا جائے تو وہ اس کو اپنے خلاف عملی طور پر یہ اعلان جنگ سمجھتی تھی۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ ابھی مکہ مکرمہ بھی فتح نہیں ہوا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ آپ کے ایلچی کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ ﷺ کو صدمہ بھی ہوا اور ساتھ ہی آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ یہ مسلمانوں کی غیرت کے لئے بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اعلان جنگ ہے۔

اب اندازہ کیجئے کہ بصرہ کے حاکم یا شام، اور روم کی سلطنت اس وقت ایک بڑی سپر پاور سمجھی جاتی تھی جبکہ حضور اقدس ﷺ اور مسلمان طرح طرح کے مسائل کا شکار تھے، کفارِ مکہ مسلسل مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے اور طرح طرح سے سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے۔

اس وقت اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینا اور اس وقت اتنی بڑی طاقت کا چیلنج قبول کر کے ایک نیا محاذ کھول دینا بظاہر بڑا مشکل معلوم ہوتا تھا، لیکن حضور ﷺ نے ان تمام مشکلات کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور جمع کر کے ایک لشکر ترتیب دیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ قابل برداشت نہیں ہے، لہٰذا جا کر ان کے اوپر حملہ کرو۔ چنانچہ تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل لشکر تیار کیا گیا اور حضور اقدس ﷺ نے ان کو یہ ہدایت دی۔

یکے بعد دیگرے تین امیروں کو مقرر کرنا

سب سے پہلے اپنے متبنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں، آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی، تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اور جب جعفر بن ابی طالب بھی شہید ہو جائیں، تو عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ امیرِ لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر مسلمان باہمی مشاورت سے جس کو چاہیں امیر بنالیں، گویا چوتھے امیر کا نام آپ ﷺ نے متعین نہیں فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کا اس طرح یکے بعد دیگرے تین امیروں کو نامزد فرمانا ایک غیر معمولی بات تھی، اور اس میں بظاہر یہ اشارہ بھی تھا کہ یہ تینوں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معرکے میں شہادت سے سرفراز ہوں۔

چنانچہ جس وقت حضور اقدس ﷺ یہ بات ارشاد فرما کر لشکر کو روانہ کر رہے تھے تو ایک یہودی جو آپ کی یہ گفتگو سن رہا تھا، اُس نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی نبی کسی لشکر کو مہم پر بھیجتے وقت یکے بعد دیگرے کئی آدمیوں کے بارے میں یہ کہ فلاں شخص شہید ہو گیا تو ایسا کرنا تو وہ ضرور شہید ہوتا تھا۔ لہٰذا اے زید! اگر محمد واقعی نبی ہیں تو تم اب واپس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ یہودی شاید یہ سمجھتا ہوگا کہ حضرت زید یہ سن کر خوف زدہ ہوں گے نے، لیکن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ تو سن لو! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے اور پاکباز نبی ہیں۔ [1]

---

[1] کتاب المغازی للواقدی، ج:۲، ص: ۷۵۶

مطلب یہ کہ ہم تو اسی لئے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع فراہم فرمایا ہے، نبی کریم ﷺ نے جب ایک طرح سے بشارت دی تو اس سے اعلیٰ بات کیا ہوگی کہ شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔

حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور تین ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل لشکر اس طرح مدینہ سے روانہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ بہ نفس نفیس اور مدینہ طیبہ کے باشندوں کا ایک بڑا مجمع اسے الوداع کہنے کیلئے ثنیۃ الوداع تک آیا۔

جب لشکر وہاں سے روانہ ہوا تو مجمع نے دعا دی:

"صحبکم اللہ ودفع عنکم، وردکم صالحین غانمین"

اللہ تمہارا ساتھی ہو، اللہ تم سے بلائیں دُور کرے، اللہ تمہیں صحیح سلامت کامیاب و کامران واپس لائے۔

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ فقرہ سنا، وہ چونکہ ایک قادر الکلام شاعر آدمی تھے تو انہوں نے یہ قصیدہ پڑھا۔

لکننی اسأل الرحمن مغفرۃ — **وضربۃ ذات فرغ تقذف الزبدا**

لیکن میں تو اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں — اور تلوار کا ایسا زخم چاہتا ہوں جو خون کی جھاگ کو اُبال دے

او طعنۃ بیدی حران مجھزۃ — **بحربۃ تنفذ الاحشاء الکبداء**

یا کسی حرانی شخص کے ہاتھوں نیزے کے کاری وار کا — ایسے نیزے کے ذریعے جو آنتوں اور جگر سے پار ہو جائے

حتی یقال اذا مروا علی جدثی — **یاارشد اللّٰہ من غاز وقدرشدا**

یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر کے سے گزریں تو کہیں — اس غازی کو اللہ نے ہدایت دی تھی اور وہ ہدایت پا گیا

مفہوم یہ کہ تمہیں یہ دعا دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سلامت واپس آئیں، ہمارا مقصود سلامت واپس آنا نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلوب یہ ہے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوں کہ ہمارا سارا جسم اللہ تعالیٰ کے راستے میں زخمی ہو اور اللہ کے راستے میں ہماری جان جائے۔ [۲]

اس شان سے شوقِ شہادت کی امنگیں دل میں لئے ہوئے یہ قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔

جب یہ حضرات روانہ ہو گئے، تو تین ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر تھا اور دوسری طرف سلطنتِ روم کی، عظیم طاقت، ویسے عام حالات میں تو یہ ہوتا ہے کہ تین ہزار کا لشکر کہیں آ رہا ہو تو تین ہزار کے مقابلے میں پانچ ہزار یا دس ہزار آدمی مقابلے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔

---

[۲] سیرت ابن ھشام: ذکر غزوۃ موتہ، ج: ۲، ص: ۳۷۴

لیکن جب مسلمان معان (معان بھی اردن میں ہے اور موتہ بھی اردن میں ہے ۔ معان اب بھی اس کا نام معان سے مشہور ہے ۔ ایک تو عمان ہے جو دارالحکومت ہے ایک معان ہے ۔ اس وقت بھی اس کا نام معان تھا آج بھی اس کا نام معان ہے) کے مقام پر پہنچے تو پتہ چلا کہ ہرقل روم نے مقابلے کیلئے ایک لاکھ انسانوں کا لشکر بھیج دیا۔

ایک لاکھ تو ایک طرف اور جو اِن کے عرب قبائلی حلیف (لخم، جذام، قین اور بہراء وغیرہ) تھے ان سے کہا تم بھی لشکر بھیجو بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے بھی ایک لاکھ کا لشکر بھیج دیا، دونوں مل کر دو لاکھ کا لشکر بن گئے ۔ دو لاکھ کے لشکر کے مقابلے میں صرف تین ہزار صحابۂ کرام ﷺ تھے۔

صحابہ ﷺ کا مشورہ اور عبداللہ بن رواحہ ﷺ کی ولولہ انگیز تقریر

حضرات صحابۂ کرام ﷺ کے درمیان آپس میں مشورہ ہوا کہ اس کی توقع تو نہیں تھی کہ دو لاکھ کا لشکر مقابلے کیلئے آجائے گا، یہ توقع لے کر گئے تھے کہ جھڑپ ہوگی تو مقابلے میں پانچ ہزار ہوں گے یا دس ہزار یا پچیس ہزار ہوں گے لیکن اس صورت کا نہ ہمیں پتہ تھا اور نہ رسول کریم ﷺ کو پتہ تھا۔

لہٰذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی جائے اور آپ سے ہدایات حاصل کی جائیں کہ آیا اب بھی ہم مقابلہ جاری رکھیں یا یہ کہ واپس آجائیں اور مزید کمک منگوائیں؟ کیا صورت اختیار کریں؟

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ نے بڑی جان بازی والی تقریر کی فرمائی:

اے قوم! جس چیز سے تم اس وقت گھبرانے لگے ہو، خدا کی قسم! یہ وہی چیز ہے جس کی تلاش میں تم وطن سے نکلے تھے، اور وہ ہے شہادت!

یاد رکھو کہ ہم نے جب بھی کوئی جنگ لڑی ہے نہ تو کثرتِ تعداد کی بنیاد پر لڑی ہے، اور نہ ہتھیاروں اور گھوڑوں کی بنیاد پر، میں بدر میں شریک تھا تو خدا کی قسم! ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے، میں احد میں شامل تھا تو ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔

ہاں ہم نے جس بنیاد پر ہمیشہ جنگ لڑی ہے وہ ہمارا دین ہے جس کا اعزاز اللہ نے ہمیں عطاء فرمایا ہے، لہذا میں تم سے درخواست کرتا

ہوں کہ آگے بڑھو، دو سعادتوں میں سے ایک سعادت یقیناً تمہارا مقدر
ہے، یا تو تم دشمن پر غالب آجاؤ گے، اور اس طرح اللہ اور اللہ کے رسول
ﷺ کا وہ وعدہ پورا ہوگا جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا، یا پھر تم شہید ہوکر جنت
کے باغات میں اپنے بھائیوں سے جاملو گے۔ [۳]

بس پھر کیا تھا؟ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شوقِ شہادت سے سرشار ہوکر جہاد کے لئے کمربستہ ہوگئے، لشکر معان سے روانہ ہوکر پہلے مشارف اور پھر موتہ میں مقیم ہوا، اور پھر موتہ ہی کے اس میدان میں یہ زبردست معرکہ پیش آیا اور دونوں لشکر مقابل ہوکر گتھم گتھا ہوئے۔

جنگ کے دوران پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آنحضرت ﷺ ہدایت کے مطابق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا۔ گھسان کے رن میں چاروں طرف سے نیزوں اور تیروں کی بارش ہورہی تھی، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے گھوڑے پر بیٹھنا مشکل ہوگیا، نتیجہ یہ کہ وہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور پیدل دشمن کی صفوں میں گھس گئے، کسی نے وار کیا تو دایاں ہاتھ جس میں پرچم سنبھالا ہوا تھا، کٹ کر گر گیا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بائیں ہاتھ میں لے لیا، کسی نے اس ہاتھ پر بھی وار کیا، اب دونوں ہاتھ کٹ گئے مگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جیتے جی اس پرچم کو چھوڑنا گوارا نہ تھا، انہوں اُسے کٹے ہوئے بازوؤں میں دبا کر روکنے کی کوشش کی لیکن تیسرے وار نے انہیں اپنی منزل تک پہنچا دیا۔

آگے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ شہادت کے بعد جب میں نے انؓ کی نعش مبارک دیکھی گئی تو ان کے جسم پر نیزے اور تلواروں کے پچاس زخم شمار کئے گئے، جن میں سے کوئی ان کی پشت پر نہیں تھا۔ [۴]

آنحضرت ﷺ کی بیان فرمودہ ترتیب کے مطابق اب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی باری تھی انہوں نے پرچم اٹھایا اور دشمن کی طرف بڑھنے لگے، کیونکہ کئی دن سے بھوکے تھے، اس لئے چہرے پر شاید بھوک کی نقاہت کے آثار نمایاں ہوں گے، تو ان کے چچازاد بھائی نے دیکھا ان کے چہرے پر بھوک کے اور کمزوری کے آثار ہیں تو گوشت کی چند بوٹیاں کہیں سے لا کر ان کے سامنے پیش کیں کہ ان دِنوں میں آپ نے بہت محنت اٹھائی ہے، یہ کھا لیجئے، تاکہ کم از کم اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں۔

---

[۳] کتاب المغازی للواقدی، ج:۲، ص: ۷۶۰ و سیرت ابن هشام: ذکر غزوة موته، ج:۲، ص: ۳۷۵

[۴] صحیح البخاری: کتاب المغازی، رقم: ۴۲۶۰

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے گوشت ان کے ہاتھ سے لیکر کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک گوشے سے مسلمانوں پر شدید ہلے کی آواز سنائی دی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ سے خطاب کر کے فرمایا کہ اس حالت میں تم دنیا کے کام میں لگے ہوئے ہو؟ یہ کہہ کر گوشت چھوڑ دیا، تلوار اُٹھائی، اور دشمن کے لشکر میں جا گھسے اور وہیں لڑتے لڑتے جانِ جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ [۵]

ان تینوں حضرات کی شہادت کے بعد کسی کا نام آنحضرت ﷺ نے تجویز نہیں فرمایا تھا، بلکہ اسے مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیا تھا۔

چنانچہ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے زمین سے جھنڈا تو اُٹھالیا، لیکن ساتھ ہی مسلمانوں سے کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ، لوگوں نے کہا کہ بس آپ ہی امیر بن جائیے، لیکن ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے۔

بالآخر مسلمانوں نے اتفاقِ رائے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر مقرر کر لیا، حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے پرچم ان کے حوالے کر دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بے جگری سے لڑے اور اس روز ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لشکر کو بحفاظت واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔ [۶]

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں بعض میں یہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح دی، دشمن بھاگ گیا، بعض روایتوں میں ہے کہ فتح یہ تھی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ باقی مسلمانوں کو باحفاظت واپس لانے میں کامیاب ہو گئے اور یہی زیادہ راجح ہے کہ وہ اپنی حکمت عملی سے مسلمانوں کو واپس لے آئے، ورنہ سارے مسلمان شہید ہو جاتے۔

اُدھر مدینہ منورہ میں حضور ﷺ اس جنگ کے حالات سے بے خبر نہ تھے، ابھی شام سے کوئی ایلچی جنگ کی خبر لے کر نہیں آیا تھا، لیکن یہ خبریں بذریعہ وحی مل رہی تھیں۔

آپ ﷺ نے اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ زید بن حارثہ شہید ہو گئے، پھر جعفر ابن ابی طالب بھی شہید ہو گئے ہیں، پھر عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے۔ یہ فرما کر آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر فرمایا کہ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے اُٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح سے نوازا۔ [۷]

---

[۵] سیرت ابن هشام: ذکر غزوة موته، ج: ۲، ص: ۳۷۶

جب آپ ﷺ کو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی ملی تو فوراً حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں وہاں جا کر آپ نے فوراً نا گہانی اطلاع دینے کو مناسب نہ سمجھا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا اور اس آپ کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ روکیوں رہے ہیں؟ کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ نے جعفر کو شہادت کا مقام عطا فرمایا ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میری چیخ نکل گئی، عورتیں میرے پاس جمع ہونے لگیں۔ آنحضرت ﷺ باہر تشریف لے گئے اور پھر آپ ﷺ نے گھر جا کر فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کیلئے کھانا بنا کر بھیج دو۔

آنحضرت ﷺ اسی موقع پر یہ بشارت بھی دی کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاتھوں کے بدلے دو ایسے بازو عطا فرمائے جن کے ذریعے وہ جہاں چاہیں اڑ کر چلے جاتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا لقب **"طیّار"** اڑنے والا مشہور ہو گیا۔ ۸

ان تینوں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات آج بھی موجود ہیں اور میں خود وہاں حاضر ہوا ہوں اور موتہ کے میدان میں ان کے لئے بہت لمبا چوڑا سفر کیا ہے، کیونکہ کہ عمان سے موتہ کا فاصلہ طویل اور دشوار گزار ہے لیکن شوق تھا تو الحمد للہ حاضری ہوئی۔ جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مقدس خون سے جانبازی و فداکاری کی یہ تاریخ لکھی تھی۔

تصور کی نگاہیں اس میدان کے مختلف گوشوں میں اس معرکۂ رست وخیز کے مختلف مناظر دیکھتی رہیں جس نے ان حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فرشتوں سے بھی بلند مقام عطا فرمایا، ابھی ذہن تصورات میں گم تھا کہ اس میدان کے مقامی مجاور نے ایک جگہ اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا مقامِ شہادت ہے، یہاں چند فٹ اونچا ایک پتھروں کا بنا ہوا ستون نصب تھا اور اس پر دھندلے حروف میں لکھی ہوئی یہ عبارت پڑھی جا سکتی تھی کہ **"ھنا استشھد زید بن حارثہ"** حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ اس مقام پر شہید ہوئے۔

اسی سے کچھ فاصلے پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا مقامِ شہادت بیان کیا جاتا ہے۔ وہاں پر بھی اسی قسم کا ایک ستون کھڑا تھا۔ مُجاور نے اس کے بارے میں بتایا کہ یہاں سے جنوب میں تقریباً ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر میدان کے بیچوں بیچ ایک جگہ ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ وہاں

شہید ہوئے تھے۔ اس جگہ ایک زیرِ زمین سرنگ سی بھی بنی ہوئی ہے اور مُجاور کے کہنے کے مطابق کسی زمانے میں یہاں یہ بات مشہور تھی کہ اُس سرنگ سے خوشبو آتی ہے، کوئی شخص جب اس کی تحقیق کے لئے اندر داخل ہوا پھر کبھی واپس نہ آیا۔ اس میدان سے کافی فاصلے پر ایک ''مزار'' نامی بستی واقع ہے اسی میں ان تین حضرات کے مزارات ہیں اور باقی صحابۂ کرام کے بھی، جو وہاں شہید ہوئے۔ [۹]

یہ غزوۂ موتہ میں پیش آنے والے حالات وواقعات کا خلاصہ ہے اور اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایات نقل کی ہیں۔

۴۲۶۰ ـ حدثنا أحمد: حدثنا ابن وهب، عن عمرو، عن ابن أبي هلال قال: وأخبرني نافع أن عمر أخبره: أنه وقف على جعفر يومئذ وهو قتيل فعددت به خمسين بين طعنة وضربة، ليس منها شئ في دبره، يعني في ظهره. [انظر: ۴۲۶۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میں جعفر ﷜ کی شہادت کے بعد اس روز انکے پاس کھڑا ہوا تو میں نے ان کے جسم پر نیزہ اور تلوار کے پچاس نشان دیکھے، ان میں سے کوئی بھی زخم ان کی پشت پر نہیں تھا۔

حضرت جعفر ﷜ کے جسم پر زخم

یہ لمبی حدیث ہے، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے مختصر ذکر کی ہے، اس کا صرف اتنا حصہ روایت کر دیا حالانکہ اس میں موتہ کے لفظ کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن دوسری روایتوں میں آیا ہے۔

روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں اس دن یعنی غزوۂ موتہ کے دن حضرت جعفر ﷜ کے پاس کھڑا ہوا" **وھو قتیل**" جب کہ وہ شہید ہو چکے تھے۔

" **فعددت به خمسين الخ**" ان کے جسم پر پچاس نشان زخم کے پائے ان میں سے بعض طعن یعنی نیزے کے تھے اور بعض ضرب یعنی تلوار کے تھے۔ "**ليس منها شئ في دبره**" ایک بھی زخم پشت پر نہیں تھا سارے زخم سینے پر یا سامنے کے جسم پر تھے، جس کا مطلب ہے کہ کسی مرحلے پر بھی پشت نہیں دکھائی۔

[۷، ۸] صحيح البخاري: كتاب المغازي، رقم: ۴۲۶۶، ۴۲۶۵، ۴۲۶۲۔

[۶، ۹] سيرت ابن هشام: ذكر غزوة موته، ج: ۲، ص: ۳۸۱ ـ ۳۸۰ ـ ۳۷۹ و كتاب المغازي للواقدي، ج: ۲، ص: ۷۵۵، سفر نامہ: جہانِ دیدہ، ص: ۲۲۸ تا ۲۳۵، مطبع: مکتبہ معارف القرآن، کراچی

۴۲۶۱ ـ أخبرنا أحمد بن أبي بكر: حدثنا مغيرة بن عبدالرحمن، عن عبدالله ابن سعيد، عن نافع، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال: أمر رسول الله ﷺ في غزوة موتة زيد بن حارثة فقال رسول الله ﷺ: ((إن قتل زيد فجعفر، وإن قتل جعفر فعبد الله بن رواحة)). قال عبدالله: كنت فيهم في تلك الغزوة فالتمسنا جعفر ابن أبي طالب فوجدناه في القتلى ووجدنا ما في جسده بضعا وتسعين من طعنة ورمية. [راجع: ۴۲۶۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ ؓ کو سپہ سالار بنایا، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر یہ شہید ہو جائیں تو پھر سپہ سالار جعفر ؓ ہیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ؓ ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اس غزوہ میں شریک تھا، ہم نے حضرت جعفر ؓ کو تلاش کیا تو وہ شہداء میں ملے، اور ہم نے ان کے جسم پر نوے سے کچھ اوپر تیر اور نیزہ کے زخم پائے۔

تعارض اور اس کا جواب

اس روایت میں نوے سے اوپر زخم شمار کئے ہیں، جبکہ پچھلی روایت میں پچاس زخم کا ذکر کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات شمار میں بھی فرق ہو جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ انہوں نے صرف سامنے کے بتائے ہیں اور انہوں نے کروٹ وغیرہ کے بھی شمار کئے ہوں گے، بہر حال اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی وجہِ تعارض باقی نہیں رہے گی۔

۴۲۶۲ ـ حدثنا أحمد بن واقد حدثنا حماد بن زيد عن أيوب عن حميد بن هلال عن أنس ؓ أن النبي ﷺ نعى زيدا وجعفرا وابن رواحة للناس قبل أن يأتيهم خبرهم فقال أخذ الراية زيد فأصيب ثم أخذ جعفر فأصيب ثم أخذ ابن رواحة فأصيب وعيناه تذرفان حتى أخذ الراية سيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم. [راجع: ۱۲۴۶]

ترجمہ: حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زید، جعفر اور ابن رواحہ ؓ کی شہادت کی خبر لوگوں کو سنائی حالانکہ ابھی تک ان کی کوئی خبر نہیں آئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ زید نے جھنڈا سنبھالا، وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے سنبھالا تو وہ بھی شہید ہو گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا تو وہ بھی شہید ہو گئے، آپ ﷺ کی آنکھوں سے یہ کہتے وقت آنسو جاری تھے، یہاں تک کہ اللہ کی ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید ؓ) نے جھنڈا سنبھالا حتیٰ کہ اللہ نے ان پر فتح عنایت فرمائی۔

۴۲۶۳ ـ حدثنا قتيبة: حدثنا عبدالوهاب قال: سمعت يحيى بن سعيد قال: أخبرتني عمرة قالت: سمعت عائشة رضي الله عنها تقول: لما جاء قتل ابن حارثة وجعفر بن ابي طالب و عبدالله بن رواحة رضي الله عنهم جلس رسول الله ﷺ يعرف فيه الحزن، قالت عائشة: وأنا أطلع من صائر الباب، تعني من شق الباب، فأتاه رجل فقال: أى رسول الله، إن نساء جعفر قال، فذكر بكاء هن فامره أن ينهاهن، قال: فذهب الرجل ثم أتى فقال: قد نهيتهن وذكر أنه لم يطعنه، قال: فامر أيضا فذهب ثم أتى فقال: والله لقد غلبننا. فزعمت أن رسول الله ﷺ قال: ((فاحث في أفواههن من التراب))، قالت عائشة: فقلت: أرغم الله أنفك، فوالله ما أنت تفعل وما تركت رسول الله ﷺ من العناء. [راجع: ۱۲۹۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ ﷺ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ پر غم کے آثار پائے جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دروازہ کی جھریوں میں سے دیکھ رہی تھی، ایک آدمی آیا، اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! جعفر کے گھر کی عورتیں رو رہی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا انہیں رونے سے منع کریں، وہ شخص گیا، پھر آ کر کہا کہ میں نے انہیں منع کیا، مگر وہ مانتی ہی نہیں، آپ ﷺ نے پھر منع کرنے کا حکم دیا، وہ گیا اور پھر آ کر کہنے لگا، اللہ کی قسم! ہم پر غالب آگئی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پھر ان کا منہ مٹی سے بھر دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اس سے کہا اللہ تیری ناک کو خاک آلود کرے تو نہ تو وہ کر سکتا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کا پیچھا چھوڑتا ہے۔

نوحہ کرنے سے ممانعت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ ﷺ کے قتل کی خبر آئی تو "**جلس رسول الله ﷺ يعرف الخ**" رسول اللہ ﷺ مسجدِ نبوی میں بیٹھے تھے، آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر حزن کے آثار واضح تھے اور پہچانے جا رہے تھے۔

"**وأنا أطلع من صائر الباب الخ**" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دروازے کی دراز سے جھانک رہی تھی تو ایک شخص آیا، "**إن نساء جعفر قال، فذكر بكاء هن الخ**" اس شخص نے آ کر

عرض کیا یارسول اللہ! جعفر کی خواتین رو رہی ہیں، تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کو جا کر منع کرو، تو وہ شخص گیا اور پھر واپس آیا۔

"فقال: قد نهيتهن وذكر انه لم يطعنه" اور عرض کیا کہ میں نے ان کو روک دیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا کہ انہوں نے بات نہیں مانی اور مسلسل رو رہی ہیں، تو آپ ﷺ نے دوبارہ حکم فرمایا کہ جاؤ اور ان کو جا کر رونے (نوحہ کرنے) سے منع کرو۔

چنانچہ وہ شخص پھر گیا اور واپس آیا اور آکر نبی کریم ﷺ سے کہا کہ **"والله لقد غلبننا"** اللہ کی قسم! وہ تو ہم پر غالب آگئیں یعنی ہمارے منع کرنے کے باوجود نہیں مان رہیں اور مسلسل روئے جارہی ہیں۔

"فزعمت أن رسول الله ﷺ قال: فاحث في أفواههن من التراب" ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ان کا منہ مٹی سے بھر دے۔

یعنی یہ زجر کے طور پر فرمایا اور زجر میں مبالغہ فرمایا۔

تو اب زجر کرنے کا منشأ بظاہر یہ تھا کہ شدتِ غم کی وجہ سے رونا اگر غیر اختیاری ہو تو راجح قول کی بنا پر وہ خواہ آواز سے ہو یا بغیر آواز سے ہو دونوں جائز ہیں، بشرطیکہ غیر اختیاری ہو۔

لیکن جو چیز ممنوع ہے وہ بین یعنی نوحہ کرنا جس میں بلند آواز میں رویا جائے اور ساتھ ساتھ اس میت کے اوصاف وغیرہ بھی بیان کئے جائیں تو ایسا لگتا ہے کہ اس زمانے میں کثرت کے ساتھ بین کرنے کی ایک عادت پڑی ہوئی تھی۔ شاید بین کی صورت تھی جس کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے یہ مبالغہ فی الزجر فرمایا۔ [10]

۴۲۶۴ - حدثني محمد بن أبي بكر، حدثنا عمر بن علي عن اسماعيل بن أبي خالد عامر قال: كان ابن عمر اذا حيا ابن جعفر قال: السلام عليك يا ابن ذى الجناحين.

[راجع: ۳۷۰۹]

---

[10] ذلك اما لأنه لم يصرح لهن بنهي الشارع عن ذلك فحملن امره على أنه يحتسب عليهن من قبل نفسه، اوحملن الأمر على التنزيه فتمادين على ما هن فيه، أولأنهن لشدة المصيبة لم يقدرن على ترك البكاء. والذى يظهر أن النهي انما وقع عن قدر زائد على محض البكاء كالنوح ونحو ذلك، فلذلك أمر الرجل بتكرار النهي. واستبعده بعضهم من جهة أن الصحابيات لا يتمادين بعد تكرار النهي على أمر محرم، ولعلهن تركن النوح ولم يتركن البكاء، وكان غرض الرجل حسم المادة ولم يطعنه، لكن قوله: ((فاحث في أفواههن من التراب))، يدل على انهن تمادين على الأمر الممنوع. فتح البارى، ج:۷، ۵۱۴

ترجمہ: اسماعیل بن ابو خالد عامر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر ؓ کے بیٹے کو سلام کرتے تھے تو یوں کہتے تھے اے دو پروں والے کے بیٹے تم پر سلام ہو۔

۴۲۶۵ - حدثنا ابو نعیم حدثنا سفیان عن اسماعیل عن قیس بن أبی حازم قال: سمعت خالد بن الولید یقول: لقد انقطعت فی یدی یوم موتة تسعة أسیاف فما بقی فی یدی الا صفیحة یمانیة. [انظر: ۴۲۶۶]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ قیس بن ابو حازم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خالد بن ولید ؓ سے سنا کہ وہ فرمار ہے تھے کہ غزوۂ موتہ روز میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں، صرف چوڑے پھل والی یمنی تلوار میرے ہاتھ میں باقی رہ گئی تھی۔

۴۲۶۶ - حدثنی محمد بن المثنی حدثنا یحیی عن اسماعیل قال: حدثنی قیس، قال: سمعت خالد بن الولید یقول : لقد دق فی یدی یوم موتة تسعة أسیاف و صبرت فی یدی صفیحة لی یمانیة. [راجع: ۴۲۶۵]

۴۲۶۷ - حدثنی عمران بن میسرة: حدثنا محمد بن فضیل، عن حصین، عن عامر، عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما قال: أغمی علی عبداللہ بن رواحة فجعلت أخته عمرة تبکی: واجبلاه، واکذا، واکذا، واکذا م تعدد علیه. فقال حین أفاق: ما قلت شیئا إلا قیل لی: أنت کذلک؟. [انظر: ۴۲۶۸] [11]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن رواحہ ؓ ایک دن بیہوش ہوگئے، تو ان کی بہن ہائے پہاڑ جیسا بھائی، ہائے، ہائے کرتے یعنی انکے اوصاف گن گن کر رونے لگیں۔ جب انہیں ہوش آیا تو بہن سے کہا کہ تم جو جو بات کہتیں تو مجھ سے پوچھا جاتا، کیا تو ایسا ہی ہے۔

نوحہ اور بین کرنے پر عذاب

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ پر بے ہوشی طاری ہوئی۔ یہ واقعہ غزوۂ موتہ سے پہلے کا ہے، پہلے کسی وقت بیمار ہوئے تو ان پر غشی طاری ہوگئی۔

---

[11] انفرد به البخاری.

ان کی بہن عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا، جو نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سوتیلی ماں تھیں، یہ کہہ کر "**واجبلاہ واسیدا واکذا واکذا**" رونے لگیں، "**تعدد علیہ**" یعنی آہ و بکاء کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف و مناقب بھی گن گن کر بیان کرنے لگیں کہ میرا بھائی ایسا تھا ویسا تھا۔

جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کا ہاں میت کے سرہانے بیٹھ کر نوحہ کرنے کا طریقہ تھا۔

"**فقال حین أفاق: ما قلت شیئا الخ**" جب حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کو ہوش آیا تو انہوں نے فرمایا کہ جتنی دفعہ تم نے یہ بات کہی تھیں "**واسیدا۔ واجبلا**" جب بھی تم یہ بات کہتی تھیں تو مجھ سے کہا جاتا تھا کہ کیا تم ایسے ہی ہو؟ یعنی میں جس وقت حالت غشی میں تھا مجھ سے پوچھا جاتا تھا۔ دوسری روایت میں تفصیل آئی ہے کہ فرشتہ ہاتھ میں گرز لئے ہوئے مجھ سے کہتا تھا **أالت کذا؟** کیا تم ایسے ہی ہو جیسے یہ کہہ رہی ہے۔

معلوم ہوا اس طرح کے اوصاف جو مبالغہ آمیزی پر مشتمل ہوں اور بین کرنے کے طور پر استعمال کئے جائیں تو بعض اوقات یہ الفاظ مردے کے لئے تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم ایسے ہی تھے جیسا کہ یہ لوگ تمہارے اوصاف بیان کر رہے ہیں؟

اور یہی معنی ہے ان تمام احادیث کا جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ لوگوں کے رونے اور بین کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ یہ بحث پہلے تفصیل سے آپ حضرات پڑھ چکے ہیں۔ [۱۲]

۴۲۶۸ – حدثنا قتیبة، حدثنا عبثر، عن حصین، عن الشعبي، عن النعمان بن بشیر، قال أغمي علی عبد اللہ بن رواحة بھذا فلما مات لم تبک علیہ. [راجع:۴۲۶۷]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر ؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ ؓ پر بے ہوشی طاری ہوئی، پھر وہی بیان کیا جو سابقہ حدیث میں ذکر کیا، چنانچہ جب غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تو ان کی بہن اس وقت نہیں روئیں۔

---

[۱۲] عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۸۷

(۴۶) باب: بعث النبی ﷺ أسامة بن زيد إلى الحرقات من جهينة

نبی کریم ﷺ کا حضرت اسامہ بن زید ﷺ کو قبیلہ جہینہ کی قوم حرقات کی طرف بھیجنے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں ان روایات کو بیان کررہے ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ کا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حرقات کی طرف بھیجنے کا ذکر ہے۔

"حُـرَقَـات" حاء کے ضمہ، راء اور قاف کے فتح کے ساتھ، یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور جہیش بن عامر بن ثعلبہ نامی شخص کی طرف منسوب ہے جس کا لقب حرقہ تھا۔

یہ لقب اس وجہ سے پڑا تھا کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے مخالفین کو زندہ جلا دیا تھا، اس لئے اس کا نام حرقہ پڑ گیا۔ یہ شخص جس بستی میں رہتا تھا اس بستی کو لوگوں نے **"حُـرَقَـات"** کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ حرقہ کی بستیاں قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حرقات کے جو لوگ تھے ان پر نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ بھیجا کہ وہ سریہ ان کے خلاف جا کر کارروائی کرے، اس کی تفصیل روایات میں نہیں آئی کہ اس سریہ کو بھیجنے کا کیا سبب ہوا تھا لیکن اتنا مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے پاس سریہ بھیجا اور اس سریہ کا واقعہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ [۱۶۹]

۴۲۶۹ ۔ حدثني عمرو بن محمد: حدثنا هشيم: أخبرنا حصين: أخبرنا أبو ظبيان قال: سمعت أسامة بن زيد رضي الله عنهما يقول: بعثنا رسول الله ﷺ إلى الحرقة فصبحنا القوم فهزمناهم ولحقت أنا ورجل من الأنصار رجلا منهم، فلما غشيناه قال: لا إله إلا الله، فكف الأنصاري فطعنته برمحي حتى قتلته. فلما قدمنا بلغ النبي ﷺ فقال: ((يا أسامة، أقتلته بعد ما قال: لا إله إلا الله؟)) قلت: كان متعوذا، فما زال يكررها حتى تمنيت أني لم

---

[۱۶۹] عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۳۸۸

أكن أسلمت قبل ذلك اليوم. [انظر: ۶۸۷۲] ۰لے

ترجمہ: ابوظبیان روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقہ کی جانب بھیجا، ہم نے صبح کو اس قوم پر حملہ کر کے انہیں شکست دیدی، میں اور ایک انصاری اس قوم کے ایک آدمی کے پیچھے لگ گئے، جب ہم نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا" **لا إلــه إلا الله**" اس انصاری نے تو ہاتھ روک لیا، مگر میں نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا، جب ہم واپس آئے تو نبی ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اسامہ! تم نے "**لا إلــه إلا الله**" کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا اس نے جان بچانے کے لئے کہا تھا، مگر آپ ﷺ برابر یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش آج سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ الا اللہ تو بھی قتل کیا؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔

"**بعثنا رسول الله ﷺ إلى الحرقة الخ**" حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقہ کی جانب بھیجا تو ہم صبح کے وقت میں ان لوگوں کے پاس پہنچے، ہم نے اس قوم پر حملہ کر کے انہیں شکست دیدی۔

"**ولحقت أنا ورجل الخ**" حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس دوران میں اور ایک انصاری صحابی اس قوم کے ایک شخص کے پیچھے لگ گئے یعنی کوئی بھاگ رہا ہوگا تو یہ اس کے پیچھے لگ گئے، اس کا تعاقب کیا۔

"**فلما غشيناه الخ**" جب ہم بالکل اس کے سر پر ہی پہنچ گئے تو اس نے "**لا إله إلا الله**" پڑھ لیا، تو انصاری صحابی تو رک گئے کہ اس نے "**لا إله إلا الله**" پڑھ لیا ہے اب اس کو نہیں مارنا چاہیے۔

"**فطعنته برمحي حتى قتلته**" لیکن میں نے باوجود اس کے کلمہ پڑھنے کے اس شخص کو اپنا نیزہ

۰لے وفي صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد ان قال لا إله الا الله، رقم: ۹۶، وسنن ابي داؤد، كتاب الجهاد، باب على ما يقاتل المشركون، رقم: ۲۶۴۳، ومسند أحمد، حديث اسامة بن زيد حِبّ رسول الله ﷺ، رقم: ۲۱۷۴۵، ۲۱۸۰۲

پھر بھی مار دیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا۔

"فلما قدمنا الخ" جب ہم اس سریہ سے واپس مدینہ منورہ آئے تو حضور اقدس ﷺ کو اس آدمی کے قتل کے واقعے کی اطلاع ہوئی۔

"فقال: یا أسامة، أقتلته بعد ما الخ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ " **لاإله إلا الله**" کہنے کے بعد بھی تم نے اس شخص کو قتل کر ڈالا۔

"قلت: کان متعوذاً الخ" میں نے کہا کہ وہ محض پناہ مانگنے والا تھا اور اپنی جان بچانے کیلئے ایسا کر رہا تھا، مطلب یہ کہ اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا لیکن اپنی جان بچانے کی خاطر "**لاإله إلا الله**" کہہ دیا تھا۔

"فما زال یکررها" لیکن آپ ﷺ اسی جملے کا بار بار تکرار فرماتے رہے کہ "**لاإله إلا الله**" کہنے کے بعد بھی تم نے اس شخص کو قتل کر ڈالا۔

بعض روایتوں میں اس طرح آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ **"افلا شققت عن قلبه حتی تعلم أقالها أم لا"** کیا تم نے دل چاک کر کے کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے دل سے ایمانی کلمہ کہا تھا یا نہیں یعنی وہ کس نیت سے پڑھ رہا تھا؟ [۱۷۱]

"حتی تمنیت الخ" رسول اللہ ﷺ کی اتنی سخت تنبیہ سن کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش آج سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا، یہ تمنا ہونے لگی کہ اس دن سے پہلے میں مسلمان نہ ہوتا یعنی یہ کہ اس دن سے پہلے مسلمان نہ ہوتا تو یہ واقعہ دیکھنا نہ پڑتا کہ جس پر حضور اقدس ﷺ کی اتنی سخت تنبیہ فرمائی۔

یہ مبالغہ کے طور پر ایسا کہہ دیا ہے مقصد یہ نہیں تھا کہ اسلام پر کوئی حسرت وندامت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ناراضگی کا جو انداز میں نے دیکھا تو اس کی بنا پر یہ خیال ہوا کہ اگر میں اب اسلام لاتا تو آپ ﷺ کی ناراضگی نہ مول لینی پڑتی کیونکہ اسلام کی وجہ سے زمانۂ کفر کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور کسی کلمہ گو مسلمان کے قتل کا ارتکاب نہ ہوتا۔ [۱۷۲]

---

[۱۷۱] صحیح مسلم ، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد أن قال: لا إله إلا الله، رقم: ۹۶

[۱۷۲] قوله: ((فمازال)) أی : النبی ﷺ، یکررها أی: کلمة ((أقتلته)) بعد أن قال لاإله إلاالله؟ قوله: ((حتی تمنیت)) الی آخره، وهو للمبالغة لا علی الحقیقة، ویقال: معناه أنه کان یتمنی اسلاماً لا ذنب فی. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۸۹

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے اس واقعہ میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

اسامہ ﷺ کے امیر ہونے کی غلط فہمی کا ازالہ

پہلی بات تو یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب یہ قائم کیا ہے کہ **"بعث النبی ﷺ اسامۃ بن زید الی الحرقات"** اس ترجمۃ الباب سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ہی اس سریے کا امیر بنایا تھا۔

کیونکہ جب عام طور سے نبی کریم ﷺ کی طرف بھیجنے نسبت کی جاتی ہے تو اس شخص کی طرف نسبت کی جاتی ہے جس کو امیر بنایا ہے، تو بظاہر ترجمۃ الباب سے لگتا ہے کہ یہ اس سریہ کے امیر تھے۔

لیکن جو واقعہ اصحاب سیر و مغازی بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس سریہ کے امیر حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی ﷺ تھے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ایک عام لشکری کی حیثیت سے گئے تھے، مغازی اور سیر کے علماء اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ [۴۳]

امام بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب میں بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما امیر تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہاں انہوں نے امارت کی تصریح نہیں کی ہے، صرف یہ کہا ہے کہ **"بعث النبی ﷺ اسامۃ بن زید"** لہٰذا اس لحاظ سے دونوں میں کوئی خاص تعارض بھی نہیں ہے۔

کلمہ گو مسلمان کی تکفیر جائز نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث اس بارے میں بہت بڑی اصل ہے کہ جو شخص اپنے ظاہر میں اسلام کے عقائد کو تسلیم کرتا ہو تو اس کو یہ کہہ کر کافر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو دنیا کے

---

[۴۳] قولہ: ((بعثنا رسول اللہ ﷺ الی الحرقۃ)) لیس فی ھذا مایدل علی انہ کان امیر الجیش کما ھو ظاھر الترجمۃ، وقد ذکر اھل المغازی سریۃ غالب ابن عبداللہ اللیثی الی المیفعۃ بتحتانیۃ ساکنۃ وفاء مفتوحۃ، وھی وراء بطن نخل، وذلک فی رمضان سنۃ سبع، وقالوا: ان أسامۃ قتل الرجل فی ھذہ السریۃ، فان ثبت ان اسامۃ کان امیر الجیش فالذی صنعہ البخاری ھو الصواب لأنہ ما أمر الا بعد قتل ابیہ بغزوۃ موتۃ وذلک فی رجب سنۃ ثمان، وان لم یثبت أنہ کان امیرھا رجح ماقال اھل المغازی. فتح الباری، ج:۷، ص:۵۱۸، وعمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۳۸۹

احکام میں اس کے ظاہر کے حالات پر محمول کیا جائے گا۔

اگر ایک شخص ظاہر میں کلمہ پڑھ رہا ہے، تمام ضروریات دین کو تسلیم کرتا ہے اور ضروریات دین میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کرتا تو یہ کہہ کر ہم اسکو کافر نہیں کہہ سکتے کہ اسکا یہ اظہار محض دکھاوا ہے اور حقیقت میں اس کے دل میں کفر ہے۔

منکر و معلن کا حکم

یہاں یہ بات سمجھ لینا کہ ظاہر میں تنہا کلمہ پڑھنا تمام ضروریات دین کا اعتقاد رکھنے کی علامت ہے۔

لہٰذا کوئی شخص یہ کہے کہ کلمہ تو پڑھتا ہوں لیکن حضور اقدس ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا، صرف رسول مانتا ہوں، اب یہ شخص کلمہ تو پڑھ رہا ہے لیکن دوسری ضروریات دین کا انکار کر رہا ہے۔

اسی طرح کہتا ہے کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں، لیکن نماز کو فرض نہیں مانتا، میں کلمہ تو پڑھتا ہوں، لیکن قرآن کو درست نہیں مانتا اور اس میں تحریف کا قائل ہوں۔

اس صورت میں اس کا یہ حکم نہیں ہے اس واسطے کہ وہ ظاہر میں بھی ایک عقیدۂ کفر کا مرتکب اور اس کا معلن اور معترف ہے تو اس واسطے اس پر کفر کے احکام جاری ہوں گے۔

قادیانیوں کی اپنے آپ کو مسلم کہنے پر دلیل

لہٰذا بعض قادیانی لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ تم ہمارے اوپر کفر کا فتوی لگاتے ہو جبکہ ہم تو حضور ﷺ کو خاتم النبیین کہتے ہیں لیکن ظلی، بروزی اور فلاں اس نبوت کے ہم قائل ہیں اور اس کے نہیں ہیں لہٰذا ہم کلمہ بھی پڑھتے ہیں تو آپ ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں۔

تو بات یہ ہے کہ وہ اعلاناً عقائد کفریہ کا اعتراف کرتے ہیں چاہے کلمہ بھی پڑھتے ہوں تو وہ اس میں داخل نہیں، داخل وہ لوگ ہیں جو اعلاناً ضرردیات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں یہ حکم ہوگا۔ اس لئے ان کے بارے میں کفر کا اطلاق محض اس بات پر نہیں ہوگا کہ یہ تقیہ کر رہا ہے یا دھوکہ دے رہا ہے، لیکن اگر وہ کھلم کھلا ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرلے، تو پھر کافر ہے۔ [۱۷۴]

---

[۱۷۴] مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۳۳۴-۳۱۹

ضابطۂ تکفیر

اس لئے تکفیرِ مسلم کے بارے میں ضابطہ شرعیہ یہ ہوگیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویلِ صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو، اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔

لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل وتحریف کرے جو اس کے اجماعی معنی کے خلاف پیدا کر دے تو اس شخص کے کفر میں کوئی تاویل نہ کی جائے۔

اسی لئے ایک جانب تو یہ احتیاط ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی مبہم کلام سامنے آئے جو مختلف وجوہ کو محتمل ہو اور سب وجوہ سے عقیدہ کفر کا قائل ظاہر ہوتا ہو۔ لیکن صرف ایک وجہ ایسی بھی ہو جس سے اصطلاحی معنی اور صحیح مطلب بن سکے، گو کہ وہ وجہ ضعیف بھی ہو تو مفتی وقاضی کا فرض ہے کہ اُس وجہ کو اختیار کر کے اُس شخص کو مسلمان کہے۔

دوسری طرف یہ بھی لازم ہے کہ جس شخص میں کوئی وجہ کفر کی یقیناً ثابت ہو جائے تو اس کی تکفیر میں ہرگز تاخیر نہ کرے اور نہ اسکے متبعین کو کافر کہنے میں دریغ کرے، جیسا کہ علماء اُمت رحمہم اللہ اجمعین کی تصریحاتِ محررہ سے بخوبی یہ بات واضح ہے۔ [۱۷۵]

---

۱۷۵ حكم الإسلام بإظهار شهادة اللسان في أحكام الدنيا المتعلقة بالأئمة وحكام المسلمين الذين احكامهم على الظواهر بما اظهروه من علامة الإسلام إذ لم يجعل للبشر سبيل إلى السرائر ولا امروا بالبحث عنها. الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ ، القسم الثاني (فيما يجب على الأنام من حقوقه صلي الله عليه وسلم)، الباب الأول في فرض الايمان به ووجوب طاعته واتباع سنته، ج: ۲، ص: ۴

وفي الفتاوى التاتار خانية: يجب أن يعلم أنه إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم ، ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم وأن كانت نية الوجه الذي يوجب التكفير لاتنفعه فتوى المفتي ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وتجديد النكاح بينه وبين امرأته ۔ وفي الظهيرية: وان لم تكن له نية حمل المفتي كلامه على وجه لايوجب التكفير ويؤمر بالتوبة والاستغفار واستجدادالنكاح. الفتاوىٰ التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل، ج:۵، ص: ۴۵۸

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾

۴۲۷۰ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا حاتم، عن يزيد بن أبي عبيد قال: سمعت سلمة بن الأكوع يقول: غزوت مع النبي ﷺ سبع غزوات، وخرجت فيما يبعث من البعوث تسع غزوات، مرة علينا ابوبكر، ومرة علينا أسامة. [انظر: ۴۲۷۱، ۴۲۷۲، ۴۲۷۳] ۷۲

۴۲۷۱ ۔ وقال عمر بن حفص: حدثنا أبي، عن يزيد بن أبي عبيد قال: سمعت سلمة يقول: غزوت مع النبي ﷺ سبع غزوات وخرجت فيما يبعث من البعث تسع غزوات، مرة علينا أبوبكر ومرة أسامة. [راجع: ۴۲۷۰]

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی عبید رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا ہوں اور نو ایسے سرایا میں شریک رہا ہوں جو آپ ﷺ نے مبعوث (روانہ) فرمائے تھے، کبھی ہم حضرت ابوبکر ﷺ امیر ہوئے اور کبھی ہم پر اسامہ (بن زید) ﷺ امیر تھے۔

۴۲۷۲ ۔ حدثنا ابوعاصم الضحاک بن مخلد: حدثنا يزيد بن أبي عبيد عن سلمة بن الأكوع قال: غزوت مع النبي تسع غزوات، وغزوت مع ابن حارثة استعمله علينا. [راجع: ۴۲۷۰]

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی عبید رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نو غزوات میں شریک رہا اور میں نے ابن حارثہ کے ساتھ بھی قتال میں حصہ لیا آپ ﷺ نے انہیں ہم پر امیر بنایا تھا۔

..........﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾..........وفي الهندية: ولإحتمال أنه أراد الوجه الذي لا يجب التكفير اللهم إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل حينئذ كالجاهل إذا تكلم بكلمته ولم يدرك أنها كفر قال بعضهم يكفر وقيل لا ويعذر بالجهل ومنها إذا تكلم بكلمته بلا علم أنها كفر عن إختيار يكفر عند عامة العلماء خلافا للبعض ولا يعذر بالجهل وقيل لا يكفر أما إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة خطأ بلا قصد والعياذ بالله لا يكفر لكن القاضي لا يصدقه على ذلك الخ ، الفتاوى البزازية على هامش من الفتاوى العالمگيرية المعروفة بالفتاوى الهندية ، ج: ٦، ص: ٣٢١، وجواہر الفقہ، ج:۱،ص:۳۶

۷۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد، والسير، باب عدد غزاة النبي ﷺ، رقم: ١٨١٥، ومسند احمد، باب بقية حديث ابن الاكوع في المضاف من الاصل، رقم: ١٦٥٣٣

۴۲۷۳ ـ حدثنا محمد بن عبداللہ: حدثنا حماد بن مسعدة، عن یزید بن أبی عبید، عن سلمة بن الأکوع قال: غزوت مع النبی سبع غزوات، فذکر خیبر والحدیبیة ویوم حنین ویوم القرد، قال یزید: ونسیت بقیتھم. [راجع: ۴۲۷۰]

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی عبید رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا اور پھر خیبر، حدیبیہ، حنین اور ذات القرد کا ذکر کیا۔ راوی یزید بن ابی عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ باقی مجھے یاد نہیں رہے۔

باب
غزوة الفتح

(۴۷) باب: غزوة الفتح

غزوہ فتح یعنی فتحِ مکہ کے بارے میں بیان

ومابعث به حاطب بن ابی بلتعة الی اهل مكة يخبرهم بغزو النبی ﷺ.

ترجمہ: حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کا اہل مکہ کو نبی کریم ﷺ کے حملے کے بارے میں خبر بھیجنے کا بیان۔

پس منظر

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ کا مشرکین مکہ سے جو معاہدہ ہوا تھا اس معاہدے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ دونوں فریق اس بات کیلئے آزاد ہوں گے کہ عرب کے جو دوسرے قبائل ہیں ان میں سے جو قبیلہ جس قبیلے کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا چاہے وہ معاہدہ کر سکے گا اور اس معاہدے کی پاسداری دونوں فریقوں پر لازم ہوگی۔

عرب کے اور بھی بہت سے قبائل تھے تو یہ بات کھلی چھوڑی گئی تھی کہ اگر کوئی قبیلہ قریش کے ساتھ آ کر معاہدہ کر لے تو وہ قریش کا معاہد قرار پائے گا اور مسلمانوں کے ساتھ بھی وہی معاہدے کی پاسداری لازم ہوگی، جو قریش کے سلسلے میں لازم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قبیلہ حضور ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیتا ہے تو قریش کے اوپر لازم ہوگا کہ اس قبیلے کے ساتھ بھی وہ اس معاہدے کی پاسداری کریں اور اس کے ساتھ جنگ نہ کریں۔

چنانچہ معاہدے کی اس شق کے نتیجے میں یہ ہوا کہ بنو بکر ایک قبیلہ تھا اس نے قریش سے جا کر معاہدہ کر لیا، قریش کا حلیف بن گیا اور بنو خزاعہ دوسرا قبیلہ تھا وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا حلیف بن گیا۔

بنو بکر اور بنو خزاعہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے طویل جنگیں چلی آرہی تھیں اور جدی پشتی دشمنی تھی۔ لیکن پھر اسلام آ گیا اور قریش اور دوسرے قبائل کے ساتھ حضور ﷺ کے مختلف غزوات ہوئے، جسکی وجہ سے ان کی آپس کی جنگیں ماند پڑ گئیں، اس موقع پر بنو بکر نے قریش سے اور بنو خزاعہ نے حضور اقدس ﷺ سے معاہدہ کر لیا۔

بنو بکر کا بنو خزاعہ پر حملہ اور قریش کی معاونت

لیکن اس معاہدہ کے دوران ایسا ہوا کہ بنو بکر کا ایک شخص جس کا نام نوفل بن معاویہ دیلی تھا، اس نے بنو

خزاعہ کی ایک بستی پر شب خون مارا، وتیر نامی بستی ایک کنویں کے کنارے تھی، اور بنوخزاعہ کے ایک شخص کوقتل کر دیا۔ بنوخزاعہ کے لوگوں کومعلوم ہوا کہ ایک شخص نے آ کر ہمارے ایک آدمی کوقتل کر دیا ہے تو وہ جاگ اٹھے اورفوراً مقابلے پر آ گئے، لڑائی شروع ہوگئی اورلڑائی عین مسجد حرام تک پہنچ گئی اور وہاں پر بھی خون ریزی ہوئی۔

جب اس لڑائی نے طول پکڑا تو قریش چونکہ بنوبکر کے حلیف تھے انہوں نے بنوبکرکوروکنے کے بجائے ان کی مدد کرنی شروع کردی، ان کو اسلحہ فراہم کیا اور کچھ آدمی بھی دیئے جو اس جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ معاہدے کی کھلی خلاف ورزی تھی اور قریش اس جنگ میں کھل کر سامنے آئے اور بنوخزاعہ سے لڑے۔

بنوخزاعہ کی نبی کریم ﷺ سے مدد کی درخواست

بنوخزاعہ چونکہ مسلمانوں کے حلیف تھے، لہٰذا عمرو بن سالم الخزاعی وفد کے ہمراہ حضور ﷺ کے پاس فریادی بن کر آیا، آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اس نے جاتے ہی ایک رجز پڑھنا شروع کردیا:

یارب الی ناشد محمدا	**حلف ابینا وابیه الا تلدا**
اے پروردگار! میں محمد ﷺ کو	اپنے باپ اوران کے باپ کا عہد یاد دلانے آیا ہوں
قد کنتم ولداً وکناوالداً	**ثمت اسلمنا فلم ننزع یدا**
بے شک ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اورآپ اولاد کے	ہم فرمانبردار رہے کبھی اطاعت سے دست کش نہیں ہوئے
فانصر هداک الله نصرا اعتدا	**وادع عبدالله یاتوا مددا**
پس ہماری فوری مدد فرمایئے اللہ آپ کی تائید فرمائے	اوراللہ کے خاص بندوں کوحکم دیجئے کہ وہ ہماری مدد کو آئیں
فیهم رسول الله قد تجردا	**ان سیم خسفا وجهه تربدا**
اس میں اللہ کے رسول ﷺ ضرور ہوں	جو ظالموں سے جنگ کے لئے تیار ہوں
فی فلیق کالبحر مزبدا	**ان قریشااخلفوک الموعدا**
ایسے لشکر کوساتھ لیکر آئے جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو	تحقیق قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی
ونقضوا میثاقک المو کدا	**وجعلوا الی فی کداء رصدا**
اورآپ کے پختہ عہد اور پیمان کوتوڑ ڈالا	اور مقام کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھلایا
وزعموا ان لست ادعو احدا	**وهم اذل واقل عددا**
اوران کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کیلئے نہ بلاؤں	اور وہ سب ذلیل ہیں شمار میں بھی بہت کم ہیں

هم بيتونا بالوتير هجدا **وقتلوا ركعا، وسجدا**

ان لوگوں نے چشمۂ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شبخون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا

اس طرح بنوخزاعہ کے سردار نے رجزیہ انداز میں واقعہ بتایا کہ بنوبکر نے ہم پر وتیر کے مقام پر حملہ کیا ہے اور آنحضرت ﷺ سے ان کے خلاف مدد طلب کی۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ **"نصرت یاعمرو بن سالم"** کہ اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہوگی، ان سے تو یہ بات ارشاد فرمائی اور اور یہ بات فتح مکہ کا سبب بن گئی۔

حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قریش کے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اس واقعے کے نتیجے میں تم نے عہد کی خلاف ورزی کردی ہے، لہٰذا اب تمہارے لئے تین راستے ہیں:

ایک راستہ یہ ہے کہ خزاعہ کے جس شخص کو قتل کیا گیا ہے اس کی دیت ادا کرو، یعنی بنوبکر کے آدمی نے بنوخزاعہ کے جس آدمی کو قتل کیا ہے جبکہ بنوبکر تمہارے حلیف ہیں، لہٰذا اس کی دیت ادا کرو۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم بنوبکر کی ہلاکت اور معاہدے سے دستبردار ہو جاؤ اور آئندہ کیلئے کہہ دو کہ ہم بنوبکر کے ساتھ معاہدہ توڑتے ہیں۔

تیسرا راستہ یہ ہے کہ ہمارے ساتھ معاہدے توڑ دو، حدیبیہ کا معاہدہ اب ختم ہو گیا۔

جب حضور ﷺ کی یہ تین تجویزیں وہاں پہنچیں تو انہوں نے کہا کہ نہ تو ہم دیت دیں گے اور نہ ہم بکر سے براءت کا اظہار کریں گے، اس کے بجائے ہم آپ کا عہد توڑ دیں گے۔

یہ پیغام انہوں نے بھجوا تو دیا لیکن بعد میں ان کو خطرہ ہوا کہ مسلمانوں کی قوت میں بہت اضافہ ہو چکا ہے اور اس عہد کو توڑ کر ان کو نقصان نہیں ہوگا، ہمارا نقصان ہوگا، تو بعد میں شرمندگی ہوئی۔

تجدیدِ معاہدہ کیلئے ابوسفیان کی مدینہ آمد

ابوسفیان بن حرب اس وقت تک کافر تھے اور قریش کے سردار تھے، انہوں نے سوچا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس جا کر اس معاہدے کی تجدید کر لیتے ہیں، چنانچہ یہ سفر کر کے مدینہ منورہ آئے۔

پہلے اپنی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، جو کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں شامل ہیں، گھر میں جنابِ رسول اللہ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس بستر کو لپیٹ دیا۔

اس پر ابوسفیان نے حیرانگی سے پوچھا کہ بیٹی! تم نے یہ بستر کیوں لپیٹ دیا؟ کیا اس بستر کو میرے لائق

نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے قابل نہیں سمجھا؟

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور ایک مشرک اس پر کیسے بیٹھ سکتا ہے؟

ابوسفیان یہ غیر متوقع جواب سن کر کہا کہ خدا کی قسم! بیٹی تم میرے بعد شر میں مبتلاء ہو گئی ہو۔

ام المؤمنین نے فرمایا شر میں نہیں بلکہ ظلمت وکفر سے نکل کر نور اسلام میں داخل ہو گئی ہوں، جبکہ آپ تو پتھروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، اور اس بات پر حیرانگی ہے کہ آپ قریش کے سردار اور معزز شخص ہیں۔

ابوسفیان نے کہا کہ کیا میں اپنے آباء واجداد کا مذہب چھوڑ دوں اور محمد کا مذہب اختیار کرلوں؟[1]

ابوسفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ کے پاس جانے کا تو ان کا حوصلہ نہ ہوا اس لئے حضرت ابوبکر ؓ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ ہم اس معاہدے کی تجدید کرنا چاہتے ہیں، حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا کہ تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، لہٰذا حضور ﷺ اب معاہدے کی تجدید نہیں کریں گے۔

پھر حضرت عمر ؓ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ پھر سے تجدید کرلو، انہوں نے کہا کہ اب تجدید نہیں ہوگی، حضور ﷺ نہیں مانیں گے، انہوں نے کہا کہ تم مجھے امان دے دو، حضرت عمر ؓ نے کہا کہ امان نہیں دے سکتا۔

پھر حضرت علی ؓ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا کہ تم ہم سے زیادہ قرابت رکھتے ہو (یہ بنو ہاشم کے تھے)، اس واسطے انہوں نے کہا کہ تم اس عہد کی تجدید کرو، انہوں نے کہا کہ نہیں اور وہی جواب دیا کہ حضور اقدس ﷺ اب اس عہد کی تجدید نہیں کریں گے، اس کے بعد پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم سفارش کر دو، انہوں نے بھی عرض کیا کہ حضور ﷺ اب تجدید نہیں کریں گے۔

آخرکار جب یہ بہت زِک ہو گئے تو کہا کہ پھر کیا کروں؟ تو حضرت علی ؓ نے کہا کہ واپس جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے کرو، اگر کر سکتے ہو تو میں تمہیں تجویز بتاؤں کہ تم جا کر مسجد نبوی میں یہ اعلان کر دو کہ میں تجدید عہد کرنے لئے آیا ہوں اور میرے عہد کو قبول کیا جائے، انہوں نے مسجد نبوی میں جا کر یہ اعلان کیا اور اعلان کرنے کے بعد پھر یہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔

مکہ کے لوگوں نے معاہدہ کے بارے میں پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو انہوں نے یہ سارا قصہ سنایا کہ علی بن ابی طالب نے یوں کہا اور میں اس کے مطابق عمل کر کے آیا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عہد کی تجدید ہو گئی۔

---

[1] السیرة الحلبیة، ج:۳، ص:۱۰۵، وکتاب المغازی للواقدی، ج:۲، ص:۷۹۲، وسیرة ابن ھشام، ج:۲، ص:۳۹۶

مکہ کے لوگوں نے کہا علی نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے اور تمہیں بے وقوف بنایا ہے اور اس طرح تو تجدید نہیں ہوتی ۔ تو وہ لوگ وہاں سمجھ گئے کہ اب مسلمان تجدید کے حق میں نہیں ہیں ۔

غزوۂ فتح کی تیاری کا حکم

اس تمام واقعہ کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم ایسا کرو کہ میرے لئے سفر جہاد کی تیاری کرو، لیکن کسی کو بتانا مت، تین دن تک حضور اقدس ﷺ نے تیاری کی اور اس تیاری کے دوران آپ ﷺ نے خاص خاص صحابۂ کرام ؓ سے کہہ دیا کہ ہمارا ارادہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا ہے لیکن اس کی خبر وہاں تک نہیں پہنچنی چاہئے اور اس کیلئے یہ کرو کہ جتنے راستے مکہ مکرمہ جانے والے ہیں ان سب پر پہرے بٹھادو، جو بھی آنے جانے والا ہو اس کو جانے نہ دو، کیونکہ خبر اگر جائے گی تو کسی آدمی ہی کے ذریعے جائے گی۔

یوں حضور اقدس ﷺ مکہ مکرمہ کے راستے بند کرنے اور ناکہ بندی کا حکم دیا، تین دن تک تیاری ہوئی اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ حاطب ابن ابی بلتعہ ؓ نے ایک عورت کو خط دے کر بھیجا اور اس خط میں مشرکین مکہ کو یہ خبر دی کہ حضور ﷺ تمہارے اوپر حملہ آور ہونے والے ہیں ۔ [۲]

اس کا واقعہ یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے علی، زبیر بن العوام اور مقداد بن اسود ؓ کو ان کے پیچھے بھیجا۔

یہ فتح مکہ کی تمہید اور اس کا پس منظر ہے۔

۴۲۷۴ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا سفيان، عن عمرو بن دينار قال: أخبرني الحسن بن محمد أنه سمع عبيد الله بن أبي رافع يقول: سمعت عليا ؓ يقول: بعثني رسول الله ﷺ أنا والزبير والمقداد فقال: ((انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ فإن بها ظعينة معها كتاب فخذوا منها)). قال: فانطلقنا تعادى بنا خيلنا حتى أتينا الروضة فإذا نحن بالظعينة، قلنا لها: أخرجي الكتاب، قالت: ما معي كتاب، فقلنا: لتخرجن الكتاب، أو لنلقين الثياب، قال: فأخرجته من عقاصها. فأتينا به رسول الله ﷺ فإذا فيه: من حاطب بن أبي بلتعة إلى ناس بمكة من المشركين، يخبرهم ببعض أمر رسول الله ﷺ، فقال

---

[۲] فتح الباری، ج:۷، ص: ۵۲۰ ـ ۵۱۹ و سیرۃ ابن ہشام، ج:۲، ص: ۳۹۷ـ۳۸۹ ، السیرۃ الحلبیۃ، ج:۳، ص: ۱۰۵، وکتاب المغازی للواقدی، ج:۲، ص: ۷۹۹ـ۷۸۰، والسیرۃ النبویۃ لابن الکثیر، ج:۳، ص: ۵۳۹ـ۵۲۶

رسول اللہ ﷺ: ((یا حاطب، ما هذا؟)) قال: یا رسول الله لا تعجل علی، إنی کنت امرأ ملصقا فی قریش، یقول: کنت حلیفا، ولم أکن من أنفسها. وکان من معک من المهاجرین من لم قرابات یحمون أهلیهم وأموالهم. فأحببت إذ فاتنی ذلک من النسب فیهم أن أتخذ عندهم یدا یحمون بها قرابتی، ولم أفعله ارتدادا عن دینی ولا رضا بالکفر بعد الإسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((أما إنه قد صدقکم))، فقال عمر: یا رسول الله، دعنی أضرب عنق هذا المنافق، فقال: ((إنه قد شهد بدرا وما یدریک لعل الله اطلع علی من شهد بدرا قال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم))، فأنزل الله السورة ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ﴾ إلی قوله: ﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾. [راجع: ۳۰۰۷]

ترجمہ: حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے زبیر، اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی کریم ﷺ نے بھیجا اور فرمایا تم لوگ جاؤ، مقام روضہ خاخ تک پہنچو، وہاں تمہیں ایک کجاوہ نشین عورت ملے گی، جس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط اس سے لے لو۔ حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے تیزی کے ساتھ ہمیں لے اڑے، یہاں تلکہ ہم روضہ خاخ تک پہنچ گئے، وہاں ہمیں ایک کجاوہ نشین عورت ملی، ہم نے اس سے کہا خط نکال لو، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں، ہم نے اس سے کہا کہ یا تو تُو خط نکال دے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے، تو اس نے اپنی چوٹی میں سے خط نکالا۔ ہم وہ خط لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اس میں لکھا ہوا تھا، حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکین مکہ کے نام، انہیں آنحضرت ﷺ کے بعض معاملات کی اطلاع دے رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حاطب سے فرمایا، حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، یا اللہ کے رسول! مجھ پر جلدی نہ کیجئے، میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا تعلق ہے، یعنی میں ان کا حلیف ہوں، اور میں ان کی ذات سے نہیں۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ جو مہاجر ہیں، ان سب کے رشتہ دار ہیں، جو ان کے مال اور اولاد کی حمایت کر سکتے ہیں، چونکہ ان سے میری قرابت نہیں تھی، اس لئے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس سے وہ میری رشتہ داری کی حفاظت کریں، اور یہ کام میں نے اپنے دین سے پھر جانے اور اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاطب نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بدر میں شریک تھے اور تمہیں کیا معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حاضرین بدر کی طرف التفات کر کے فرمایا تھا، کہ تم جو تمہارا جی چاہے، عمل کرو کہ میں تمہیں بخش چکا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي﴾ إلی قوله ﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾۔

تشریح

اس روایت میں ہے کہ عبید اللہ بن اَبی رافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت علی ﷺ فرمار ہے تھے **"بعثنی رسول الله ﷺ أنا والزبیر والمقداد"** رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور زبیر بن عوام اور مقداد ﷺ کو بھیجا اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت ابومرثد الغنوی ﷺ بھی شامل تھے۔ [۳]

"فقال: انطلقوا حتی الخ" آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ جاؤ، روضہ خاخ نامی مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔ [۴]

"فان بها ظعینة معها الخ" تمہیں وہاں ایک مسافر عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط اس عورت سے لے لینا۔

"ظعینه، ظعن یظعن" سے نکلا ہے جس کے معنی صبر کرنے کے ہیں، **"ظعینه"** صبر کرنے والی عورت۔

"قال: فانطلقنا تعادی بنا خیلنا الخ" حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم روانہ ہوئے اس حال میں کہ ہمارے گھوڑے ہمیں دوڑائے لے جارہے تھے، یہاں مبالغے کے معنی ہیں مفاعلہ جو بعض اوقات مبالغے کیلئے ہوتا ہے یعنی یہاں مبالغے کے معنی ہیں ہم خوب تیز دوڑتے ہوئے جارہے تھے، یہاں تک کہ ہم روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ گئے، اچانک ہم نے دیکھا کہ ہم اس مسافر عورت کے پاس پہنچ گئے۔

"فقلنا لها: اخرجی الکتاب" ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو، جو لے جارہی ہو تو اس عورت نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، **"فقلنا: لتخرجن الکتاب ،أو لنلقین الثیاب"** ہم نے اس سے کہا کہ دیکھو سیدھی طرح خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔

یہ انتہائی کارروائی تھی

اس عورت کو کپڑے اتارنے کی دھمکی دینا کا اصل مقصد یہ تھا کہ کسی طرح وہ عورت خط کو نکال دے۔

---

[۳] فی روایة ابی عبدالرحمن السلمیٰ عن علی ﷺ :بعثنی وأبا مرثد الغنوی والزبیر بن العوام، کما تقدم فضل من شهد بدرا. عمدة القاری، ج:۱۷،ص: ۳۹۲ وفتح الباری، ج:۷،ص: ۵۲۰

[۴] ((روضة خاخ)) بخاء ین معجمتین: موضع بین مکة ومدینة. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۹۲

یہ حالت حرب تھی، حالت حرب میں مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کیلئے اگر اس قسم کے عمل کی ضرورت پیش آئے کہ اسکے بغیر مسلمانوں کے کسی راز کا چھپانا ممکن نہیں ہے تو اس وقت اس قسم کے اعمال کی اجازت ہوتی ہے۔

"قال: فأخرجته من عقاصها" کہتے ہیں کہ پھر اس عورت نے وہ خط اپنے بالوں کی مینڈھیوں سے نکال کر دیا، **"عقاص"** یعنی بالوں کی مینڈھیاں۔

بعض روایتوں میں اس عورت کا نام سارہ یا امّ سارہ آیا ہے اور بعض میں کنود۔ [۵]

"فأتينا به رسول الله ﷺ فإذا فيه" جب ہم خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اس خط کے اندر یہ لکھا تھا:

"من حاطب بن ابی بلتعة الی ناس بمكة من المشركين" حاطب ابن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے بعض مشرکین کی طرف، **"يخبرهم ببعض أمر رسول الله ﷺ"** اور اس میں انہوں نے قریش مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی بعض احکامات کی خبر دی تھی، یعنی وہی کہ حضور اقدس ﷺ مکہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

بے کسی کی وجہ سے خط لکھا

جب خط ملا معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے بھیجا ہے اور انہوں نے قریش کو آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ﷛ مشہور مہاجر بزرگ صحابہ میں سے تھے اور بدری صحابی میں سے ہیں، جو اصل میں یمن کے باشندے تھے اور مکہ مکرمہ میں آکر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں ان کا کوئی قبیلہ نہیں تھا۔ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے لیکن ان کے اہلِ خانہ مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئے تھے جن کے بارے میں اُن کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ اُن کے اہلِ خانہ پر ظلم نہ کریں۔

دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ اُن کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے انہیں تحفظ دے سکتا ہے، لیکن حاطب بن بلتعہ کے اہل وعیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا، اس بے کسی کی وجہ سے انہیں نے یہ خط لکھا تھا۔ [۶]

---

[۵] ذکر ابن اسحاق ان اسمها سارة، والواقدی أن اسمها كنود، وفي رواية سارة، وفي اخرى أم سارة. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۹۲ وفتح الباری، ج:۷، ص:۵۲۰

[۶] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۹۳

"فقال رسول اللہ ﷺ : یاحاطب ماھذا؟ الخ" آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے بارے میں جلدی فیصلہ نہ کریں، **"إنی کنت امرأ ملصقاالخ"** میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا تعلق ہے، میں ان کا حلیف ہوں، اور میں ان کی ذات سے نہیں ہوں۔

ان کے کہنے کا منشأ یہ تھا کہ میں قریش کے اندر درحقیقت ہلاکت کے ذریعے آیا تھا یعنی میں قریش کا فرد نہیں ہوں نسبی اعتبار سے میں قریشی نہیں ہوں لیکن قریش نے میرے ساتھ موالات کرلی تھی اس کے نتیجے میں میں وہاں جاکر آباد ہوگیا تھا۔

"ملتقا" کے معنی ہوتے ہیں کہ میں انکے ساتھ جاکر ملحق ہوگیا تھا بسبب موالات یا بسبب ہلاکت کے۔

"وکان من معک من المھاجرینالخ" اورآپ ﷺ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین صحابہ ہیں وہ قریش کے نسبی طور پر رشتہ دار ہیں، لہٰذا ان کے کچھ لوگ اگر مکہ مکرمہ میں رہ گئے ہیں، تو ان کے رشتہ دار ان کی حفاظت کرنے کی پوزیشن میں ہیں اس لئے کہ وہ ان کے اصلی اور نسبی رشتہ دار ہیں، جو ان کے مال اور اولاد کی حفاظت کرسکتے ہیں۔

"فاحببت إذ فاتنی ذلک من النسب الخ" چونکہ ان سے میری قرابت نہیں تھی، اس لئے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کردوں جس سے وہ میرے اہل خانہ کی حفاظت کریں۔

یعنی مقصد یہ تھا دوسرے مہاجرین کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے رشتہ دار ہیں اور وہ ان کی حفاظت کرسکتے ہیں لیکن میرا کوئی رشتہ دار تو نہیں ہیں جو میرے اہل خانہ کی حفاظت کرسکے تو میں نے چاہا کہ میں کوئی ایسا احسان قریش کے لوگوں پر کروں جس احسان کے بدلے میں وہ میرے وہاں رہنے والے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں اور اگر ان پر کوئی ظلم کرے تو اس کو ظلم سے باز رکھیں یہ مطلب ہے، اس وجہ سے میں نے یہ پسند کیا کہ جب مجھ سے یہ نسبت والا قصہ فوت ہوگیا ہے تو ان کے پاس میں اپنا ایک احسان رکھ دوں۔

"ولم أفعله ارتدادا عن دینی ولا رضاالخ۔ العیاذ باللہ" میں نے یہ حرکت اس لئے نہیں کی تھی کہ میں اپنے دین سے پھر رہا ہوں یا اسلام کے بعد کفر پر راضی کفر پر راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا ہے۔

"فقال: رسولااللہ ﷺ: اما انه قد صدقکم" ان کی یہ بات سننے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اس نے سچ بات کہی ہے۔

مطلب یہ کہ اسی وجہ سے کیا، نیت یہ نہیں تھی کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہونچے۔ ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ بات تو طے ہے کہ فتح نبی کریم ﷺ ہی کو ہوگی ان شاء اللہ اور مکہ مکرمہ فتح ہوگا، لہٰذا میرے اس خط

لکھنے سے مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا، لیکن ایک احسان میرا ہو جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ جنگ کے نتیجے میں وہ میرے رشتہ داروں کو قتل کر دیں۔ اس واسطے میں یہ لکھ دوں گا تو میرے رشتہ داروں کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

اس خط کے متن کو بھی بعض محدثین نے روایت کیا ہے، شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانی وعلامہ بدرالدین العینی رحمہما اللہ نے خط کا مضمون یہ نقل کیا ہے:

أما بعد: یامعشر قریش، فان رسول اللہ ﷺ، جاء کم بجیش کاللیل، یسیر کالسیل، فواللہ لو جاء کم وحدہ نصرہ اللہ علیکم، وأنجزلہ وعدہ، فانظروا لأنفسکم، والسلام.

اے گروہِ قریش! رسول اللہ ﷺ عنقریب تم پر رات کی مانند ایک لشکر لیکر حملہ آور ہونے والے ہیں جو سیلاب کی طرح چلتا ہوگا، اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ بغیر لشکر کے تنہا بھی تمہارے پاس تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح ونصرت کا جو وعدہ اللہ نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا سو تم اپنا انجام سوچ لو۔ والسلام [۷]

معلوم ہوا کہ مقصد کوئی ضرر پہنچانا نہیں تھا، بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس سے میرے رشتہ داروں کو نفع پہنچ جائے گا اور ان کو مشرکین مکہ سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

"فقال عمر: یا رسول اللہ، دعنی الخ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت موجود تھے انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس منافق نے یہ حرکت کی کہ ہمارا راز فاش کرنے کی کوشش کی آپ مجھے اجازت دیں میں تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔

"فقال: انہ قد شهد بدرا الخ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدر میں شریک ہوئے ہیں، تمہیں کیا پتہ اللہ جل شانہ نے بدر کے شرکاء کے بارے میں کیا فرمایا ہے **"قال: اعلموا ماشئتم فقد غفرت لکم"** اللہ تعالیٰ نے اصحابِ بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم جو کچھ بھی کرتے رہو اللہ نے تمہاری مغفرت کر دی۔

"اعملوا ما شئتم" یہ گناہ کا لائسنس نہیں ہے معنی یہ ہیں کہ اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر دیا ہے معصوم تو انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے خاص اولیاء کو محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں محفوظ کر دیا ہے جو چاہو گے کرو گے تو ان شاء اللہ گناہ میں مبتلا نہیں ہوگے، لہٰذا ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔ [۸]

---

[۷] عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۳۹۱ وفتح الباری، ج:۷، ص:۵۲۱

[۸] اس واقعہ کی مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج:۹، رقم الحدیث: ۳۹۸۳

حق تعالیٰ شانہ نے حاطب بن بلتعہ ﷺ کے اس واقعہ کے بارے میں سورۃ الممتحنہ یہ آیت نازل فرمائی، جس میں حق تعالیٰ شانہ نے کافروں سے دوستانہ تعلقات کے احکام بیان فرمائے، اس سورت کا بڑا حصہ اسی قصہ کے بارے نازل ہوا :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ [۹]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ ان کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے کہ وہ رسول کو بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (مکے سے) باہر نکالتے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے۔ تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو، اور جو کچھ علانیہ کرتے ہو، میں اُس سب کو پوری طرح جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو کوئی بھی ایسا کرے، وہ راہ راستے سے بھٹک گئے۔ [۱۰]

---

[۹] [الممتحنة : ۱]

[۱۰] [ان آیات میں یہ تعلیمات دی گئی ہیں کہ: .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾ ....

کفار سے دوستی کی حدود

غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی کیا حدود ہونی چاہئیں وہ اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔

کفار سے ایسی دوستی اور قلبی محبت کا تعلق کہ جس کے نتیجے میں دو آدمیوں کا مقصدِ زندگی اور نفع ونقصان ایک ہو جائے، اس قسم کا تعلق مسلمان کا صرف مسلمان ہی سے ہوسکتا ہے، اور کسی غیر مسلم سے ایسا تعلق رکھنا سخت گناہ ہے، اور اس جگہ اسے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

یہی حکم سورۃ النساء[۴:۱۳۹ و۱۴۴]، سورۃ المائدہ[۵:۵۱ و۵۷، ۸۱]، سورۃ التوبہ[۹:۲۳]، سورۃ المجادلہ[۵۸:۲۲] اور سورۃ الممتحنہ[۶۰:۱] میں بھی دیا گیا ہے۔

البتہ جو غیر مسلم جنگ کی حالت میں نہ ہوں ان کے ساتھ حسنِ سلوک، رواداری اور خیر خواہی کا معاملہ نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے واضح فرمادیا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی سنت پوری حیاتِ طیبہ میں یہ رہی کہ آپ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا۔

.................﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾..................کفار مکہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے بھی دشمن ہیں۔ اُن سے دوستانہ برتاؤ کرنا اور دوستانہ پیغام اُن کی طرف بھیجنا ایمان والوں کو زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ یہ اللہ کے دشمن ہیں۔

آدمی ایک کام تمام دنیا سے چھپ کر کرنا چاہے تو کیا اُسکو اللہ سے بھی چھپالے گا؟ دیکھو! حاطب نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو، مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرمادیا اور راز قبل از وقت فاش ہوگیا۔ مسلمان ہوکر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اُس کے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔ پھر یہ بات بھی کہ ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو۔ خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کروگے وہ کبھی مسلمان کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے ہیں، باوجود انتہائی رواداری کے اگر تم پر اُن کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگذر نہیں کریں گے، زبان سے، ہاتھ سے، ہر طرح سے ایذاء پہنچائیں گے اور یہی چاہیں گے کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں، کسی طرح تم کو بھی منکر بناڈالیں۔ کیا ایسے شریر وبد باطن اس لائق ہیں کہ اُن کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے؟

یہاں پر چونکہ حاطب نے وہ خط اپنے اہل وعیال کی خاطر لکھا تو اُس پر بھی تنبیہ فرمائی کہ اولاد اور رشتہ دار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے، اُسی کے موافق فیصلہ فرمائیگا، اُس کے فیصلے کو کوئی بیٹا، پوتا اور عزیز ہٹا نہیں سکے گا۔ پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ایک مسلمان اپنے اہل وعیال کی خاطر اللہ کو ناراض کرلے۔

یاد رکھو! ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضامندی ہے، وہ راضی ہو تو اُس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں، لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔ (سورۃ الممتحنہ، فائدہ نمبر: ۸، ۷، ۶، ۲، ۱۔ تفسیرِ عثمانی)۔ وعمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۹۳]

اسی طرح ان کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون کے وہ معاہدے اور تجارتی معاملات بھی طے کئے جاسکتے ہیں جن کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ معاہدے یا معاملات اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف نہ ہوں، اور ان میں کسی خلافِ شرع عمل کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے اور آپ کے صحابۂ کرام ﷺ نے ایسے معاہدات اور معاملات کئے ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ موالات کی ممانعت کرنے کے بعد قرآن کریم میں جو فرمایا ہے کہ: ''اِلا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے ظلم وتشدد سے بچاؤ کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے جس سے بظاہر موالات معلوم ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ [۱۱]، [۱۲]

(۴۸) باب غزوة الفتح في رمضان

غزوہ فتح کا بیان جو رمضان میں پیش آیا

۴۲۷۵ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثنی عقیل، عن ابن شهاب قال: أخبرنی عبيد الله بن عبد الله بن عتبة: أن ابن عباس أخبره: أن رسول الله ﷺ غزا غزوة الفتح فی رمضان. قال: وسمعت ابن المسیب یقول مثل ذلک.

وعن عبيد الله بن عبدالله أخبره :أن ابن عباس رضی الله عنهما قال: صام النبی ﷺ حتی إذا بلغ الکدید ـ الماء الذی بین قدید وعسفان ـ أفطر فلم یزل مفطرا حتی انسلخ الشهر.

[راجع: ۱۹۴۴]

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ فتح مکہ رمضان میں کیا، ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب رحمہ اللہ سے بھی ایسا ہی سنا ہے۔ اور عبید اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ جب مقام کدید میں اس چشمہ پر پہنچے، جو قدید اور عسفان کے درمیان ہے، تو آپ ﷺ نے روزہ افطار کیا، پھر اس ماہ کے ختم ہونے تک روزہ نہیں رکھا۔

---

[۱۱] [آسان ترجمہ قرآن، پارہ:۳، سورہ آل عمران:۲۸]۔

[۱۲] اسلام اور سیاسی نظریات، بحث: دفاع اور امور خارجہ، غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ تعلقات۔ ص:۳۲۴ تا ۳۵۷

جہاد میں روزہ کا حکم

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوئے آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ کدید کے مقام پر پہنچ گئے، قدید اور عسفان کے درمیان کدید نامی ایک کنواں یا چشمہ تھا۔ [۱۲]

قدید اور عصفان یہ مقام آج بھی اسی نام سے موجود ہیں اور ان کے درمیان یہ جگہ کدید واقع ہے۔

جب یہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے روزہ افطار فرمالیا اور حالت افطار میں رہے یہاں تک کہ مہینہ گزر گیا۔

اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ بھی افطار کیا جاسکتا ہے اور حالت جہاد میں بھی، اس کی کئی روایتیں امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر لے کر آئے ہیں اور ان سب روایات میں یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے غزوے کے میں شروع میں روزہ رکھا تھا بعد میں افطار فرمایا۔

یہاں پر جو مسائل صوم کے متعلق ہیں وہ ان شاء اللہ کتاب الصوم میں آئیں گے۔

یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ فتح مکہ رمضان میں ہوا اس میں حضور اقدس ﷺ نے کچھ دن روزہ بھی رکھا اور بعد میں افطار فرمایا۔

۴۲۷۶ ـ حدثنا محمود: أخبرنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر: أخبرني الزهري، عن عبيد الله بن عبدالله، عن ابن عباس: أن النبي ﷺ خرج في رمضان من المدينة ومعه عشرة آلاف، وذلک علی رأس ثمان سنين ونصف، من مقدمه المدينة، فسار هو ومن معه من المسلمين إلى مكة، يصوم ويصومون، حتى بلغ الكديد ـ وهو ماء بين عسفان وقديد ـ أفطر وأفطروا. قال الزهري: وإنما يؤخذ من أمر رسول الله ﷺ الآخر فالآخر.
[راجع: ۱۹۴۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ دس ہزار مسلمانوں کے

---

[۱۲] قوله: ((الكديد))، بفتح الكاف وكسر المهملة الأولى. قوله: ((الماء الذي بين قديد وعسفان)) بالنصب عطف بيان أو بدل من الكديد، وقديد، بضم القاف مصغر القدر وقال البكري: قديد قرية جامعة كثيرة المياه والبساتين وبين قديد والكديد ستة عشر ميلاً، والكديد أقرب الى مكة، وعسفان، بضم العين وسكون السين المهملتين بالفاء: هو موضع على أربع برد من مكة. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۳۹۴

ساتھ ماہِ رمضان میں مدینہ سے روانہ ہوئے اور اس وقت آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کئے ہوئے ساڑھے آٹھ سال ہوئے تھے، تو آپ ﷺ اور آپ کے ہمراہ دوسرے مسلمان مکہ کی طرف روانہ ہوئے، کہ آپ ﷺ بھی روزہ کی حالت میں تھے، اور دوسرے مسلمان بھی، یہاں تک کہ مقام کدید پر پہنچے، جو عسفان اور قدید کے درمیان ایک چشمہ ہے، تو آپ ﷺ نے بھی روزہ افطار کرلیا اور مسلمانوں نے بھی، زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری فعل لینا چاہئے (یعنی سفر جہاد میں روزہ نہ رکھنا چاہئے، جیسا آپ ﷺ نے یہاں روزہ نہیں رکھا)۔

آخری عمل کا دار و مدار

"وإنما يؤخذ من أمر رسول الله ﷺ الآخر فالآخر" امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملات میں سے ان معاملات پر عمل کیا جائے گا جو آخری عمل ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے جب مدینہ سے سفر شروع کیا تو روزے سے تھے اور بعد میں آپ نے افطار کیا آخری عمل آپ کا افطار فی السفر ہے اور آخری عمل ہی میں مسئلہ کی بنیاد رکھی جائے گی کہ سفر میں افطار جائز ہے۔

اس حدیث سے ان حضرات کا رد ہوگا جو کہتے ہیں کہ اگر حضر میں رمضان المبارک کا مہینہ پالیا تو اب اس کے لئے افطار جائز نہیں ہے اور یہ حضرات اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾

ترجمہ: لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔

حالانکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ **"من شهد منكم الشهر كله"** جو شخص حضر میں پورا مہینہ پالے تو افطار جائز نہیں۔ [٤٣]

---

[٤٣] ((وقال الزهري: وانما يؤخذ)) أي يجعل الآخر اللاحق ناسخا للأول السابق، والصوم في السفر كان أولا والافطار آخراً. وفي الحديث رد على جماعة منهم عبيدة السلماني في قوله: ليس الفطر اذا شهد أول رمضان في الحضر، مستدلا بقوله تعالىٰ: ﴿ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [البقرة: ١٨٥] وهو عند الجماعة محمول على من شهده كله اذ لا يقال لم شهد بعض الشهر: شهده كله. عمدة القاري، ج:١٧، ص:٣٩٥

اوّل اس وجہ سے کہ سفر فی نفسہ تعب اور مشقت ہے اور پھر وہ بھی جہاد کے لئے اور موسم گرما میں اس لئے افطار فرمایا کہ ایسی حالت میں اگر روزہ رکھا گیا تو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا نہیں ہو سکے گا۔

اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ **"لیس من البر الصیام فی السفر"** یعنی سفر میں روزہ رکھنا بھلائی اور نیکی نہیں ہے۔ [۱۵]

ہاں اگر سفرِ جہاد نہ ہو اور سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل اور اولیٰ ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ [۱۶]

فتح مکہ کے سفر کے لئے جب آپ ﷺ روانہ ہوئے تھے تو شروع میں آپ ﷺ نے روزے رکھے تھے لیکن بعد میں اس مقام پر پہنچنے کے بعد افطار کرنا شروع کر دیا تو اس واسطے عمل اس آخری عمل کے اوپر ہوگا کہ حالت سفر یا حالت جہاد میں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

۴۲۷۷ ـ حدثنا عیاش بن الولید: حدثنا عبدالأعلی: حدثنا خالد، عن عکرمة، عن ابن عباس قال: خرج رسول اللہ ﷺ فی رمضان إلی حنین والناس مختلفون فصائم ومفطر، فلما استوی علی راحلته دعا بإناء من لبن أو ماء فوضعه علی راحته أو راحلته ـ ثم نظر الناس، فقال المفطرون للصوم: أفطروا. [راجع: ۱۹۴۴]

۴۲۷۸ ـ وقال عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن ایوب، عن عکرمة، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: خرج النبی ﷺ عام الفتح. وقال حماد بن زید، عن ایوب، عن عکرمة عن ابن عباس عن النبی ﷺ. [راجع: ۱۹۴۴]

ترجمہ: عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ

---

[۱۵] صحیح البخاری، کتاب الصوم، رقم: ۱۹۴۶

[۱۶] ...... ۲۵۰۰ ـ عن: أبی سعید الخدری قال: کنا نغزو مع رسول اللہ ﷺ فی رمضان فمنا الصائم ومنا المفطر، فلا یجد الصائم علی المفطر ولا المفطر علی الصائم، یرون أن من وجد قوة فصام فان ذلک حسن ویرون أن من وجد ضعفا فأفطر فان ذلک حسن.

...... ۲۵۰۱ ـ عن: انس رضی اللہ عنه (مرفوعا) من أفطر فرخصة ومن صام فالصوم أفضل ـ یعنی فی السفر ـ.

کتاب الصوم، بیان أن إفطار الصوم فی السفر جائز والصوم أفضل، إعلاء السنن، ج: ۹، ص: ۱۵۲

حنین کی جانب رمضان میں چلے، لوگوں کا حال مختلف تھا، بعض روزہ دار تھے اور بعض بغیر روزہ کے تھے، جب آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر بیٹھے تو آپ نے دودھ یا پانی کا گلاس منگوایا اور اسے اپنے ہاتھ پر رکھا، پھر آپ نے لوگوں کی طرف دیکھا تو بغیر روزہ والوں نے روزہ داروں سے آنحضرت ﷺ کا یہ فعل دیکھ کر کہا، کہ روزہ توڑ دو۔

عبد الرزاق، معمر، ایوب، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے سال نکلے۔ حماد بن زید، ایوب، عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح

اس میں روایت اور واقعہ تقریباً وہی ہے، صرف یہ کہ اس میں الفاظ یہ ہیں **"خرج رسول اللہ ﷺ فی رمضان إلی حنین والناس مختلفون فصائم ومفطر"** آپ ﷺ حنین کی طرف نکلے اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ بعض لوگ روزہ سے تھے اور بعض لوگ بغیر روزہ کے تھے پھر آپ ﷺ نے خود افطار فرمایا۔

یہاں اس روایت میں یہ بات قابل اشکال معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ فتح مکہ کا ہے جیسا کہ پیچھے گزرا، نہ کہ غزوۂ حنین کے سفر کے دوران کا۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ توجیہ کرنی چاہی کہ غزوۂ حنین چونکہ فتح مکہ سے متصل بعد پیش آیا تو اس وقت بھی رمضان جاری ہوگا اور آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ میں بھی وہی عمل فرمایا ہوگا جو فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا یعنی روزہ افطار فرمایا۔

لیکن یہ توجیہ اس لئے درست نہیں ہے کہ تاریخی اعتبار سے جو روایات ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ حنین سے پہلے ہی رمضان ختم ہو چکا تھا، فتح کے بعد جتنا عرصہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اس میں ماہِ رمضان ختم ہو گیا تھا، اور شوال میں آپ ﷺ غزوۂ حنین کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

لہٰذا اس میں یہ بات نہیں بنتی تو اس لئے یا تو یوں کہا جائے کہ کسی راوی سے وہم ہوا ہے اور اس نے بجائے فتح مکہ کے حنین کا لفظ روایت کر دیا اور اس قسم کے اوہام بعض اوقات ثقہ راویوں سے بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے مجموعی حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسری بات بعض حضرات نے یہ فرمائی ہے کہ چونکہ حنین اسی سفر میں ہوا جس سفر میں فتح مکہ تھا تو اس واسطے اگرچہ یہاں راوی نے لفظ تو حنین کا استعمال کیا ہے لیکن اس سے مراد وہ سفر ہے جو فتح مکہ کے سفر سے

شروع ہوا تھا، تو اس واسطے یہاں وہی واقعہ مراد ہے جو کدید کے مقام پر پیش آیا۔ [۷۱]

۴۲۷۹ ۔ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا جریر، عن منصور، عن مجاهد، عن طاوس، عن ابن عباس قال: سافر رسول اللہ ﷺ فی رمضان فصام حتی بلغ عسفان ثم دعا بإناء من ماء فشرب نهارا لیراه الناس فأفطر حتی قدم مكة، قال: وكان ابن عباس يقول: صام رسول اللہ ﷺ فی السفر وأفطر، فمن شاء صام ومن شاء أفطر. [راجع: ۱۹۴۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں سفر شروع کیا اور آپ نے روزہ رکھا لیکن جب آپ عسفان کے مقام پر پہنچے تو آپ نے پانی طلب فرمایا اور دن کے وقت لوگوں کو دکھا کر پانی پیا، پھر آپ نے روزہ نہیں رکھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی حالت میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی روزہ نہیں رکھا، اس لئے جو چاہے تو روزہ رکھے اور جو نہ چاہے تو نہ رکھے۔

دورانِ سفر روزہ رکھنے کا اختیار

اس روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ عسفان کے مقام پر پہنچے تو آپ نے پانی طلب فرمایا اور سب کے سامنے افطار کیا، پھر اس پورے سفر میں روزہ نہیں رکھا۔

---

[۷۱] قوله: ((خرج النبي ﷺ في رمضان إلى حنين)) وقع كذا، ولم تكن غزوة حنين في رمضان، وإنما كانت في شوال سنة ثمان، وقال ابن التين: لعله يريد آخر رمضان لأن حنيناً كانت عام ثمان إثر فتح مكة، وفيه نظر لأنه ﷺ خرج من المدينة في عاشر رمضان فقدم مكة في وسطه وأقام بها تسعة عشر يوما كما سيأتي في حديث ابن عباس، فيكون خروجه إلى حنين في شوال. وأجيب: بأن مراده أن ذلك في غير زمن الفتح، وكان في حجة الوداع أو غيرها، وفيه نظر، لأن المعروف أن حنيناً في شوال عقيب الفتح. وقال الداودي: صوابه إلى خيبر أو مكة، لأنه ﷺ قصدها في هذا الشهر، فأما حنين فكانت بعد الفتح بأربعين ليلة وكان قصد مكة أيضا في هذا الشهر، ورد عليه قوله: إلى خيبر، لأن الخروج إليها لم يكن في رمضان، وأجاب المحب الطبري عن الإشكال المذكور: بأن يكون المراد من قوله: ((خرج النبي ﷺ في رمضان إلى حنين)) أنه قصد الخروج إليها وهو في رمضان، فذكر الخروج وأراد القصد بالخروج. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۹۵

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا معمول بتاتے ہیں کہ سفر کی حالت میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں رکھا۔

چنانچہ اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اثنائے سفر میں اگر رمضان آجائے تو مسافر کو اختیار ہے اگر چاہے تو روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو افطار کر لے۔ لیکن روزہ رکھنا زیادہ افضل ہے۔ [۱۸]

(۴۹) باب: أین رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح ؟

فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے پرچم کہاں نصب فرمایا؟

یہ باب قائم کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے جھنڈا کہاں گاڑا تھا۔ اور اس میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کیا ہے۔

۴۲۸۰ ـ حدثنی عبید اللہ بن إسماعیل: حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن أبیه قال: لما سار رسول اللہ ﷺ عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج أبو سفیان بن حرب وحکیم بن حزام وبدیل بن ورقاء یلتمسون الخبر عن رسول اللہ ﷺ فأقبلوا یسیرون حتی أتوا مر الظهران، فإذا هم بنیران کأنها نیران عرفة. فقال أبو سفیان: ما هذه؟ لکأنها نیران عرفة. فقال بدیل بن ورقاء: نیران بنی عمرو. فقال أبو سفیان: عمرو أقل من ذلک. فرآهم ناس من حرس رسول اللہ ﷺ فرآهم ناس من حرس رسول اللہ ﷺ فأدرکوهم فأخذوهم فأتوا بهم رسول اللہ ﷺ فأسلم أبو سفیان فلما سار قال للعباس: ((احبس أبا سفیان عند خطم الجبل حتی ینظر إلی المسلمین)). فحبسه العباس فجعلت القبائل تمر مع النبی ﷺ کتیبة کتیبة علی أبی سفیان، فمرت کتیبة فقال: یاعباس من هذه؟ فقال: هذه غفار، قال:

---

[۱۸] مسئلہ کی مزید تفصیل وضاحت کے لئے مراجعت فرمائیں۔ انعام الباری، کتاب الصوم، باب الصوم فی السفر والافطار، رقم: ۱۹۴۱، ج: ۵، ص: ۵۳۱، و باب من أفطر فی السفر لیراه الناس، رقم: ۱۹۴۸، ج: ۵، ص: ۵۳۶، وفتح الباری، ج: ۴، ص: ۱۸۳، وعون المعبود، ج: ۷، ص: ۲۹، والمبسوط للسرخسی، ج: ۳، ص: ۹۲، وحاشیة ابن عابدین، ج: ۲، ص: ۴۲۳

ما لی ولغفار؟ ثم مرت جهينة قال مثل ذلک،ثم مرت سعد بن هذيم فقال مثل ذلک ومرت سليم فقال مثل ذلک حتى أقبلت كتيبة لم ير مثلها .قال: من هذه ؟ قال :هؤلاء الأنصار، عليهم سعد بن عبادة معه الراية. فقال سعد بن عبادة: ياأبا سفيان! اليوم يوم الملحمة. اليوم تستحل الكعبة، فقال أبو سفيان: يا عباس حبذا يوم الذمار. ثم جاء تّ كتيبة وهي أقل الكتائب فيهم رسول الله ﷺ وأصحابه و راية النبي ﷺ مع الزبير بن العوام. فلما مر رسول الله ﷺ بأبي سفيان قال: ألم تعلم ما قال سعد بن عبادة؟ قال: ((ما قال؟)) قال: قال كذا و كذا. فقال: ((كذب سعد ولكن هذا يوم يعظم الله فيه الكعبة ،ويوم تكسى فيه الكعبة)). قال: وأمر رسول الله ﷺ أن تركز رايته بالحجون. وقال عروة:أخبرني نافع بن جبير بن مطعم قال: سمعت العباس يقول للزبيربن العوام: ياأبا عبدالله،هاهنا أمرک رسول الله ﷺ أن تركز الراية؟ قال: وأمر رسول الله ﷺ يومئذ خالد بن الوليد أن يدخل من أعلا مكة من كداء ودخل النبي ﷺ من كدافقتل من خيل خالد بن الوليد ﷺ يومئذ رجلان: حبيش بن الأشعر وكرز بن جابر الفهري. [۹۱]

ترجمہ: ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے سال روانہ ہوئے تو قریش کو اس کی خبر پہنچ گئی، ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء جناب رسول اللہ ﷺ کی خبر لینے کے لئے نکلے، یہ تینوں چلتے چلتے جبمقام مر الظہر ان تک پہنچے، تو وہاں بکثرت آگ اس طرح روشن دیکھی جس طرح عرفہ میں ہوتی ہے، ابوسفیان نے کہا یہ آگ کیسی ہے جیسے عرفہ میں ہوتی ہے، بدیل بن ورقاء نے جواب دیا بنوعمرو کی آگ ہوگی، ابوسفیان نے کہا عمرو کی تعداد اس سے بہت کم ہے۔

ان تینوں کو آنحضرت ﷺ کے پہرے داروں نے دیکھ کر پکڑلیا، اور انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، ابوسفیان تو مسلمان ہوگئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عباس ﷺ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو لشکر اسلام کی تنگ گزرگاہ کے پاس روکے رکھو جہاں روانہ ہوتے وقت گھوڑوں کا ہجوم ہو، تاکہ یہ مسلمانوں کو دیکھ سکیں۔

چنانچہ حضرت عباس ﷺ نے انہیں وہاں روکے رکھا، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ قبائل کے دستے گزرنا

---

[۹۱] انفرد به البخاری

شروع ہوئے، لشکر کا ایک ایک دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگا۔ جب ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس! یہ کون سا دستہ ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ قبیلہ غفار ہے، ابوسفیان نے کہا کہ میری اور قبیلہ غفار کی تو لڑائی نہ تھی، پھر قبیلہ جہینہ گزرا تو اسی طرح کہا، پھر سعد بن حذیم گزرے تو اسی طرح کہا، پھر بنو سلیم گزرے تو اسی طرح کہا۔

پھر ایک دستہ گزرا کہ اس جیسا دیکھا ہی نہ تھا، ابوسفیان نے کہا یہ کون ہے؟ عباس ﷺ نے کہا یہ انصار کے لوگ ہیں، ان کے سپہ سالار سعد بن عبادہ ﷺ ہیں، جن کے پاس پرچم ہے، حضرت سعد بن عبادہ ﷺ نے کہا اے ابوسفیان! آج کا دن جنگ کا دن ہے، آج کعبہ (میں کافروں کا کشت وخون) حلال ہو جائے گا، ابوسفیان نے کہا اے عباس! ہلاکت کا دن کتنا اچھا ہے۔

پھر ایک سب سے چھوٹا دستہ آیا، جس میں رسول اللہ ﷺ تھے، اور نبی ﷺ کا پرچم حضرت زبیر بن عوام ﷺ کے پاس تھا، جب نبی کریم ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا، آپ کو معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا ایسا ایسا کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، سعد نے غلط کہا بلکہ آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت و بزرگی عطا فرمائے گا اور کعبہ کو آج غلاف پہنایا جائے گا۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پرچم کو مقام حجون میں نصب کرنے کا حکم دیا۔ پھر کہتے ہیں کہ مجھے نافع بن جبیر بن مطعم نے بتایا کہ میں نے حضرت عباس ﷺ کو حضرت زبیر بن عوام ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے ابوعبداللہ! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہاں پرچم نصب کرنے کا حکم دیا تھا، عروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن حضرت خالد بن ولید ﷺ کو حکم دیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ یعنی کداء کی جانب سے داخل ہوں اور خود آنحضرت ﷺ کدی کی جانب سے داخل ہوئے، اس دن خالد ﷺ کے دستہ کے دو آدمی حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔

ابوسفیان کی گرفتاری اور قبولِ اسلام

اس روایت میں فتحِ مکہ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، **"عن هشام عن ابيه۔"** ہشام رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ **" لما سار رسول الله ﷺ عام الفتح"**، فتح مکہ کے سال جب آپ ﷺ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے **"فبلغ ذلک قریشا"** اور آپ ﷺ کی

روانگی سے متعلق قریش کو کچھ خبر مل گئی۔

ویسے تو جیسے پیچھے حضرت حاطب بن بلتعہ ﷺ کے واقعہ میں گذر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے اہتمام فرمایا تھا کہ خبر نہ پہنچے، لیکن چونکہ ہمارے ہاں مثل ہے کہ ''چور کی ماں کوٹھری میں سر دے اور روئے''۔

درحقیقت انہوں نے یعنی قریش نے خود معاہدہ شکنی کی تھی اور اس کی وجہ سے انہیں ہر وقت خطرہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ نبی کریم ﷺ حملہ آور ہو جائیں تو یہ وقفے وقفے سے اس تاک میں رہتے تھے۔

''خرج ابو سفیان بن حرب، وحکیم بن حزام وبدیل بن ورقہ'' تو قریش کے لوگوں میں سے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل ورقہ مکہ سے نکلے، **''یلتمسون الخبر عن رسول اللہ ﷺ''** تاکہ رسول اللہ ﷺ کی خبر معلوم کریں کہ وہ روانہ ہوئے یا نہیں ہوئے، **''فاقبلوا یسیرون حتی أتوا مرالظھران''** یہ تینوں چلتے چلتے جب مکہ کے قریب میں مرالظہران نامی جگہ تک پہنچے۔ [۲۰]

''فاذا ھم بنیران کأنھا نیران عرفۃ'' اچانک انہیں نظر آیا کہ ایسے آگ جل رہی ہے جیسے میدانِ عرفات میں موسم حج کے موقع پر رات کے وقت میں آگ جلایا کرتے تھے لوگ زیادہ ہوتے تھے تو وہ بہت زیادہ آگ ہوتی تھی اس لئے کہا کہ ایسا نظر آیا کہ بہت سارے مقامات پر آگ کے الاؤ روشن تھے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع دس ہزار صحابۂ کرام ﷺ تھے اور دو ہزار دوسرے قبائل کے لوگ تھے یوں بارہ ہزار کی تعداد پوری ہوگئی تھی، دس ہزار کے قریب آگ کے الاؤ روشن تھے۔ [۲۱]

''فقال ابوسفیان ما ھذہ؟ لکأنھا نیران عرفۃ'' یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے عرفہ میں آگ کے الاؤ روشن ہوں، **''فقال بدیل بن ورقاء: نیران بنی عمرو''** تو بدیل بن ورقہ نے کہا کہ ہوسکتا ہے یہ بنوعمرو کی آگ ہو، بنوعمرو خزاعہ کا قبیلہ تھا تو شاید یہ ان کے لوگ ہوں۔

''فقال ابو سفیان: عمرو اقل من ذلک'' ابوسفیان نے کہا کہ بنوعمرو کا قبیلہ تو تعداد میں ان لوگوں سے بہت تھوڑا ہے اور آگ کے الاؤ زیادہ نظر آرہے ہیں۔

---

[۲۰] وھو موضع بقرب مکۃ، وقال البکری: بینہ وبین مکۃ ستۃ عشر میلاً. عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۳۵۸

[۲۱] قولہ: ((ومعہ عشرۃ آلاف)) أی: من سائر قبائل. وعند ابن اسحاق: ثم خرج رسول اللہ ﷺ، فی اثنی عشر ألفاً من المھاجرین والأنصار، واسلم وغفار ومزینۃ وجھینۃ وسلیم، والتوفیق بین الروایتین بأن العشر آلاف من نفس المدینۃ ثم تلاحق بہ الألفان. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۳۹۴، وفتح الباری، ج:۸، ص:۴، وشرح الزرقانی، باب غزوۃ فتح الأعظم، ج:۳، ص:۳۹۵

"فرأهم ناس من حرس رسول اللہ ﷺ فادر کوھم فاخذوھم" لشکر کے اطراف میں جن لوگوں کو حضور اقدس ﷺ نے پہرے پر مقرر فرمایا تھا اور وہ پہرہ دے رہے تھے انہوں نے ان تینوں حضرات کو دیکھ لیا تو ان کے پاس پہنچ گئے اور ان کو پکڑ لیا۔

"فاتوا بھم رسول اللہ ﷺ" اور گرفتاری کے بعد ان تینوں کو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، **"فاسلم ابوسفیان"** اس موقع پر ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔

ابوسفیان پر مسلمانوں کی اظہارِ شوکت کا حکم

"فلما سار قال للعباس: احبس أبا سفیان عند خطم الخ" جب آپ ﷺ اس مقام سے آگے روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو لشکر اسلام کی تنگ گزرگاہ کے پاس روکے رکھو جہاں روانہ ہوتے وقت گھوڑوں کا ہجوم ہو، تاکہ مسلمانوں کو دیکھ سکیں۔

ابوسفیان ایسی حالت میں اسلام لائے تھے کہ درحقیقت تو مسلمانوں کی جاسوسی کیلئے نکلے تھے کہ وہ آرہے ہیں کہ نہیں آرہے اور دشمنی اس وقت تک برقرار تھی تو جب آگئے تو مسلمان ہوگئے تو حضور ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ ان کو ابھی مزید اسلام پر پختہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ان کے اوپر تھوڑا سا رعب بھی ڈالنا چاہیے۔

اس واسطے آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو گھوڑوں کے مجمعوں کے پاس روک کر رکھنا یعنی ایسی جگہ پر کھڑا کرو، جہاں سے پورا لشکر ان کے سامنے سے گزرے تاکہ اس لشکر کی شوکت کو دیکھیں، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسے مقام پر روکا جہاں روانہ ہوتے وقت مسلمانوں کا لشکر نظر آئے۔

"فجعلت القبائل تمر مع النبی ﷺ کتیبة کتیبة الخ" آنحضرت ﷺ کے ساتھ قبائل کے دستے گزرنا شروع ہوئے، لشکر کے تمام دستے یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگے جب ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا، **"یا عباس من ھذہ؟"** اے عباس! یہ کونسا دستہ ہے؟ یعنی اس دستہ کا تعلق کس قبیلے والوں سے ہے، **"فقال ھذہ غفار"** تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ قبیلۂ غفار کا دستہ ہے، **"قال مالی ولغفار؟ الخ"** کہ مجھے غفار کے لوگوں سے کیا لینا دینا، مطلب یہ کہ میرا ان سے نہ کوئی خاص تعلق ہے نہ ان سے میری کوئی جنگ ہے، ٹھیک ہے گزر رہا ہے تو گزرنے دو، جھینہ کا قبیلہ گزرا تو پھر وہی کہا، پھر سعد بن ہذیم کا دستہ گزرا پھر وہی جملہ دھرایا، سلیم کا قبیلہ گزرا پھر وہی کہا۔

"حتی اقبلت کتیبة لم یر مثلها" یہاں تک کہ ایک ایسا لشکر آیا اس جیسا پہلے نہیں دیکھا تھا یعنی اتنا بڑا لشکر آیا کہ کثرت تعداد میں اس جیسا کوئی اور نظر نہیں آیا تھا۔ **"قال من هذه ؟"** ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ **"قال هؤلاء الانصار، علیهم سعد بن عبادة الخ"** کہا کہ یہ انصارِ مدینہ ہیں، ان میں سعد بن عبادہ ؓ ہیں اور انصار کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں ہے۔

"فقال سعد بن عبادة: یا أباسفیان! الیوم الخ" جب حضرت سعد بن عبادہ ؓ ابوسفیان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے کہا اے ابوسفیان! آج معرکہ کا دن ہے۔

"ملحمه" کے معنی بڑی لڑائی کے ہیں۔

"الیوم تستحل الکعبة" اور آج کے دن کعبے کو حلال کیا جائے گا۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آج کے دن کعبے میں قتل وقتال کو جائز قرار دے دیا ہے لیکن لفظ اس طرح استعمال ہوا **"الیوم تحلل الکعبة"**۔

ابوسفیان نے اس وقت حضرت عباس ؓ سے خطاب کر کے کہا **"یا عباس! حبذا یوم الذمار"** یہ تو بڑا اچھا ہے، یہ جملہ تو انہوں نے کہا لیکن اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کی مختلف تشریحات ہو سکتی ہیں اور کی گئی ہیں۔

"ذمار" کے معنی

"ذمار" کئی معنی میں آتا ہے:

ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ ذمہ لے لینا اگر ذمہ کے معنی لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ دن بڑا اچھا ہے جس میں لوگوں کی جانوں کی ذمہ داری لی گئی، صلح حدیبیہ کا دن مراد ہے یعنی جو میں دیکھ رہا ہوں کہ اتنا بڑا لشکر مکہ پر حملہ آور ہونے آرہا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بہتر تھا کہ وہی حدیبیہ والی صلح باقی رہتی۔

دوسرا معنی اس کے ہلاکت اور تباہی کے ہیں تو بعض لوگوں نے اس کی تشریح یہ کی کہ **"یوم الذمار"** کے معنی یہ ہیں کہ آج ہلاکت کا دن ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے رہے آج ان کی ہلاکت کا دن ہے اور مظلوموں کی دادرسی کا دن ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں۔

تیسرا معنی بعض حضرات نے کہا کہ ذمہ داری ہی کے ہیں لیکن درحقیقت مطلب یہ ہے کہ آج تم میری جان کی ذمہ داری لے لو یا میرے قبیلے کے لوگوں کی جان و مال کی ذمہ داری لے لو اس لحاظ سے آج کا دن بڑا

اچھا ہوگا۔

یہ مختلف تفسیریں ان کے اس جملے کی کی گئی ہیں۔ [۲۲]

"ثم جاء ت کتیبة وهي أقل الخ" پھر ایک دستہ ایسا آیا جو عدد کے لحاظ سے دوسرے دستوں کے مقابلے میں کم تھا اور اس میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے مہاجرین اصحاب ﷺ تھے اور نبی کریم ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔

"فلما مر رسول اللہ ﷺ بأبي الخ" جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابو سفیان نے حضور اقدس ﷺ سے کہا، **"الم تعلم ماقال سعد بن عبادة؟ الخ"** کیا آپ کو پتہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ یہ بات کہی۔

"فقال: کذب سعد" حضور اقدس ﷺ نے فرمایا سعد بن عبادہ نے غلط بات کہی۔

یہاں **"کذب"** جھوٹ کے معنی میں نہیں ہے اگر چہ **"کذب"** جھوٹ کے معنی میں ہوتا ہے کہ کوئی آدمی جان بوجھ کر غلط بیانی کرے لیکن یہاں **"کذب، کذب"** کے معنی میں نہیں ہے۔ بعض اوقات محض غلط بات کہنے کے بھی آتے ہیں چاہے اس کا مقصود جھوٹ بولنا نہ ہو جب کہ کوئی بات خلاف واقع یا نادرست کہے تو اس کو بھی کذب کہہ دیتے ہیں، تو معنی یہ ہے کہ سعد بن عبادہ ﷺ نے غلط بات کہی۔ [۲۳]

کعبہ کی عظمت کی واپسی کا دن

"ولکن هذا یوم یعظم الله فیه الکعبة" آج کا دن تو وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت و بزرگی عطا فرمائے یعنی کعبے کی عظمت واپس آئے گی، **"ویوم تکسی فیه الکعبة"** اور جس دن کعبے کو غلاف پہنایا جائے گا۔

یہاں پر تردید اسی لئے فرمائی کہ حضرت سعد بن عبادہ ﷺ نے جو جملہ کہا تھا اس میں خاص طور پر **"الیوم تستحل الکعبة"** یہ ذرا بھدا سا جملہ تھا یعنی یہ بیت اللہ کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اگر چہ ان کا مقصد غلط نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ آج اللہ تعالیٰ نے کعبے کے اندر بھی قتل وقتال کی اجازت دی ہے۔

---

[۲۲] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۹۹ وفتح الباری، ج:۸، ص:۸

[۲۳] ((فقال: کذب سعد))، أي: قال النبي ﷺ: کذب، أي: أخطأ سعد. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۰۰

چنانچہ آگے پڑھیں گے کہ گستاخ ابن خطل کو ملتزم اور مقام ابراہیم کے درمیان قتل کیا گیا۔

ویسے ان کا مطلب یہ تھا کہ آج تک تمہاری قوم جو شرک اور کفر کرتی رہی اور مسلمانوں پر ظلم وستم کرتی رہی آج اس کو پناہ نہیں ملے گی۔

یہ مقصد تھا لیکن یہ لفظ **"تستحل الکعبۃ"** یہ لفظ کعبہ کے شایان شان نہیں تھا، اس کی تعظیم کے شایان شان نہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو پسند نہیں فرمایا۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے غلط بات کی، آج کا دن تو وہ ہے کہ کعبہ کو اس کی عظمت واپس ملے گی۔ ان مشرکین نے بت پرستی کی گندگی سے کعبہ کو آلودہ کر رکھا ہے تو اب وہ گندگی زائل ہو جائی گی اور کعبے کو وہ عظمت عطا ہوگی، جو اس کی اصل عظمت ہے اور آج کا دن وہ ہے جب کعبے کو غلاف پہنایا جائے گا۔

یہ اصول اسی وقت سے چلا آ رہا تھا کہ کعبہ کو رمضان میں غلاف پہنایا جاتا تھا اور یہ غزوۂ رمضان میں ہی ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس رمضان میں غلاف پہنایا جائیگا اور یہ زیادہ عظمت کی بات ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ ؓ سے واپس لے لیا تھا، انصار کی سربراہی گویا سعد بن عبادہ ؓ سے واپس لے لی گئی۔

اس کی تین وجوہات نقل کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ بعض روایات سے تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے یہ جملہ خلاف احتیاط بول دیا تھا تو یہ حضور اقدس ﷺ کو پسند نہ آیا اور آپ ﷺ نے جھنڈا لے لیا اور ان کے بیٹے قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے حوالے کر دیا۔

دوسری وجہ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کے بیٹے قیس بن سعد ہیں اور جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بڑا جوشیلا ہے اور آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوں تو حتی الامکان قتل وغارت گری سے آپ نے منع فرمایا ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ میرا بیٹا جوشیلا زیادہ ہے اور کہیں قتل غارت گری نہ کر بیٹھے، اس لئے یہ جھنڈا آپ اس سے لے کر کسی اور کے حوالے کر دیں، پھر اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے پاس یا ان کے بیٹے کے پاس جھنڈا نہیں رہا۔

تیسری وجہ ابن عساکر کی روایت سے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے کہ جب آپ سامنے سے گزرے تو ایک عورت نے حضرت سعد بن عبادہ کے متعلق اشعار کی صورت میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے جھنڈا لے لیا۔ قریش کی خاتون نے یہ شعر پڑھے۔

یانبی الهدیٰ الیک لجاء حی قریش ولات حین لجاء

اے نبی ہدایت! قریش نے آپ کی طرف پناہ لی ہے حالانکہ یہ پناہ کا وقت نہیں ہے

حین ضاقت علیهم سعة الأرض وعادهم إله السماء

جس وقت وسیع زمین ان پر تنگ ہوگئی اور اللہ ان کا دشمن ہوگیا

إن سعدا یرید قاصمة الظهر بأهل الحجون والبطحاء [۲۴]

تحقیق سعد بن عبادہ حجون اور بطحاء کے لوگوں کی کمر توڑ دینا چاہتے ہیں

"قال وأمر رسول الله ﷺ أن تركز رايته بالحجون" آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کا جھنڈا حجون کے مقام پر گاڑا جائے، حجون اس وقت مکہ مکرمہ کی آخری حد سمجھی جاتی تھی، حجون ایک طرف اور صفاء ایک طرف یہ مکہ مکرمہ کی حدیں سمجھی جاتی تھیں۔

"وقال عروة: أخبرني نافع بن جبير الخ" عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ نافع بن جبیر بن مطعم نے بھی کہا ہے کہ **"سمعت العباس وهويقول للزبير بن العوام: الخ"** میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا اے ابوعبداللہ! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہاں پرچم نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔

"قال: وأمر رسول الله ﷺ يومئذ خالد بن الوليد أن يدخل الخ" حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ اس دن حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کے اوپر والے حصہ کداء سے داخل ہوں، **"ودخل النبي ﷺ من كُداء"** اور خود نبی کریم ﷺ نچلے حصے کداء سے داخل ہوئے۔

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ مکہ سے داخل ہونے کا حکم دیا لیکن یہ دوسری تمام روایات کے خلاف ہے۔ دوسری روایات میں یہ بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ خود اعلیٰ مکہ سے داخل ہوئے اور خالد بن ولید کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم دیا تھا اس لئے کہ مقابلہ ومقاتلہ کیلئے تمام اوباش اسی جانب میں جمع ہوئے تھے۔

اس حدیث میں ان کا اعلیٰ مکہ کہنے کو بھی وہم قرار دیا ہے اور کسی حدیث کے کسی ایک جز میں کسی ثقہ راوی کو وہم ہوجائے تو اس سے پوری حدیث کی صداقت اور حقانیت متأثر نہیں ہوتی۔ [۲۵]

---

[۲۴] عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۰۰ وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۹، ۱۰

[۲۵] وهذا مخالف للاحاديث الصحيحة الآتية أن خالداً دخل من أسفل مكة والنبي من أعلاها، وكذا جزم ابن اسحاق أن خالداً دخل من أسفل ودخل النبي من أعلاها وضربت له هناك قبة. فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۰، وعمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۰۰

"فقتل من خیل خالد یومئذ رجلان الخ" اس دن حضرت خالد بن ولید ﷜ کے لشکر کے صرف دو صحابی شہید ہوئے حضرت حبیش بن اشعر اور حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔

نبی کریم ﷺ دشمن پر بھی سایۂ رحمت

واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب حضور ﷺ داخل ہوئے تھے تو حضرت خالد بن ولید ﷜ سے کہا تھا کہ اسفل سے داخل ہوں اور تمام صحابۂ کرام ﷡ کو آپ ﷺ نے یہ حکم دے دیا تھا کہ اپنی طرف سے کسی کو قتل نہ کریں۔

یہ بھی نبی کریم ﷺ کا اعجاز ہے کہ کوئی اور ہوتا تو مکہ مکرمہ کی گلیاں خون سے بھر جاتیں اور اس کے راستے لاشوں سے اٹے ہوئے ہوتے۔

اس واسطے کہ یہ وہ قوم تھی جس نے ہجرت سے پہلے تیرہ سال تک نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ ﷡ کو اتنا ستایا تھا کہ جس کا کوئی حد وحساب نہیں، مدینہ کی جانب ہجرت کے بعد آٹھ سال تک جنگیں کرتے رہے ۔اگر کوئی اور ہوتا تو اس کے دل میں انتقام کے جذبات ہوتے اور ان کو نیچا دکھانے کی آرزو ہوتی اور اس کے نتیجے میں گلیوں میں خون بہہ رہا ہوتا۔

لیکن یہ آپ ﷺ کا اعجاز اور رحمت ہے کہ آپ نے صحابۂ کرام ﷡ کو حکم دیا کہ کوئی فرد بشر کسی کو قتل نہ کرے الا یہ کہ کوئی سخت مجبوری ہو یا کوئی دوسرا حملہ آور ہو۔ حالانکہ مکہ کو فتح کر رہے ہیں فاتح ہیں، حملہ آور بھی خود ہیں لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی دوسرا حملہ آور نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کو قتل نہ کرنا۔

چنانچہ حضرت خالد بن ولید ﷜ بھی اسی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہوئے داخل ہوئے تو اس راستے میں کچھ لوگ تاک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اور جب حضرت خالد بن ولید ﷜ کا لشکر گزرنے کے قریب آیا تو انہوں نے اچانک حملہ کر دیا اس کے نتیجے میں حضرت خالد بن ولید ﷜ کو لڑائی کرنی پڑی۔

اس لڑائی میں تقریباً چودہ، پندرہ آدمی مشرکین کے مارے گئے اور دو صحابی شہید ہوئے، ایک حبیش بن اشعر اور دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ عنہما۔

حضرت کرز بن جابر فہری ﷜ وہی صحابی ہیں جن کی قیادت میں حضور ﷺ نے عرنیین کے خلاف دستہ بھیجا تھا اور یہ عرنیین کو گرفتار کر کے لائے تھے، اس موقع پر شہید ہوئے، یہ واقعہ اسفل مکہ میں پیش آیا۔

اسفل مکہ میں ان کے مزار ہیں، میں وہاں حاضر ہوا ہوں مشہور ہے کہ یہ حضرات وہاں پر شہید ہوئے اور وہیں مسجد شہداء کے نام سے ایک مسجد ہے جو پہلے مکہ مکرمہ میں تبلیغی مرکز بھی تھی اب دوسری جگہ منتقل ہو گیا

ہے۔ وہیں پر ان دونوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہما کے مزار بھی ہیں۔ -**واللہ سبحانہ واعلم** -

بعد میں حضور ﷺ کو پتہ چلا یہاں لڑائی ہوئی ہے تو حضرت خالد ﷺ سے پوچھا میں نے تمہیں منع کیا تھا پھر تم نے کیوں لڑائی کی؟ حضرت خالد ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ! انہوں نے حملہ کر دیا تھا ہمارے پاس چارہ نہیں تھا اس واسطے ہمیں لڑائی کرنی پڑی۔

آپ ﷺ نے فرمایا "**قضاء اللہ خیر**" جو کچھ ہو گیا اللہ کا فیصلہ اس میں خیر ہے۔ [۲۶]

۴۲۸۱ ۔ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة، عن معاوية بن قرة قال: سمعت عبدالله ابن مغفل يقول: رأيت رسول الله ﷺ يوم فتح مكة على ناقته وهو يقرأ سورة الفتح يرجع وقال: لولا أن يجتمع الناس حولي لرجّعت كما رجّع. [انظر: ۴۸۳۵، ۵۰۳۴، ۵۰۴۷، ۷۵۴۰] [۲۷]

ترجمہ: معاویہ بن قرۃ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ نے بیان کیا کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو ناقہ اونٹنی پر سوار، خوش الحانی سے سورہ فتح پڑھتے ہوئے دیکھا۔ معاویہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے لوگوں کے اردگرد جمع ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ کی طرح خوش الحانی کر کے دکھاتا۔

ترجیع کا مطلب

"**وهو يقرأ سورة الفتح يرجع**" اور آپ ﷺ تلاوت میں ترجیع فرما رہے تھے۔

"**ترجيع**" کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ گلے میں مد کی آواز بار بار آنے لگے جیسے آدمی کسی سواری پر سوار ہو اور سواری میں دھکے لگ رہے ہوں تو اس وقت میں جب منہ سے آواز نکلے گی تو گلے کے اندر الف بار بار لوٹ کر آ رہا ہو گا۔

اس خاص کیفیت کا اردو میں تو کوئی نام نہیں ہے البتہ عربی میں اس کو "**ترجيع**" کہتے ہیں۔

---

[۲۶] فتح الباری، ج:۸، ص: ۱۱

[۲۷] وفی صحیح مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ذكر قراءة النبی ﷺ سورة الفتح يوم فتح مكة، رقم: ۷۹۴، وسنن ابی داؤد، كتاب الصلاة، باب استحباب الترتيل فی القراءة، رقم: ۱۴۶۷، ومسند أحمد، باب حديث عبدالله بن المغفل المزنی عن النبی ﷺ، رقم: ۱۶۷۸۹، ۲۰۵۴۲، ۲۰۵۵۸، ۲۰۵۶۵

مطلب یہ کہ جب آپ ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور ناقہ میں اوپر نیچے دھکے لگتے ہیں تو اس کی وجہ سے آواز میں ایک گڑگڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ آپ ﷺ کی تلاوت میں پیدا ہو رہی تھی۔

معاویہ بن قرۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**لولا ان یجتمع الناس الخ**" اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں بھی اسی طرح "**ترجیع**" کر کے دکھاتا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ترجیع فرمائی تھی۔ کیونکہ ان کو حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ نے جب یہ حدیث سنائی تھی تو خود بھی اس "**ترجیع**" کی نقل اتار کر بتائی تھی۔

۴۲۸۲ ـ حدثنا سلیمان بن عبدالرحمٰن: حدثنا سعدان بن یحیی: حدثنا محمد ابن أبی حفصة، عن الزهری، عن علی بن حسین، عن عمرو بن عثمان، عن أسامة ابن زید أنه قال زمن الفتح: یا رسول اللہ أین ننزل غدا؟ قال النبی ﷺ: ((وهل ترک لنا عقیل من منزل؟)). [راجع: ۱۵۸۸]

۴۲۸۳ ـ ثم قال: ((لا یرث المؤمن الکافر، ولا الکافر المؤمن)). قیل للزهری: من ورث أبا طالب؟ قال: ورثه عقیل وطالب. قال معمر، عن الزهری: أین ننزل غدا، فی حجته. ولم یقل یونس: حجته، ولا زمن الفتح.

ترجمہ: حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے زمانہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کل آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے واسطے ٹھہرنے کی کوئی جگہ چھوڑی ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا نہ مومن کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کافر مومن کا۔

امام زہری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابو طالب کا کون وارث ہوا؟ انہوں نے کہا عقیل، اور طالب ان کے وارث ہوئے۔ معمر نے زہری رحمہ اللہ سے یہ روایت کی ہے کہ حج کے زمانہ میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کل کہاں ٹھہریں گے، اور یونس کی روایت میں نہ حج کا ذکر ہے نہ زمانہ فتح کا۔

مکہ کے گھروں میں میراث اور بیع وشراء کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر ایک، بہت اہم مسئلہ بیان کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمینیں اور گھروں کو بیع وشراء اور ان کا اجارہ اور وراثت میں منتقل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

امام بخاریؒ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تائید میں یہاں ایسی احادیث لائے ہیں جن میں مکہ مکرمہ کی زمینوں یا مکان

کو کسی فردِ واحد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد جب عمرۃ القضاء یا حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کل آپ کہاں اتریں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا **"ھل ترک لنا عقیل من منزل؟"** کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے یعنی کوئی گھر ہے کیا جس میں ہم قیام کریں؟

عقیل بن ابو طالب نے بنو ہاشم کے سارے گھر بیچ دیئے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ گھر کو عقیل کی طرف منسوب کیا اور بیع کو نافذ قرار دیا، معلوم ہوا کہ اس کی بیع جائز ہے۔

مدارِ اختلاف

اصل مدارِ اختلاف یہ ہے کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا تھا یا صلح کے ذریعے، اس میں کلام ہوا ہے۔

مسلک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا تھا، آپ ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر گئے تھے، با قاعدہ حملہ کیا، یہ علیحدہ بات ہے کہ جس طرف سے آپ ﷺ داخل ہوئے اس طرف کوئی خونریزی نہیں ہوئی۔

لیکن جس طرف سے حضرت خالد بن ولید ؓ داخل ہوئے تھے وہاں تھوڑی بہت خونریزی بھی ہوئی تھی ایسی صورت میں حکم ہوتا ہے مفتوحہ علاقوں کی، اس کی زمینیں اور سب کچھ مجاہدین میں تقسیم کیا جائے، لیکن مکہ مکرمہ کی زمینوں کی تقسیم عمل میں نہیں آئی، حضور ﷺ نے یہ زمینیں صحابہ ؓ اور مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمائیں۔

جب اس زمین میں سارے مسلمانوں کا حق ہونے کے باوجود تقسیم کا عمل نہیں ہوا تو اب اس کا راستہ یہ ہے کہ اس کو وقف قرار دیا جائے تا کہ سارے مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں، تو مکہ مکرمہ کی ساری زمینیں وقف ہیں اور وقف ہونے کی وجہ سے اس کی بیع و شراء، میراث وغیرہ کچھ بھی نہیں ہو سکتی، البتہ جو عمارتیں لوگوں نے خود اپنے پیسوں سے بنائی ہیں ان کو وہ بیچ بھی سکتے ہیں اور کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ زمین اور بناء میں فرق کرتے ہیں بناء مملوک ہو سکتی ہے، زمین مملوک نہیں ہو سکتی۔

اگر چہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف یہ حدیث حجت نہیں ہے کیونکہ گھر کی عمارت بیچنے کو وہ بھی ناجائز نہیں کہتے، ان کا اختلاف زمین کے بارے میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب دیا جا سکتا ہے کہ اضافت ہمیشہ تملیک کیلئے نہیں ہوتی، اختصاص کیلئے بھی ہو سکتی ہے اور ادنیٰ ملابست بھی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے الصدر الشہید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

اس مسئلہ پر تفصیلی بحث واختلافی مسائل، فقہی مباحث کتاب الحج میں گذری ہے۔ [۲۸]

تبایُنِ دارین اوراختلافِ دین سے میراث پر اثر

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ **"یارسول اللہ! این تنزلوا غدا"** اے اللہ کے رسول! آپ مکہ مکرمہ تشریف لے جارہے ہیں تو وہاں جا کر آپ کل کس جگہ قیام فرمائیں گے؟

نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ **"وھل ترک لنا عقیل من منزل؟"** کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے کہ جس میں جا کر ہم قیام کریں یعنی ہمارے جتنے گھر تھے وہ سارے عقیل نے قبضہ کر کے فروخت کر دیئے۔

عقیل سے مراد عقیل بن ابی طالب، حضرت علی ؓ کے بھائی اور حضور اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، اس زمانے میں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

حضور اقدس ﷺ جب ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے تو عبدالمطلب کی جتنی جائیداد تھی اس کے وارث آپ ﷺ کے چچا ابو طالب ہوئے، اور ابو طالب کی وفات کے بعد جو وراثت تقسیم ہوئی تو اس وقت مسلمان چونکہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا چکے تھے۔ اس واسطے تباین دارین اور اختلاف دِین کی وجہ سے ابو طالب کی وراثت میں مسلمان حصہ دار نہ ہوئے۔

یعنی ابو طالب کی اولاد میں یا عبدالمطلب کی اولاد میں جتنے لوگ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے تھے، ان کو عبدالمطلب کی جائیداد میں کوئی حصہ نہ ملا اور جن کو ملا تو وہ اس وقت ابو طالب کی کافر اولاد تھی، اس وقت کافر اولاد میں عقیل تھے اور طالب تھے، وہ وراثت ان کو ملی تو عبدالمطلب کی جائیداد کا جتنا حصہ حضور اقدس ﷺ کا تھا یا حضرت علی ؓ وغیرہ کے حصے کا تھا، وہ سب عقیل اور طالب کے حصہ میں آگئے، عقیل نے بعد میں یہ کیا کہ جتنی

---

[۲۸] من اراد التفصیل فلیراجع: انعام الباری، کتاب الحج، باب توریث مکۃ وبیعھا وشرائھا، رقم: ۱۵۸۸، ج:۵، ص: ۲۳۴

بھی جائیداد ملی تھی وہ سب فروخت کر دی۔ ۲۹

نتیجہ یہ ہوا کہ اب کوئی جائیداد ایسی نہیں تھی جو عبدالمطلب کی اولاد کی ملک ہو، لہٰذا حضور ﷺ کی ملکیت میں بھی مکہ مکرمہ کے اندر کوئی گھر باقی نہیں رہا تھا، یہ مطلب ہے **"ھل ترک لنا عقیل من منزل"** کا کہ کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ وہ تو پہلے ہی حساب بے باق کر چکے ہیں، اگرچہ بعد میں مسلمان بھی ہو گئے تھے، لیکن شروع میں وراثت میں لے کر باقی سارے مکانات فروخت کر دیئے تھے۔

پھر حضور اقدس ﷺ نے یہ حکم بیان فرمایا **"لایرث المؤمن الکافر، ولا الکافر المؤمن"** مؤمن کافر کا وارث نہیں ہوگا اور کافر مؤمن کا وارث نہیں ہوگا۔

گویا یوں فرمایا کہ اب ہمارا کوئی دعویٰ بھی نہیں ہے اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو ہم وراثت کے حق دار ہوتے اور دعویدار ہوتے، لیکن اب جب کہ ان کا انتقال ہو چکا اور وہ کافر بھی تھے تو اس واسطے ان کی وراثت کے ہم دعوی دار بھی نہیں، لہٰذا آج ہمارا کوئی بھی گھر مکہ مکرمہ میں نہیں ہے۔

"وقیل للزھری: من ورث أبا طالب" زہری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا ابو طالب کا وارث کون بنا تھا؟ انہوں نے کہا **"ورث عقیل وطالب"** عقیل اور طالب وارث بنے تھے، انہوں نے ساری جائیداد پر قبضہ کیا تھا۔

روایات کے درمیان اختلاف

اوپر آپ نے دیکھا کہ یہاں جو روایت آئی ہے یہ محمد بن ابی حفصہ اس کو زہری رحمہ اللہ سے روایت کر رہے ہیں کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سوال کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، اس روایت میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے۔

لیکن دوسری روایت جو معمر نے زہری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے تو اس میں یہ ہے کہ یہ بات اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے حج کے موقع پر پوچھی تھی، یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر کہا تھا **"این تنزل غداً؟"** یعنی کہ آپ

---

۲۹ وقال الداودی: باع عقیل ما کان للنبی علیہ الصلاۃ والسلام، ولمن ھاجر من بنی عبدالمطلب، کما کانوا یفعلون بدور من ھاجر من المؤمنین، وانما أمضی رسول اللہ ﷺ تصرفات عقیل کرماً وجوداً، واما استمالۃ لعقیل، واما تصحیحاً بتصرفات الجاھلیۃ، کما انہ یصحح انکحۃ الکفار، وقالوا: فقد طالب ببدر فباع عقیل الدار کلھا. عمدۃ القاری، ج: ۹، ص: ۳۲۸

کہاں اتریں گے؟ تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا **"هل ترک لنا عقيل من منزل"**۔

معمر نے صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے نہ کہ فتح مکہ کا۔

"ولم يقل يونس حجته ولا زمن الفتح" یونس نے بھی زہری رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے انہوں نے کوئی صراحت نہیں کی کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے یا فتح مکہ کا۔

محققین میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی رحمہما اللہ نے یہ فرمایا کہ جب روایت میں تعارض ہوگیا کہ زہری کے دو شاگرد روایت کر رہے ہیں ایک معمر اور دوسرے ابن ابی حفصہ تو ان دونوں میں اوسط اور احفظ معمر ہیں، لہٰذا ان کی روایت کو ترجیح دی گئی۔ اس واسطے راجح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی نہ کہ فتح مکہ کے موقع پر فرمائی تھی۔ [30]

۴۲۸۴ ـ حدثنا أبو اليمان: حدثنا شعيب: حدثنا أبو الزناد، عن عبدالرحمٰن، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((منزلنا إن شاء الله إذا فتح الله، الخيف حيث تقاسموا على الكفر)). [راجع: ۱۵۸۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے فتح دی تو ان شاء اللہ ہمارے ٹھہرنے کی جگہ خیف ہوگی، جہاں قریش نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں۔

۴۲۸۵ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا إبراهيم بن سعد: أخبرنا ابن شهاب، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ حين أراد حنينا: ((منزلنا غدا إن شاء الله بخيف بني كنانة حيث تقاسموا على الكفر)). [راجع: ۱۵۸۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب جنگ حنین کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے، جہاں کافروں نے کفر پر باہم عہد و پیمان کیا تھا۔

خیف میں قیام

ان دونوں احادیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا "منزلنا إن

---

[30] ويبقى الاختلاف بين أبي حفصة ومعمر، ومعمر أوثق وأتقن من محمد بن أبي حفصة. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۳۰۲، وفتح الباري، ج:۸، ص:۱۵

شاء الله إذا فتح الله، الخيف" کہ ان شاء اللہ جب اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمادیں گے تو ہمارا قیام خیف میں ہوگا۔

"**خیف**" اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جو کسی پہاڑ کے دامن میں ہو لیکن عام سطح سے تھوڑی سی بلند ہو اس کو کہتے ہیں اور یہ "**خیف**" وہ جگہ ہے جس کو شعب ابی طالب کہا جاتا ہے۔

جہاں مشرکین نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کا بائیکاٹ کریں گے اور تین سال تک وہ بائیکاٹ جاری رہا اور شعب ابی طالب میں مسلمان محصور رہے فرمایا کہ ہم وہیں جا کر قیام کریں گے، یعنی خیمہ وغیرہ ڈال کر، کیونکہ گھر تو کوئی رہا نہیں ہے۔ [۱۳]

۴۲۸۶ — حدثنا يحيى بن قزعة: حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن أنس بن مالك ﷺ: أن النبي ﷺ دخل مكة يوم الفتح وعلى رأسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال: ابن خطل متعلق بأستار الكعبة، فقال: ((اقتله))، قال مالك: ولم يكن النبي ﷺ فيما نرى — والله أعلم — يومئذ محرما. [راجع: ۱۸۴۶]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن سر مبارک پر خود رکھے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے خود اتارا ہی تھا کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ ابن خطل کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے موجود ہے، آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے قتل کردو۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ بہتر جانتا ہے، لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے نبی کریم ﷺ اس روز محرم نہیں تھے۔

تشریح

حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر "**مغفر**" یعنی خود تھا، جب وہ خود اتارا تو ایک شخص نے آکر کہا کہ ابن خطل کعبے کے پردے سے لٹکا ہوا ہے۔

اس حدیث سے اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے سال داخل ہوئے

---

[۱۳] ((والخيف)) خبره وعكس بعضهم فيه، والخيف، بفتح الخاء المعجمة وسكون الياء آخر الحروف وبالفاء: ما ارتفع عن غلظ الجبل وارتفع عن مسيل الماء. قوله: ((حيث تقاسموا)) أى: تحالفوا وذلك أنهم تحالفوا على اخراج الرسول وبنى هاشم والمطلب من مكة الى الخيف، وكتبوا بينهم الصحيفة المشهورة. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۰۲

اور آپ ﷺ کے سر اقدس پر مغفر تھا۔

اس کا مطلب ہوا کہ آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے تو چونکہ ارادہ عمرے کا نہیں تھا اس لئے بغیر احرام کے آپ ﷺ تشریف لائے تھے، لیکن اس سے استدلال اس لئے تام نہیں ہوتا کہ یہ تو ایک استثناء کا واقعہ تھا اور فتح مکہ کے سال میں پورے حرم کو حلال قرار دے دیا تھا، لہٰذا اس سے استدلال تام نہیں۔ [۳۲]

ابنِ خطل کا قتل

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا لیکن چند گستاخ اور دریدہ دہن مردوں اور عورتوں کے متعلق آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دئے جائیں عبداللہ بن خطل ان چند لوگوں میں سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے جن کا خون مباح قرار دیا تھا اگر چہ وہ استارِ کعبہ کو پکڑے ہوئے ہوں۔

یعنی ویسے تو ہر ایک شخص کو امان دیا گیا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، جو اپنے گھر کا دروازہ بند رکھے گا، جو حرم میں داخل ہوگا وہ امن میں ہے، لیکن اس عام معافی اور امان سے چند افراد کو مستثنیٰ کیا تھا اور ان کے بارے میں یہ حکم فرمایا تھا کہ جہاں بھی ملے ان کو مار دو۔

انہی مجرمین میں سے ایک عبداللہ بن خطل بھی تھا، یہ شخص مسلمان ہوگیا تھا پھر حضور ﷺ نے صدقات وصول کرنے کیلئے اسکو عامل بنا کر بھیجا اور خدمت کیلئے ایک مسلمان بھی اس کے ساتھ کر دیا، اس نے خادم مسلمان کو ناحق قتل کیا پھر قصاص کے خوف سے مرتد ہوگیا اور صدقات کے جانوروں کے ساتھ مدینہ سے بھاگ کر مکہ آگیا تھا۔ یہ وہ بدبخت شخص تھا جو حضور اقدس ﷺ کی شانِ اقدس میں ہجو یہ قصیدے کہتا تھا اور اس کی دو باندیاں تھیں وہ اسی کام کے لئے رکھی ہوئی تھیں کہ ہجو یہ اشعار پڑھتی رہیں۔ **-العیاذ باللہ العلی العظیم-** [۳۳]

---

[۳۲] من ذلک أن الحدیث فیه دلالة علی جواز دخول مکة بغیر احرام. فان قلت: یحتمل أن یکون ﷺ کنا محرماً، ولکنه غطی رأسه لعذر. قلت: قد مر فی حدیث مسلم عن جابر أنه لم یکن محرماً. فان قلت: یشکل هذا من وجه آخر، وهو أنه ﷺ، کان متأهباً للقتال، ومن کان هذا شأنه جاز له الدخول بغیر احرام. عمدة القاری، کتاب جزاء الصید، باب دخول الحرم ومکة بغیر احرام، رقم: ۱۸۴۶، ج: ۱۰، ص: ۳۰۸.

وقیل: یحتمل أن یکون محرماً الا أنه لبس المغفر للضرورة، أو أنه من خواصه ﷺ. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۴۰۳

[۳۳] قوله: ((ابن خطل))، هو عبداللہ بن خطل، بفتح الخاء المعجمة والطاء المهملة، کان أسلم وارتد وقتل قتیلاً بغیر حق، وکانت له قینتان تغنیان بهجو النبی ﷺ. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۴۰۳

اس نے یہ سوچا کہ میرے لئے تو کوئی پناہ نہیں ہے، مکہ مکرمہ فتح ہو چکا، تو جا کر کعبے کے پردوں سے لٹک گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کہیں بھی لٹک جائے اس کو پکڑو اور مارو۔ چنانچہ وہاں سے اس کو گھسیٹ کر نکالا گیا، اور پھر ملتزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کو قتل کیا گیا۔

عبداللہ بن خطل کے تین جرم تھے:

ایک جرم خونِ ناحق۔

دوسرا جرم مرتد ہونا۔

تیسرا جرم آپ ﷺ کی ہجو میں شعر کہنا۔

ان تین جرم کی وجہ سے اس کا خون مباح الدم قرار دیا۔

حرم کے اندر قتل کرنے کا حکم

اس واقعے سے کچھ فقہی مسائل بھی متعلق ہیں مثلاً یہ کہ مجرم کا حرم کے اندر قتل کرنا جائز ہے یا نہیں ہے؟

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا لیکن چند لوگ اس معافی سے مستثنیٰ تھے۔

بہر حال جہاں تک حرم میں قتل کا شبہہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایات میں بات آئی ہے کہ اس دن یا اس روز صبح سے عصر تک حرم میں قتل کو حلال کر دیا گیا تھا۔ [٣٤]

نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی یا نہیں؟ اس سے توبہ کرائی جاتی ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ لیکن یہ مسئلے اپنے اپنے محل پر ان شاء اللہ آئیں گے۔ یہاں محض واقعات بیان کرنا مقصود ہے۔

سوال: ابن خطل کے قتل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ذاتی انتقام کے لئے قتل کرایا جبکہ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی ذاتی انتقام نہیں لیا؟

جواب: یہ ذاتی انتقام کا مسئلہ نہیں تھا، یہ جو کہا کہ ابن خطل حضور اقدس ﷺ کی شان میں ہجو کیا کرتا تھا،

---

[٣٤] وفی ((التوضیح)) وفیه دلالة علی أن الحرم لایعصم من القتل الواجب. قلت: انما وقع قتل ابن خطل فی الساعة التی أحل للنبی ﷺ فیها القتال بمکة وقد صرح بأن حرمتها عادت کما کانت فلم یصح الاستدلال به لما ذکره، وروی احمد من حدیث عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده: أن تلک الساعة استمرت من صبیحة یوم الفتح الی العصر. عمدة القاری، ج:١٧، ص:٣٠٣

یہ ہجو کرنا حضور اکرم ﷺ کا ذاتی مسئلہ نہیں تھا کہ اس کی بنا پر آپ نے اس کو سزا دی ہو۔

اس زمانے کا طریقہ یہ تھا کہ جیسے آج کل پروپیگنڈے کیلئے ذرائع ابلاغ، اخبارات اور دوسرے ذریعے ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ شعر تھا، کیونکہ لوگوں میں شعر وشاعری کا ذوق بہت تھا اور جب کسی شخص کے بارے میں کوئی قصیدہ کہہ دیا جاتا تھا تو وہ چار دانگ عالم میں مشہور ہو جاتا تھا۔ تو وہ پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ تھا۔

بات یہ نہیں ہے کہ اس نے حضور اقدس ﷺ کی ذات کو ہجو کا نشانہ بنایا، بلکہ بات یہ ہے کہ پورے دین کی بنیاد کے خلاف اس نے پروپیگنڈے کا ایسا بازار گرم کیا کہ جس میں حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس ہی نہیں آپ کے منصب نبوت اور آپ کے پیغمبرانہ کارناموں اور دین ومذہب سب کے خلاف پروپیگنڈہ اس کی شاعری میں شامل تھے۔ تو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی باغیانہ خیالات لوگوں میں مشہور کرلے۔ اس واسطے اس کو معاف نہیں کیا گیا۔ اگر معاف کر دیا جاتا تو پھر ایسے لوگوں کا شر وروفتنہ پورے دین اور اہل دین کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔

یہ وجہ ہے، ذاتی انتقام وجہ قتل نہیں ہے۔ باغی ہو یا نہ ہو لیکن اس نے جو کام کیا تھا وہ ضرر رساں تھا اس کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا تھا اور یہ صرف کسی ذات کی حد تک محدود نہیں ہے، یہ مطلب ہے۔ ۳۵

---

۳۵ [پیغمبر خدا ﷺ کی توقیر وتعظیم اور اس کی نصرت وحمایت تمام امت پر فرض ہے، اس کی بے حرمتی دینِ الٰہی کی بے حرمتی ہے۔ علاوہ ازیں پیغمبر کی توہین اور بے حرمتی ساری امت کی توہین اور بے حرمتی ہے۔ یہ امر اہلِ عقل پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ سب وشتم استہزاء اور تمسخر گستاخی اور دریدہ دہنی کا جرم، پیغمبر علیہ السلام کو وطنِ مقدس مکہ معظمہ سے نکال دینے کے جرم سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

سال الرشيد مالكاً في رجل شتم النبي ﷺ وذكر له أن فقهاء العراق أفتوه بجلده، فغضب مالك وقال: ((يا أمير المؤمنين ما بقاء الأمة بعد شتم نبيها؟! خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالک رحمہ اللہ سے نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا تو فرمایا کہ اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے پیغمبر کو گالیاں دی جائیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانے میں ایک نصرانی نے نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تو امام موصوف نے چھ سو صفحات کی ایک ضخیم کتاب فقط اسی موضوع پر تصنیف فرمائی اور "**الصارم المسلول على شاتم الرسول** ﷺ" اس کا نام رکھا، جس میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ اور اجماعِ صحابہ وتابعین اور تعاملِ خلفائے راشدین اور عقلی دلائل وبراہین سے شاتمِ رسول کا واجب القتل ہونا ثابت کیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا آمین۔ ماخوذ از: سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، جلد سوم، صفحہ ۴۰، **والشفاء بتعريف حقوق المصطفى، القسم الرابع في تعرف وجوه الأحكام لتنقصه او سبه عليه الصلاة والسلام، الفصل الثاني الحجة في ايجاب قتل من سبه أو عابه عليه الصلاة والسلام، ج: ۲، ص: ۲۹۲**]

سوال: آزادیٔ اظہار رائے کسی حدود وقیود کی پابند ہونی چاہیے یا نہیں؟

مثلاً اگر آج کوئی شخص کھڑا ہو کر یہ کہے کہ میرا نظریہ یہ ہے کہ جتنے دولت مند لوگ ہیں، انہوں نے ناجائز طریقے سے دولت کمائی ہے، لہٰذا ان کی ساری دولت لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کرنی چاہیے، تو اس اظہار رائے کی آزادی ہوگی؟ مغرب کا نظریہ یہ ہے کہ چھین کر کھالو، لوٹ کر کھالو تو اس طرح کی آزادی اظہار رائے کا جواز ہے یا نہیں؟

جواب: مغرب والے خود اس آزادیٔ اظہار رائے کے نظریے کو برداشت نہیں کرتے کہ اگر کوئی شخص حق بات کہے تو یہ اسکو برداشت نہیں کرتے۔

کیا ان کے جو مخالفین ہیں ان کو ان خود نام نہاد آزادیٔ اظہار رائے کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے برداشت کیا؟ مثلاً اسامہ بن لادن اور صدام حسین اور اسی طرح مغرب کی مخالفت کرنے والوں کو انہوں نے برداشت کرلیا کہ ان آزادیٔ اظہار رائے کا حق ہے چاہے وہ جس کے خلاف بھی بولیں؟

یہ سب ایسے ہی دکھاوے کی باتیں ہیں کہ اظہار رائے کی آزادی، ورنہ اظہار رائے کا حقیقت میں آزادی تو درکنار ان لوگوں نے تو رائے کو محبوس کیا ہوا ہے۔

۴۲۸۷ ۔ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا ابن عيينة، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن أبي معمر، عن عبدالله قال: دخل النبي ﷺ مكة يوم الفتح وحول البيت ستون وثلاثمائة نصب فجعل يطعنها بعود في يده ويقول: ((جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ)). [راجع: ۲۴۷۸]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بُت تھے، آپ ﷺ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کو مارتے ہوئے فرماتے تھے ”حق آگیا اور باطل ملیامیٹ ہوگیا، حق آیا اور اب باطل نہ آئے گا اور نہ دوبارہ لوٹے گا“۔

سارے بت گر گئے

اس وقت خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے اور حضور اقدس ﷺ اپنی لاٹھی ان کے اوپر مارتے تو یہ فرماتے کہ ”**جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ الخ**“ حق آگیا اور باطل ملیامیٹ ہوگیا، حق آیا اور اب باطل نہ آئے گا اور نہ دوبارہ لوٹے گا۔

اوردوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی بت کے سامنے سے تشریف لے جاتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے جس سے وہ خود ہی اوندھے منہ گر پڑتا یہاں تک کہ سارے بت گر گئے۔ ۳۶

۴۲۸۸ ـ حدثنی إسحاق: حدثنا عبد الصمد: حدثنی أبی: حدثنی أیوب، عن عکرمة، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: أن رسول اللہ ﷺ لما قدم مکة أبی أن یدخل البیت وفیه الآلهة فأمر بها فأخرجت، فأخرج صورة إبراهیم وإسماعیل فی أیدیهما من الأزلام، فقال النبی ﷺ: ((قاتلهم الله، لقد علموا ما استقسما بها قط)). ثم دخل البیت فکبر فی نواحی البیت وخرج ولم یصل فیه. تابعه معمر، عن أیوب. وقال وهیب: حدثنا أیوب، عن عکرمة عن النبی ﷺ. [راجع: ۳۹۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو کعبہ میں بُت تھے، آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہونے سے رُکے رہے، تو آپ ﷺ نے ان بتوں کے نکالنے کا حکم دیا تو انہیں نکالا گیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں نکالی گئیں، جن کے ہاتھوں میں پانسہ کے تیر تھے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ ان کافروں کو ہلاک کرے، انہیں خوب اچھی طرح معلوم ہے ان دونوں بزرگوں نے کبھی پانسہ کے تیر نہیں پھینکے، پھر آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کے گوشوں میں تکبیر کہی، اور اس میں بغیر نماز پڑھے باہر تشریف لے آئے۔ معمر نے ایوب سے اس حدیث کی متابعت کی ہے اور وہیب کہتے ہیں کہ ہم سے ایوب روایت کرتے ہیں کہ عکرمہ نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

تشریح

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فتح مکہ کے موقع پر جب کعبہ سے بتوں کو نکالا جارہا تھا تو اس میں

---

۳۶ قوله: ((یعود فی یده ویقول: جاء الحق))، فی حدیث أبی هریرة عند مسلم ((عینیه بسیة القوس)) وفی حدیث ابن عمر عند الفاکهی وصححه ابن حبان ((فیسقط الصنم ولا یمسه))، وللفاکهی والطبرانی من حدیث ابن عباس ((فلم یبق وثن استقبله الا سقط لقفاه، مع أنها کانت ثابتة بالارض، وقد شد لهم ابلیس أقدامها بالرصاص)) وفعل النبی ﷺ ذلک لاذلال الاصنام وعابدیها، ولاظهار أنها لاتنفع ولاتضر، ولاتدفع عن نفسها شیئا...عند ابن أبی شیبة من حدیث جابر نحو ابن مسعود وفیه ((فأمر بها فکبت لوجوهها)). فتح الباری، ج:۸، ص:۱۷، وعمدة القاری، ج:۱۷، ص:۴۰۲

حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں ازلام دیکھائے گئے تھے یعنی وہ تیر جن سے وہ استقسام بالازلام کیا کرتے تھے۔

تیروں کے ذریعے فال نکالنا

"الأزلام" جمع ہے **"زلم"** کی جس کے معنی ہیں بے پر کا تیر، وہ تیر جس سے کفار فال نکالتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا کہ بے پر تیروں پر لکھتے تھے اور فال نکالتے تھے، جسکا طریقہ کار یہ تھا کسی تیر پر **"افعل"** اور کسی پر **"لاتفعل"** لکھتے اور کسی تیر کو سادہ چھوڑ دیتے تھے، پھر ان تمام تیروں کو ایک ترکش میں جمع کر دیتے تھے۔

پھر جب سفر کا قصد کرتے یا شادی کا ارادہ کرتے یا اور کسی بھی بڑے کام ارادہ کرتے تو اس ترکش سے ایک تیر نکال لیتے تھے۔

اگر **"افعل"** والا تیر نکلتا تو وہ کام کرتے تھے، اور اگر **"لاتفعل"** والا تیر نکلتا تو اس کو بدفالی شمار کرتے تھے اور اس کام کو چھوڑ دیتے تھے، اور اگر کوئی سادہ تیر نکلتا تو اس کو بار بار نکالتے یہاں تک کہ کرنے کا یا نا کرنے کا تیر نکل جاتا۔ ۳۷

نبی کریم ﷺ نے فرمایا **"قاتلهم الله، لقد علموا ما استقسما بها قط"** اللہ ان کافروں کو مارے ی رہلاکت میں ڈالے یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کبھی بھی ان تیروں سے فال نہیں نکالا۔

"ثم دخل البيت فكبر في نواحي البيت الخ" ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کے مختلف گوشوں میں تکبیر فرمائی اور آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے جب کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی۔

---

۳۷ قوله: ((الأزلام)) جمع: زلم، وهى السهام التى كانوا يستقسمون بها الخير والشر، وتسمى: القداح المكتوب عليها الأمر والنهى: افعل ولا تفعل، كان الرجل منهم يضعها فى وعاء له، واذا أراد سفراً او زواجاً او امراً مهماً ادخل يده فاخرج منها زلماً فان خرج الأمر مضى لشأنه، وان خرج النهى كف عنه ولم يفعله. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۰۵

(۵۰) باب دخول النبی ﷺ من أعلی مکة

نبی کریم ﷺ کا اعلیٰ مکہ کی جانب سے داخل ہونے کا بیان

۴۲۸۹ ـ وقال اللیث: حدثنی یونس: أخبرنی نافع، عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما: أن رسول الله ﷺ أقبل یوم الفتح من أعلی مکة علی راحلته مردفا أسامة ابن زید ومعه بلال ومعه عثمان بن طلحة من الحجبة حتی أناخ فی المسجد فأمره أن یأتی بمفتاح البیت فدخل رسول الله ﷺ ومعه أسامة بن زید وبلال وعثما ن بن طلحة فمکث فیه نهارا طویلا ،ثم خرج فاستبق الناس فکان عبدالله بن عمر أول من دخل فوجد بلالا وراء الباب قائما فسأله: این صلی رسول الله ﷺ؟ فأشار له إلی المکان الذی صلی فیه. قال عبدالله: فنسیت أن أساله: کم صلی من سجدة؟. [راجع: ۳۹۷]

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ کے اوپر والے حصہ سے اپنی سواری پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھائے ہوئے تشریف لائے، آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ اور حاجب کعبہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے مسجد میں اپنی سواری کو بٹھا دیا اور عثمان بن طلحہ کو کعبہ کی چابی لانے کا حکم دیا، آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں داخل ہوگئے، اور اس میں بہت دیر تک ٹھہرے رہے، پھر آنحضرت ﷺ باہر تشریف لے آئے، اب لوگ دوڑے، سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اندر گئے، انہوں نے دروازے کے پیچھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کھڑا ہوا دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کہاں پڑھی ہے؟ تو بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ بتادی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں بلال رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔

روایات میں تطبیق

پچھلے باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت یہی ہے کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ میں جاکر نماز نہیں پڑھی لیکن حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایتیں صریح ہیں کہ آپ ﷺ نے وہاں جاکر

نماز پڑھی اوران حضرات نے وہ جگہ بھی بتائی جہاں پر نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے داخلِ بیت اللہ نماز پڑھی تھی، اصول یہ ہے کہ **"المثبت مقدم علی النافی"** یعنی مثبت کومنفی پر ترجیح حاصل ہے تو اس واسطے یہ روایت زیادہ صحیح ہے کہ آپ نے نماز پڑھی تھی۔

بیت اللہ کی پاسبانی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح کے دن اعلیٰ مکہ سے تشریف لائے آپ اپنی سواری پر سوار تھے آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھایا ہوا تھا اور آپ کے ساتھ حضرت بلال ﷺ بھی تھے اور عثمان بن طلحہ بھی تھے جو **"حجبہ"** بھی تھے۔

یہ **"حاجب"** کی جمع ہے یعنی بیت اللہ کے پاسبان۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ نے مسجد میں اپنی ناقہ کو بٹھایا اور عثمان بن طلحہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کی چابی لے کر آئیں، کیونکہ عثمان بن طلحہ اس خاندان سے تھے جس خاندان کے پاس بیت اللہ کی چابی مدت دراز سے چلی آرہی تھی، جن کو بنوشیبہ کہتے ہیں، ان سے فرمایا کہ جاؤ چابی لے کر آؤ۔

بعض روایتوں میں یہ تفصیل آئی ہے کہ حضور ﷺ انتظار کرتے رہے اور عثمان بن طلحہ چابی لینے کیلئے گھر گئے اور آنے میں بہت دیر کردی، جب چابی لیکر آئے تو پتہ چلا کہ دیر کی وجہ یہ تھی کہ بیت اللہ کی چابی ان کی ماں کے پاس رکھی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ آج اگر چابی تمہارے ہاتھ سے چلی گئی تو زندگی بھر واپس نہیں آئے گی اس واسطے تم نہ دو، گویا وہ انکے ساتھ آخر تک مزاحمت کرتی رہیں کہ چابی نہیں دینی، عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اب چابی دینی پڑے گی۔ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے، یوں وہ چابی لے کر آئے اور بیت اللہ کا دروازہ کھلا، پھر رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔

جب بیت اللہ باہر تشریف لائے اور پانی پلانے کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی ﷺ نے کہا کہ ہماری قوم سے بڑھ کر عظیم قوم کون سی ہوگی؟ ہم وہ لوگ ہیں جن میں نبوت عطاء کی گئی، اور سقایتِ زمزم (حرم میں زمزم کا پانی پلانے کی ذمہ داری) اور بیت اللہ کی پاسبانی کی سعادت بھی ہمیں حاصل ہے، اس بات کو نبی کریم ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی ﷺ نے آپ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ چابیاں ہمیں عطا کر دیجئے اب بنو ہاشم کو بیت اللہ کی پاسبانی کا منصب بھی عطا ہو جائے۔

لیکن چابی حضور اقدس ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو عطاء فرمائی اور فرمایا کہ اس چابی کو ہمیشہ کیلئے لے لو یعنی قیامت کے دن تک تمہارے ہی خاندان میں رہے گی، اور تم سے واپس نہیں لی جائے گی سوائے یہ کہ کوئی ظالم تم سے چھین لے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے بنی شیبہ! تمہیں ہمیشہ کیلئے دیتا ہوں، کسی ظالم کے سواء یہ چابی تم سے کوئی نہیں لے گا۔ [۳۸]

بعض روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت علی ؓ نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کنجی ہم کو عطاء فرما دیجئے تاکہ سقایتِ زمزم کے ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے تو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ جل شانہ نے امانت کو ان کے حق داروں کی طرف واپس لوٹانے کا حکم فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا
وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ [۳۹]

ترجمہ: (مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور چابیاں ہمیشہ کیلئے ان کے خاندان کے حوالے فرمادیں۔ اس واقعہ کے بعد عثمان بن طلحہ نے اسلام قبول کرلیا۔ [۴۰]

---

[۳۸] قوله: ((فأمره أن يأتي بمفتاح البيت)) وروى عبدالرزاق والطبراني من جهته من مرسل الزهري ((ان النبي ﷺ قال لعثمان يوم الفتح: ائتني بمفتاح الكعبة، فأبطأ عليه ورسول الله ﷺ ينتظره، حتى أنه ليتحدر منه مثل الجمان من العرق ويقول: ما يحبسه؟ فسعى اليه رجل، وجعلت المرأة التي عندها المفتاح وهي أم عثمان واسمها سلافة بنت سعيد تقول: ان أخذه منكم لا يعطيكموه أبداً، فلم يزل بها حتى أعطت المفتاح، فجاء به ففتح، ثم دخل البيت، ثم خرج فجلس عند السقاية فقال علي: انا أعطينا النبوة والسقاية والحجابة، ماقوم باعظم نصيباً منا. فكره النبي ﷺ مقالته. ثم دعا عثمان بن طلحة فدفع المفتاح اليه. وروى ابن عائذ من مرسل عبدالرحمن بن سابط أن النبي ﷺ دفع مفتاح الكعبة الى عثمان فقال خذها خالدة مخلدة، انى لم ادفعها اليكم ولكن الله دفعها اليكم، ولا ينزعها عنكم الا ظالم. فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۸، ۱۹

[۳۹] [النساء: ۵۸]

[۴۰] ومن طريق ابن جريج ان علياً قال للنبي ﷺ : اجمع لنا الحجابة والسقاية، فنزلت ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ۵۸] فدعا عثمان فقال: خذوها يابني شيبة خالدة تالدة، لاينزعها منكم الاظالم. فتح الباری، ج:۸، ص:۱۹

بنوشیبہ کا اعزاز

اسی واسطے علماء نے فرمایا کہ اس دنیا میں کسی بھی خاندان کے قیامت تک باقی رہنا یقینی کی نہیں ہے سوائے بنوشیبہ کے، یہ خاندان ایسا ہے جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے گویا خبر دے دی کہ چابی ہمیشہ اس خاندان کے پاس رہے گی، تو یہ خاندان ہمیشہ رہے گا۔

یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو عطا فرمایا ہے جو دنیا میں کسی بھی خاندان کو حاصل نہیں ہے اور آج بھی انہی کے پاس ہے۔ بادشاہ بھی اگر آئے گا تو ان سے درخواست کرے گا کہ ہمارے لئے دروازہ کھول دو، وہ اگر انکار کر دیں گے تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ ان سے کھلوا لے۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے مکہ مکرمہ میں جب بیت اللہ کی تجدید ہو رہی تھی تو سب لوگوں کو بار بار اندر حاضری کا موقع دیا جا رہا تھا، جب یہ بات امیر مکہ کی خواتین کو معلوم ہوئی تو وہ بھی آگئیں کہ یہ اچھا موقع ہے ہم بھی بیت اللہ کی اندر سے زیارت کر لیں لیکن جب وہ خواتین آئیں تو بیت اللہ کے سدان نے ان امیر مکہ کی خواتین کو منع کر دیا اور کہا کہ اگر تم داخل ہو گئیں تو نہ جانے اور کتنی خواتین بھی آئیں گی اور ہمارے لئے دشواری ہو جائے گی، بہت منت سماجت کی لیکن انہوں نے کہا کہ اس وقت چلی جاؤ پھر کسی وقت آنا۔

یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے اس بنوشیبہ کو عطا فرمایا ہوا ہے کہ بیت اللہ میں داخلہ کے لئے بادشاہ بھی ان کی خوشامد کرنے پر مجبور ہے اور اگر یہ منع کر دیں تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

"فدخل رسول اللہ ﷺ ومعه أسامة بن زيد الخ" پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ ؓ خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے، اور کعبہ میں بہت دیر تک ٹھہرے رہے، پھر آنحضرت ﷺ باہر تشریف لے آئے۔

"فاستبق الناس فكان عبداللہ بن عمر أول الخ" حضور اقدس ﷺ کے باہر نکلنے کے بعد لوگوں نے اندر داخل ہونے میں جلدی کی اور سب سے پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اندر داخل ہوئے، انہوں نے حضرت بلال ؓ کو دیکھا کہ وہ دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں تو حضرت بلال ؓ سے پوچھا **"این صلی رسول اللہ ﷺ الخ"** کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تھی؟ تو حضرت بلال ؓ نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ **"قال عبداللہ: فنسيت الخ"** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں حضرت بلال ؓ سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔

(۵۱) باب منزل النبی ﷺ یوم الفتح

فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کے اترنے کی جگہ کا بیان

۴۲۹۲ - حدثنا أبو الولید: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن ابن أبی لیلی قال: ما أخبرنا أحد أنه رأی النبی ﷺ یصلی الضحی غیر أم هانئ، فإنها ذکرت أنه یوم فتح مکة اغتسل فی بیتها، ثم صلی ثمان رکعات. قالت: لم أره صلی صلاة أخف منها غیر أنه یتم الرکوع والسجود. [راجع: ۱۱۰۳]

ترجمہ: ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ ہمیں اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا کسی نے نہیں بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے، وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں غسل فرما کر آٹھ رکعتیں نماز پڑھی، وہ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اس نماز سے ہلکی کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، مگر یہ کہ آپ ﷺ رکوع وسجود پوری طرح ادا فرما رہے تھے۔

عارضی اور مستقل قیام کی وضاحت

اس روایت میں ابنِ لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سوائے ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت علی ﷺ کی ہمشیرہ، کے کسی نے یہ بات نہیں بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے چاشت کی نماز اداء کی ہو۔

فتح مکہ کے دن حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپ ﷺ تشریف لے گئے ان کے گھر میں غسل فرما کر آٹھ رکعتیں نماز پڑھی۔

یہاں پر آپ ﷺ نے عارضی طور پر قیام فرمایا تھا ورنہ مستقل قیام تو وہی خیف کے مقام میں تھا جیسا کہ پیچھے گزرا ہے یعنی شعب ابی طالب میں۔ [۱۲]

---

[۱۲] ولا مغایرة بینهما لانه لم یقم فی بیت أم هانئ وانما نزل به حتی اغتسل وصلی ثم رجع الی حیث ضربت خیمته عند شعب ابی طالب، وهو المکان الذی حصرت فیه قریش المسلمین. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۴۰۷ و فتح الباری، ج:۸، ص:۱۹

(۵۲) باب

یہ باب بلاعنوان ہے

۴۲۹۳ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن منصور، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي ﷺ يقول في ركوعه وسجوده: ((سبحانك اللهم ربنا وبحمدك، اللهم اغفر لي)). [راجع: ۷۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع وسجود میں یہ دعاء پڑھا کرتے تھے، اے اللہ تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار ہم تیری ہی حمد بیان کرتے ہیں، اے اللہ مجھے بخش دے۔

تکمیل نعمت پر حمد واستغفار کا حکم

یہ حدیث یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے مختصر بیان کی ہے، کتاب التفسیر میں مکمل بیان کی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ پر سورۃ النصر یعنی ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ الخ﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ ہر نماز میں یہ دعاء پڑھتے تھے:

"سبحانك اللهم ربنا وبحمدك، اللهم اغفر لي"

اے اللہ تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار ہم تیری ہی حمد بیان کرتے ہیں، اے اللہ مجھے بخش دے۔

اس میں اللہ جل شانہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے رب کی حمد بیان کریں اور استغفار کریں، اور یہ سورت قرآن کی سب سے آخری سورت ہے یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی۔

بعض آیات کا نزول اسکے منافی نہیں، یہ سورت اخیر زمانہ یعنی فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور حضور اقدس ﷺ کا رکوع اور سجدہ میں یہ دعاء پڑھنا حق تعالیٰ کے اسی حکم کی بجا آوری اور تعمیل تھی۔ [۴۲]

۴۲۹۴ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان عمر يدخلني مع أشياخ بدر فقال بعضهم: لم تدخل هذا الفتى معنا ولنا أبناء مثله؟ فقال: إنه ممن قد علمتم فدعاهم ذات يوم ودعاني

---

[۴۲] عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۴۰۸

معهم قال: وما أريته دعاني يومئذ إلا ليريهم مني، فقال: ما تقولون في ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا﴾؟ حتى ختم السورة، فقال بعضهم: أمرنا أن نحمد الله ونستغفره إذا نصرنا وفتح علينا. وقال بعضهم: لا ندري، ولم يقل بعضهم شيئا. فقال لي: ياابن عباس، أكذاك تقول؟ قلت لا، قال: فما تقول؟ قلت: هو أجل رسول الله ﷺ أعلمه الله له ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ فتح مكة فذاك علامة أجلك ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ قال عمر: ما أعلم منها ألا ما تعلم. [راجع: ۳۶۲۷]

نزولِ سورت؛ فتح کی علامت یا وفات کی خبر؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ مجھے مشائخ بدر کے ساتھ بٹھاتے تھے، تو بعض نے ان میں سے کہا کہ آپ اس لڑکے کو جس کے برابر ہماری اولاد ہے، ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ پھر آپ لوگ ابن عباس کو کن لوگوں میں سے سمجھتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر ایک دن انہیں اوران کے ساتھ مجھے جہاں تک میں سمجھتا ہوں، صرف اس لئے بلایا کہ انہیں میری طرف سے (علمی کمال) دکھادیں، چنانچہ حضرت عمر ﷺ نے ان لوگوں سے کہا کہ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ الخ﴾ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بعض نے کہا جب اللہ ہماری مدد کرے، اور فتح عطا فرمائے، تو اس نے ہمیں حمد و استغفار کا حکم دیا ہے، بعض نے کہا ہمیں معلوم نہیں، بعض نے کچھ بھی نہیں کہا، تو حضرت عمر ﷺ نے مجھ سے کہا اے ابن عباس! کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہوئی تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وفات کی خبر دی ہے، تو فتح مکہ آپ ﷺ کی وفات کی علامت ہے، ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کیجئے اور استغفار کیجئے، اللہ قبول کرنے والا ہے، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے جو تمہارا ہے۔

تشریح

ان دونوں حدیثوں کا تعلق بظاہر فتح مکہ سے نظر نہیں آرہا، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے پیش نظر یہ بات ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تھی تو آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ اپنے رب کی حمد وثناء بیان کریں اور استغفار

کریں، تو اس کو بتا رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کس طرح اس پر عمل کیا ۔

۴۲۹۵ ۔ حدثنا سعيد بن شرجيل: حدثنا الليث، عن المقبرى، عن أبى شريح العدوى: أنه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث إلى مكة: ائذن لى أيها الأمير أحدثك قولا قام به رسول الله ﷺ الغد من يوم الفتح، سمعته أذناى ووعاه قلبى وأبصرته عيناى حين تكلم به. أنه حمد الله وأثنى عليه ثم قال: ((إن مكة حرمها الله، ولم يحرمها الناس. لا يحل لأمرى يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دما ولا يعضد بها شجرا، فإن أحد ترخص لقتال رسول الله ﷺ فيها فقولوا له: إن الله أذن لرسوله ولم يأذن لكم، وإنما أذن له فيه ساعة من نهار وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس، وليبلغ الشاهد الغائب)) فقيل لأبى شريح: ماذا قال لك عمرو؟ قال: قال: أنا أعلم بذلك منك يا أبا شريح، إن الحرم لايعيذ عاصيا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة.

قال ابو عبد الله: الحزبة: البلية. [راجع: ۱۰۴]

ترجمہ: حضرت ابو شریح عدوی ﷺ نے عمرو بن سعید سے جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا، تو کہا اے امیر! مجھے اجازت دیدیجئے کہ میں آپ سے رسول اللہ ﷺ کا وہ قول جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا تھا آپ سے بیان کروں، وہ بات میرے کانوں نے سنی، دل نے محفوظ رکھی، اور جب آپ ﷺ وہ بات فرمارہے تھے تو آپ کو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا اللہ نے مکہ کو حرم بنایا ہے، لوگوں نے نہیں بنایا ہے، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے مکہ میں خون ریزی کرنا اور مکہ کے درخت کاٹنا جائز نہیں، اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے فتح مکہ کے دن قتال سے استدلال کرے تو تم اسے یہ جواب دیدو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی صرف تھوڑی دیر کے لئے اجازت دی تھی، پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ آئی جیسے کل تھی، اور یہ بات موجود لوگ غیر موجود لوگوں تک پہنچادیں، ابو شریح سے پوچھا گیا کہ پھر عمرو نے آپ سے کیا کہا؟ انہوں نے کہا کہ عمرو نے یہ جواب دیا کہ اے ابو شریح! اس بات کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، لیکن حرم کسی گناہ گار، قاتل اور مفسد کو پناہ نہیں دیتا ہے۔

ابو شریح ﷺ کی نصیحت کا پس منظر

اس روایت میں حضرت ابو شریح عدوی ﷺ فرماتے ہیں کہ انہوں عمرو بن سعید سے بات کرنے کی اجازت چاہی، جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت امیر معاویہ ﷺ کے انتقال کے بعد یزید بن معاویہ کی حکومت قائم ہوگئی تھی، یزید کے ہاتھ پر ایک تو حضرت حسین بن علی ﷺ نے بیعت نہیں کی تھی جس کا واقعہ مشہور و معروف ہے، اور دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت نہیں کی تھی اور مکہ مکرمہ اور بعض دوسرے شہروں میں ان کی خلافت قائم ہوگئی تھی۔

یزید کو اس بات پر بڑا غصہ آیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ میں اپنی حکومت قائم کر لی ہے: چنانچہ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مقابلہ کرنے کیلئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا اور مختلف جگہوں پر اس کے جو عمال تھے ان سے کہا کہ وہ سب اپنی اپنی طرف سے فوجیں بھیجیں تاکہ وہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر حملہ آور ہوں۔

عمرو بن سعید مدینہ منورہ میں یزید کی طرف سے حاکم تھا، چنانچہ اس کو بھی حکم دیا کہ تم بھی عبداللہ بن زبیر پر چڑھائی کرنے کیلئے اپنے یہاں سے مکہ مکرمہ کی طرف فوج روانہ کرو۔

جس وقت یزید کی طرف سے عمرو بن سعید مکہ مکرمہ کی طرف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑائی کیلئے لشکر بھیج رہا تھا، اس وقت ابوشریح نے اس سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔ [۴۳]

سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا انداز

حضرت ابوشریح عدوی ﷺ نے عمرو بن سعید سے کہا **"ائذن لی ایها الأمیر احدثک قول الخ"** اے امیر ذرا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے رسول اللہ ﷺ کا وہ قول جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا تھا بیان کروں۔

دیکھو! ابوشریح ﷺ یہاں ایک ایسے حکمران کو نصیحت کرنا چاہتے ہیں جس کو وہ باطل پر اور غلط کار سمجھ رہے ہیں لیکن کیا طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے خطاب کیا، اے امیر! اجازت دیجئے کہ میں آپ کو وہ حدیث سناؤں جو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمائی تھی۔

تو معلوم ہوا **"کلمة حق عند سلطان جائر"** اس کے معنی یہ نہیں کہ کلمۂ حق کو ایک لٹھ بنا کر سر پر مار دو یا اس کا بڑا سا پتھر اٹھا کر پھینک دو بلکہ معنی یہ ہیں کہ حکمت و مصلحت سے اور نرم بات سے حتی الامکان کام لیتے ہوئے اس کو نصیحت کی جائے۔

---

[۴۳] عمدة القاری، کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب، ج:۲، ص:۲۱۰، و کتاب المغازی، ج:۱۷، ص:۲۱۰

دعوت وتبلیغ کا اسلوب و انداز

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو کیا فرمایا؟

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾

ترجمہ: جا کر دونوں اُس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے، یا (اللہ سے) ڈر جائے۔

فرماتے تھے کہ تم موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ بڑے مصلح نہیں ہو سکتے اور تمہارا مقابل فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہو سکتا، پھر بھی ارشاد ہے **قولا لینا**۔ [۴۴]

لہٰذا یہ جو طریقہ ہے کہ گالی دے دینا، برا بھلا کہہ دینا، فقرے کس دینا، طعن آمیز جملے کہہ دینا، یہ اپنے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے تو صحیح ہے کہ لوگوں میں واہ واہ ہو جائے کہ یہ بہت بڑا مجاہد ہے، جس نے حکمران کو للکارا اور اس کو برا بھلا کہا اور اس کو اتنی گالیاں دیں اور اتنی کھری کھری سنائیں، اپنے لوگوں میں تو یہ تعریف اور شہرت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

لیکن مقصود اللہ جل جلالہ کو راضی کرنا ہے، تو پھر پیغمبرانہ طریقہ یہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ پیغمبروں کا طریقہ تھا کہ وہ "**کلمة حق عند سلطان جائر**" ضرور ہے لیکن کلمۂ حق، حق طریقے سے، حق نیت سے ہو، اس کیلئے کوئی لٹھ مارنا ضروری نہیں ہے۔ [۴۵]

چنانچہ حدیث میں صراحتاً فرمایا ہے کہ بادشاہ کو سرِ عام رُسوا نہ کرو، مجمع الزوائد میں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "**من أراد أن ينصح لذي سلطان بأمر فلا يبدله علانية، ولكن يأخذ بيده فيخلوا به، فإن قبل منه فذاك، وإلا كان قد أدى الذي عليه**". [۴۶]

---

[۴۴] لأن الله تعالىٰ قال لموسىٰ وهارون ﴿فقولا له قولاً لينا﴾ [طه: ۴۴] فالقائل ليس بأفضل من موسىٰ وهارون والفاجر ليس بأخبث من فرعون وقد أمرهما الله تعالىٰ باللين الخ تفسير القرطبي، ج: ۲، ص: ۱۶، القاهرة ۱۳۷۲ھ

[۴۵] سنن الترمذي، باب ماجاء أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر، رقم: ۲۱۷۴

[۴۶] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الخلافة، باب النصيحة للأئمة وكيفيتها، رقم: ۹۱۶۱، ج: ۵، ص: ۲۲۹

یعنی جب تم نے کسی صاحب اقتدار کو نصیحت کرنی ہو تو اس کو علانیہ رسوانہ کرو بلکہ اس کو تنہائی میں لے جا کر نصیحت کرو۔

تو کسی کی تذلیل مقصود نہیں، اپنا سکہ جمانا مقصود نہیں، اپنی بہادری دکھانا مقصود نہیں، بلکہ مقصود اللہ جل جلالہ کی رضا اور اللہ جل جلالہ کے دین کیلئے جو صورت زیادہ مفید اور مصلحت پر مبنی ہو اس کو اختیار کرنا ہے، اور آج لوگ اس پیغمبرانہ طریقہ دعوت سے غافل ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر نفع نہیں ہوتا۔

اپنی، اپنے حامیوں میں واہ واہ ہو جاتی ہے کہ کیا شاندار تقریر کی، خوب لتاڑا وغیرہ وغیرہ، لیکن نفع نہیں ہوتا، اس لئے دیکھو مقصود اپنے لوگوں کو خوش کرنا ہے یا اللہ کو راضی کرنا ہے۔

اس کیلئے دیکھو کہ کہاں کیا طریقہ ہے؟ بعض جگہ سختی کی ضرورت بھی پیش آتی ہے لیکن وہ سختی بھی اللہ کیلئے ہونی چاہیے اور اس وقت ہونی چاہیے جب دین کی مصلحت کا تقاضا ہو، جہاں دین کی مصلحت کا تقاضا یہ نہیں ہے بلکہ آدمی کو یہ خیال ہے کہ یہاں پر نرم طریقہ سے بات کرنا ہی فائدہ مند ہے اس سے میں کچھ کام نکال سکتا ہوں اور عام اسلوب نرمی ہی کا ہونا چاہئے، سختی بوقت شدید ضرورت کے ہو اور شدید ضرورت بھی بقدر ضرورت ہو ورنہ عام اصول یہی ہے کہ نرمی سے بات کرو۔

صحابۂ کرام ﷺ کے دعوت و تبلیغ اور نصیحت کے طریقۂ کار پر غور کرنا چاہیے کہ کس انداز میں کہہ رہے ہیں کہ **"ائذن لی ایھا الامیر"** اے امیر ذرا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو حدیث سناؤں۔

اور یہ شخص کون ہے جس سے صحابیٔ رسول ابو شریح عدوی ﷺ اجازت مانگ رہے ہیں؟

وہ ہے عمرو بن سعید جو یزید کی طرف سے مدینہ کا گورنر ہے، ایک بدنام شخص جس کا ابن حزمؒ نے لقب **لئیم الشیطان** رکھ دیا تھا تو یہ اپنے زمانے میں بدنام تھا۔ [۲۷]

علامہ بدر عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمرو بن سعید صحابی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اچھا تابعی ہے۔ [۲۸]

---

[۲۷] وقد شنع علیہ ابن حزم فی ذلک فی ((المحلی)) فی کتاب الجنایات، فقال: لا کرامة للئیم الشیطان الشرطی الفاسق، یرید ان یکون أعلم من صاحب رسول اللہ ﷺ، وھذا الفاسق ھو العاصی للہ ولرسولہ ومن ولاہ أو قلدہ، وما حاصل الخزی فی الدنیا والآخرة الآھو ومن أمرہ وصوب قولہ، وکان ابن حزم انما ذکر ذلک لأن عمراً ذکر ذلک عن اعتقادہ فی ابن الزبیر رضی اللہ عنھما. عمدة القاری، ج:۲، ص:۲۱۱

[۲۸] قولہ: ((لعمرو بن سعید)) أی: ابن العاص بن سعید العاص بن أمیة القرشی الأموی، یعرف بالأشدق ولیست لہ صحبة ولا من التابعین باحسان. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۱۰

اس بدنام حکمران سے بھی جب خطاب کرنے کی نوبت آئی تو کیا کہا کہ "**ائذن لی ایھا الامیر**" دیکھو دل پر کتنا اثر انداز ہونے والا انداز اختیار فرمایا "**أحدثک قولا قام به رسول اللہ ﷺ الغد من یوم الفتح**" میں آپ کو وہ ارشاد سناتا ہوں جو نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے اگلے دن ارشاد فرمایا تھا۔

"**سمعته أذنای ووعاہ قلبی الخ**" دیکھو دل سے بات نکل رہی ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کو میرے کانوں نے سنا، دل نے یاد رکھا، میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں جب آپ یہ ارشاد فرمارہے تھے۔

"**أنه حمد اللہ واثنی علیه ثم قال: إن مکة حرمها اللہ الخ**" آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا اللہ نے مکہ کو حرم بنایا ہے، لوگوں نے نہیں بنایا ہے یعنی اگر لوگوں نے بنایا ہو تو جب دل چاہے اس پر عمل کرلیں اور جب دل چاہے اپنی مرضی سے اس کو چھوڑ دیں، پھر آگے فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے مکہ میں خون ریزی کرنا اور مکہ کے درخت کاٹنا جائز نہیں۔

"**فإن أحد ترخص لقتال رسول اللہ ﷺ فیها الخ**" اگر کوئی شخص یہ رخصت حاصل کرنا چاہے اور رسول اللہ ﷺ کے فتح مکہ کے دن قتال سے استدلال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کردیا تھا، تو اس کو جواب میں کہہ دو "**إن اللہ أذن لرسوله ولم یأذن لکم**" اللہ نے اس روز صرف اپنے رسول کے لئے حلال کیا تھا تمہارے لئے حلال نہیں کیا ہے۔

"**وإنما أذن له فیه ساعة من نهار وقد الخ**" اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی صرف تھوڑی دیر کے لئے اجازت دی تھی، پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ آئی جیسے کل تھی، اور یہ بات موجود لوگ غیر موجود لوگوں تک پہنچادیں یعنی آنے والے لوگوں تک بھی پہنچادیں۔

"**فقیل لأبی شریح :ماذا قال الخ**" حضرت ابوشریح ؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے اس حدیث سنانے کے بعد جواب میں عمرو بن سعید نے کیا کہا؟

"**قال: أنا أعلم بذلک الخ**" حضرت ابوشریح عدوی ؓ نے فرمایا کہ عمرو بن سعید نے یہ جواب دیا کہ اے ابوشریح! اس بات کا مجھے آپ سے زیادہ پتہ ہے یعنی حرم کی حرمت کے مسئلہ کے بارے میں پتہ ہے کہ "**إن الحرم لا یعیذ عاصیا ولا فارا بدم الخ**" حرم کسی نافرمان کو یا کسی باغی کو پناہ نہیں دیتا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو جو کسی کا خون کرکے بھاگ گیا ہو اور جو کوئی تخریبی کاروائی کرکے بھاگ گیا ہو اس کو پناہ نہیں دیتا اس واسطے ہم جارہے ہیں تو کوئی غلطی نہیں کررہے۔

ایک صاحب فرمانے لگے کہ دیکھو آپ تو یہ کہہ رہے تھے کہ نرمی سے بات کرنی چاہیے اور نرمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جواب ماننے کے بجائے کہا کہ میں مسئلہ زیادہ جانتا ہوں اور حرم کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا۔ آپ کی نرمی کا تو یہ نتیجہ نکلا، لہٰذا سختی اختیار کرنی چاہئے، پتھر مارنا چاہیے۔

یہ کلمہ حق کہنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے ہے اور تم اس کے مکلف ہو یا اس کلمہ حق کے نتائج کے مکلف ہو؟ ہم کہنے کے مکلف ہیں نتائج کے نہیں، آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تمہارے کہنے کے نتیجے میں اس نے مانا کیوں نہیں۔

لست علیھم بمصیطر – تمہارا کام کیا ہے؟ بندہ کا کام یہ ہے کہ دعوت پہنچائے، امالہ کی کوشش کرے نہ کہ ازالہ کی کہ اس پر داروغہ بن کر مسلط ہو۔

الماعلی رسولنا البلاغ المبین – حق بات پہنچا دینا، حق نیت سے، حق طریقے سے حق بات پہنچا دینا، یہ اصل مقصد ہے۔

دعوت میں مؤثر حکمتِ بالغہ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بڑی پیاری بلیغ بات فرمایا کرتے تھے کہ اگر حق بات ہو، حق طریقے اور حق نیت سے پہنچائی جائے تو کبھی مضر نہیں ہوتی، جہاں کہیں دیکھو کہ فتنہ پیدا ہوا تو حق نہیں تھا، یا بات حق تھی مگر نیت حق نہیں تھی، نیت اللہ کو راضی کرنے کے بجائے مخلوق کو راضی کرنا تھا، یا طریقہ حق نہ تھا کہ پیغمبرانہ طریقہ نہیں تھا تو تب وہ مضر ہوتی ہے لیکن جہاں یہ ہو تو مضر نہیں ہوتی۔

ٹھیک ہے ہوسکتا ہے نہیں مانا فرعون نے بھی نہیں مانا تھا، اللہ کو بھی پتہ تھا کہ یہ نہیں مانے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کہہ رہے تھے ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ تو اللہ کو پتہ تھا کہ یہ مانے گا نہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ یہ مانے گا نہیں لہذا تم جا کر لٹھ برسانا بلکہ یہ کہا کہ تم اپنا کام کرو یعنی نرم انداز میں بات کرو، اور یہ بات اپنے ذہن میں رکھو کہ شاید نصیحت مان لے لیکن نتائج اللہ کے اختیار میں ہیں اس کو چھوڑ دو، طریقہ اپنی طرف سے حق اختیار کرو۔

حرم میں پناہ کا مسئلہ اور اختلاف ائمہ

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ حرم اس کو پناہ نہیں دے گا، تو اس کو حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جائے کہ وہ خود بخود نکلنے پر

مجبور ہو جائے اور جب وہ نکل جائے تو پھر اس سے قصاص لیا جائے ۔ ۹؎

(۵۳) باب مقام النبی ﷺ بمكة زمن الفتح
نبی کریم ﷺ کا فتح کے وقت مکہ میں ٹھہرنے کا بیان

۴۲۹۷ ۔ حدثنا أبو نعيم: حدثنا سفيان ح وحدثنا قبيصة قال: حدثنا سفيان، عن يحيى بن أبي إسحاق، عن أنس ﷺ قال: أقمنا مع النبي ﷺ عشرا نقصر الصلاة. [راجع: ۱۰۸۱]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس روز تک مکہ میں ٹھہرے رہے، اور نماز قصر کرتے رہے۔

۴۲۹۸ ۔ حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله قال: أخبرنا عاصم، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أقام النبي ﷺ بمكة تسعة عشر يوما يصلي ركعتين. [راجع: ۱۰۸۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں انیس دن ٹھہرے، دو ہی رکعتیں پڑھتے تھے۔

۴۲۹۹ ۔ حدثنا أحمد بن يونس: حدثنا أبو شهاب، عن عاصم، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أقمنا مع النبي ﷺ في سفر تسع عشرة نقصر الصلاة. وقال ابن عباس: ونحن نقصر ما بيننا وبين تسع عشرة فإذا زدنا أتممنا. [راجع: ۱۰۸۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ بحالت سفر انیس روز ٹھہرے کہ نماز قصر ادا کرتے تھے، ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم نے انیس دن کے درمیان نماز قصر ہی پڑھی، اگر اور زیادہ ٹھہرتے تو پوری پڑھتے۔

۹؎ مزید دلائل اور مفصل بحث کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج:۲، ص: ۱۶۹، کتاب العلم، رقم: ۱۰۴، وانعام الباری، ج:۵، ص: ۴۲۸، رقم: ۱۸۳۲

روایات میں تعارض کا جواب

حضرت انس بن مالک ﷺ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں دس دن قیام فرمایا اور جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں روایتوں میں یہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں انیس دن قیام فرمایا، درحقیقت یہ دونوں روایتیں الگ الگ ہیں۔

حضرت انس ﷺ کی روایت کہ دس دن قیام فرمایا، یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات جن میں انیس دن کا قیام کا ذکر ہے، یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔

قصر کی وجہ یہ ہے کہ مکمل پندرہ دن رکنے کا ارادہ نہیں تھا جب تک ارادہ نہ ہو تو آدمی جتنے دن قیام رہے وہ قصر کر سکتا ہے۔ [۵۰]

(۵۴) باب

یہ باب ترجمۃ الباب سے خالی ہے

اس باب کا کوئی ترجمہ قائم نہیں کیا ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ فتح مکہ میں جو حضرات شامل تھے ان کے بارے میں جو روایتیں آ رہی ہیں وہ بیان کی ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ فلاں آدمی فتح مکہ کے سفر میں شامل تھا۔

۴۳۰۰ ۔ وقال الليث حدثني يونس عن ابن شهاب : أخبرني عبدالله بن ثعلبة ابن صعير، وكان النبي ﷺ قدمسح وجهه عام الفتح. [انظر : ۶۳۵۶]

ترجمہ: ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر ﷺ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا، بطور شفقت۔

۴۳۰۱ ۔ حدثني ابراهيم بن موسى : أخبرنا هشام، عن معمر، عن الزهري، عن سنين أبي جميلة قال: أخبرنا ونحن مع ابن المسيب قال: وزعم أبو جميلة انه أدرك النبي ﷺ وخرج معه عام الفتح.

---

[۵۰] ان احادیث میں تین مسئلہ پر گفتگو ہے یعنی مدتِ قصر، مسافتِ قصر اور قصر عزیمت ہے یا رُخصت، اس پر مزید مدلل اور مفصل بحث کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب تقصير الصلوة، ج:۴، ص: ۲۶۷

ترجمہ: زہری بیان کرتے ہیں کہ جب ہم سے ابو جمیلہ ﷺ نے حدیث بیان کی تو ہم سعید بن مسیب کے ساتھ تھے، کہتے ہیں کہ ابو جمیلہ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت پائی اور فتح کے سال آپ ﷺ کے ہمراہ نکلے۔

۴۳۰۲ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن أبي قلابة، عن عمرو بن سلمة قال: قال لي أبو قلابة: ألا تلقاه فتسأله؟ قال: فلقيته فسألته فقال: كنا بماء ممر الناس وكان يمر بنا الركبان فنسألهم: ما للناس؟ ما للناس؟ ما هذا الرجل؟ فيقولون: يزعم أن الله أرسله، أوحى إليه، أوحى الله بكذا. فكنت أحفظ ذاك الكلام فكأنما يقرأ في صدري وكانت العرب تلوم بإسلامهم الفتح فيقولون: اتركوه وقومه فإنه إن ظهر عليهم فهو نبي صادق. فلما كانت وقعة أهل الفتح بادر كل قوم بإسلامهم وبدر أبي قومي بإسلامهم فلما قدم قال: جئتكم والله من عند النبي ﷺ حقا. فقال: ((صلوا صلاة كذا في حين كذا وصلوا صلاة كذا في حين كذا. فإذا حضرت الصلاة فليؤذن أحدكم وليؤمكم أكثركم قرآنا)). فنظروا فلم يكن أحد أكثر قرآنا مني لما كنت أتلقى من الركبان فقدموني بين أيديهم وأنا ابن ست أو سبع سنين وكانت علي بردة كنت إذا سجدت تقلصت عني، فقالت امرأة من الحي: ألا تغطون عنا است قارئكم؟ فاشتروا فقطعوا لي قميصا فما فرحت بشيء فرحي بذلك القميص. [۵۱]

ترجمہ: حضرت عمرو بن سلمہ سے مروی ہے، ایوب کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو قلابہ نے کہا کہ آپ عمرو بن سلمہ سے مل کر کیوں نہیں پوچھتے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں ان سے ملا، اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک چشمہ پر جہاں لوگوں کی گزرگاہ تھی، رہتے تھے، ہمارے پاس سے قافلے گزرتے تھے، تو ہم ان قافلوں سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اور آدمی (نبی کریم ﷺ) کی کیا حالت ہے؟ تو وہ جواب دیتے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، جس کی طرف وحی ہوتی ہے، یا یہ کہا کہ اللہ اسے وحی بھیجتا ہے۔ میں وہ کلام یاد کرلیا کرتا، گویا وہ میرے سینہ میں محفوظ ہے، اہل عرب اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کا انتظار کرتے تھے، اور یہ کہتے

---

[۵۱] وفي سنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب من احب بالامامة، رقم: ۵۸۵، وسنن النسائي، كتاب الأذان، باب اجتزاء المرء باذان غيره في الحضر، رقم: ۶۳۲، وكتاب القبلة، باب الصلاة في الازار، رقم: ۷۶۶، وكتاب الامامة، باب امامة الغلام قبل ابن يحتلم، رقم: ۷۸۹، ومسند أحمد، باب حديث عمرو بن سلمي، رقم: ۲۰۳۳۳، ۲۰۳۳۴، ۲۰۶۸۵

تھے کہ ان کو (یعنی رسول اللہ) اور ان کی قوم (قریش) کو چھوڑ دو، اگر وہ غالب آ گئے تو وہ سچے نبی ہیں۔ چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں سبقت کی، اور میرے والد بھی اپنی قوم کے مسلمان ہونے میں، جلدی کرنے لگے اور جب واپس آئے تو کہا اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس نبی برحق ﷺ کے پاس سے آیا ہوں، انہوں نے فرمایا ہے کہ فلاں فلاں وقت، ایسے ایسے نماز پڑھو۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو ایک آدمی اذان کہے، اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امام بنے۔ چونکہ میں قافلہ والوں سے قرآن سیکھ کر یاد کر لیتا تھا، اس لئے ان میں سے کسی کو بھی مجھ سے زیادہ قرآن یاد نہ تھا، میں چھ یا سات سال کا تھا کہ انہوں نے مجھے امامت کیلئے آگے بڑھا دیا، اور میرے جسم پر ایک چادر تھی، میں سجدہ کرتا تو وہ اوپر چڑھ جاتی، تو قبیلہ کی ایک عورت نے کہا تم اپنے قاری کے سرین ہم سے کیوں نہیں چھپاتے؟ تو انہوں نے کپڑا خرید کر میرے لئے ایک قمیص بنا دی، میں اتنا کسی چیز سے خوش نہیں ہوا جتنا اس قمیص سے۔

نمودِ حق کے متلاشی

حضرت عمرو بن سلمہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو قلابہ نے کہا کہ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ چلو آؤ جا کر ذرا عمرو بن سلمہ سے ملاقات کریں اور ان سے پوچھیں کہ ان کا کیا قصہ ہوا تھا

ہم نے ان سے پوچھا کہ کیا واقعہ تھا، کس طرح آپ مسلمان ہوئے تھے؟

"فقال: کنا بماء ممر الخ" انہوں نے کہا کہ ہم ایک ایسے کنویں کے پاس رہتے تھے کہ جو لوگوں کی گزرگاہ تھا مختلف قافلے ہمارے پاس سے گزرا کرتے تھے تو ہم ان سے پوچھتے تھے، **"فنسألهم ماللناس؟ ماللناس؟ الخ"** لوگوں کی خبریں معلوم کیا کرتے تھے جہاں سے قافلہ آتا اس سے معلومات کرتے تھے، پوچھتے تھے کہ یہ آدمی جس کی مکہ مکرمہ میں شہرت ہو رہی ہے اور جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے یہ کیسے آدمی ہیں؟ یعنی نبی کریم کے احوال لیا کرتے تھے۔

وہ کہتے تھے کہ **"یزعم ان اللہ أرسلہ الخ"** وہ شخص یعنی نبی کریم ﷺ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بھیجا ہے، جن کی طرف وحی ہوتی ہے، یا یہ کہ اللہ انہیں وحی بھیجتا ہے اور فلاں وحی نازل کی ہے، **"فکنت احفظ ذاک الکلام الخ"** میں وہ آیتیں جو قافلے والے بتاتے تھے ان کو یاد کر لیا کرتا تھا تو وہ ایسا ہو جاتی تھیں کہ جیسے میرے سینے میں پڑھی جا رہی ہوں۔

مطلب یہ کہ سینے میں محفوظ ہو جاتی تھی تو گویا وہ پڑھی جا رہی ہوں۔

بعض روایتوں میں ہے "یقر" جیسا کہ وہ میرے سینے میں قرار پا گئی ہوں۔

بعض روایتوں میں ہے **"فکانما یقرأ فی صدری"** تو اس کے معنی بھی وہی ہیں جمع کرنے کے **"قرأ یقر ۔ تقریئا"** کے معنی جمع کرنا گویا وہ میرے سینے میں جا کر جمع ہو رہی ہیں۔

"وکانت العرب تلوم الخ" اور اہل عرب اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کا انتظار کرتے تھے۔

"تلوم ۔ یتلوم" کے معنی ہیں انتظار کرنا۔ [۵۲]

یہ مطلب ہے کہ مختلف قبائل عرب تھے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر مکہ فتح ہوگیا تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر مکہ فتح نہ ہوا تو مسلمان ہونے کا ارادہ نہیں تھا اس لئے وہ انتظار میں تھے کہ مکہ فتح ہو یا اس وجہ سے کہ ان میں سے بعض وہ تھے جو محض طاقت اور ڈنڈے کے پجاری تھے اور پھر مرتد ہو گئے تھے اور بعض اس وجہ سے کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ نبی کا غلبہ ہو جانا یہ ان کے صدق نبوت کی دلیل ہوگا۔

"فیقولون: اترکوہ وقومہ فانہ ان الخ" لہٰذا قبائل عرب یہ کہتے تھے کہ ان کو یعنی رسول اللہ ﷺ اور ان کی قوم قریش کو ابھی انکے حال پر چھوڑ دو ہم ابھی بیچ میں دخل نہیں دیتے، حضور اقدس ﷺ اگر قریش پر غالب آ گئے اور ان پر فتح یاب ہو گئے تو وہ سچے نبی ہیں۔

"فلما کانت وقعۃ أھل الفتح الخ" جب فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قوم آ کر جلدی جلدی مسلمان ہونے لگی، **"وبدر أبی قومی الخ"** اور میرے والد بھی اپنی قوم کے مسلمان ہونے میں، جلدی کرنے لگے اور اسلام میں سبقت لے گئے، یعنی ابھی میری قوم مسلمان نہیں ہوئی تھی کہ میرے والد پہلے چلے گئے اور حضور ﷺ کے پاس جا کر مسلمان ہو گئے۔

"فلما قدم قال: جئتکم واللہ الخ" اور جب وہ وہاں سے واپس آ گئے یعنی حضور ﷺ کے پاس اسلام قبول کر کے واپس آئے تو آ کر کہا کہ اللہ کی قسم! میں ایسے نبی کے پاس سے ہو کر آیا ہوں جو سچے اور برحق نبی ہیں، **"فقال: صلوا صلواۃ کذا الخ"** انہوں نے فرمایا ہے کہ فلاں فلاں وقت، ایسے ایسے نماز پڑھو یعنی نمازوں کے اوقات بیان فرمائے اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔

"فاذاحضرت الصلاۃ الخ" اور جب نماز کا وقت آ جائے تو ایک آدمی اذان کہے، **"ولیؤ کم أکثر کم الخ"** اور یہ فرمایا کہ تمہاری امامت وہ کریں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو جب انہوں نے آ کر یہ حکم سنایا۔

"فنظروا فلم یکن أحداً الخ" تو انہوں نے دیکھا کہ ہمارے علاقے میں کس کو قرآن زیادہ یاد ہے، سب سے زیادہ قرآن مجھ کو یاد تھا اور مجھ سے زیادہ قرآن کسی کو بھی نہیں یاد آتا تھا۔

---

[۵۲] ((تلوم)) بفتح التاء المثناۃ من فوق وفتح اللام وتشدید الواو: وأصلہ تتلوم، فحذفت احدی التاء ین ومعناہ: تنتظر. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۳۱۴

"لما کنت ألتقي من الركبان الخ" مجھے سب سے زیادہ قرآن اس وجہ سے یاد تھا کیونکہ میں قافلہ والوں سے قرآن سیکھ کر اس کو یاد کر لیتا۔

"فقدموني بين ايديهم وأنا الخ" حالانکہ میں چھ یا سات سال کا بچہ تھا کہ انہوں نے مجھے امامت کے لئے آگے بڑھا دیا اور مجھے امام بنا دیا، **"وكانت على بردة كنت الخ"** اس وقت میرے پاس ایک چادر ہوتی تھی وہی سارے جسم پر پہنے رہتا تھا، جب سجدے میں جاتا تو وہ مجھ سے ہٹ جاتی تھی اور میرے جسم ظاہر ہو جاتا تھا یعنی وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ سجدہ میں جانے کی وجہ سے پیچھے سے وہ اوپر ہو جاتی تھی اور ستر نظر آتا تھا۔

"فكانت امرأة من الحي: ألا تغطون الخ" قبیلے کی ایک عورت نے یہ منظر دیکھا تو اس نے کہا تم اپنے قاری کے سرین ہم سے کیوں نہیں چھپاتے؟ اس کو تم نے امام اور قاری تو بنا دیا ہے تو اب کم از کم اس کا ستر تو چھپا دو۔

"فاشتروا فقطعوا لي قميصا فما الخ" تو لوگوں نے ایک کپڑا خریدا اس کی ایک قمیص بنا کر دی، اس سے پہلے اتنی خوشی مجھے کسی بات کی نہیں ہوئی تھی کہ یہ قمیص مجھے مل گئی۔

نابالغ کی امامت کا مسئلہ

یہ اختلافی مسئلہ ہے، بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ صبی ممیز کی امامت جائز سمجھتے ہیں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ فرائض میں عدم جواز پر متفق ہیں، البتہ حنابلہ نوافل میں جائز کہتے ہیں اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جائز تو نہیں مگر نوافل میں نماز صحیح ہو جائے گی۔

حنفیہ کے نزدیک فی اصح القولین نوافل میں بھی جائز نہیں، مجوزین حضرت عمرو بن سلمہ ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے، ورنہ کشفِ عورت کے باوجود نماز کو جائز کہنا پڑے گا اور **"رفع القلم عن ثلاث"** سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کے اعمال غیر معتبر ہیں۔

پھر وہ امامت کیسے کر سکتا ہے؟

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نابالغ کی امامت کو ناجائز قرار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے **"لا يؤم الغلام حتى يحتلم"** اور حضرت ابن مسعود ﷺ

کا ارشاد ہے "لا یوم الغلام حتی یجب علیه الحدود"۔ ۵۳

۴۳۰۳ ـــ حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالک، عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبیر، عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ. وقال اللیث: حدثنی یونس، عن ابن شهاب: حدثنی عروة بن الزبیر: أن عائشة قالت: کان عتبة بن أبی وقاص عهد إلی أخیه سعد أن یقبض ابن ولیدة زمعة، وقال عتبة: إنه ابنی. فلما قدم رسول الله ﷺ مکة فی الفتح أخذ سعد ابن ولیدة زمعة فأقبل به إلی النبی ﷺ وأقبل معه عبد ابن زمعة، فقال سعد بن أبی وقاص: هذا ابن أخی عهد إلی أنه ابنه، فقال عبد بن زمعة: یا رسول الله، هذا أخی، هذا ابن ولیدة زمعة ولد علی فراشه، فنظر رسول الله ﷺ إلی ابن ولیدة زمعة فإذا أشبه الناس بعتبة بن أبی وقاص. فقال رسول الله ﷺ: ((هو لک، هو أخوک یا عبد بن زمعة)) من أجل أنه ولد علی فراشه. وقال رسول الله ﷺ ((احتجبی منه یا سودة))، لما رأی من شبه عتبة بن أبی وقاص. قال ابن شهاب: قالت عائشة: قال رسول الله ﷺ ـــ ((الولد للفراش وللعاهر الحجر)). وقال ابن شهاب وکان أبو هریرة یصیح بذلک. [راجع: ۲۰۵۳]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر ؓ روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص سے کہا تھا کہ زمعہ کی باندی کے لڑکے کو لے لینا، اور عتبہ نے کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ایام فتح میں مکہ میں تشریف لائے تو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ زمعہ کے لڑکے کو لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ عبد بن زمعہ بھی آیا، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ اُس کا لڑکا ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا یا رسول اللہ!

---

۵۳ ویفهم منه أن البخاری یجوز امامته، وهو مذهب الشافعی أیضاً، ومذهب أبی حنیفة: أن المکتوبة لاتصح خلفه، وبه قال أحمد واسحاق، وقال ابوداؤد: فی النفل روایتان عن أبی حنیفة، وبالجواز فی النفل قال أحمد واسحاق، وقال داود: لاتصح فیما حکاه ابن أبی شیبة عن الشعبی ومجاهد وعمر بن عبدالعزیز وعطاء، وأما نقله: ابن المنذر عن أبی حنیفة وصاحبیه انهامکروهة فلایصح هذا النقل، وعندالشافعی فی الجمعة قولان، وفی غیرها یجوز لحدیث عمرو بن سلمة الذی فیه: أومهم وأنا ابن سبع وثمان سنین، وعن الخطابی أن احمد کان یضعف هذا الحدیث، وعن ابن عباس: لایؤم الغلام حتی یحتلم، وذکر الأثرم بسند له عن ابن مسعود أنه قال: لایؤم الغلام حتی تجب علیه الحدود، وعن ابراهیم: لابأس أن یوم الغلام قبل أن یحتلم فی رمضان، وعن الحسن مثله ولم یقیده. عمدة القاری، ج:۵، ص: ۳۳۶

یہ میرے بھائی زمعہ کا بیٹا ہے، اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچہ کی طرف دیکھا تو وہ عتبہ بن ابی وقاص کے زیادہ مشابہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے لے لو، اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارا بھائی ہے، کیونکہ یہ اسی کے فراش پر پیدا ہوا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سودہ! اس سے پردہ کرو، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کی مشابہت عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ دیکھی تھی۔ ابن شہاب بواسطہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بچہ اُس کا ہے جس کے فراش پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو با آواز بلند بیان کرتے تھے۔

منشاءِ بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ نے فتح مکہ کے سلسلے میں جو آخری باب قائم فرمایا اس کا منشأ یہ ہے کہ کون کون لوگ فتح مکہ میں شریک تھے، اس وقت موجود تھے اور اس موقع پر جو خاص خاص واقعات پیش جن کا تعلق براہ راست لڑائی سے نہیں ہے، لیکن فتح مکہ کے موقع پر پیش آئے ہیں ان کو بھی اس باب میں ذکر فرمایا ہے۔

عبد بن زمعہ کا قصہ جو فتح مکہ میں پیش آیا

ایک واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ہے کہ انہوں نے زمعہ کی جاریہ کے بیٹے کے بارے میں دعویٰ کیا تھا کہ یہ بقول ان کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ یہ حدیث اس لئے پیش کی ہے کہ جو آخری فیصلہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ فتح مکہ کے موقع پر یہ قضیہ سامنے آیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے زمعہ کی جاریہ کے لڑکے کو اپنے قبضے میں لینا چاہا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ عبد بن زمعہ کا بیٹا ہے۔

یہ واقعہ بخاری میں متعدد مقامات پر آیا ہے، یہاں مقصود چونکہ یہ بیان کرنا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا، لہٰذا اس وقت اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا اصل محل کتاب الطلاق ہے اور اس سے بڑے پیچیدہ اور طویل فقہی مباحث متعلق ہیں۔ ان شاء اللہ کتاب الطلاق میں ان کی تفصیل آئے گی۔

یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا تھا اور یہ بڑی پیچیدہ احادیث میں سے ہے اور یہ حدیث مشکلات میں سے ہے۔ [۵۴]

---

[۵۴] اس حدیث کی تحقیق و تفصیل اور تشریح ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۶، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، رقم: ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ص: ۸۳، وتکملة فتح الملہم، ج: ۱، ص: ۶۸

۴۳۰۴ ـ حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبدالله: أخبرنا يونس، عن الزهرى: أخبرنى عروة بن الزبيران امرأة سرقت فى عهد رسول الله ﷺ فى غزوة الفتح، ففزع قومها إلى أسامة بن زيد يستشفعونه. قال عروة: فلما كلمه أسامة فيها تلون وجه رسول الله ﷺ فقال: ((أتكلمنى فى حد من حدود الله؟)) قال أسامة: استغفر لى يا رسول الله، فلما كان العشى قام رسول الله خطيبا فأثنى على الله بما هو أهله ثم قال: ((أما بعد فإنما أهلک الناس قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد. والذى نفس محمد بيده لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها))، ثم أمر رسول الله ﷺ بتلک المرأة، فقطعت يدها، فحسنت توبتها بعد ذلک وتزوجت. قالت عائشة: فكانت تأتينى بعد ذلک فأرفع حاجتها إلى رسول الله ﷺ. [راجع: ۲۶۴۸]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں غزوہ فتح کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی (حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا) اس کی قوم کے لوگ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس سفارش کرانے کے لئے آئے، حضرت عروہ ﷛ کہتے ہیں جب اُسامہ ﷛ نے اس عورت کے بارے میں گفتگو کی تو رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا اور فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ کی حدود میں سفارش کرتا ہو؟ اسامہ ﷛ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔ شام کو رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء اس کی شایانِ شان بیان کرنے کے بعد فرمایا اما بعد! تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا ہے کہ اگر ان میں کوئی شریف بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور اگر کوئی ضعیف اور چھوٹا آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پر حکم جاری فرمایا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر اس کی توبہ مقبول ہوگئی اور اس کے بعد اس نے کسی سے نکاح کرلیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد وہ عورت میرے پاس آیا کرتی تھی اور اس کی جو ضرورت ہوتی تھی اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کر دیتی۔

منشاءِ حدیث

یہاں پر اس حدیث کا منشأ یہی ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا تھا اس وقت ایک عورت نے

چوری کی تھی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس کی قوم کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کی تھی تو اس بات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا اور فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا ہے کہ اگر ان میں کوئی باحیثیت آدمی چوری کوتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔

حدیث میں ذکر ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد اس عورت نے توبہ بھی کر لی تھی، اور اس نے نکاح کرلیا تھا، اس کا نام فاطمہ مخزومیہ تھا۔ روایت میں ہے کہ اس عورت نے خود حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا تھا کہ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تُو ایسی ہے، جیسی اس دن تھی جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی **"کما جاء فی الحدیث :التائب من الذنب کمالاذنب له"**۔ ۵۵

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ بعد میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا کرتی تھی تو اس کو کچھ کام ہوتا تھا وہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتی تھی کہ یہ عورت فلاں کام کیلئے آئی ہے، مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کٹنے کے بعد ٹھیک ٹھاک ہوگئی تھی۔

"فحسنت توبتها" سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامتِ حدود کی اصل وضع کفارِ معاصی اور تطہیر نہیں بلکہ زجر وتوبیخ ہے۔ ۵۶

یہ معروف واقعہ ہے اور یہ بھی متعدد جگہ پر بخاری میں آیا ہے۔

۴۳۰۵، ۴۳۰۶ ۔ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا عاصم، عن أبي عثمان: حدثني مجاشع قال: أتيت النبي ﷺ بأخي بعد الفتح فقلت: يا رسول الله، جئتك بأخي لتبايعه على الهجرة، قال: ((ذهب أهل الهجرة بما فيها)). فقلت: على أي شئ تبايعه؟ قال: ((أبايعه على الإسلام والإيمان والجهاد)). فلقيت معبدا بعد وكان أكبرهما، فسألته فقال: صدق مجاشع. [راجع: ۲۹۶۲، ۲۹۶۳]

---

۵۵ سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، رقم: ۴۲۵۰

۵۶ قوله: ((فحسنت توبتها))، لأن فيه دلالة على أن السارق اذاتاب وحسنت حاله تقبل شهادته، فالبخاري ألحق القاذف بالسارق لعدم الفارق عنده، ونقل الطحاوي الاجماع علىقبول شهادة السارق اذاتاب. عمدة القاري، كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف والسارق والزاني، ج:۱۳، ص:۳۱۵

ترجمہ: ابوعثمان روایت کرتے ہیں حضرت مجاشع ﷺ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے کر آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں اپنے بھائی کو آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ ﷺ اس سے ہجرت پر بیعت لیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت کی فضیلت تو مہاجرین نے حاصل کر لی، میں نے عرض کیا کہ پھر کس چیز پر آپ اس سے بیعت لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام، ایمان اور جہاد پر۔ ابوعثمان کہتے ہیں پھر میں نے ابومعبد ﷺ سے ملاقات کی جوان دونوں میں سب سے بڑے تھے، ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجاشع ﷺ نے سچ کہا ہے۔

۴۳۰۷، ۴۳۰۸ ـ حدثنا محمد بن أبی بکر: حدثنا فضیل بن سلیمان: حدثنا عاصم، عن أبی عثمان النهدی، عن مجاشع بن مسعود: انطلقت بأبی معبد إلى النبی ﷺ لیبایعه على الهجرة قال: ((مضت الهجرة لأهلها، أبا یعه على الإسلام والجهاد)). فلقیت أبا معبد فسألته فقال: صدق مجاشع. وقال خالد،عن أبی عثمان ،عن مجاشع: أنه جاء بأخیه مجالد. [راجع: ۲۹۶۲، ۲۹۶۳]

ترجمہ: ابوعثمان نہدی روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاشع بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں ابومعبد کو ہجرت پر بیعت لینے کے لئے لیکر آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت تو مہاجرین پر ختم ہوچکی، میں اس سے اسلام اور جہاد پر بیعت لوں گا۔ پھر میں نے ابومعبد سے ملاقات کر کے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجاشع نے سچ کہا۔ خالد بواسطہ ابوعثمان، حضرت مجاشع ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بھائی مجالد کو لے کر آئے۔

فتحِ مکہ کی اہمیت وحیثیت

حضرت ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ جو تابعین میں سے ہیں۔

وہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے صحابی رسول ﷺ حضرت مجاشع ﷺ نے یہ حدیث سنائی کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے کر گیا، ان کے بھائی کا نام مجالد ﷺ تھا اور ان کی کنیت ابومعبد تھی ،تو اپنے بھائی ابومعبد کو فتح مکہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے پاس لے کر گئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے بھائی کو اس غرض سے لایا ہوں کہ آپ ان سے ہجرت پر بیعت کر لیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **"مضت الهجرة لأهلها"** ہجرت والے اس ہجرت کے احکام اور فضائل کے ساتھ اب چلے گئے، جس نے ہجرت کرنی تھی اور اس کی فضیلت حاصل کرنی تھی وہ اس نے کر لی۔

معنی یہ ہے کہ اب فتح مکہ کے بعد ہجرت کا وہ مقام باقی نہیں رہا جو فتح مکہ سے پہلے تھا۔

فتح مکہ سے پہلے ہر صاحب ایمان کیلئے ہجرت واجب تھی بلکہ قرآن کریم میں ہجرت کو ایمان کی علامات میں سے ایک علامت قرار دیا گیا تھا اور ہجرت ترک کرنے والوں پر قرآن میں سخت وعید نازل ہوئی، لیکن فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، نہ وہ فرض رہی نہ واجب رہی۔

البتہ ہجرت کا یہ حکم اب بھی باقی ہے کہ آدمی اگر ایسے دارالکفر میں ہو جہاں اپنے دین کے احکام پر وہ صحیح طریقے سے عمل نہیں کرسکتا ہو تو اس صورت میں اس کو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے، لیکن عام حالات میں ہجرت واجب نہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی حالت تھی وہ ختم ہوگئی، اہل ہجرت اس کے احکام کے ساتھ چلے گئے جن کو وہ فضیلت اور مقام حاصل کرنا تھا انہوں نے کرلیا تو اس لئے اب میں ہجرت پر بیعت نہیں کروں گا۔

حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پوچھا پھر کس چیز پر بیعت لیں گے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **"ابایعه علی الإسلام والجهاد"** اب جو میں بیعت لوں گا تو وہ اسلام، ایمان کی اور جہاد کی لوں گا، اب ہجرت کی بیعت نہیں ہے۔

ہجرت ختم ہونے کا نکتہ نظر

یہاں اس روایت کے لانے کا مقصود یہ ہے کہ فتح مکہ اس لحاظ سے ایک اہم حیثیت کا حامل ہے کہ اس نکتہ تاریخ سے ہجرت کے احکام جو پہلے تھے وہ منسوخ ہوگئے اور اس لئے کہا گیا کہ **"لاهجرة بعد الفتح"** فتح مکہ کے بعد ہجرت اس معنی کی نہیں ہے۔

حضرت ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ سے سنی تھی، اس کے بعد **"فلقيت ابامعبد بعد ذلک"** میری ملاقات براہ راست حضرت ابو معبد رضی اللہ عنہ سے ہوئی، **"وکان اکبرهم"** ابو معبد دونوں بھائیوں میں بڑے تھے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ ان کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے گئے تھے اور کیا یہ واقعہ پیش آیا تھا؟ تو انہوں نے کہا **"صدق مجاشع"** مجاشع نے سچ بات کہی، سچ واقعہ بیان کیا۔

یہی ہوا تھا کہ وہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور بعد میں آپ نے منع کردیا کہ ہجرت کی بیعت نہیں ہوگی ہاں! اسلام، ایمان اور جہاد کی بیعت ہوگی۔

۴۳۰۹ ـ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن أبي بشر، عن مجاهد: قلت لابن عمر رضي الله عنهما: إني أريد أن أهاجر إلى الشام. قال: لا هجرة لكن جهاد فانطلق فاعرض نفسک فإن وجدت شيئا وإلا رجعت. [راجع: ۳۸۹۹]

ترجمہ: مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا کہ میں شام کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہوں، تو انہوں نے کہا کہ ہجرت تو ختم ہو چکی، اب تو جہاد ہے، لہٰذا تم جاؤ اور خو کو پیش کرو اگر تم نے کچھ پالیا (یعنی جہاد کی طاقت) پاتے ہو (تو بہت اچھی بات ہے) ورنہ واپس آ جاؤ۔

تشریح

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ **"إني أريد أن أهاجر إلى الشام"** میں شام کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا **"لا هجرة"** اب ہجرت نہیں ہے یعنی اس معنی میں مشروع نہیں رہی جس میں فتح مکہ سے پہلے مشروع تھی۔

"لا هجرة" ویسے بھی ہجرت کہاں سے کرتے؟ کیا مدینہ منورہ سے؟

ہجرت تو **"دار الکفر"** سے کی جاتی ہے، نہ کہ **"دار الاسلام"** سے۔

ہجرت تو ختم، لیکن جہاد باقی

تو اس لئے فرمایا **"لا هجرة ولكن جهاد"** ہجرت تو اب باقی نہیں رہی لیکن جہاد اب بھی باقی ہے۔

"فانطلق فاعرض نفسک" لہٰذا تم جاؤ اپنے نفس کو پیش کر دو، **"فإن وجدت شيئا"** اگر کچھ پاؤ یعنی جہاد کا موقع ملے اور جہاد کی طاقت پاؤ تو ٹھیک ہے، **"وإلا رجعت"** ورنہ واپس آ جاؤ۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شام اگر ہجرت کی غرض سے جا رہے ہو تو یہ مقصد بیکار ہے البتہ جہاد کے مقصد سے جانا چاہو تو جا سکتے ہو، اگر وہاں جہاد کا کوئی موقع اور طاقت تمہیں ملے تو جہاد کے اندر شامل ہونا بہت اچھی بات ہے اور اگر نہ ملے تو پھر لوٹ آنا۔ [۵۷]

۴۳۱۰ ـ وقال النضر: أخبرنا شعبة: أخبرنا أبو بشر: سمعت مجاهدا: قلت لابن عمر فقال: لا هجرة اليوم ـ أو بعد رسول الله ﷺ ـ مثله. [راجع: ۳۸۹۹]

---

۵۷ قوله: ((فإن وجدت شيئا)) أي: من الجهاد أو من القدرة عليه، فذاک هو المطلوب. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۲۱۷

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہجرت کرنے کو کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اب ہجرت باقی نہیں رہی یا یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔

۴۳۱۱ ۔ حدثنا إسحاق بن یزید :حدثنا یحی بن حمزة قال: حدثنی أبو عمرو الأوزاعی، عن عبدة بن أبی لبابة،عن مجاهد بن جبر :أن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما کان یقول: لا هجرة بعد الفتح. [راجع: ۳۸۹۹]

ترجمہ: مجاہد بن جبر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔

۴۳۱۲ ۔ حدثنا أسحاق بن یزید: حدثنا یحی بن حمزة: حدثنی الأوزاعی، عن عطاء بن أبی رباح قال: زرت عائشة مع عبید بن عمیر فسألها عن الهجرة فقالت: لا هجرة الیوم ،کان المؤمن یفر أحدهم بدینه إلی اللہ وإلی رسوله ﷺ مخافة أن یفتن علیه فأما الیوم فقد أظهر اللہ الأسلام فالمؤمن یعبد ربه حیث شاء، لکن جهاد ونیة. [راجع: ۳۰۸۰]

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں، کہ میں عبید بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا، ان سے ہجرت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، اب ہجرت نہیں ہے، مسلمان اپنے دین کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بھاگتا تھا، لیکن اب تو اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے، لہٰذا مومن جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے، ہاں لیکن جہاد اور نیت اب بھی باقی ہے۔

واعظِ مکہ

حضرت عبید بن عمیر رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں اور اہل مکہ کے واعظین میں سے تھے۔

واعظ کو اس زمانے میں "معاظ" قصہ گو کہا جاتا تھا، کیونکہ واعظ لوگ قصے بہت سناتے ہیں اس لئے **"معاظ"** لفظ بول کر واعظ مراد لیتے تھے۔

عبید بن عمیر رحمہ اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے **"کان قاص أهل مكة"** اہل مکہ کے واعظ تھے۔ [۵۸]

---

[۵۸] عبید ابن عمیر ابن قتادة اللیثي أبو عاصم المکي ولد علی عهد النبي ﷺ، قاله مسلم وعده غیره في کبار التابعین وکان قاص أهل مکة مجمع علی ثقته مات قبل ابن عمر ع. تقریب التهذیب ص: ۳۷۷، وسیر أعلام النبلاء، ج:۵، ص:۴۸

ہجرت کا مقصد

حضرت عطا ابن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں عبید بن عمیر رحمہ اللہ کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گیا اور ہجرت کے بارے میں پوچھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اب ہجرت نہیں ہے، اور اس بات کی وضاحت یوں کی کہ **"کان المؤمن یفر أحدھم بدینہ إلی اللہ وإلی رسولھا"** پہلے مؤمن اپنے دین کو لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگا کرتا تھا اور اس کے رسول کی طرف، **"مخافۃ ان یفتن علیہ"** اس ڈر سے کہ اس کو آزمائش میں نہ ڈال دیا جائے، اس لئے وہ ڈر سے بھاگتا تھا۔

"فأما الیوم فقد أظھر اللہ الأسلام الخ" اب جبکہ اللہ نے دینِ اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے تو مؤمن اپنے پروردگار کی عبادت جہاں چاہے کرسکتا ہے، لہٰذا اب وہ ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، **"لکن جھاد ونیۃ"** لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ [۵۹]

ہجرت کی نیت

جہاد کے معنی یہ کہ اللہ کے راستے میں آدمی جہاد کرلے قتال کرے اور اس بات کی نیت رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام فرض ہوگا تو میں وہ انجام دوں گا۔

اگر پھر کبھی دوبارہ ہجرت کی ضرورت پیش آگئی تو دوبارہ ہجرت کروں گا، جہاد کی ضرورت پیش آئی تو جہاد کروں گا اور جو بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اس پر عمل کرنے کی کوشش کردوں گا۔ یہ ہجرت کی نیت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔

خلاصۂ کلام

ان حدیثوں کی روشنی میں یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ یہ حکم صرف مکہ سے ہجرت کے متعلق ہے، چونکہ

---

۵۹ قولہ: ((لا ھجرۃ)) غیر ان ھناک: بعد الفتح، وھنا: لا ھجرۃ الیوم، ومعناھما یؤول إلی معنی واحد. قول: ((یفر بدینہ)) أي: بسبب حفظ دینہ. قولہ: ((مخافۃ)) نصب علی التعلیل. قولہ: ((ولکن جھاد)) أي: ولکن الھجرۃ الیوم جھاد في سبیل اللہ. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۲۱۸

فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ دارالاسلام ہوگیا، اس لئے مکہ معظمہ سے ہجرت ختم، لیکن مسلمانوں کے لئے کسی بھی ملک میں اگر مکہ جیسے حالات پیدا ہو جائیں تو دارالحرب سے ہجرت کا حکم قیامت تک لازم رہے گا۔

شرط یہ ہے کہ ہجرت کا مقصد دین کی حفاظت و بقاء اور اصلاح ہو۔

ہجرت کا سوال فتح مکہ کے بعد تھا، اس لئے جواب **"لاهجرة بعد الفتح"** کہہ کر دیا، سو اب مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم ختم ہوگیا، لیکن عام حیثیت سے حالات کے تحت دارالحرب سے ہجرت کا حکم باقی ہے اور یہ حکم تا قیامت باقی رہے گا۔ [۶۰]

---

۶۰ قوله: ((كان المؤمنون يفر أحدهم بدينه إلخ)) أشارت عائشة إلى بيان مشروعية الهجرة وأن سببها خوف الفتنة والحكم يدور مع علته، فمقتضاه أن من قدر على عبادة الله في أي موضع اتفق لم تجب عليه الهجرة منه وإلا وجبت، ومن ثم قال الماوردي: إذا قدر على إظهار الدين في بلد من بلاد الكفر فقد صارت البلد به دار إسلام، فالإقامة فيها أفضل من الرحلة منها لما يترجى من دخول غيره في الإسلام، وقد تقدمت الإشارة إلى ذلک في أوائل الجهاد في باب وجوب النفير، في الجمع بين حديث ابن عباس ((لا هجرة بعد الفتح)) وحديث عبد الله بن السعدي ((لا تنقطع الهجرة)) وقال الخطابي: كانت الهجرة أي إلى النبي ﷺ في أول الإسلام مطلوبة، ثم افترضت لما هاجر إلى المدينة إلى حضرته للقتال معه وتعلم شرائع الدين، وقد أكد الله ذلک في عدة آيات حتى قطع الموالاة بين من هاجر ومن لم يهاجر فقال تعالى ﴿ والذين آمنوا ولم يهاجروا ما لكم من ولايتهم من شيء حتى يهاجروا ﴾ فلما فتحت مكة ودخل الناس في الإسلام من جميع القبائل سقطت الهجرة الواجبة وبقي الاستحباب. وقال البغوي في ((شرح السنة)): يحتمل الجمع بينهما بطريق أخرى بقوله ((لا هجرة بعد الفتح)) أي من مكة إلى المدينة وقوله ((لا تنقطع)) أي من دار الكفر في حق من أسلم إلى دار الإسلام، قال: ويحتمل وجها آخر وهو أن قوله لا هجرة أي إلى النبي ﷺ حيث كان بنية عدم الرجوع إلى الوطن المهاجر منه إلا بإذن، وقوله ((لا تنقطع)) أي هجرة من هاجر على غير هذا الوصف من الأعراب ونحوهم. قلت: الذي يظهر أن المراد بالشق الأول وهو المنفي ما ذكر في الاحتمال الأخير، وبالشق الآخر المثبت ما ذكره في الاحتمال الذي قبله، وقد أفصح ابن عمر بالمراد فيما أخرجه الإسماعيلي بلفظ ((انقطعت الهجرة بعد الفتح إلى رسول الله ﷺ، ولا تنقطع الهجرة ما قوتل الكفار)) أي ما دام في الدنيا دار كفر، فالهجرة واجبة منها على من أسلم وخشي أن يفتن عن دينه، ومفهومه أنه لو قدر أن يبقى في الدنيا دار كفر أن الهجرة تنقطع لانقطاع موجبها والله أعلم. وأطلق ابن التين أن الهجرة من مكة إلى المدينة كانت واجبة وأن من أقام بمكة بعد هجرة النبي ﷺ إلى المدينة بغير عذر كان كافرا، وهو إطلاق مردود، والله أعلم. فتح الباري، ج:۷، ص:۲۳۰

وإعلاء السنن، كتاب السير، أحكام الهجرة من دار الحرب إلى دار الإسلام، ج:۱۲، ص: ۱۶۹۔۱۶۵

۴۳۱۳۔ حدثنا إسحاق: حدثنا أبو عاصم، عن ابن جريج: أخبرني حسن بن مسلم، عن مجاهد: أن رسول الله ﷺ قام يوم الفتح فقال: ((إن الله حرم مكة يوم خلق السموات والأرض فهي حرام بحرام الله إلى يوم القيامة، لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي، ولم تحلل لي قط إلا ساعة من الدهر، لا ينفر صيدها، ولا يعضد شجرها، ولا يختلى خلاها، ولا تحل لقطتها إلا لمنشد)). فقال العباس بن عبدالمطلب: إلا الإذخر يا رسول الله، فإنه لا بد منه للقين والبيوت، فسكت ثم قال: ((إلا الإذخر فإنه حلال)). وعن ابن جريج: أخبرني عبدالكريم، عن عكرمة، عن ابن عباس بمثل هذا أو نحو هذا. رواه أبو هريرة عن النبي ﷺ. [راجع: ۱۳۴۹]

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن سے مکہ کو حرم قرار دیا ہے، لہٰذا یہ قیامت تک اللہ کے حکم کے مطابق حرمت والا ہے، نہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال ہوا، نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، اور سوائے تھوڑے وقت کے میرے لئے بھی حلال نہیں ہوا، نہ اس کے شکار کو دوڑانا جائز ہے، نہ اس کے کانٹوں کا اکھیڑنا درست ہے، نہ اس کی خودرو گھاس کاٹنا جائز ہے، اور اس کا لقطہ بھی جائز نہیں ہے علاوہ اس کے جو لوگوں کو اطلاع دیدے، تو عباس بن عبدالمطلب ﷺ نے کہا سوائے گھاس کے یا رسول اللہ! کیونکہ لوہاروں کو اور ہمارے گھروں میں اس کی ضرورت رہتی ہے، تو حضور ﷺ خاموش ہوئے، پھر فرمایا سوائے گھاس کے، کہ وہ حلال ہے۔ ابن جریج روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبدالکریم نے بیان کیا، انہوں نے عکرمہ سے بواسطہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسی طرح یہ روایت بیان کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے نبی ﷺ سے اسی جیسی روایت کی ہے۔

فتح مکہ کے روز نبی کریم ﷺ کا خطبہ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن کھڑے ہو کر خطاب فرمایا **"ان الله حرم مكة يوم خلق السموات الخ"** اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن سے مکہ کو حرم قرار دیا ہے، لہٰذا یہ قیامت تک اللہ کے حکم کے مطابق حرم ہے یعنی یہ مکہ قیامت تک حرمت والا شہر رہے گا، اللہ تعالیٰ کی حرمت اس کو عطا کی ہوئی ہے۔

"لم تحل لأحد قبلي ولا تحل لأحد بعدي الخ" اس میں قتال کرنا مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کیا گیا اور نہ آئندہ کسی کیلئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف تھوڑی دیر کیلئے حلال ہوا تھا۔

"لاینفر صیدھا" حرم کے شکار کو بھگایا نہیں جا سکتا یعنی شکار کرنا تو جائز ہی نہیں ہے کوئی آدمی اس کو بھگائے اور بھگا کر یہ چاہے کہ جب حرم سے نکل آئے تو بعد میں اس کو مارلوں اس غرض کے لئے بھگانا بھی جائز نہیں۔

"ولا یعضد شجرھا" اور اس کا کانٹا بھی نہ توڑا جائے۔

حرمِ مکی کی قرانِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ شان بیان کی ہے کہ

﴿وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾

ترجمہ: اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔[۱۱]

یہاں تک کہ کانٹوں کو بھی امن دیا گیا کوئی کانٹا بھی یہاں سے نہ توڑے۔

"ولا یختلی خلاھا" اور اس کی خودرو گھاس بھی نہ اکھاڑی جائے۔

"خلا" سے مراد خودرو گھاس ہے جو خود اُگتی ہے اس کو اُکھاڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

"ولا تحل لقطتھا إلا لمنشد" اور اس میں کوئی شخص اگر لقطہ چھوڑ کر چلا گیا تو دوسرے کے لئے اٹھانا جائز نہیں ہے مگر سوائے اس شخص کے کہ جو اعلان کرلے، معلومات کرلے کہ یہ کس کی چیز رہ گئی ہے تو اعلان کرنے والے کے علاوہ کسی اور کیلئے لقطہ اٹھانا بھی حلال نہیں۔

---

[۱۱] [حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری و باطنی، حسی ومعنوی برکات سے معمور کیا اور سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی مکان میں برکت وہدایت پائی جاتی ہے، اسی بیت مقدس کا ایک عکس اور پرتو سمجھنا چاہئے۔

یہیں سے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھایا، مناسکِ حج ادا کرنے کے لئے سارے جہاں کو اسی کی طرف دعوت دی۔

عالمگیر مذہب اسلام کے پیروں کو مشرق ومغرب میں اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا، اس کے طواف کرنے والوں پر عجیب وغریب برکات وانوار کا افاضہ فرمایا۔ انبیائے سابقین بھی حج ادا کرنے کے لئے نہایت شوق وذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر و باہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھ دیں۔

اسی لئے ہر زمانہ میں مختلف مذاہب والے اس کی غیر معمولی تعظیم واحترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونے والے کو مامون سمجھا گیا۔ اس کے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی بتا رہی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قدم بھی آئے ہیں اور اس کی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلا نکیر مسلّم چلی آرہی ہے بتلاتی ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان پڑ گیا تھا جو آج تک محفوظ چلا آتا ہے۔

گویا علاوہ تاریخی روایات کے اس مقدس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل اس کی ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا جن کی مدد کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام شریکِ کار رہے۔ (فائدہ نمبر: ۷، آل عمران: ۹۷، تفسیر عثمانی)]

لقطہ کا حکم

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لقطہ کا تو حرم کے علاوہ بھی یہی حکم ہے یعنی حرم سے باہر بھی اگر کسی کو کوئی لقطہ ملے تو حکم یہ ہے کہ اٹھانا حلال نہیں اِلّا یہ کہ اس نیت سے اٹھائے کہ اس کا اعلان کرلے اور پتہ لگائے کہ کس کا ہے، تو پھر یہ خاص طور سے حرم کے بارے میں کیوں ارشاد فرمایا گیا ہے؟

جواب: فقہاء کرام نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ حکم حرم کے ساتھ خاص ہے لیکن خاص طور سے حرم میں اس کی اہمیت زیادہ ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حرم میں اس کی اہمیت زیادہ ہے۔

اس لئے کہ حرم میں جو لوگ آتے ہیں عام طور سے وہ باہر (بیرونِ مکہ مکرمہ) سے آتے ہیں کوئی حج کرنے آیا ہے کوئی عمرہ کرنے آیا تو تقریباً سب مسافر ہوتے ہیں (بطورِ استعمال کے لئے محدود چیزیں ہوتی ہیں)، ان کا مستقل کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، اگر ان کی کوئی چیز کہیں گم ہو جائے تو ایک تو یہ کہ ان کو بنسبت مقیم لوگوں کے پریشانی زیادہ ہوگی۔

دوسرا یہ کہ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جب آدمی کا کوئی سامان گم ہو جائے، تو جو مسافر آدمی ہے اس کو اور جگہوں کا تو پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں جا کر تلاش کریں وہ تو لوٹ کر وہاں جائے گا جہاں اس نے چھوڑا تھا تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جہاں سے جو چیز ملے اس کو اٹھاؤ مت، وہیں چھوڑ دو کیونکہ تلاش کرنے والا کبھی نہ کبھی آئے گا۔ جب آئے گا تو اسی جگہ پہنچے گا جہاں اس نے چھوڑی تھی تا کہ اس کو مل جائے۔ وہاں سے نا اُٹھانے کی علت یہی ہے۔

البتہ جہاں یہ خیال ہو کہ اس نے لوٹ کر آنا نہیں ہے یا چیز بہت دیر سے پڑی ہوئی ہو اور کوئی نہ آرہا ہو، پھر آدمی اعلان کی غرض سے اٹھا سکتا ہے۔

تو حکم اگر چہ عام ہے، حرم اور غیر حرم دونوں میں یکساں ہے۔ لیکن حرم میں اس کی اہمیت زیادہ ہے اور اس کے اسباب زیادہ ہیں کہ آدمی اس میں زیادہ احتیاط سے کام لے۔

جب حضور اقدس ﷺ نے یہ حکم **"ولا یختلی خلاھا"** بیان فرمایا اس کی خودرو گھاس کو نہ اکھاڑا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے چچا ہیں انہوں نے عرض کیا کہ **"إلا الإذخر یا رسول اللہ"** اے اللہ کے رسول! خودرو گھاس کو اس حکم سے مستثنیٰ فرما دیجئے، گویا انہوں نے ایک تجویز پیش کی کہ جو آپ نے تمام گھاسوں کو کاٹنا منع فرما دیا ہے تو اس سے اذخر کو مستثنیٰ فرما دیجئے، **"فإنہ لا بد منہ للقین والبیوت"** کیونکہ

اذخر گھانس کی لوہار کو سخت ضرورت ہوتی ہے اور گھروں میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

"فسکت" یہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے آنحضرت ﷺ خاموش ہوگئے، خاموش اس لئے ہوئے کہ غالباً وحی کا انتظار تھا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا **"إلا الإذخر فإنه حلال"** وحی آگئی تو آپ ﷺ نے اس کا استثناء کر دیا، چنانچہ فرمایا کہ اذخر حلال ہے، اور یہی حکم اب مجمع علیہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف حلت وحرمت کی نسبت

سوال: بات یہ ہے کہ بعض روایتوں میں حلت اور حرمت کی نسبت نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے فرمائی کہ میں حلال کرتا ہوں میں حرام کرتا ہوں، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو حلال وحرام کرنے کا اختیار تھا۔

جواب: یہ ہے کہ جہاں بھی کوئی نص اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجاتی ہے تو وہاں پر تو کوئی اختیار نہیں تھا، جو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا اسی کے مطابق آپ ﷺ حکم دیتے تھے۔

اگر نص آنے کی توقع ہوتی تھی کہ اس بارے میں کوئی حکم آجائے گا تو اس وقت بھی حضور اقدس ﷺ کوئی بات اپنی طرف سے ارشاد نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ٥ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ [۶۲]

لیکن جہاں دونوں باتیں نہیں ہیں کہ نہ تو کوئی نص آئی اور نہ فی الحال توقع ہے تو اس وقت حضور اقدس ﷺ نے اپنے اجتہاد سے بھی بعض احکام نافذ فرمائے۔ اور نبی کریم ﷺ کا وہ اجتہاد بھی اس لحاظ سے **"شامل من الوحی"** تھا کہ اگر اس کے خلاف کوئی وحی نہیں آئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر آپ کو تقریر فرمادی، اس واسطے اس کا درجہ بھی وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حکم کا ہوتا ہے۔

---

۶۲ [یعنی کوئی کام تو کیا، ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ ﷺ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی اور اُس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اُس میں وحی متلوّ کو "قرآن" اور غیر متلوّ کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی، فائدہ نمبر:۵، النجم:۳،۴)]

اسی وجہ سے بعض حضرات نے نبی کریم ﷺ پر شارح کے لفظ کا اطلاق کیا ہے اور قرآن شریف میں بھی نسبت کی گئی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ [۶۳]

ترجمہ: اور ان کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

یہاں تحریم اور تحلیل کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض جگہ آپ ﷺ کی طرف تحریم اور تحلیل کی نسبت مجازی ہے اس معنی میں کہ حقیقت میں تو حلال وحرام اللہ تعالیٰ نے قرار دیا تھا آپ ﷺ نے اس حکم کو پہنچایا تو حلت اور حرمت کی نسبت آپ کی طرف مجازاً کر دی گئی اور بعض مرتبہ جہاں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کی اجازت دی تھی وہاں آپ ﷺ نے اجتہاد کی بناء پر کوئی حکم جاری فرمایا تو اس وقت میں حلت اور حرمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف حقیقی ہے۔

لیکن وہ بھی بالآخر اللہ ہی کے حکم کی طرف راجع ہوتا ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو اللہ اس حکم کو باقی نہ رکھتے بلکہ وحی کے ذریعے اس کی تردید فرمادیتے۔

---

[۶۳] [الاعراف: ۱۵۷]

باب
غزوة حنين،
غزوة أوطاس وغزوة الطائف

(۵۵) باب قول اللہ تعالی:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ الی قولہ: ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دِکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا﴾ یہاں سے آگے اس آیت تک ﴿اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے﴾

غزوۂ حنین کا پس منظر

یہ غزوۂ حنین، فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں ہوا، آپ ﷺ بارہ ہزار کے لشکر ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد فرمایا جہاں قبائل ہوازن ثقیف آباد تھے، دس ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ منورہ سے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ آئے تھے اور باقی اہل مکہ تھے۔

یہاں اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ غزوۂ حنین سے متعلق احادیث شروع فرما رہے ہیں اور غزوۂ حنین چونکہ فتح مکہ کے متصل بعد پیش آیا، اسی واسطے فتح مکہ کے بعد امام بخاریؒ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرما تھے تو اس وقت کسی شخص نے خدمت میں آکر آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع دی کہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے قبیلے، جو طائف کے آس پاس آباد تھے، ان دونوں قبیلوں نے مل کر ایک بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا ہے اور ان کا مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوں، کیونکہ ان کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کی خبر مل گئی تھی اور ان کو اس بات کا اندیشہ ہو رہا تھا کہ اب ہماری باری ہے تو انہوں نے سوچا کہ خود جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے، اس غرض کے لئے انہوں نے ایک بڑی تعداد میں لشکر جمع کیا۔

آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے صحابۂ کرام ﷺ سے فرمایا کہ چلو اب فتح مکہ کے بعد

---

[1] [التوبۃ: ۲۵ - ۲۷]

ان کی طرف روانہ ہوں، چنانچہ مسلمانوں کے ہمراہ نبی کریم ﷺ شوال کے مہینہ میں حنین کی جانب روانہ ہوئے۔

راستے میں ایک شخص عبداللہ بن أبی حدرد اسلمی نے آکر آپ ﷺ کو بتایا کہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف نے بڑی زبردست شان وشوکت کے ساتھ لشکر اکٹھا کیا ہوا ہے اور اس آنے والے نے یہ بتایا کہ ہزاروں کا لشکر ہے اور جو لوگ مقابلے کے لئے آئے ہیں اس میں اونٹ ہیں، گھوڑے ہیں، بکریاں ہیں، گائے ہیں، عورتیں ہیں اور مرد ہیں، اس طرح یہ سارا لشکر جمع ہے۔

جب یہ بات بتائی تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے تبسم فرما کر جواب ارشاد فرمایا کہ **"تلک غنیمة المسلمین غداً ۔ ان شاء اللہ"** جو کچھ سامان انہوں نے اکٹھا کیا ہوا ہے یہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا ان شاء اللہ، اوراس کے بعد آنحضرت ﷺ روانہ ہوئے۔[2]

حنین کے مقام پر یہ مقابلہ ہوا جہاں یہ معرکہ پیش آیا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد پچھلے تمام غزوات سے کہیں زیادہ تھی، بارہ ہزار مسلمان اس وقت لشکر میں موجود تھے تو کسی کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم مغلوب نہیں ہوں گے اس واسطے کہ انہوں نے بدر کے تین سو تیرہ بے سروسامان کو ایک ہزار پر غالب آتے ہوئے دیکھا تھا ،اب تو بارہ ہزار آدمی ہیں اس واسطے کسی کے منہ سے نکل گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس جملے کو پسند نہیں فرمایا اور پھر شاید اسی جملے کا اثر تھا کہ حنین میں عارضی طور پر مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

اس باب میں غزوۂ حنین کی تفصیل آرہی ہے۔[3]

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ الخ﴾

آیت کو امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب بنایا، اس میں مسلمانوں کی اسی عارضی شکست کی طرف اشارہ ہے۔

۴۳۱۴ ۔ حدثنا محمد بن عبداللہ بن نمیر: حدثنا یزید بن هارون: أخبرنا إسماعیل قال: رأیت بید ابن أبی أوفی ضربة قال: ضربتها مع النبی ﷺ یوم حنین، قلت: شهدت حنینا؟ قال: قبل ذلک.[4]

---

[2] ولابی داود باسناد حسن من حدیث سهل بن الحنظلیة ((أنهم ساروا مع النبی ﷺ الی حنین فأطنبوا السیر، فجاء رجل فقال: انی انطلقت من بین أیدیکم حتی طلعت جبل کذا وکذا، فاذا أنا بهوازن عن بکرة أبیهم بظعنهم ونعمهم وشائهم قد اجتمعوا الی حنین، فتبسم رسول اللہ ﷺ وقال: تلک غنیمة المسلمین غداً ان شاء اللہ تعالیٰ)). وعند ابن اسحاق من حدیث جابر مایدل علی أن هذا الرجل هو عبداللہ بن أبی حدرد الأسلمی. فتح الباری، ج:۸، ص:۲۷

[3] سیرة ابن هشام، ج:۲، ص: ۴۳۷-۴۷۷ و کتاب المغازی للواقدی، ج:۳، ص:۸۸۵

[4] وفی مسند أحمد، باب بقیة حدیث عبداللہ بن اوفی عن النبی ﷺ، رقم: ۱۹۱۳۱

ترجمہ: یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ہم سے اسماعیل نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر چوٹ کا نشان دیکھا، انہوں نے یہ کہا کہ میرے یہ چوٹ حنین کے دن حضور ﷺ کے ہمراہ لگی تھی، میں نے کہا کیا آپ حنین میں شریک تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔

تشریح

یہ اسماعیل ابن ابی خالد رحمہ اللہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن اوفی ﷺ کے ہاتھ پر تلوار کے زخم کا نشان دیکھا۔

" **ضربة** " تلوار کی ضرب کو کہتے ہیں۔

" **قال ضربتها مع النبی ﷺ یوم حنین** " انہوں نے بتایا کہ مجھے یہ تلوار کا زخم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین کے موقع پر لگا تھا، تو میں نے ان سے پوچھا " **شهدت حنيناً** " کیا آپ غزوۂ حنین میں شامل تھے؟

" **قال قبل ذالک** " انہوں نے کہا کہ میں حنین کے غزوے سے بہت پہلے مسلمان ہو چکا تھا یعنی اس سے پہلے غزوات میں بھی شریک تھا۔

یہاں " **قبل ذلک** " کے معنی ہیں " **اسلمت قبل ذلک** " میں حنین سے بہت پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔

۴۳۱۵ ـ حدثنا محمد بن كثير: أخبران سفيان، عن أبي إسحاق قال: سمعت البراء جاءه رجل فقال: يا أبا عمارة، أتوليت يوم حنين؟ قال: أما أنا فأشهد على النبي ﷺ أنه لم يول. ولكن عجل سرعان القوم فرشقتهم هوازن وأبو سفيان بن الحارث آخذ برأس بغلته البيضاء يقول: ((أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب)). [راجع: ۲۸۶۴]

ترجمہ: ابو اسحاق سے مروی ہے میں سنا کہ حضرت براء بن عازب ﷺ نے اس شخص سے، جس نے آکر ان سے پوچھا تھا کہ اے ابوعمارہ! کیا آپ نے حنین کے دن پشت دکھا دی تھی؟ فرمایا کہ دیکھو میں گواہ ہوں کہ نبی ﷺ نے پشت نہیں پھیری، لیکن قوم میں سے جلد بازوں نے جلدی کی، تو قوم ہوازن نے ان پر تیر اندازی شروع کردی اور حضرت ابوسفیان بن حارث ﷺ آنحضرت ﷺ کے خچر کا سر پکڑے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ میں سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

۴۳۱۶ ـ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق: قيل للبراء وأنا أسمع: أوليتم مع البنى ﷺ يوم حنين؟ فقال: أما النبي ﷺ فلا، كانوا رماة فقال: ((أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب)). [راجع: ۲۸۶۴]

ترجمہ: ابواسحاق سے مروی ہے کہ حضرت براء بن عازب ﷺ سے پوچھا گیا اور میں سُن رہا تھا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تو نہیں بھاگے، وہ لوگ تیرانداز تھے، تو آپ ﷺ یہ فرمار ہے تھے کہ میں سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

تشریح

یہ حضرت براء بن عازب ﷺ کی روایت ہے۔

ان کے پاس ایک شخص آیا اور آکر عرض کیا **"یا ابا عمارہ"** اے ابوعمارہ! یہ حضرت براء ﷺ کی کنیت ہے، **"اتولیت یوم حنین"** کیا حنین کے دن آپ پیٹھ پھر کر بھاگ گئے تھے؟

انہوں نے کہا **"اما انا فاشهد علی النبی ﷺ انه لم یول"** کہ جہاں تک بات ہے رسول اللہ ﷺ کی تو میں اس بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پشت نہیں پھیری۔

"ولکن عجل سرعان القوم" لیکن قوم کے لوگوں میں بعض جو جلد باز لوگ تھے انہوں نے جلدی کی، **"فرشقتهم هوازن"** جب ان لوگوں نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا تو بنوہوازن کے لوگوں نے ان کو تیروں کا نشانہ بنایا۔

"رشقت ضرب بالسهم" تیر مارنا کو کہتے ہیں۔ [۵]

"ابو سفیان بن الحارث آخذ برأس بغلته" اس وقت حضرت ابوسفیان بن حارث ﷺ، جو نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، جیسا کہ پیچھے ان کے اسلام لانے کا واقعہ گزر چکا ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کے سفید خچر کو اس کے سر پکڑا ہوا تھا اور حضور ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے

أنا النبی لا کذب أنا بن عبدالمطلب میں سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

واقعہ غزوۂ حنین

یہ واقعہ یوں تھا کہ ہوازن اور ثقیف کے لوگوں کے جمع ہونے کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ملی تو آپ نے ان کے خلاف ایک لشکر ترتیب دیا، جب آپ ان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو ان کو بھی پتہ لگ گیا کہ حضور اقدس ﷺ کا لشکر ہماری طرف آرہا ہے۔

---

[۵] والرشق بالشین المعجمة والقاف رمی السهم. فتح الباری، ج:۸، ص:۲۹

انہوں نے یہ کام کیا کہ ایک وادی، جس کا نام حنین ہے، یہ وادی مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، وہاں ایک جگہ ایسی تھی جہاں اترائی آتی تھی۔

ان کو پتہ لگ گیا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور اس راستے سے جائیں گے، چونکہ اترائی تھی اس لئے انہوں نے اونچی جگہ پر جا کر پہلے سے قبضہ جما لیا اور گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

جب صبح کے وقت حضور اقدس ﷺ کا لشکر گزرا اور اترائی سے نیچے اتر گیا تو انہوں نے اوپر سے تیروں کی بارش کر دی، اور اس طرح حملہ کیا کہ تینوں اطراف سے تیر انداز تھے ایک طرف زمینی فوج تھی تو گویا مسلمانوں کو انہوں نے گھیرے میں لے لیا اور ایک دم سے ہلہ بول دیا۔

چونکہ صبح کا ابتدائی وقت تھا، ابھی کچھ اندھیرا سا بھی تھا، اس وجہ سے مسلمانوں کو ایک دم سے غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو کچھ مسلمان پیچھے ہٹ گئے، لیکن نبی کریم ﷺ اس وقت میں اپنی جگہ پر ڈٹے رہے اور آپ کے ساتھ کچھ صحابہ بھی ڈٹے رہے۔

البتہ اس میں روایات مختلف ہیں، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ صرف تین صحابی رہ گئے تھے، بعض میں آتا ہے کہ دس تھے، بعض میں آتا ہے کہ پچاس تھے اور بعض میں آتا ہے کہ سو تھے۔

لیکن جن صحابۂ کرام ﷺ کا خاص طور پر ذکر آتا ہے جو اس وقت حضور اقدس ﷺ کے ساتھ موجود تھے ان میں حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت عباس بن عبدالمطلب ﷺ تھے، ان حضرات کا خاص طور پر نام آتا ہے اور باقی صحابہ جن کے نام روایات میں آتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ کوئی ایسا وقت کا آیا تھا جس میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والے بہت کم رہ گئے تھے لیکن پھر رفتہ رفتہ واپس آتے رہے، تو اس طرح وہ تعداد بڑھتی گئی۔

جس نے جو تعداد دیکھی تو کہہ دیا کہ سو رہ گئے تھے جس نے کم دیکھے اس نے کم کی روایت نقل کر دی۔ اس طرح روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مختلف اوقات میں مختلف صحابہ کرام ﷺ کی تعداد آپ ﷺ کے ساتھ تھی۔[۲]

اس وقت حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **"أنا النبي لا كذب - أنا بن عبدالمطلب"** اس واسطے آپ نہ ڈرے اور نہ اپنی جگہ سے ہٹے بلکہ ڈٹے رہے۔

بالآخر آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ آواز دی اور حضرت عباس ﷺ کے ذریعے آواز دلوائی، حضرت

---

[۲] وثبت معه من أصحابه قريب من مائة، وقيل: ثمانون، منهم: أبو بكر وعمر والعباس وعلي والفضل بن عباس وأبو سفيان بن الحارث وأيمن ابن أم أيمن وأسامة بن زيد وغيرهم ﷺ. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۴۲۰

عباس ﷺ جہر الصوت تھے، ان کے ذریعے آواز دلوائی تو آواز دور تک پہنچ گئی لہذا اصحابہ کرام ﷺ واپس آئے اور پھر باقاعدہ مقابلہ شروع ہوا اور اس میں نبی کریم ﷺ نے ایک مٹھی پھینک کر کفار کی طرف پھینکی۔ [7]

روایات میں آتا ہے کہ ہوازن کی شکست اور پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی گئی۔ وہ چادر مسلمانوں اور ان دشمنوں کے مابین آکر گری، دفعۃً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔

وہ درحقیقت ملائکہ تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی نصرت تھی، جس کے نتیجے میں بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ [8]

ایک اشکال کا ازالہ

یہاں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا **"أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب"** یہ موزون ہے یعنی بحر میں آتا ہے، چنانچہ یہ وزن کے اندر پورا شعر ہے۔

اسی واسطے بعض حضرات اس کے اوپر سوال کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ﴾ [9]

---

[7] ثم أمر رسول الله ﷺ، عمه العباس، وكان جهير الصوت، بأن ينادي بأعلى صوته: يا أصحاب الشجرة، يعني: شجرة بيعة الرضوان، يا أصحاب سورة البقرة فجعلوا يقولون لبيك يا لبيك، فتراجع شرذمة من الناس إلى رسول الله ﷺ، فأمرهم أن يصدقوا الحملة، وأخذ قبضة من التراب بعد ما دعا ربه واستنصره، وقال: اللهم أنجز لي ما وعدتني، ثم رمى القوم بها فما بقي إنسان منهم إلا أصابه منها في عينه وفمه ما يشغله عن القتال، ثم انهزموا واتبع المسلمون اقفيتهم يأسرون ويقتلون، وما تراجع بقية الناس إلا والأسارى مجدلة، أي: ملقاة بين يدي النبي ﷺ. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۲۰

[8] وفي ((مسند أحمد)) من حديث يعلى بن عطاء، قال : فحدثني أبناؤهم عن آبائهم أنهم قالوا: لم يبق منا أحد الا امتلأت عيناه وفمه تراباً، وسمعنا صلصلة بين السماء والأرض كامرار الحديد على الطست الجديد. وقال محمد بن اسحاق: حدثني والدی اسحاق بن يسار عمن حدثه عن جبير بن مطعم قال: انا لمع رسول الله ﷺ ، يوم حنين والناس يقتتلون اذ نظرت الى مثل النجاد الأسود يهوى من السماء حتى وقع بيننا وبين القوم، فاذا نمل منثور قد ملأ الوادی، فلم يكن الاّ هزيمة القوم، فما نشك أنها الملائكة. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۲۰

[9] [يس: ۶۹]

ترجمہ: اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی
ہے، اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔

اور یہ حضور اقدس ﷺ نے شعر ارشاد فرمایا ہے اور یہی اشکال اس وقت پر بھی ہوتا ہے جہاں روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" هل انت إلا إصبع دميت - وفي سبيل الله مالقيت " [۱۰]

تو ہے کیا ایک انگلی کے سوا جو زخمی ہوگئی، اور اللہ کی راہ میں یہ زخم جو تجھے پہنچا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کی تعریف یہ کی گئی ہے **"الكلام الموزون المقفى عمدا"** یعنی اس کلام کو شعر کہا جائے گا جس میں وزن اور قافیہ جان بوجھ کر شعر کے قصد سے پیدا کیا گیا ہو۔ اگر بغیر قصد شعر کے وزن اور قافیہ پیدا ہوگیا تو وہ شعر نہیں ہوتا۔

یہاں پر بھی حضور اقدس ﷺ نے جو ارشاد فرمایا یہ قصدِ شعر کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ جو جملہ زبان سے نکالا وہ اتفاق سے موزون اور مقفی تھا۔

مجھے آج تک یہ خیال نہیں آیا تھا، توجہ نہیں تھی کہ میرا نام بھی موزون ہے **— محمد تقي العثماني —** یہ موزون ہے۔ ملکِ شام میں میرے ایک دوست ہیں، انہوں نے مجھے ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا اور اس کا پہلا شعر یہیں سے شروع کیا:

— محمد تقي العثماني...... ريحانة الهند وباكستان —

اگر یوں پڑھا جائے تو یہ وزن میں آجاتا ہے، بحر میں ہم وزن ہے۔

قصیدہ اس طریقے سے لکھ کر بھیجا تو پہلی بار خیال آیا کہ واقعی یہ وزن کے اندر بھی آسکتا ہے، اس لئے بعض اوقات انسان کوئی لفظ یا جملہ بولتا ہے لیکن اس سے قصد شعر کا نہیں ہوتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [۱۱]

ترجمہ: تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں
پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لئے)
خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔

یہ بھی موزون ہے لیکن قصد شعر کا نہیں ہے اس واسطے اس کو شعر نہیں کہا جائے گا۔

---

[۱۰] صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من ينكب في سبيل الله، رقم: ۲۸۰۲

[۱۱] [آل عمران: ۹۲]

اس لئے حضور اقدس ﷺ کا زبان سے یہ جملہ نکل آنا یہ ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ﴾ کے منافی نہیں۔

اگر بالفرض اس بات کو بھی تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ قصداً فرمایا تب بھی ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو شاعر نہیں بنایا۔

شاعر وہ ہوتا ہے جو کثرت سے شعر کہے، اتفاقاً اکا دکا کوئی شعر زبان پر جاری ہو جائے تو اس کو شاعر نہیں کہہ سکتے تو اس واسطے قرآن کریم کی آیت کے منافی نہیں ہے۔ [۱۲]

حسبِ حال وحقیقتِ حال کا بیان تفاخر نہیں

اب یہاں اس جملے کو اگر تفاخر کے طور پر بیان کیا ہو تو منع ہے۔

لیکن اگر یہ مقصد ہو کہ اپنی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بتانا مقصود ہو کہ میں الحمد اللہ ایک اعلیٰ نسب سے ہوں اور تحدیث بالنعمت کے طور پر یہ بات کہتا ہوں، تو عام آدمی کیلئے بھی جائز ہے کہ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، البتہ اس کو تکبر اور عجب کا ذریعہ نہ بنائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحدیث کے طور پر کہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جواب تفاخر کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے سامنے تواضع نہیں چلتی، اگر دشمن کے سامنے بھی آدمی تواضع کرنے لگے تو مارا جائے گا تو وہاں پر تفاخر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں اپنے آپ کو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے ایک بزرگ نے واقعہ سنایا کہ ایک صاحب بھوپال کے بڑے مفتی اور قاضی تھے۔ ایک نواب صاحب ان کے معتقد تھے تو نواب صاحب نے ان کو اپنے گھر بلایا آدھی رات کے وقت ان کو استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تو استنجا کرنے کے لئے باہر نکلے دیکھنے کے لئے کہ جہاں استنجا مناسب ہو۔

وہاں نواب صاحب کے چوکیدار پھر رہے تھے کہ کوئی چور ڈاکو وغیرہ نہ آجائے، تو یہ مولانا صاحب کو نہیں پہچانتے تھے۔ مولانا صاحب استنجا کرنے جا رہے تھے تو چوکیدار نے ایک دم لٹھ لیکر کہا کہ کون ہے؟

---

[۱۲] قوله: ((أنا النبي لا كذب، أنا ابن عبدالمطلب)) قال ابن التين: كان بعض أهل العلم يقوله بفتح الباء من قوله ((لا كذب)) ليخرجه عن الوزن، وقد أجيب عن مقالته ﷺ هذا الرجز بأجوبة أحدها أنه نظم غيره، وأنه كان فيه: أنت النبي لا كذب أنت ابن عبدالمطلب، فذكره بلفظ ((أنا)) في الموضعين. ثانيها أن هذا رجز وليس من أقسام الشعر، وهذا مردود. ثالثها أنه لا يكون شعراً حتى يتم قطعة، وهذه كلمات يسيرة ولا تسمى شعراً. رابعها أنه خرج موزوناً ولم يقصد به الشعر، وهذا أعدل الأجوبة. فتح الباری، ج:۸، ص: ۳۱

انہوں نے کہا کہ ہم ہیں بڑے مولانا صاحب۔ بعد میں کسی نے کہا کہ حضرت آپ نے خود اپنے آپ کو بڑے مولانا صاحب کہا۔ کہنے لگے یار! اس وقت میں اگر تواضع کر لیتا تو میرے سر کے اوپر لٹھ لگ جاتا، تو جہاں لڑائی ہو، جہاد اور حرب وضرب ہو وہاں عبد مسکین نہیں چلتا، وہاں تھوڑا سا تفاخر کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔

اس لئے حضرت ابو دجانہ ﷺ کو جب آنحضرت ﷺ نے بدر میں تلوار عطا فرمائی تو ذرا اکڑ کر چلے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عام حالات میں یہ وقار و چال پسندیدہ نہیں لیکن اس وقت میں یہی چال محبوب ہے اس لئے کہ اس وقت دشمن سے مقابلہ ہے۔

دین اور نبی ﷺ پر کوئی عار نہیں

اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ حضرت براء بن عازب ﷺ سے سوال تو خود ان کے بارے میں اور مسلمانوں کے بارے میں ہوا تھا کہ کیا آپ بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے جواب یہ دیا کہ نہیں! حضور اقدس ﷺ نہیں بھاگے تھے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں نظر آتا۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ میاں ہم بھاگے یا نہیں بھاگے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ نہ دین پر کوئی الزام آتا ہے نہ اسلام پر کوئی الزام آتا ہے۔

الزام اگر آ سکتا ہے تو اس صورت میں آ سکتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے بارے، خدا نہ کرے، کسی موقع پر یہ ثابت ہو کہ آپ نے پیٹھ پھیر لی تھی۔ ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا اس کو بھول جاؤ، لیکن نبی کریم ﷺ ڈٹے رہے اور آپ پیچھے نہیں ہٹے۔

گویا یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ ہماری تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ ہم بھاگے تھے یا نہیں بھاگے تھے، ہم بھاگے بھی ہوں تو اس سے حضور اقدس ﷺ پر کوئی آنچ نہیں آتی، دین پر اور اسلام پر آنچ نہیں آتی لیکن نبی کریم ﷺ نہیں بھاگے تھے۔ [۱۳]

۴۳۱۷ ۔ حدثنی بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن أبی إسحاق: سمع البراء وسأله رجل من قیس: أفررتم عن رسول اللہ ﷺ یوم حنین؟ فقال: لکن رسول اللہ ﷺ لم یفر،

---

[۱۳] فإن قلت: جوابه لایطابق سؤال الرجل، لأنه سأل عنه هل تولیت أم لا؟ ولم یسأل عن حال النبی ﷺ، قلت: لأنه فهم بقرینة الحال أنه سأل عن فرار الکل، فیدخل فیه النبی ﷺ، ویؤیده ما فی الطریق الذی یأتی عقیبه: أولیتم مع النبی ﷺ؟ وأجاب بقوله: ((أشهد علی رسول اللہ ﷺ أنه لم یولّ)). عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۲۲

كانت هوازن رماة وإنا لما حملنا عليهم انكشفوا فأكببنا على الغنائم فاستقبلنا بالسهام ولقد رأيت النبي ﷺ على بغلته البيضاء وإن أبا سفيان بن الحارث آخذ بزمامها وهو يقول: ((أنا النبي لا كذب)) قال إسرائيل وزهير: نزل النبي ﷺ عن بغلته. [راجع: ۲۸۶۴]

ترجمہ: ابواسحاق سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا، جب ان سے قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے پوچھا کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو حنین کے دن چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا مگر رسول اللہ ﷺ تو نہیں بھاگے، (ہوا یہ کہ) قوم ہوازن بہت زیادہ تیرانداز تھے، جب ہم نے اُن پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے، ہم مال غنیمت جمع میں مصروف ہو گئے، تو ہمارے سامنے سے تیر آنے لگے، اور میں رسول اللہ ﷺ کو آپ کے سفید خچر پر دیکھا، جس کی لگام ابوسفیان رضی اللہ عنہ پکڑے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ میں سچا نبی ہوں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ اسرائیل اور زہیر نے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ اپنے خچر سے اتر آئے تھے۔

روایتوں میں تطبیق

یہاں پر حضرت براء رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ ہم نے ہوازن پر حملہ کیا تھا، اور پہلے حملے میں قبیلہ ہوازن کے لوگ پسپا ہو گئے، اس پسپائی کے بعد ہم غنیمت کے مال کی طرف چلے گئے تاکہ غنیمت کا مال اکٹھا کر سکیں۔

"**فاستقبلنا بالسهام**" وہاں ہمارا مقابلہ تیروں سے ہوا یعنی جب مسلمان مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے تو کفار کے تیراندازوں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔

پیچھے غزوۂ حنین کی تفصیل گزری ہے، جو کہ اصحاب سیر و مغازی بیان کرتے ہیں کہ ابتداً ہی میں مشرکین گھات لگائے بیٹھے تھے اور مسلمانوں کا محاصرہ کر کے حملہ کر دیا تھا، جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔

تو دونوں باتوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ شروع میں یہ ہوا اور بعد میں پھر مسلمان غالب آنے لگے اور ان کو پیچھے ہٹا دیا، اس کے بعد ایک مرتبہ پھر گویا کفار کی طرف تیراندازی ہوئی جس کی وجہ سے تھوڑی دیر کیلئے وقتی طور پر مسلمان پسپا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمیشہ کیلئے نصرت عطا فرمائی۔

۴۳۱۸، ۴۳۱۹ ـ حدثنا سعيد بن عفير قال: حدثني الليث بن سعد: حدثني عقيل، عن ابن شهاب ح. وحدثني إسحاق: حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا ابن أخي ابن شهاب: قال محمد بن شهاب: وزعم عروة بن الزبير أن مروان والمسور بن مخرمة أخبراه أن رسول الله ﷺ قام حين جاءه وفد هوازن مسلمين فسألوه أن يرد إليهم أموالهم وسبيهم فقال لهم رسول الله ﷺ: ((معي من ترون، وأحب الحديث إلي أصدقه فاختاروا

إحدى الطائفتين ،وإما السبي وإما المال. وقد كنت استأنيت بكم)). وكان أنظرهم رسول الله ﷺ بضع عشرة ليلة حين قفل من الطائف، فلما تبين لهم أن رسول الله ﷺ غير راد إليهم إلا إحدى الطائفتين قالوا: فإنا نختار سبينا، فقام رسول الله ﷺ في المسلمين فأثنى على الله بما هو أهله ثم قال: ((أما بعد، فإن إخوانكم قد جاؤنا تائبين، وإني قد رأيت أن أرد إليهم سبيهم. فمن أحب منكم أن يطيب ذلك فليفعل، ومن أحب منكم أن يكون على حظه حتى نعطيه إياه من أول ما يفيء الله علينا فليفعل)). فقال الناس: قد طيبنا ذلك يا رسول الله. فقال رسول الله ﷺ: ((إنا لا ندري من أذن منكم في ذلك ممن لم يأذن فارجعوا حتى يرفع إلينا عرفاؤكم أمركم)) فرجع الناس فكلمهم عرفاؤهم. ثم رجعوا إلى رسول الله ﷺ فأخبروه أنهم قد طيبوا وأذنوا. هذا الذي بلغني عن سبي هوازن. [راجع: ۲۳۰۷، ۲۳۰۸]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر ﷺ روایت کرتے ہیں مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے انہیں خبر دی کہ جب نبی ﷺ کے پاس ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آیا اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے قیدی اور مال انہیں واپس کردیئے جائیں، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس اور بھی لوگ جنہیں تم دیکھ رہے ہو اور مجھے سب سے زیادہ سچی بات پسند ہے، لہٰذا تم دو میں سے ایک چیز پسند کرلو، یا قیدی یا مال، اور میں نے تم لوگوں کا انتظار بھی کیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے طائف سے واپس تشریف لاتے وقت دس سے زیادہ دن تک قوم ہوازن کا انتظار کیا تھا، جب ان پر یہ بات عیاں ہوگئیکہ نبی کریم ﷺ صرف ایک ہی چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ کی شایانِ شان تعریف کرکے فرمایا اما بعد! تمہارے بھائی کفر سے توبہ کرکے ہمارے پاس آئے ہیں، اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس کردیئے جائیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص احسان کے طور پر چھوڑنا چاہے وہ ایسا کرے، اور جو اپنے حصہ کو نہ چھوڑنا چاہے، بلکہ وہ یہ چاہے کہ ہم اس کے عوض میں اگلے اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ مال فے میں ہمیں عطا فرمائے گا، اسے دیں گے، تو ایسا کرے۔ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم احسان کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کس نے اس بات کو پسند کرکے اجازت دی ہے، کس نے نہیں؟ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ، یہاں تک کہ تمہارے سردار آکر ہمارے پاس یہ معاملہ پیش کریں، لوگ واپس چلے گئے اور ان سے ان کے سرداروں نے گفتگو کی، پھر وہ سردار رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے، آپ کو بتایا کہ سب لوگ خوشی سے اس کی اجازت دیتے ہیں، یہ وہ حدیث ہے جو مجھے ہوازن کے قیدیوں کے بارے میں معلوم ہوئی ہے۔

غنیمت کی تقسیم کا واقعہ اور قبیلۂ ہوازن کا قبولِ اسلام

غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ تبارک وتعالی نے مسلمانوں کو بالآخر فتح عطا فرمائی اور اس فتح کے نتیجے میں بنو ہوازن کے بہت سے اموال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور بہت سے قیدی بھی بنے۔

قیدیوں کے بارے میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کو غلام بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دے۔ ہوازن سے حاصل ہونے والے غنیمت میں بہت سے اموال بھی تھے اور بہت سے قیدی بھی تھے جن کو غلام بنایا جا سکتا تھا۔

حضور اقدس ﷺ کو شروع سے کچھ اندازہ تھا اور امید تھی کہ یہ ہوازن کے لوگ اگر چہ ہم سے لڑ رہے ہیں، لیکن بالآخر یہ لوگ مشرف باسلام ہوں گے۔

اس واسطے آنحضرت ﷺ نے، اگر چہ مال غنیمت جو مسلمانوں کے پاس الگ تھا اور جمع بھی کر لیا گیا تھا، لیکن آپ نے فوری طور پر تقسیم نہیں فرمایا اور یہ سوچا کہ شائد یہ لوگ آ کر مسلمان ہو جائیں تو ان کو یہ مال واپس کر دیں گے، کیونکہ جہاد کا اصل مقصود مال غنیمت تو نہیں ہے۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مؤمن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مقصود تو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی سربلندی ہے، اگر یہ لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں تو پھر ہم ان کا مال غنیمت ان کو واپس کر دیتے ہیں، یوں آپ ﷺ نے کئی دن تک اس معاملہ کو ٹالا۔

سب سے پہلے حنین میں فتح حاصل ہوئی تھی، اس کے بعد اوطاس کا غزوۂ پیش آیا جس کا ذکر آگے آنے والا ہے۔ اوطاس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ہی عطا فرمائی، اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے طائف پر حملہ کیا اور کافی دن وہاں محاصرہ جاری رکھا، پھر محاصرہ اٹھا کر واپس تشریف لائے اور آ کر جعرانہ میں قیام فرمایا۔

جب تک جعرانہ میں قیام فرمایا اس وقت تک آپ ﷺ نے حنین کے غنیمت کو تقسیم نہیں فرمایا، انتظار فرماتے رہے کہ شاید قبیلۂ ہوازن کے لوگ آ جائیں اور مسلمان ہو جائیں، لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ لوگ اب تک نہیں آئے تو آپ ﷺ نے جعرانہ میں قاعدے کے مطابق مال غنیمت تقسیم فرمایا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد ہوازن کے لوگ آئے اور کہا کہ ہم کفر وشرک سے توبہ کرتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں۔ جب اسلام لے آئے تو درخواست کی کہ آپ ہمارا مال اور ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔

حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مجبور ہو کر مالِ غنیمت تقسیم کر دیا ہے، اب یہ ہو سکتا ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز پسند کر لو یا تو تمہارا مال تمہیں واپس کر دیا جائے، اور جن قیدیوں کو باندی اور غلام بنایا

گیا ہے، وہ باندی اور غلام بنے رہیں۔

مطلب یہ کہ مال واپس کر دیا جائے تو قیدی نہیں واپس ہوں گے اور قیدی واپس کئے جائیں تو مال واپس نہ کیا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے کہ اگر دو میں سے ہمیں ایک ہی چیز لینی ہے تو ہم اپنے قیدی واپس لے لیتے ہیں، انسانوں کو واپس لینا اور ان کی عزت کا سوال اہم ہے وہ واپس لیتے ہیں مال نہیں لیتے۔

پھر آپ ﷺ نے اپنا حصہ تو اسی وقت دے دیا فرمایا کہ میں اپنا حصہ تو دیدیتا ہوں اور جو لوگ خوشی سے دینا چاہیں گے وہ دیں گے۔

اسلام میں ایثار وقربانی کی بے نظیر مثال

چونکہ قیدی بھی تقسیم ہو چکے تھے، غلام بن کر کوئی کسی کے حصے میں آگیا تھا، کوئی کسی کے حصے میں آگیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدے کے ایفاء کیلئے، جو بنوہوازن سے کیا تھا، مسلمانوں میں خطبہ دیا۔

ارشاد فرمایا کہ اگرچہ یہ قیدی اب تقسیم ہو چکے ہیں اور جس کو دے دیا گیا وہ قیدی اس کی ملکیت میں آگیا ہے، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ہمارے بھائی ہیں اور تائب ہو کر آئے ہیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دیئے جائیں۔

اگر کوئی شخص خوش دلی سے واپس دینے کو تیار ہو تو وہ مجھے بتادے تو اس کا قیدی ان کو بلا معاوضہ واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی شخص خوش دلی سے دینے کو تیار نہ ہو تو میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ اس قیدی کو ان کو دیدیں اور آئندہ جو پہلا مال فئے حاصل ہوگا اس میں سے اِس کو اتنا معاوضے دیا جائے گا جس سے اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

پہلے مہاجرین صحابۂ کرام ﷺ نے کہا کہ ہم واپس کرتے ہیں پھر انصاری صحابۂ کرام ﷺ نے کہا کہ ہم واپس کرتے ہیں یعنی سب لوگوں نے کہا کہ ہم خوش دلی سے واپس دیتے ہیں۔ محمد عربی ﷺ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام ﷺ تھے اس لئے کہا کہ خوش دلی سے دیتے ہیں۔ [۱۲]

لیکن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح مجمع عام میں کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، پتہ نہیں چلتا کہ کس آدمی نے خوشدلی سے نہیں دیا، لہٰذا یہ مجمع برخاست کیا جاتا ہے اب ہر شخص اپنے جو ورثاء ہیں یعنی ان کے خاندان یا قبیلے کے جو بڑے ہیں تو ان سے رابطہ قائم کرلے پھر ہر خاندان یا قبیلے کے سردار ہمارے پاس آئیں اور آکر بتائیں کہ اگر کسی کو اعتراض ہے یا اگر کسی کو معاوضہ لینا ہو تو وہ بتادے۔

چنانچہ پھر ورثاء نے آپ ﷺ کے پاس معاملہ پیش کیا تو تقریباً سارے صحابہ ؓ نے کہہ دیا کہ ہم تو خوش دلی سے دیتے ہیں، ہمیں کوئی معاوضہ نہیں چاہیے۔ سوائے عیینہ بن حصن کے واقعہ کے کہ انہوں نے مالِ غنیمت کے معاوضہ کے مطالبہ پر آپ ﷺ نے ان کو معاوضہ دیا۔ یہ واقعہ ہے جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ [۱۵]

حدیث کی تشریح

اس روایت میں حضرت عروہ بن زبیر ؓ نے بتلایا کہ حضرت مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے **"حین جاءہ وفد هوازن مسلمین"** جب ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا اور آکر یہ سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ ان کے اموال اور ان کے قیدی ان کو لوٹا دیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا **"معی من ترون"** کہ میرے پاس اور بھی لوگ جنہیں تم دیکھ رہے ہو، یعنی میں اکیلا نہیں ہوں یہ سب صحابہ میرے ساتھ ہیں، **"واحب الحدیث الی أصدقه"** اور مجھے سب سے زیادہ سچی بات پسند ہے یعنی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آدمی صاف، سیدھی، سچی اور کھری بات کرلے۔

"فاختاروا إحدی الطائفتین" لہٰذا تم دو میں سے ایک چیز پسند کرلو۔ یعنی میں میرے پاس دو صورتیں ہیں ان میں کسی ایک کو تم لوگ اختیار کرلو۔

"وإما السبی وإما المال" یا تو اپنے بال بچوں کو لے لو یا اپنا مال لے لو۔

"وقد کنت استأنیت بکم" اور میں نے تم لوگوں کا انتظار بھی کیا تھا یعنی میں نے تمہارے معاملے میں احتیاطاً تاخیر کی تھی کہ شائد تم لوگ اسلام لے آؤ۔

---

[۱۵] فقال رسول الله ﷺ ابناؤکم ونساؤکم أحب الیکم أم أموالکم؟ فقالوا: یارسول الله، خیرتنا بین أموالنا واحسابنا، بل ترد الینا نساءنا وأبناءنا، فهو أحب الینا، فقال لهم: أما کان لی ولبنی عبدالمطلب فهو لکم، واذا انا صلیت الظهر بالناس، فقوموا فقولوا: انا نستشفع برسول الله الی المسلمین، وبالمسلمین الی رسول الله فی أبنائنا ونسائنا، فساعطیکم عند ذلک، واسأل لکم. فلما صلی رسول الله ﷺ بالناس الظهر، قاموا فتکلموا بالذی أمرهم به، فقال رسول الله ﷺ: وأما ما کان لی ولبنی عبدالمطلب فهو لکم. فقال المهاجرون: وما کان لنا فهو لرسول الله ﷺ. وقالت الأنصار: وما کان لنا فهو لرسول الله ﷺ — الی وقال عیینة بن حصن أما أنا وبنو فزارة فلا. سیرة ابن هشام، ج:۲، ص: ۴۹۰-۴۸۹

"**استانیت**" کے معنی "**تاخرت**" کے ہیں، "**انات**" سے نکلا ہے، "**انات**" کے معنی ہیں کسی کام کو اطمینان سے، دیر سے انجام دینا۔

"**استانیت لکم**" یعنی میں نے اس معاملے کو تمہارا انتظار کرتے ہوئے مؤخر کیا۔ [۱۶]

درمیان میں یہ جملہ معترضہ آیا ہے۔

"**وکان أنظرهم رسول الله ﷺ بضع عشرة ليلة حين قفل من الطائف**" جب طائف سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو دس سے زیادہ راتوں تک مہلت دی تھی یعنی ان کا انتظار کرتے رہے تھے۔

"**فلماتبين لهم أن رسول الله ﷺ غير راد إليهم إلا إحدى الطائفتين**" جب ہوازن کو یہ پتہ لگ گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی طرف دونوں میں سے ایک چیز ہی واپس لوٹائیں گے یعنی قیدی یا مال، "**قالوا: فإنا نختار سبينا**" تو بنو ہوازن نے کہا کہ ہم اپنے قیدیوں کو واپس لیتے ہیں۔

"**فقام رسول الله ﷺ في المسلمين فأثنى على الله بما هو أهله**" تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے خطاب کرنے کیلئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی اس طرح حمد وثناء بیان کی جیسا کہ اسکا حق ہے۔

"**ثم قال: أما بعد، فإن إخوانكم قد جاؤنا تائبين**" حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ! یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آئے ہیں ہمارے پاس آئے ہیں۔

"**وإني قد رأيت أن أرد إليهم سبيهم**" اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس کردیئے جائیں، "**فمن أحب منكم أن يطيب ذلك فليفعل**" تم میں سے جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ خوش دلی سے یہ کام کردے یعنی اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدی واپس کردے، تو وہ ایسا کرلے۔

"**ومن أحب منكم أن يكون على حظه**" اور تم میں سے جو شخص یہ چاہے کہ اپنے حصے پر برقرار رہے یعنی جو حصہ اس کو دے دیا گیا ہے وہ اسی کی ملکیت میں رہے، "**حتى نعطيه إياه من أول ما يفيء الله علينا فليفعل**" یہاں تک کہ اس کے معاوضے میں ہم سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ ہم کو آئندہ مال فئی عطا فرمائیں گے اس میں سے دیں گے تو ایسا کرلو یعنی اگلے مال فئی سے اس کا معاوضہ ادا کردیا جائے گا۔

"**فقال الناس: قد طيبنا ذلك يارسول الله**" لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ بات خوش دلی سے منظور کرلی ہے۔

---

[۱۶] قوله: ((وقد كنت استانيت بكم)) وفي رواية الكشميهني: استانيت لكم، اى: انتظرت، اى: أخرت قسم السبى لتحضروا، وقد أبطأتم وكان ﷺ ترك السبى بغير قسمة وتوجه الى الطائف فحاصرها، كما سيأتي، ثم رجع عنها الى الجعرانة، ثم قسم الغنائم هناك، فجاء وفد هوازن بعد ذلك. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۲۵

"إنالا ندری من أذن منکم فی ذلک ممن لم یأذن" آپ ﷺ نے فرمایا ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کس نے اس بات کو پسند کر کے اجازت دی ہے، کس نے نہیں؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کے کس نے خوشی سے یہ بات کہی اور کس نے نہیں۔ "فارجعوا حتی یرفع إلینا عرفاؤکم أمرکم" پس اپنی جگہ پر لوٹ جاؤ یہاں تک کہ تمہارے سردار تمہارا معاملہ ہمارے سامنے لیکر لائیں اور بتائیں کہ کس نے حقیقت میں دل سے اجازت دی اور کس نے نہیں۔

"فرجع الناس فکلمهم عرفاؤهم" لوگ لوٹ گئے، ان کے سرداروں نے ان سے بات چیت کی کہ کون اجازت دیتا ہے کون اجازت نہیں دیتا۔

"ثم رجعوا إلی رسول اللہ ﷺ فأخبروہ أنهم قد طیبوا وأذنوا" پھر وہ سردار رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے، بتایا کہ سب لوگ خوشی سے اسکی اجازت دیتے ہیں یعنی طیبِ نفس کے ساتھ اجازت دی ہے۔

مجمع میں اجتماعی منظوری کافی نہیں

اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ عمومی اجتماع میں کسی بات کی منظوری لے لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ہر شخص منظور کر رہا ہے جیسا کہ سیاسی جلسوں میں ہوتا ہے۔ ارے بھائی ہاتھ کھڑے کرو اور لوگوں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے تو کیا کہہ دیا کہ عوامی عدالت نے فیصلہ دے دیا اور عوام نے فیصلہ کر دیا۔

یہ عوام کا فیصلہ اس طرح معتبر نہیں، اس واسطے کہ کچھ پتہ نہیں کس شخص نے کس جذبے سے ہاتھ اٹھایا، ایسے ہی دوسرے کے دباؤ میں آ کر ہاتھ اٹھالیا۔ یہ سوچ کر کہ اگر ہاتھ نہیں اٹھاؤں تو لوگ کیا کہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے منظوری لینے کا یہ طریقہ مجمع میں پسندیدہ نہیں ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ نہیں ہمیں نہیں پتہ، حالانکہ سب نے کہہ دیا تھا کہ "طیبنا ذالک یا رسول اللہ ﷺ" لیکن آپ ﷺ نے کہا نہیں ہمیں پتہ نہیں لگا کہ کس نے اجازت دی اور کس نے اجازت نہیں دی۔

اس لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کل مجمع عام میں چندہ کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جس مجمع عام میں چندہ کیا جاتا ہے تو بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سوچتے ہیں کہ اتنے سارے لوگوں نے دیا ہے اگر میں نہیں دوں گا تو ناک کٹ جائیں گی تو اس لئے شرما شرمی میں دے دیتے ہیں تو یہ طیب نفس کے ساتھ نہ ہوا۔ اسی طرح یہ شرط بھی ہے کہ چندہ دینے والی کی طبیعت پر گرانی بھی نہ ہو یعنی ان طریقوں سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو۔

کیونکہ حدیث میں ہے رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''**لایحل مال امری لمسلم ، الا بطیب نفس منه**'' یعنی کسی بھی مسلمان سے اس کی دلی رضامندی کے بغیر مال لینا حلال نہیں۔ ۱۷

اس لئے صرف زبانی اجازت کافی نہیں ہے بلکہ طیب نفس ضروری ہے اور طیب نفس کا اس طرح مجمع عام میں پتہ نہیں لگتا، تو اس واسطے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں نہیں پتہ کہ کس نے اجازت دی کس نے نہیں دی۔ ۱۸

اسلامی سوشل ازم اور اس کی حقیقت

جس زمانے میں سوشل ازم کا بازار گرم تھا، چاروں طرف اس کا طوطی بولتا تھا۔ اس زمانے میں نیشنلائزیشن (Nationalization) یہ فیشن بنا ہوا تھا تو اس زمانے میں بہت سے لوگ جن میں افسوس ناک بات یہ ہے کہ بعض اچھے خاصے اہل علم بھی داخل ہیں یہ کہنے لگے کہ اسلام تو عین اشتراکیت کا سبق دیتا ہے اور اسی زمانے میں یہ اصطلاح بھی گھڑی گئی اسلامی سوشل ازم، اور کہا کہ ہم تو اسلامی سوشل ازم کے علمبردار ہیں۔

اس سوشل ازم کی بنیاد اس پر تھی کہ لوگوں کی املاک قومی ملکیت کی تحویل میں لے لی جائیں۔

سوشل ازم کے حامی کہتے تھے کہ جتنے بھی کارخانے، زمینیں ہیں، یہ سب کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں ہونا چاہئے اور یہ سب اٹھا کر حکومت کو دے دینا چاہئے اور حکومت اپنی پلاننگ کے ذریعے کام انجام دے۔ اُس وقت جو لوگ اسلامی سوشل ازم کے علمبردار تھے انہوں نے متعدد آیتِ قرآنی اور احادیث کا سہارا لیا۔

اگر کوئی شخص قرآن وحدیث پر اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے پر اتر آئے تو جس طرح چاہے استدلال کرے تو ان میں سے ایک استدلال جو پیش کیا گیا وہ یہ بھی تھا کہ دیکھو یہاں پر قیدی تقسیم کر دیئے گئے تھے اور وہ ہر ایک شخص کی انفرادی ملکیت میں آگئے تھے لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو واپس کر دیا جائے، لہٰذا لوگوں سے واپس لے کر ہوازن کے لوگوں کو لوٹا دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی انفرادی املاک کو قومی ملکیت میں لے لینا جائز ہے اور لوگوں کی املاک کو قومی تحویل (نیشنلائز Nationaliz) میں کر کے حکومت اپنے مصلحت کے تحت استعمال کر لے، انہوں نے اس واقعہ سے یہ استدلال کیا ہے۔

حالانکہ اس واقعے کا اس سوشل ازم سے دور دور تک کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ حکومت املاک کو قومی تحویل میں لے سکتی ہے۔

---

۱۷ السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الغصب، رقم، ۱۱۵۴۵

۱۸ تحفۃ العلماء، ج:۱، ص:۱۶۵

اس واسطے کہ اولاً تو حضور ﷺ نے اعلان فرمایا، اگر قومی ملکیت میں لینا ہوتا تو سیدھی طرح حکم جاری کر دیتے کہ واپس کرو اور جو تقسیم کی گئی ہے اس کو ہم باقی نہیں رکھتے ۔ اگر آپ ﷺ یہ حکم جاری کر دیتے کہ واپس کر دو تو کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوتا، ایسے جان نثار صحابہ تھے۔

لیکن اسکے باوجود سرکار دو عالم ﷺ نے حکم جاری نہیں فرمایا اور انکو جمع کیا، خطاب کیا، ان کی مرضی معلوم کی سارے مجمع نے کہہ دیا کہ ہم راضی ہیں، آپ ﷺ نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا کہا کہ میں اس اجتماعی رضامندی کو معتبر نہیں مانتا جاؤ اور جا کر اپنی رائے بتاؤ کہ کون راضی ہے کون راضی نہیں، تب آپ ﷺ نے یہ کام کیا۔

کیسے اس بات پر استدلال ہوسکتا ہے کہ حکومت زبردستی کسی کی ملکیت کو قبضے میں لے سکتی ہے؟

یہ واقعہ تو صراحتاً تردید کر رہا ہے کہ قومی ملکیت میں لینا جائز نہیں، اس لئے کہ اگر جائز ہوتا تو آپ ﷺ صحابۂ کرام ﷺ سے اس طرح مرضی معلوم نہ فرماتے اور یہ اہتمام نہ فرماتے جو آپ نے اس مجمع میں اہتمام فرمایا۔

اس سے زیادہ بڑی قومی ضرورت اور کیا ہوسکتی ہے کہ نومسلم قوم ہے جس کے ساتھ جنگ ہوئی تھی وہ نادم ہوکر، تائب ہوکر اور مسلمان ہوکر آئی ہے تو اس کو اس کے قیدی واپس کر دینا عین شرعی مصلحت بھی تھی، قومی مصلحت بھی تھی، پوری امت کی مصلحت بھی تھی، تو اس امت کی مصلحت کی خاطر اگر قومی ملکیت میں زبردستی لے لینا جائز ہوتا تو سرکار دو عالم ﷺ یہ سارا اہتمام نہ فرماتے۔

لیکن آپ نے اتنا اہتمام فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی حکومت کیلئے جائز نہیں ہے کہ کسی کی ذاتی ملکیت جو اسے حلال طریقے سے حاصل ہوئی ہو، مشروع طریقے سے حاصل ہوئی ہو ان کو قبضے میں لے اور بغیر معاوضے کے قومی ملکیت میں لے جیسا کہ سوشل ازم کا دعوی تھا یا اسلامی سوشل ازم والوں کا دعوی تھا۔ معاوضہ کے بغیر لینے کا تو یہاں کوئی استدلال ہو ہی نہیں سکتا زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ معاوضہ دے کر وہ مال واپس لیا جاسکتا ہے۔

آج بھی یہ کہا جاتا ہے کہ صاحب یہ بات ساری سیاسی جماعتوں کے منشور میں لکھی ہوئی ہے کہ جب ہم آئیں گے تو تمام جاگیرداروں سے ان کی زمینیں بلا امتیاز لے لیں گے اور قومی ملکیت میں داخل کر دیں گے۔ ساری سیاسی جماعتیں بلا استثنیٰ ان کے منشور میں یہ بات داخل ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ کوئی حکومت آتی ہے تو وہ خود جاگیردار ہوتی ہے، خود زمیندار ہوتی ہے۔ وہ اپنی زمینوں کے تحفظ کے لئے ایسے حیلے اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس کا کام چل جاتا ہے لیکن یہ بات سب کے منشور میں لکھی ہے کہ بلا معاوضہ لے لی جائیں۔

یہ شریعت کا تقاضہ نہیں ہے!

شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ جس نے حرام طریقے سے حاصل کی، رشوت کے ذریعے حاصل کی، کرپشن کے طریقے سے حاصل کی، جتنی بھی حرام طریقے سے حاصل کی ہوئی جائیداد ہے وہ سب ضبط کر لو، کوئی سو، پچاس

ایکٹر کی بات نہیں اور جس نے جائز طریقے سے حاصل کی، حلال طریقے سے حاصل کی اس کی جائیداد کو ضبط کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے، الا یہ کہ اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو تو اس کو قومی ملکیت میں لے لینا اور اس کے اوپر قبضہ کر لینا یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

یہاں پر اس لئے تنبیہ کی گئی کہ جب سوشل ازم کا دور تھا، تو یہ واقعہ کثرت سے پیش کیا جاتا تھا اور بھی چند واقعات جو صحیح بخاری میں آتے ہیں، وہ استدلال میں پیش کئے جاتے تھے۔

اس حوالے سے کتاب "ملکیت زمین اور اس کی تحدید" بھی ہے، مزید تفصیل کیلئے اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

آج کل یہ فیشن ہے کہ ہم تحدید ملکیت کے قائل ہیں کہ ملکیت کو محدود کرنا چاہیے تو اس فیشن کے تحت ہر سیاسی جماعت یہاں تک کہ تمام دینی جماعتیں وہ سب یہ کہتے ہیں کہ تحدید ملکیت کی جائے گی اور ملکیت کی حد مقرر کر دی جائے گی اس سے زیادہ جو ہوگا وہ ضبط کر لیا جائے گا۔

اس کتاب میں تحدید ملکیت کے سلسلہ میں جتنے دلائل پیش کئے جاتے ہیں سب جمع کر دیئے ہیں۔ اصل میں وہ کتاب نہیں ہے بلکہ عدالتی فیصلہ ہے جو سپریم کورٹ میں کیا گیا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے کے جو قوانین زرعی اصلاحات کے نام سے تھے اس کو شریعت کے مطابق قرار دینے کا جو فیصلہ تفصیل سے کیا گیا تھا اس کتاب میں ان سارے دلائل کی تردید آگئی ہے، اسی میں یہ واقعہ بھی داخل ہے۔

۴۳۲۰ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع: أن عمر قال: يا رسول الله ح. وحدثني محمد بن مقاتل: أخبرنا عبدالله: أخبرنا معمر، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: لما قفلنا من حنين سأل عمر النبي ﷺ عن نذر كان نذره في الجاهلية اعتكاف، فأمره النبي ﷺ بوفائه. وقال بعضهم: حماد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر. ورواه جرير بن حازم وحماد بن سلمة، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر عن النبي ﷺ. [۱۹]

---

[۱۹] وفي صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب نذر الكافر وما يفعل فيه اذا أسلم، رقم: ۱۶۵۶، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب المعتكف يعود المريض، رقم: ۲۴۷۴، وكتاب الأيمان والنذور، باب من نذر في الجاهلية ثم ادرك الاسلام، رقم: ۳۳۲۵، وسنن الترمذي، ابواب النذور والأيمان، باب ماجاء في وفاء النذر، رقم: ۱۵۳۹، وسنن النسائي، كتاب الايمان والنذور، باب اذا نذر ثم اسلم قبل ان يفي، رقم: ۳۸۲۰، ۳۸۲۱، ۳۸۲۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب اعتكاف يوم او ليلة، رقم: ۱۷۷۲، وكتاب الكفارات، باب وفاء بالنذر، رقم: ۲۱۲۹، ومسند أحمد، باب مسند الخلفاء الراشدين، اول مسند عمر ابن الخطاب رضي الله عنه، رقم: ۲۵۵، ومسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۳۵۷۴، ۳۹۰۵، ۳۹۲۲، ۵۳۷۴، ۵۵۳۹، ۶۳۱۸، وسنن الدارمي، كتاب النذر والايمان، باب الوفاء النذر، رقم: ۲۳۷۸

زمانۂ جاہلیت کی نذر کا حکم

سفر حنین میں جو متفرق واقعات پیش آئے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ ان کو بیان فرمارہے ہیں۔

"سال عمر النبی ﷺ عن نذر كان نذره في الجاهلية اعتكاف" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں مسجدِ حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانگی تھی تو نبی کریم ﷺ سے اس نذر کو پورا کرنے کے متعلق سوال کیا۔

"فأمره النبي ﷺ بوفائه" تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پورا کرلو۔

اگرچہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہوجائے تو کفر کی حالت میں اس نے جو کچھ کیا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے تو اس وقت مانی ہوئی نذر اب اسلام لانے کے بعد معتبر نہیں ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ نے اس لئے حکم فرمایا کہ پورا کرلو، کیونکہ بہر حال ایک نیک ارادہ تو تھا تو اس نیک ارادے کو پورا کرنے کا موقع بھی ہے کہ یہاں پر آئے ہوئے ہیں اور حرم قریب ہے تو جا کر اعتکاف کرلیں۔

۴۳۲۱ ـ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن يحي بن سعيد، عن عمر ابن كثير بن أفلح، عن أبي محمد مولى أبي قتادة، عن أبي قتادة قال: خرجنا مع النبي ﷺ عام حنين، فلما التقينا كانت للمسلمين جولة فرأيت رجلا من المشركين قد علا رجلا من المسلمين فضربته من ورائه على حبل عاتقه بالسيف فقطعت الدرع. وأقبل علي فضمني ضمة وجدت منها ريح الموت، ثم أدركه الموت فأرسلني فلحقت عمر، فقلت: ما بال الناس؟ قال: أمر الله عز وجل. ثم رجعوا وجلس النبي ﷺ فقال: ((من قتل قتيلا له عليه بينه فله سلبه))، فقلت: من يشهد لي؟ ثم جلست، قال: ثم قال النبي ﷺ مثله فقمت فقلت: من يشهد لي؟ ثم جلست، قال: ثم قال النبي ﷺ مثله فقمت فقال: ((ما لك يا أبا قتادة؟)) فأخبرته، فقال رجل: صدق وسلبه عندي فأرضه منه. فقال أبو بكر: لا ها الله، إذا لا يعمد إلى أسد من أسد الله يقاتل عن الله ورسوله ﷺ فيعطيك سلبه، فقال النبي ﷺ: ((صدق فأعطه))، فأعطانيه فابتعت به مخرفا في بني سلمة، فإنه لأول مال تأثلته في الإسلام. [راجع: ۲۱۰۰]

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ حنین کے سال نکلے، جب ہم کفار کے مقابل ہوئے تو مسلمانوں میں انتشار سا ہوا، میں نے ایک مشرک کو ایک مسلمان پر غالب دیکھا، میں نے اس

کے عقب سے اس کی گردن پر تلوار ماری، تو اس کی زرہ کاٹ دی۔ وہ پلٹ کر مجھ پر آیا، اور مجھے اتنے زور سے دبوچا کہ مجھے موت نظر آنے لگی، پھر وہ مر گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ پھر میں حضرت عمرؓ سے ملا، تو میں نے ان سے کہا، لوگوں کو کیا ہو گیا کہ منتشر ہو رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا حکم ایسے ہی ہے، پھر مسلمان پلٹے، اور اب نبی ﷺ بیٹھ گئے اور فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس کے پاس گواہ بھی ہو تو اسے مقتول کا تمام سامان ملے گا، تو میں نے کہا کہ میری گواہی کون دے گا؟ پھر میں بیٹھ گیا۔ پھر نبی ﷺ نے اسی طرح فرمایا، میں پھر کھڑا ہوا اور میں نے کہا، میری گواہی کون دے گا؟ اور میں بیٹھ گیا، پھر نبی ﷺ نے اسی طرح فرمایا، پھر میں کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ابوقتادہ کیا ہوا؟ تو میں نے آپ ﷺ کو واقعہ بتا دیا، ایک آدمی نے کہا کہ یہ سچ کہتا ہے، اور اس کے مقتول کا سامان میرے پاس ہے، لیکن آپ ﷺ میری طرف سے اسے راضی کر لیجئے، تو ابو بکرؓ نے کہا اللہ کی قسم! یہ ارادہ نہیں کریں گے کہ اللہ کے ایک شیر سے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے لڑتا ہے، اسباب لے کر تجھے دیدیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا، یہ بات بالکل صحیح ہے، لہٰذا یہ اسباب اس کو دیدو۔ اس نے وہ اسباب مجھے دے دیا میں نے اس سے بنوسلمہ میں ایک باغ خریدا، اسلام میں یہ پہلا مال ہے جسے میں نے جمع کیا۔

حضرت ابوقتادہؓ کا واقعہ

حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حنین کے سال نکلے **"فلما التقینا"** جب ہمارا مقابلہ کافروں سے ہوا، **"کانت للمسلمین جولة"** تو مسلمانوں کے لئے ایک گردش پیش آئی۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

ایک تو بعض اوقات یہ محاورتاً استعمال ہوتا ہے **"کان له جولة"** مطلب یہ کہ وہ بہت جوش وخروش سے کام کر رہا تھا، بہت جوش وخروش کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دوسروں کے مقابلے میں دوسروں پر غالب بھی ہو رہا تھا تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ حنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مسلمان غالب آئے۔

دوسرا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ **"جولة"** کا اطلاق گردش پر ہو، مطلب یہ کہ مسلمانوں کو کچھ پیچھے ہٹنا پڑا تھا تو مسلمان گردش میں آ گئے تھے، یہ معنی بھی بعض اوقات لئے جاتے ہیں۔

"فرأیت رجلا من المشرکین قد علی رجلا من المسلمین" میں نے دیکھا کہ مشرکین میں سے ایک آدمی کسی مسلمان کے اوپر چڑھ دوڑا ہے یعنی اس کو شہید کرنے کے ارادے سے اس پر چڑھ گیا، **"فضربته من ورائه علی حبل عاتقه بالسیف فقطعت الدرع"** تو جب میں نے دیکھا کہ یہ کافر کسی مسلمان کے اوپر حملہ کر رہا ہے تو میں نے پیچھے سے اس پر تلوار کا وار کیا، اس کے کندھے کی رگ کے

اوپر اور ایسا وار کیا کہ میں نے اس کی زرع کاٹ دی۔

"واقبل علی فضمني ضمة وجدت منها ريح الموت" جب اس نے دیکھا کہ پیچھے سے میرے اوپر تلوار کا وار ہوا ہے اور وہ زخمی ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اسی حالت میں اس نے مجھے پیچھے سے آکر اتنی زور سے دبوچا گویا موت کی بو آنے لگی یعنی اس نے اتنی زور سے دبوچا کہ مجھے اپنی موت قریب محسوس ہونے لگی، **"ثم ادركه الموت فارسلني"** پھر اسی حالت میں اس کو موت نے آلیا اور مجھے چھوڑ دیا یعنی پہلے زور کا دبوچا اور دبوچنے کے بعد چونکہ زخم تو لگ ہی چکا تھا اور خون بہہ رہا تھا تو اسی حالت میں اس کو موت آگئی۔

"فلحقت عمر، فقلت: ما بال الناس" میری ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوگئی تو میں ان کے پیچھے گیا، میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا؟ یعنی مسلمانوں کو جو تھوڑی دیر کے لئے پسپائی ہوئی تھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں۔

"قال: أمر الله عزوجل" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے اس لئے ہو رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حالت پر بھی صبر کرنا چاہئے۔

"ثم رجعوا وجلس النبي ﷺ" اس کے بعد پھر مسلمان لوٹ آئے یعنی سنبھل گئے اور کفار پر غالب آگئے اور لڑائی ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے، **"فقال: من قتل قتيلا له عليه بينة فله سلبه"** اور یہ اعلان فرمایا کہ جس شخص نے کسی آدمی کو قتل کیا ہو اس کا گواہ کوئی ہو تو اس کا سلب اس کو ملے گا۔

سلب کے معنی اس مقتول کا سامان اس کا گھوڑا، اس کے ہتھیار وغیرہ قاتل کو ملیں گے۔

مقتول کے سلب کا حکم

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تشریعی حکم ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ قاعدہ اور اصول وقتی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے مقتول کا سلب عام مالِ غنیمت میں شامل کر کے تمام افراد میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ ہر مقتول کا سلب عام مالِ غنیمت سے الگ کیا جائے گا اور صرف قاتل ہی اس کا حق دار ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ حضرت ابو قتادہؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں واضح طور پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اور یہ حکم تشریعی اور ابدی ہے۔ [۲۰]

---

[۲۰] مغني المحتاج الى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، فصل في الغنيمة وما يتبعها، ج: ۴، ص: ۱۵۴، والمغني لابن قدامة، ج: ۹، ص: ۲۳۲

امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اجمعین فرماتے ہیں کہ یہ کوئی تشریعی اور ابدی حکم نہیں ہے بلکہ یہ امام کی طرف سے انعام کا اعلان ہے۔

احناف اور مالکیہ اس آیتِ مبارکہ سے استدلال فرماتے ہیں کہ:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ [۲۱]

ترجمہ: اور (مسلمانو!) یہ بات اپنے علم میں لے آؤ کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو، اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور اُن کے قرابت داروں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے (جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے)۔

اس آیت میں "مَا غَنِمْتُم" میں لفظ "ما" کلمہ عام ہے، اس وجہ سے سلب بھی اس میں داخل ہے اور خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ کی تقیید یا تخصیص نہیں ہوسکتی۔ [۲۲]

یہ ضروری نہیں ہے کہ سلب ہمیشہ قاتل ہی کو ملے بلکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ سلب بھی مالِ غنیمت میں شامل ہوگا اور دوسرے مالِ غنیمت کی طرح اس کو بھی تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا، لیکن اگر کسی وقت امام لوگوں کو ہمت دِلانے کیلئے مناسب سمجھے تو یہ اعلان کرسکتا ہے کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس سلب ہم اسی کو دیں گے۔

لہٰذا دونوں پر اپنے اپنے محل پر عمل کریں گے اور یہ کہیں گے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ سلب بھی مالِ غنیمت کا حصہ ہے، لیکن اگر امام چاہے تو کسی وقت یہ اعلان کرسکتا ہے کہ مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے عہدِ مبارک میں بعض اوقات ایسے واقعات پیش آئے جن میں سلب قاتل کو نہیں دیا گیا، مثلاً غزوۂ بدر میں ابوجہل کو دو بھائیوں معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے قتل کیا لیکن حضورِ اقدس ﷺ نے ابوجہل کا سلب کپڑے وغیرہ ان دو میں سے ایک کو دیئے، ابوجہل کی تلوار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دی اور ایک بھائی کو کچھ بھی نہیں دیا حالانکہ وہ بھی قتل میں شریک تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلب کو قاتل کو ملنا کوئی ابدی حکم نہیں ہے۔

---

[۲۱] [الأنفال: ۴۱]

[۲۲] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج:۷، ص: ۱۱۵، وفتح القدیر للکمال ابن الهمام، ج:۵، ص: ۵۱۳-۵۱۲، وبدایة المجتهد والنهایة المقتصد، ج:۲، ص: ۱۵۹

اس کے علاوہ بعض روایات اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ جن میں سلب کو عام مالِ غنیمت کی طرح تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قاتل کے لئے اس کو مخصوص نہیں کیا گیا۔

لہذا ان دلائل کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ اس روایت میں آپ ﷺ نے جو حکم فرمایا ہے وہ بطور امام کے ارشاد فرمایا ہے، بطورِ شارع حکم نہیں فرمایا۔ اس لئے اس کو ابدی حکم نہیں کہا جا سکتا ہے۔ [۴۳]

سلب کے بارے میں کس وقت اعلان کیا جائے گا؟

پھر اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ سلب کے بارے میں اعلان امام کو کس وقت کرنا چاہئے؟

احناف کے یہاں اس میں امام کو اختیار ہے جب چاہے اعلان کر دے، چاہے جہاد یعنی لڑائی کی ابتداء میں کرے، یا دورانِ لڑائی کرے، یا لڑائی ختم ہونے کے بعد کرے، یا مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت اعلان کرے۔

مالکیہ کے نزدیک امام کو سلب کے بارے میں لڑائی کے آغاز سے پہلے اعلان نہیں کرنا چاہئے بلکہ لڑائی کے ختم ہونے کے وقت یا مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت اعلان کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ابتداء میں اعلان کرنے کے نتیجے میں جہاد کے اندر دنیوی غرض شامل ہو جائے گی، لہذا جہاد کو خالص رکھنے کے لئے شروع میں اعلان نہ کرے بلکہ بعد میں کرے۔

احناف کہتے ہیں کہ کوئی شخص صرف سلب حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالتا، کیونکہ جہاد کرنے والے کی اصل نیت اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہوتی ہے البتہ سلب کے اعلان کی وجہ سے اس کے اندر تشجیع کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اب اس کی وجہ سے یہ نہیں کہیں گے کہ جہاد خالص نہیں رہا، کیونکہ اخلاص کے لئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کام کے کرنے کا اصل محرک کیا ہے؟

اگر اصل محرک اللہ کو راضی کرنا ہے تو اخلاص حاصل ہے، چاہے بعد میں اس کے اندر ضمنی طور پر دوسری باتیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔

مثلاً ایک شخص علم حاصل کر رہا ہے، اب علم حاصل کرنے کا اصل محرک تو یہی ہے کہ میں اللہ تعالی کے احکامات جان کر ان پر عمل کروں گا، اللہ کے دین کی جو خدمت پڑے گی وہ میں سرانجام دوں گا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کروں گا۔

---

[۴۳] والفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۸، ص: ۴۷

لیکن بعض اوقات درمیان میں کچھ دوسرے خیالات بھی شامل ہو جاتے ہیں مثلاً یہ کہ میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے انعام لوں گا یا پوزیشن حاصل کروں تاکہ اساتذہ میری تعریف کریں، یہ چیزیں چونکہ اصل محرک نہیں ہیں، لہذا اس کی وجہ سے اخلاص فوت نہیں ہوگا۔ جب تک اصل محرک اللہ کو راضی کرنا ہے اس وقت تک ان چیزوں کے درمیان میں آنے سے اخلاص فوت نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔

لیکن اگر پڑھنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ میں پڑھنے کے بعد عالم بنوں گا اور لوگوں کا مقتدا بنوں گا تاکہ میں مخدوم بن جاؤں اور لوگ میری خدمت کریں اور میرے لئے تحفے تحائف لایا کریں تو اس صورت میں اخلاص فوت ہو جائے گا۔ [۲۴]

"فقلت: من یشھدلی؟ ثم جلست" تو میں نے کہا کہ کون میری گواہی دے گا؟ کہ میں نے اس آدمی کو مارا تھا؟ پھر بیٹھ گیا، کیونکہ اس وقت کوئی آدمی مجھے نظر نہیں آرہا تھا جو میرے اس قتل کی گواہی دے۔

"فقال النبی ﷺ مثلہ" تو نبی کریم ﷺ نے دوبارہ وہی بات فرمائی۔

"فقمت فقلت: من یشھد لی؟ ثم جلست" تو میں کھڑا ہوگیا اور یہی بات کہی کہ کون میری گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گیا، کیونکہ اس وقت بھی کوئی آدمی میری گواہی کے لئے کھڑا نہیں ہوا۔

جب آپ ﷺ نے تیسری بار یہ بات کہی اور مجھے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا تو پوچھا، **"فقال: ما لک یا ابا قتادۃ؟ فاخبرتہ"** اے ابوقتادہ کیا بات ہے؟ یعنی یوں بار بار کیوں کھڑے ہو رہے ہو، تو میں نے بتایا کہ اس طرح قصہ پیش آیا تھا اور میرا گواہ کوئی نظر نہیں آرہا۔

"فقال رجل: صدق وسلبہ عندی فارضہ منہ" تو ایک شخص نے کہا یہ سچ کہہ رہے ہیں واقعی انہوں نے آدمی کو قتل کیا تھا اور جس کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کا سامان میرے پاس ہے یعنی سچ بات بتادی کہ انہوں نے قتل کیا تھا اور سامان میرے پاس ہے، ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کو راضی کر دیجئے کہ ابوقتادہ مجھے دینے پر راضی ہو جائیں اور میرے حق سے دستبردار ہو جائیں وہ سامان میں لینا چاہتا ہوں۔

لفظ "لاھا اللہ اذا" پر بحث

حضرت ابوبکر صدیق ؓ وہاں پر موجود تھے آپ نے فرمایا **"لاھا اللہ اذا"**۔

---

[۲۴] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج:۷، ص: ۱۱۵، المغنی لابن قدامہ، ج:۸، ص: ۲۳۸، والمجموع شرح المھذب، ج:۱۹، ص: ۳۲۱

یہ اہل عرب کا محاورہ ہے، یہاں پر "ہا" واؤ قسم کے قائم مقام ہے، "**لاھــا اللہ**" یعنی "**لا واللہ**" لیکن عام طور سے محاورے کے اندر "**لا**" اسکے ساتھ ضرور ہوتا ہے یعنی "**لاھا اللہ ذا**" نہیں اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوگا۔ "**ذا**" اس کے ساتھ ہوگا۔

لیکن یہاں کتاب میں لکھا ہوا ہے "**لاھــا اللہ اذا**" تو عام طور پر "**ذا**" ہوتا ہے نہ کہ "**اذا**" اس واسطے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس پر کافی لمبی بحث کی ہے کہ یہ لفظ کیا ہے؟

"**لاھااللہ ذا**" ہے۔ یا "**اذا**" ہے؟

فرماتے ہیں کہ محاورے میں تو "**ذا**" ہوتا ہے اور جو روایت ہم کو پہنچی ہے وہ "**اذا**" کی ہے تو بڑا مسئلہ بن گیا کہ روایت کا اعتبار کریں تو جملہ صحیح نہیں بیٹھتا اور محاورے کا "**ذا**" کے اوپر۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواہ مخواہ کی طول بیان کی ہے، دو لفظ ہیں وہ کہہ دیتے تو کافی تھا اور وہ یہ کہ اگر یہ "**ذا**" ہے ہوسکتا ہے کہ کسی ناسخ سے غلطی ہوگئی ہے یا راوی سے غلطی ہوگئی ہے اس نے "**اذا**" لکھ دیا اصل میں یہ "**لاھا اللہ ذا**" تھا تب تو محاورہ صحیح ہے۔

اور اگر یہ "**اذا**" ہی ہے تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ اس محاورے میں "**لاھــا اللہ**" یعنی "**ذا**" حذف کر دیا اور "**اذا**" کے معنی ہیں "**حین اذن**" اس صورت میں اس کا تعلق اگلے جملے سے ہے۔

"**لاھا اللہ أی لا واللہ**" اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ [۲۵]

"**إذا لا یعمد إلی أسد من أسد اللہ یقاتل عن اللہ ورسولہ ﷺ**" اس صورت میں اگلا جملہ یوں ہوگا ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کا قصد کرے جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کر رہا ہو، "**فیعطیک سلبہ**" اور حضور ﷺ تمہارے کو اس کا سلب دے دیں۔

یعنی مطلب یہ ہوا کہ اس اللہ کے شیر نے اللہ کی طرف سے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے جہاد کرتے ہوئے ایک کافر کو قتل کیا تو اس کا سامان واسباب اٹھا کر تمہیں دے دیں ایسا نہیں ہوگا، حضور اقدس ﷺ ایسا نہیں کریں گے۔ [۲۶]

---

[۲۵] قولہ: ((إذا)) بکسر الھمزۃ وبالذال المعجمۃ المنونۃ ...... الیٰ فلا یحتاج الی الاطالۃ الغیر الطائلۃ. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۳۲۸، ۳۲۷، وفتح الباری، ج:۸، ص: ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷

[۲۶] قولہ: ((لایعمد))، ای: لایقصد النبی ﷺ، الی رجل کانہ أسد فی الشجاعۃ یقاتل عن دین اللہ ورسولہ، فیاخذ حقہ ویعطیکہ بغیر طیبۃ من نفسہ. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۳۲۸

"فقال النبی ﷺ: صدق فاعطه" نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا پس دے دو یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی، پھر آپ ﷺ نے اس شخص سے خطاب کر کے کہا کہ دے دو، یعنی جو سلب تمہارے پاس ہے وہ ابوقتادہ کو دے دو۔

"فاعطانیه فابتعت به مخرفا فی بنی سلمة" حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس شخص نے وہ سلب مجھے دے دیا، اس سے میں نے بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا، **" فانه لأول مال تأثلته فی الإسلام"** وہ پہلا مال تھا جو میں نے اپنے اسلام میں بنایا اسلام لانے کے بعد پہلی جائیداد تھی جو میں نے بنائی۔

"تأثلته" یعنی مال بنانا جائیداد بنانا جسے کہتے ہیں۔ [۲۷]

۴۳۲۲ ۔ وقال اللیث: حدثنی یحیی بن سعید، عن عمر بن کثیر بن أفلح، عن أبی محمد مولی أبی قتادة أن أبا قتادة قال: لما کان یوم حنین نظرت إلی رجل من المسلمین یقاتل رجلا من المشرکین وآخر من المشرکین یختله من ورائه لیقتله، فأسرعت إلی الذی یختله فرفع یده لیضربنی وأضرب یده فقطعتها، ثم أخذنی فضمنی ضما شدیدا حتی تخوفت ثم برک فتحلل ودفعته ثم قتلته وانهزم المسلمون وانهزمت معهم، فإذا بعمر بن الخطاب فالناس، فقلت له: ما شأن الناس؟ قال: أمر اللہ. ثم تراجع الناس إلی رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ: ((من أقام بینة علی قتیل قتله فله سلبه))، فقمت لألتمس بینة علی قتیلی فلم أر أحدا یشهد لی فجلست. ثم بدا لی فذکرت أمره لرسول اللہ ﷺ فقال رجل من جلسائه: سلاح هذا القتیل الذی یذکر عندی فأرضه منه، فقال أبو بکر: کلا لا یعطه أصیبغ من قریش ویدع أسدا من أسد اللہ یقاتل عن اللہ ورسوله، قال: فقام رسول اللہ ﷺ فأداه إلی فاشتریت منه خرافا فکان أول مال تأثلته فی الإسلام. [راجع: ۲۱۰۰]

تشریح

یہ واقعہ بعینہ وہی ہے جو پچھلی روایت میں گزرا ہے، لیکن یہاں اس روایت میں دو الفاظ نئے ہیں۔

"وآخر من المشرکین یختله من ورائه لیقتله" اور ایک دوسرا مشرک پیچھے سے مسلمان کو قتل

---

[۲۷] ای اتخذه أصل المال واقتنیه، وأثلة کل شیء: أصله. عمدة القاری. ج:۱۷، ص:۳۲۸

کرنے کے لئے گھات/داؤ لگا رہا تھا۔

"ختل - یختل" کے معنی ہیں کہ ایسا داؤ لگانا کہ جس سے کسی دوسرے کو دھوکہ دینا مقصود ہو یعنی وہ پیچھے سے داؤ لگا رہا تھا۔ [۲۸]

اس روایت کے آخر میں جو حضرت ابوبکرؓ کا جملہ پچھلی روایت میں **"لاھا اللہ ذا"** تھا اور یہاں پر **"کلا لا یعطہ اصیبغ من قریش ویدع أسدا من أسد اللہ"** کہ ہرگز یہ مال واسباب آپ نہ دیں قریش کے ایک حقیر ہوئے آدمی کو، اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو چھوڑ دیں جو اللہ اور اس کے رسول کیلئے قتال کرتا ہے۔

"اصیبغ" یہ **"اصبغ"** کی تصغیر ہے اور کسی کی تحقیر کیلئے کہا جاتا ہے اور **"اصبغ"** یہ ایک پرندے کو کہتے ہیں جسے حقارت کی مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ [۲۹]

حضرت صدیق اکبرؓ کے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ قریش کے ایک حقیر شخص کو دیں اور اللہ کے شیر کو چھوڑ دیں اس کو اسکا حق نہ دیں آپ فیصلہ ایسا ہرگز مت کریں۔

"وتدع" اور واؤ جو ہے یہ **"واؤ صرف"** ہے۔

واؤ صرف وہ ہوتا ہے جو معطوف نہ بن سکتا ہو، اس میں **"ان"** مقدر ہوتا ہے، **"ان"** مقدر ہونے کی وجہ سے اس کا مابعد منصوب ہوتا ہے۔

---

[۲۸] قوله: ((يختله))، بالخاء المعجمة والتاء المثناة من فوق: أى يخدعه. عمدة القارى، ج:١٧، ص: ٣٢٩

[۲۹] قوله: (اصيبغ) بمهملة ثم معجمة عند القابسى، وبمعجمة ثم مهملة عند أبى ذر، وقال ابن التين: وصفه بالضعف والمهانة، والاصيبغ نوع من الطير. فتح البارى، ج:٨، ص: ٣١

(۵۶) باب غزوۃ أوطاس

غزوہ اوطاس کا بیان

پس منظر: غزوۂ اوطاس کا ذکر اس باب میں مقصود ہے، غزوۂ اوطاس کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ حنین میں بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور بنوہوازن جو آپ کے مدمقابل تھے ان کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا تو شکست خوردہ بنوہوازن بھاگتے وقت تین حصوں میں منقسم ہو گئے:

ایک حصہ اپنے سردار درید بن صمہ کی سربراہی میں اوطاس کی طرف چلا گیا۔

دوسرا حصہ بنوہوازن کے سردار مالک بن عمرو کی سربراہی میں طائف جا کر پناہ گزین ہو گیا۔

تیسرا حصہ مقام بحیلہ کی طرف چلا گیا تھا مگر وہ کچھ زیادہ قابل ذکر نہیں تھا، اس کی خاص اہمیت نہیں تھی۔

لیکن پہلے دونوں فریق، ایک وہ جو اوطاس چلا گیا تھا اور دوسرا وہ جو طائف جا کر پناہ گزین ہوا تھا، تو حضور اقدس ﷺ نے ان دونوں کو مغلوب کرنا مناسب اور ضروری سمجھا۔

چنانچہ اوطاس والوں کی طرف حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس لشکر نے بالآخر اوطاس کے اندر بھی فتح پائی اور کفار کو شکست ہوئی۔[۴۰]

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے اور ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کے بھائی تھے، حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں شہید ہو گئے۔[۴۱]

بعد میں جب اوطاس کی طرف نکلنے والے لوگوں سے فارغ ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ نے خود طائف پر چڑھائی کی جس کا ذکر آگے مستقل باب میں آئے گا۔ یہ واقعات کی ترتیب ہے۔ تو اس غزوۂ اوطاس کے سلسلے میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

۴۳۲۳ ـ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن برید بن عبداللہ، عن أبي

---

[۴۰] وأن هوازن لما انهزموا صارت طائفة منهم الی الطائف وطائفة الی بحیلة وطائفة الی اوطاس، فأرسل النبي ﷺ عسکراً مقدمهم ابو الی من مضی الی أوطاس کما یدل علیه حدیث الباب. فتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۳

[۴۱] قوله: ((قال یابن اخی)) هذا یرد قول ابن اسحٰق انه ابن عمه. فتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۳

بردة، عن أبي موسى رضي الله عنه قال: لما فرغ النبي ﷺ من حنين بعث أبا عامر على جيش إلى أوطاس فلقي دريد بن الصمة فقتل دريد وهزم الله أصحابه. قال أبو موسى: وبعثني مع أبي عامر فرمي أبو عامر في ركبته، رماه جشمي بسهم فأثبته في ركبته فانتهيت إليه فقلت: يا عم! من رماك؟ فأشار إلى أبي موسى فقال: ذاك قاتلي الذي رماني، فقصدت له فلحقته، فلما رآني ولى فاتبعته وجعلت أقول له: ألا تستحي؟ ألا تثبت؟ فكف فاختلفنا ضربتين بالسيف فقتلته، ثم قلت لأبي عامر: قتل الله صاحبك، قال: فانزع هذا السهم، فنزعته فنزا منه الماء، قال: يا ابن أخي، أقرئ النبي ﷺ السلام وقل له: استغفر لي. واستخلفني أبو عامر على الناس فمكث يسيرا ثم مات. فرجعت فدخلت على النبي ﷺ في بيته على سرير مرمل وعليه فراش قد أثر رمال السرير بظهره وجنبيه، فأخبرته وخبر أبي عامر وقال: قل له: استغفر لي، فدعا بماء فتوضأ ثم رفع يديه فقال: ((اللّهم اغفر لعبيد أبي عامر))، ورأيت بياض إبطيه. ثم قال: ((اللّهم اجعله يوم القيامة فوق كثير من خلقك من الناس)). فقلت: ولي فاستغفر، فقال: ((اللّهم اغفر لعبد الله بن قيس ذنبه، وأدخله يوم القيامة مدخلا كريما)). قال أبو بردة: إحداهما لأبي عامر والأخرى لأبي موسى.
[راجع: ۲۸۸۴]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو عامر کو ایک لشکر کا سردار بنا کر قوم اوطاس کی جانب بھیجا، ان کا مقابلہ درید بن صمہ سے ہوا، درید مارا گیا اور اس کے ساتھیوں کو اللہ نے شکست دی، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے بھی ابوعامر کے ساتھ بھیجا، تو ابوعامر کے گھٹنہ میں ایک تیر آ کر لگا، جو ایک جشمی آدمی نے پھینکا تھا، وہ تیران کے زانوں میں اتر گیا، میں ان کے پاس گیا اور پوچھا چچا جان آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ انہوں ابوموسیٰ کو اشارہ سے بتایا کہ میرا قاتل وہ ہے، جس نے میرے تیر مارا ہے، تو میں اس کی تاک میں چلا، جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگا، میں نے اس کا پیچھا کیا، اور اس سے کہتا جارہا تھا کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ تو ٹھہرتا کیوں نہیں؟ وہ ٹھہر گیا، میں اور وہ ایک دوسرے پر تلواروں سے حملہ آور ہوئے، تو میں نے اسے قتل کر دیا، پھر میں نے ابوعامر سے کہا کہ اللہ نے آپ کے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے، انہوں نے کہا میرا یہ پیوست شدہ تیر تو نکالو، میں نے وہ تیر نکالا تو اس زخم سے پانی نکلا، انہوں نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے! نبی ﷺ سے میرا اسلام کہنا اور آپ ﷺ سے عرض کرنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنی جگہ امیر لشکر نامزد کیا، تھوڑی دیر زندہ رہ کر شہید ہو گئے۔ میں واپس لوٹا اور نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا، آپ ﷺ اپنے مکان میں ایک بانوں والی چارپائی پر

لیٹے ہوئے تھے، اس پر برائے نام ایسا بستر تھا کہ چارپائی کے بانوں کے نشانات آپ کی پُشت مبارک اور پہلو میں پڑ گئے تھے، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو اپنے اور ابو عامر ﷜ کے حالات کی اطلاع دی اور میں نے کہا کہ انہوں نے آپ سے یہ عرض کرنے کا کہا ہے کہ میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے، آپ ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کیا، پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ! اپنے بندے ابو عامر کی مغفرت فرما۔ اور آپ کے ہاتھ اتنے اونچے تھے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی میں دیکھ رہا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! اسے قیامت کے دن اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا فرما۔ تو میں نے عرض کیا کہ میرے لئے بھی دعاء مغفرت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن اسے معزز جگہ داخل فرما۔ ابو بردہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دعا حضرت ابو عامر ﷜ کے لئے تھی، اور دوسری دعا حضرت ابو موسیٰ ﷜ کے لئے۔

ابو عامر اشعری ﷜ کی شہادت

اس روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ غزوۂ اوطاس کا قصہ بیان فرما رہے ہیں کہ **"لما فرغ النبي ﷺ من حنين بعث أبا عامر على جيش إلى أوطاس"** جب نبی ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری ﷜ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔

"فلقي دريد بن الصمة فقتل دريد وهزم الله أصحابه" تو اوطاس پہنچ کر وہاں ان کا مقابلہ ہوا، مشرکین کا سردار درید بن صمہ مارا گیا اور اللہ نے اسکے ساتھیوں کو شکست سے دوچار کیا، چنانچہ وہ بھی شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کر گئے۔

"قال أبو موسى: وبعثني مع أبي عامر" حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے بھی حضرت ابو عامر اشعری ﷜ کے ساتھ اوطاس کی لڑائی میں بھیجا تھا، **"فرمي أبو عامر في ركبته، رماه جشمي بسهم فأثبته في ركبته فانتهيت إليه"** تو لڑائی کے دوران ایک جبشی نے ابو عامر اشعری ﷜ کو تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں لگا تو میں ان کے پاس گیا۔

"فقلت: يا عم! من رماك؟ فأشار إلى أبي موسى فقال: ذاك قاتلي الذي رماني" تو میں نے کہا کہ چچا جان! آپ کو کس نے مارا؟ انہوں نے ابو موسیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میرا قاتل وہ ہے، جس نے میرے تیر مارا ہے۔

یہاں پر حالانکہ خود دیکھ رہے ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ راوی کو ان کے صحیح الفاظ یاد نہ رہے اس واسطے انہوں نے یہاں پر خود اپنے الفاظ میں صیغۂ غائب کے طور پر ان کو ابو موسیٰ کہہ دیا۔

"فقصدت له فلحقته" تو میں اس کی تاک میں چلا اور اس کے پیچھے بھاگا، **"فلما رآنی ولی فاتبعته وجعلت أقول له: ألا تستحي؟ ألا تثبت؟"** جب مجھے آتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا، میں نے اس کا پیچھا کیا، اور اس سے کہتا جارہا تھا کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ تو ٹھہرتا کیوں نہیں تاکہ میں تجھ سے مقابلہ کرسکوں؟

"فکف فاختلفنا ضربتین بالسیف فقتلته" میرے غیرت دلانے پر وہ بھاگنے سے رک گیا، تو ہم نے ایک دوسرے کو تلوار سے ضربیں لگائیں، بالآخر میں نے اس کو قتل کر ڈالا۔

"ثم قلت لأبی عامر: قتل الله صاحبک" پھر میں نے ابو عامر ﷺ سے جاکر کہا کہ آپ کے ساتھی یعنی قاتل کو اللہ نے قتل کر دیا۔ **"قال: فانزع هذا السهم، فنزعته فنزا منه الماء"** انہوں نے کہا یہ تیر میرے گھٹنے میں سے نکال دو، وہ تیر میں نے نکالا دیا تو اس سے پانی اچھل کر سامنے آگیا۔ مطلب یہ ہے کہ خون تو نکل ہی رہا تھا لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ خون اتنا کم رہ گیا ہوگا کہ بعد میں پھر خون کی جگہ پانی نکل آیا۔

"قال: یاابن أخی، أقرئ النبی ﷺ السلام وقل له: استغفر لی" انہوں نے کہا بھتیجے میں تو جارہا ہوں، رخصت ہو رہا ہوں، تم نبی کریم ﷺ کو میرا اسلام کہنا اور آپ ﷺ سے درخواست کرنا کہ وہ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔

"واستخلفنی أبو عامر علی الناس فمکث یسیرا ثم مات" اور ابو عامر چونکہ لشکر کے سربراہ تھے تو انہوں نے مجھے اپنا خلیفہ بنا دیا، کہا کہ میرے بعد تم لشکر کی قیادت کرو، یہ کہنے کے بعد تو تھوڑی دیر وہ ٹھہرے رہے پھر ان کی روح پرواز کرگئی یعنی شہید ہوگئے۔

"فرجعت فدخلت علی النبی ﷺ فی بیته علی سریر مرمل" حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کہتے ہیں کہ جب غزوہ سے واپس لوٹ کر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور حاضری کی غرض سے آپ ﷺ کے گھر میں داخل ہوا اس وقت آپ ﷺ اپنے گھر میں ایک بان کی چارپائی پر تشریف فرما تھے۔

"مرمل" اس چارپائی کو کہتے ہیں جو بان کی رسیوں سے بنی ہوتی ہے۔

"وعلیه فراش قد أثر رمال السریر بظهره وجنبیه" اور اس چارپائی کے اوپر ایک بستر بھی تھا لیکن چارپائی کے بان کے نشان آپ ﷺ کے پہلو اور پشت مبارک پر ظاہر ہوگئے تھے۔

چارپائی کے سخت بان ہوں گے اور بستر ہلکا ہوگا، تو اس کے نشانات جسمِ اطہر پر ظاہر ہوگئے تھے۔

"فأخبرته وخبر أبی عامر وقال: قل له: استغفرلی" تو میں نے آپ ﷺ کو احوال سنائے یعنی غزوہ کے حالات سے آگاہ کیا اور یہ بات بھی بتائی کہ ابو عامر نے کہا تھا کہ حضور اقدس ﷺ سے درخواست کرنا کہ میرے لئے مغفرت کی دعاء فرمائیں۔

"فدعا بماء فتوضأ ثم رفع يديه" تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو کیا، پھر دعاء کی غرض سے ہاتھ اٹھائے، **"فقال: اللّٰهم اغفر لعبيد أبي عامر"** اور پھر آپ ﷺ نے دعاء فرمائی کہ اے اللہ! اپنے بندے ابو عامر کی مغفرت فرما۔ **"ورأيت بياض إبطيه"** حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اور آنحضرت ﷺ نے ہاتھ مبارک اتنے اوپر اُٹھائے کہ میں نے آپ ﷺ کے بغل کی سفیدی بھی دیکھ لی۔

"ثم قال: اللّٰهم اجعله يوم القيامة فوق كثير من خلقك من الناس" پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! اسے قیامت کے دن اپنے بہت سے بندوں پر فضیلت عطا فرما یعنی ان کے درجات کی بلندی کی دعاء فرمائی۔

"فقلت: ولي فاستغفر" پھر حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے لئے بھی مغفرت کی دعا کر دیجیے۔

"فقال: اللّٰهم اغفر لعبد الله بن قيس ذنبه، وأدخله يوم القيامة مدخلا كريما" آپ ﷺ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے لئے بھی دعاء کی اور فرمایا اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن اسے معزز جگہ داخل فرما۔

"قال أبو بردة: إحداهما لأبي عامر والأخرى لأبي موسى" حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رحمہ اللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دعا آپ ﷺ نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کیلئے فرمائی تھی اور ایک ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لئے فرمائی تھی۔

(۵۷) باب غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان

غزوہ طائف کا بیان، جو شوال ۸ھ میں ہوا

"قاله موسى بن عقبة"

ترجمہ: موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ غزوۂ طائف شوال ۸ ھ میں ہوا۔

طائف کا محاصرہ

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ طائف کے احوال بیان کئے ہیں۔

اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ حنین میں ہوازن کے جو سردار تھے وہ طائف جا کر پناہ گزین ہوگئے تھے۔ تو حضور اقدس ﷺ نے طائف جا کر خود بنفس نفیس حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کیا، لیکن طائف بڑا شہر تھا اور اس کا قبیلہ بھی بڑا مضبوط تھا کیونکہ طائف شہر بلندی پر آباد تھا۔

شہر طائف کا محل و وقوع

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی کہ اس شہر یعنی مکہ کے باشندوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [۳۲]

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: ''اے میرے پروردگار! اس کو ایک پُر امن شہر بنا دیجئے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اُنہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمائیے''۔

---

۳۲ [البقرة: ۱۲۶]

مکہ مکرمہ کے آس پاس کی زمین نہ کسی باغ وچمن کی متحمل تھی، نہ وہاں دُور دُور تک پانی کا نام ونشان تھا، مگر حق تعالیٰ نے دعاء ابراہیمی کو قبول فرمایا اور مکہ کے قریب ہی طائف کا ایک ایسا خطہ بنا دیا جس میں ہر طرح سے کے بہترین پھل بکثرت پیدا ہوتے اور مکہ مکرمہ آکر فروخت ہوتے ہیں۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ طائف دراصل ملکِ شام کا خطہ تھا، جس اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اس خطہ کو شام سے اٹھا کر اس جگہ رکھا اور جب یہاں پر لاتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قریب سے گزرے تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اس شہر کو اٹھائے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا تھا، اس لئے اس کو طائف کہتے ہیں، جس جگہ مستقر ہوا وہ پہاڑی علاقہ ہے۔ ٣٣

مکہ مکرمہ سے آج کل اگر آدمی کار میں جائے تو صرف ایک گھنٹے کا راستہ ہے، مکہ مکرمہ میں مئی، جون، جولائی کے دنوں میں سخت گرمی ہوتی ہے لیکن اگر ایک گھنٹہ کا سفر کر کے آدمی طائف پہنچ جائے تو بالکل ٹھنڈا اور اعلیٰ درجے کا موسم اور بہترین آب وہوا اور بڑا سرسبز وشاداب علاقہ۔

خود طائف شہر میں اتنا سبزہ نہیں ہے، لیکن طائف سے آگے ایک جگہ ہے ''شفا'' وہ بہت سرسبز ہے اور وہاں بہت ہریالی ہے۔

چونکہ یہ بلندی پر واقع ہے جو بھی شہر بلندی پر واقع ہوتا ہے اور اس کا قلعہ بلندی پر ہوتا ہے تو حملہ آور کے لئے اس کا فتح کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر لیا لیکن طائف والے قلعہ بند ہو کر لڑے اور تیر انداز بھی تھے، جب مسلمان آگے بڑھتے تو اوپر سے تیروں کی بارش ہوتی، حالانکہ وہاں پر حضور اقدس ﷺ نے کچھ نئے ہتھیار منجنیق اور دبابہ وغیرہ بھی نصب فرمائے تھا، لیکن اس کے باوجود اس وقت اس کی فتح مقدر نہیں تھی۔

طائف سے واپسی

حضور اقدس ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اب کافی دن ہوگئے ہیں تھے، اب واپس چلو اللہ کو منظور ہوگا تو پھر دیکھا جائے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جوش میں تھے انہوں نے عرض کیا کہ طائف کو بغیر فتح کئے ہوئے چلے جائیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا اچھا چلو فتح کرو یعنی ابھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا تو ابھی اور ٹھہرو اور حملہ کرو۔

---

٣٣ معارف القرآن، سورة البقرة: ١٢٦، ج: ١، ص: ٣٢٧

مزید حملہ کرنے کی کوشش کی مگر بے انتہا تیروں کی بارش پیش آجاتی تھی یہاں تک کہ صحابہ کرام ﷺ بھی تھک گئے۔ جب بہت زیادہ تھک گئے اور کچھ زخمی بھی ہوئے تو ایک دن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کل چلیں؟ اس وقت جواب میں کوئی نہ بولا اور سب کو ایک طرح سے یہ بات پسند آئی، آنحضرت ﷺ اس پر مسکرائے کہ دیکھو پہلے میں نے کہا تھا کہ چلو تو اس وقت بڑا جوش وخروش تھا لیکن اب سب ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اس شہر طائف کے لوگوں کو مسلمان کرنا تھا اور غالباً حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اس بات کا علم ہوگیا ہوگا کہ یہ لوگ خود ہی مسلمان ہو جائیں گے اس لئے یہاں پر لڑائی کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے، بعد میں یہ لوگ خود آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور مشرف با اسلام ہو گئے۔

غزوہ کے متعلق واقعات کا یہ خلاصہ ہے، پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ذکر کیا ہے۔

۴۳۲۴ ـ حدثنا الحمیدی: سمع سفیان: حدثنا هشام، عن أبیه عن زینب ابنة أبی سلمة، عن أمها أم سلمة: دخل علی النبی ﷺ وعندی مخنث فسمعته یقول لعبد اللہ بن أبی أمیة: یا عبد اللہ، أرأیت إن فتح اللہ علیکم الطائف غدا فعلیک بابنة غیلان فإنها تقبل بأربع وتدبر بثمان. فقال النبی ﷺ: ((لا یدخلن هؤلاء علیکن)). قال ابن عیینة: وقال ابن جریج: المخنث: هیت. حدثنا محمود: حدثنا أبو أسامة، عن هشام بهذا وزاد: وهو محاصر الطائف یومئذ. [انظر: ۵۲۳۵، ۵۸۸۷] [۳۴]

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک مخنث بیٹھا تھا کہ نبی ﷺ تشریف لائے، پھر میں نے اس مخنث کو عبداللہ بن امیہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے عبداللہ دیکھو تو، اگر کل کو اللہ تعالیٰ تمہیں طائف پر فتح عطا فرمائے، تو غیلان کی بیٹی کو لے لینا (کیونکہ وہ اتنی گداز بدن ہے کہ) جب سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں، اور جب پیٹھ موڑتی ہے تو آٹھ بل پڑتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ لوگ تمہارے پاس نہ آنے پائیں (ان سے پردہ کرو)۔ ابن عیینہ اور ابن جریج نے کہا کہ اس مخنث کا نام ہیت تھا۔ محمود کہتے ہیں کہ ابواسامہ نے ہشام سے بھی یہی روایت کی ہے، مگر اتنی زیادتی ہے کہ آپ ﷺ اس وقت طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

---

[۳۴] وفی صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب منع المخنث من الدخول علی النساء الاجانب، رقم: ۲۱۸۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الحکم فی المخنثین، رقم: ۴۹۲۹، وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب فی المخنثین، رقم: ۱۹۰۲، وکتاب الحدود، باب المخنثین، رقم: ۲۶۱۴، ومسند أحمد، باب حدیث ام سلمة زوج النبی ﷺ، رقم: ۲۶۴۹۰، ۲۶۶۹۹

مخنث کو عورتوں کے پاس آنے کی ممانعت

زوجۂ رسول اللہ ﷺ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک مخنث بیٹھا ہوا تھا۔

یہ چونکہ مخنث تھا اور مخنث ہونے کی وجہ سے **غیر اولی الإربة** میں داخل تھا حضور اقدس ﷺ اس کو آنے سے منع نہیں کرتے تھے اور یہ ازواج مطہرات کے پاس بھی آجایا کرتا تھا۔

اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "**فسمعته یقول لعبد اللہ بن أبی أمیة**" اس وقت یعنی جب طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا، میں نے سنا کہ یہ مخنث عبد اللہ بن امیہ سے کہہ رہا تھا۔

"**یا عبد اللہ، أرأیت إن فتح اللہ علیکم الطائف غدا**" وہ مخنث عبد اللہ بن امیہ کو یہ پٹی پڑھا رہا تھا کہ دیکھو عبد اللہ! اگر کل طائف کا فتح اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔

عبد اللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے، نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، فتح مکہ کے سفر کے دوران مقام ابواء پر ابوسفیان بن حارث، آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی، کے ہمراہ اسلام قبول کیا، اور اسی غزوۂ طائف میں محاصرہ کے دوران کفار کی تیراندازی کا نشانہ بنے اور شہید ہوئے۔ [۳۶]

یہ مخنث ہیت، عبد اللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر طائف فتح ہو تو "**فعلیک بابنة غیلان**" ایک کام ضرور کرنا کہ تم سب سے پہلے غیلان کی بیٹی کو لے لینا۔

"**تقبل بأربع وتدبر بثمان**" کیونکہ وہ چار شکنوں کے ساتھ سامنے آتی ہے اور آٹھ شکنوں کے ساتھ پیچھے جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس وقت عرب لوگوں کا یہ ذوق تھا کہ عورت جتنی زیادہ موٹی ہو اتنی ہی زیادہ خوبصورت سمجھی جاتی تھی تو کہتے ہیں کہ یہ عورت بڑی موٹی تازی ہے اس کے کمر میں جو شکن پڑتے ہیں وہ اس کے موٹاپے کی زیادتی کی وجہ سے پڑتے ہیں تو سامنے چار شکن ہیں اور پیچھے آٹھ ہیں کیونکہ سامنے دو شکن پڑتے ہیں جب پیچھے چلے گئے تو دُہرے ہوگئے تو وہ شکن چار سامنے اور آٹھ پیچھے کے ہیں۔

طائف میں ایک عورت تھی جس کا نام بادیہ بنت غیلان تھا، اس مخنث کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں

---

۳۶ قوله: ((یاعبداللہ)) هو أخو أم سلمة راویة الحدیث، وکان إسلامه مع أبی سفیان بن الحارث فی غزوة الفتح واستشهد بالطائف أصابه سهم فمات منه. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۴۳۲

کے حصے میں جو قیدی آئیں گے تو تم اس غیلان کی بیٹی پر قبضہ کر لینا۔ ۳۷

"فقال النبی ﷺ: لا یدخلن هؤلاء علیکن" تو جب نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ یہ لوگ تمہارے پاس نہ آئیں۔

کیونکہ ان کو **غیر اولی الإربة** ہونے کی وجہ سے گھر میں آنے جانے کی اجازت تھی تو جب اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ تو بڑے دقائق ہیں کہ اس فن سے واقف ہیں تو اس واسطے آپ نے اس کو فرمایا کہ اب آئندہ یہ نہ آئے۔

سفیان بن عیینہ اور ابن جریج رحمہما اللہ نے اس مخنث کا نام ہیت بیان کیا ہے۔ ۳۸

۴۳۲۵ ۔ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن أبی العباس الشاعر الأعمی، عن عبداللہ بن عمر قال: لما حاصر رسول اللہ ﷺ الطائف فلم ینل منهم شیئا، قال: ((إنا قافلون إن شاء اللہ))، علیهم وقالوا: نذهب ولا نفتحه؟ وقال مرة: ((نقفل))، فقال: ((اغدوا علی القتال))، فغدوا فأصابهم جراح فقال: ((إنا قافلون غدا إن شاء اللہ)) فأعجبهم، فضحک النبی ﷺ. وقال سفیان مرة: فتبسم. قال: قال الحمیدی: حدثنا سفیان الخبر کله. [انظر: ۶۰۸۶، ۷۴۸۰] ۳۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور ان سے آپ ﷺ کو کچھ حاصل نہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم ان شاء اللہ واپس جائیں گے، مسلمانوں پر یہ بات گراں سی گزری اور کہنے لگے کہ ہم چلے جائیں اور اسے فتح نہ کریں اور راوی نے ایک مرتبہ (**"نذهب"** کی جگہ **"نقفل"**) کہا ہم واپس لوٹ جائیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھا صبح جا کر لڑنا۔ چنانچہ صبح وہ لڑے تو زخمی ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کل ان شاء اللہ ہم واپس جائیں گے۔ اب مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان اچھا معلوم ہوا تو اس بات پر آنحضرت ﷺ ہنسے۔ حدیث کے راوی سفیان ایک مرتبہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تبسم فرمایا۔ اور حمیدی کہتے ہیں کہ سفیان نے پوری سند کو خبر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

---

۳۷ واسم ابنته: بادیة ۔ضد الحاضرة۔ وقیل: بادنة، بالنون بعد الدال، عمدة القاری، ج:۷، ص:۴۳۳

۳۸ وفی ((صحیح ابن حبان)): عن عائشة رضی اللہ عنها: دخل النبی ﷺ وهیت ینعت امرأة من یهود، فأخرجه فکان بالبیداء یدخل کل جمعة یستطعم. کذا ذکره العلامة بدر الدین أبی محمود بن أحمد العینی رحمه اللہ فی العمدة۔ ج:۱۷، ص:۴۳۳

۳۹ وفی مسند أحمد، مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما، رقم: ۴۵۸۸

نبی کریم ﷺ کا واپسی کا ارادہ

یہ واقعہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے طائف کا محاصرہ فرمایا تو **"فلم ینل منه شیئا"** اور اس سے کچھ حاصل نہ ہوسکا تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم ان شاء اللہ واپس جائیں گے۔

"علیهم وقالوا: نذهب ولا نفتحه؟ وقال مرة: نقفل" صحابۂ کرام ﷺ پر یہ بات گراں گذری کہ ہم چلے جائیں اور اسے فتح نہ کریں، اور ایک مرتبہ راوی نے یوں کہا **"نذهب"** کے بجائے **"نقفله ولا نفتحه"** ہم اسے فتح نہ کریں اور واپس لوٹ جائیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا **"اغدوا علی القتال"** صبح کو ایک بار پھر قتال کرنا یعنی ابھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا تو ابھی اور ٹھہر وا ور صبح کو پھر حملہ کرو، **"فغدوا فأصابهم جراح"** چنانچہ صبح وہ لڑے تو بعض صحابہ زخمی ہوگئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"إنا قافلون غدا إن شاء الله"** کل ان شاء اللہ ہم واپس جائیں گے۔

"فأعجبهم" اب مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان اچھا معلوم ہوا یعنی دسری دفعہ یہ بات صحابۂ کرام ﷺ کو پسند آئی، **"فضحک النبی ﷺ"** اس بات پر آنحضرت ﷺ ہنسے۔

"وقال سفیان مرة: فتبسم" حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک مرتبہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تبسم فرمایا یعنی راوی نے بجائے **"ضحک"** کے **"تبسم"** کا لفظ کہا۔

"قال الحمیدی: حدثنا سفیان الخبر کله" حمیدی کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے پوری حدیث کو خبر کے ساتھ بیان کیا ہے، یعنی پوری حدیث کو عنعنہ کے بجائے حدثنا اور اخبرنا کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۴۳۲۶، ۴۳۲۷ ۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن عاصم قال: سمعت أبا عثمان قال: سمعت سعدا وهو أول من رمی بسهم فی سبیل الله وأبا بکرة ،وکان تسور حصن الطائف فی أناس فجاء إلی النبی ﷺ، فقالا: سمعنا النبی ﷺ یقول: ((من ادعی إلی غیر أبیه وهو یعلم فالجنة علیه حرام)) وقال هشام: وأخبرنا معمر، عن عاصم ،عن أبی العالیة أو أبی عثمان النهدی قال: سمعت سعد او أبا بکرة عن النبی ﷺ، قال عاصم: قلت: لقد شهد عندک رجلان حسبک بهما، قال: أجل، أما أحدهما فأول من رمی بسهم فی سبیل الله، وأما الآخر فنزل إلی النبی ﷺ ثالث ثلاثة وعشرین من

الطائف. [انظر: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷] ؎۲۰

ترجمہ: ابوعثمان روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت سعد ﷺ سے جنہوں نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر پھینکا تھا، اور حضرت ابوبکرہ ﷺ سے جو چند آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں آنے کیلئے طائف کے قلعے کی دیوار کو پھلاند کر آئے تھے، یہ دونوں حضرات نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف کرے باوجود یہ کہ اسے علم ہو تو اس پر جنت حرام ہے۔ اور ہشام روایت کرتے ہیں کہ ان سے معمر نے بیان کیا کہا نہوں نے عاصم سے سنا کہ وہ ابوعالیہ یا ابو عثمان نہدی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد ﷺ اور حضرت ابوبکرہ ﷺ سے آنحضرت ﷺ کی روایت سنی۔ عاصم کہتے ہیں میں نے کہا آپ نے روایت ایسے دو آدمیوں سے بیان کی ہے، جو آپ کے یقین کیلئے کافی ہیں، انہوں نے کہا ہاں! اور کیوں نہ ہو، جب کہ ایک ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا، اور دوسرے وہ جو طائف سے بائیس آدمیوں کے ہمراہ آنحضور ﷺ کے پاس آگئے تھے۔

منشاء امام بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث یہاں بیان کی ہے، اس حدیث کا جو اصل متن ہے اس کا کوئی تعلق غزوۂ طائف سے نہیں ہے۔

لیکن حدیث بیان کرتے ہوئے ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ نے یہ کہا کہ ہم نے یہ حدیث جن دو بزرگوں سے سنی ہے، ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ ہیں جنہوں نے پہلا تیر اللہ کے راستے میں چلایا تھا اور دوسرے حضرت ابوبکرہ ﷺ ہیں جو طائف کے قلعے کی دیوار کو پھلاند کر آئے تھے۔

چونکہ یہ جملہ بیچ میں کہہ دیا کہ طائف کے قلعے کی دیوار کو پھلاند کر آئے تھے، اس واسطے اس جملے کی مناسبت سے یہاں پر یہ حدیث لے آئے، ورنہ آگے جو حدیث بیان کی ہے اس کا تعلق غزوۂ طائف سے نہیں ہے

؎۲۰ وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم، رقم: ۶۳، وسنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، رقم: ۵۱۱۳، وسنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب من ادعیٰ الی غیر أبیه أو تولی غیر موالیه، رقم: ۲۶۱۰، ومسند أحمد، مسند أبی اسحاق سعد بن أبی وقاص رضی الله عنه، رقم: ۱۴۵۴، ۱۴۹۶، ۱۴۰۰، ۱۵۰۴، ۱۵۵۳، وحدیث ابی بکرة نفیع بن الحارث بن کلدة، رقم: ۲۰۳۹۶، ۲۰۴۶۶، سنن الدارمی، کتاب السیر، باب فی الذی ینتمی الی غیر ابیه، رقم: ۲۵۷۲، وکتاب الفرائض، باب من ادعیٰ الی غیر أبیه، رقم: ۲۹۰۲

لیکن اس میں حضرت ابو بکرہ ﷛ کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح سے طائف کے قلعے سے نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے۔

ابو بکرۃ ﷛ کا قلعۂ طائف کی فصیل پھاند کر آنا

"وکان تسور حصن الطائف فی أناس فجاء إلی النبی ﷺ" یہ کچھ لوگوں کے ساتھ طائف کے قلعے کی دیوار پھاند کر نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے تھے۔

"تسور" کے معنی سور پر چڑھنا کے آتے ہیں، سور قلعے کی فصیل کو کہتے ہیں۔ [۴۱]

حضرت ابو بکرہ ﷛ کا نام ہے نفا بن حارث اور اصل میں یہ غلام تھے۔ طائف میں ایک مشہور نصرانی طبیب رہتا تھا جس کا نام حارث بن کلدہ تھا، یہ اس کے غلام تھے۔

جب حضور اقدس ﷺ نے طائف کا محاصرہ فرمایا تو یہ اسی طائف کے قلعے میں محبوس تھے لیکن ان کے دل میں خیال آیا اور ان کے ساتھ کچھ اور غلام تھے ان کے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ حضور اقدس ﷺ کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے تو جا کر حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کریں اور اگر وہ واقعی سچے نبی ہیں تو ان کے اوپر اسلام لائیں۔

اس غرض کیلئے وہ سب اندر سے دیوار کے اوپر چڑھ گئے اور فصیل پر چڑھ کر وہاں سے لٹک کر کود گئے اور مسلمانوں کے پاس آگئے تھے۔ حضرت ابو بکرہ ﷛ جب قلعے کی دیوار سے کودے تو اپنے ساتھ ایک اونٹ کا بچہ بھی لے آئے، اونٹ کے بالکل نوجوان بچے کو **"بکرۃ"** کہتے ہیں، یہ چونکہ عجیب بات تھی کہ فصیل پر سے اترنا خود ہی مشکل کام ہے، چہ جائیکہ ایک اونٹ کا بچہ بھی ساتھ اٹھالائے۔

اس واسطے ان کی کنیت **"ابو بکرۃ"** پڑ گئی یعنی اونٹ کے بچے والا ان کا نام مشہور ہوگیا یہ اصل معاملہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان کا کوئی بیٹا ہے جس کا نام **"بکرۃ"** ہو، بلکہ اس وجہ سے ان کو ابو بکرۃ کہتے ہیں کہ یہ ساتھ میں اونٹ کا بچہ اٹھالائے تھے۔ تو اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ [۴۲]

---

[۴۱] **قوله ((تسور)) ای صعد الی اعلاء. فتح الباری، ج:۸، ص:۴۶**

[۴۲] **ابو بکرة اسمه نُفَیع، بضم النون وفتح الفاء وسکون الیاء آخر الحروف وفی آخره عین مهملة: ابن مسروح، یقال: نفیع بن کلدة، وکان من عبید الحارث بن کلدة بن عمرو الثقفی غلبت علیه کنیته، واسم امه سمیة أمة للحارث بن کلدة، وهی ام زیاد بن ابی سفیان،، وتدلی ابوبکرة من حصن الطائف ببکرة ونزل الی رسول الله ﷺ، فکنها ﷺ، ابا بکرة.** عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۴۳۵، وفتح الباری، ج:۸، ص: ۴۵

باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت

تو یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا **"من ادعی إلی غیر أبیه وهو یعلم فالجنة علیه حرام"** یعنی جس شخص نے جانتے بوجھتے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو یہ اپنے آپ کو جنت سے محروم کرنے کے مترادف ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے اوپر جنت حرام ہو جاتی ہے۔

یہاں اس بات سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ ایسا شخص کافر ہو جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس بات سے مرتکبِ کبیرہ کے جہنمی اور کافر ہونے کا اشکال ہوتا ہے۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

ایک جواب یہ ہے کہ اگر جائز اور حلال سمجھ کر کرے گا تو کافر و جہنمی ہوگا اور کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اتنی سخت جو وعید آئی ہے وہ علی سبیل التغلیظ ہے یعنی مقصد زجر و توبیخ ہے جیسا کہ بعض دوسرے اعمال پر بھی وعید آئی ہے **"من ترک الصلوة متعمداً فقد کفر"**۔ [۴۳]

۴۳۲۸ ـ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن برید بن عبدالله، عن أبی بردة، عن أبی موسی ﷺ قال: کنت عندالنبی ﷺ وهو نازل بالجعرانة بین مکة والمدینة ومعه بلال، فأتی النبی ﷺ اعرابی فقال: ألا تنجزلی ماوعدتنی؟ فقال له: ((أبشر))، فقال: قد أکثرت علی من ((أبشر)). فأقبل علی أبی موسی وبلال کهیئة الغضبان، فقال: ((رد البشری فاقبلا أنتما))، قالا: قبلنا. ثم دعا بقدح فیه ماء فغسل یدیه ووجهه فیه ومج فیه ثم قال: ((اشربا منه، وأفرغا علی وجوهکما ونحورکما وأبشرا))، فأخذا القدح ففعلا فنادت أم سلمة من وراء الستر أن افضلا لأمکما، فأفضلا لها منه طائفة. [راجع: ۱۸۸]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام جعرانہ میں فروکش ہوئے تھے، اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلال ﷺ بھی تھے، ایک اعرابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں آکر کہا کیا آپ مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ فرمائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بشارت

---

[۴۳] قوله: ((من ادعی الی غیر أبیه))، أی: من انتسب الی غیر أبیه ((فالجنة علیه حرام)) اما علی سبیل التغلیظ، واما انه اذا استحل ذلک. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۴۳۶

حاصل کر، اس اعرابی نے کہا آپ تو کئی بار بشارت فرما چکے ہیں ۔ تو اس بات پر آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس نے تو بشارت کو قبول نہ کیا، لہٰذا تم اس کو قبول کرو، انہوں نے کہا، ہم نے قبول کیا، پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اپنے ہاتھ اور منہ دھو کر اس میں کلی کی، پھر ان دونوں سے فرمایا کہ اس سے پیو، اور اپنے چہروں اور سینوں پر چھڑک لو، اور بشارت حاصل کرو۔ انہوں نے پیالہ لے لیا اور ایسا ہی کیا، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے پکار کر کہا کہ اپنی ماں کے (یعنی میرے) لئے بھی کچھ چھوڑ دینا، تو انہوں نے ان کیلئے بھی ایک حصہ چھوڑ دیا۔

جعرانہ کی حدود

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا **"وھو نازل بالجعرانة بين مكة والمدينة ومعه بلال"** اور اس وقت آپ ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان جعرانہ میں قیام پذیر تھے، حضرت بلال ﷺ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔

یہاں پر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان کہا ہے اس سے بعض لوگ سمجھے کہ جعرانہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ جعرانہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ہے۔ یہ دراصل اس لئے کہا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ جعرانہ سے سیدھا واپس مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے۔ [۴۴]

تبرک مال وزر سے بہتر ہے

"فأتى النبي ﷺ أعرابي فقال: ألا تنجز لي ما وعدتني؟" ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا آپ مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے؟ دیہاتی لوگ ایسے ہی اکھڑ باتیں کرتے ہیں۔

"فقال له: أبشر" آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم خوش ہو جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک محاورہ ہے "ابشر" کہ تسلی رکھو اور خوش ہو جاؤ جو وعدہ کیا ہے میں اس کو پورا کروں گا، جلدی ہو یا دیر ہو لیکن یہی ہوگا۔

---

[۴۴] أما الجعرانة وهي بين الطائف ومكة والى مكه أقرب قاله عياض، وقال الفاكهي: بينها وبين مكة بريد، وقال الباجي: لمانية عشر ميلا. وقد أنكر الداودي الشارح قوله ان الجعرانة بين مكة والمدينة وقال: انما هي بين مكة والطائف وكذا جزم النووي بان الجعرانة بين الطائف ومكة وهو يقتضي ما تقدم نقله عن الفاكهي وغيره. فتح الباري، ج: ۸، ص: ۴۶، وعمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۳۳۷

"فقال: قد أكثرت علي من أبشر" دیہاتی شخص کہنے لگا مجھے آپ اس سے پہلے بھی بہت بار خوشخبری دیتے رہے ہیں۔

یہاں پر جس وعدہ کے پورا کرنے کا اعرابی نے مطالبہ کیا، اس کے متعلق دو باتوں کا احتمال ہوسکتا ہے:

ایک احتمال یہ کہ وعدہ اس اعرابی کے ساتھ خاص ہو کہ آپ ﷺ نے کچھ مال دینے کا یا مالِ غنیمت دینے کا وعدہ فرمایا ہو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وعدہ عام تھا، حنین کے غنائم کی تقسیم کے متعلق کہ طائف سے واپسی کے بعد جعرانہ میں مالِ غنیمت تقسیم کیا جائے گا۔

لیکن اس نے جلد بازی کی اور تاخیر ہونے پر سوال کر ڈالا تو اس پر اعرابی کو صبر کی تلقین فرمائی، کیونکہ اس میں رسوخ و پختگی نہیں آئی تھی اس وقت تک، اس لئے ایسے الفاظ و حرکات صادر ہوئے۔ [۴۵]

"فأقبل على أبي موسى وبلال كهيئة الغضبان" اس دیہاتی کی یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ اور حضرت بلال ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے ایسے جیسے شدید غصے کی حالت میں ہوں۔

"فقال: رد البشرى فاقبلا أنتما" آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی نے تو بشارت کو رد کردیا میں نے اس کو خوش خبری دینی چاہی تھی اور یہ رد کر رہا ہے تو تم دونوں قبول کرلو، **"قالا: قبلنا"** ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم قبول کرتے ہیں۔

"ثم دعا بقدح فيه ماء فغسل يديه ووجهه فيه ومج فيه" پھر آپ ﷺ نے پیالہ منگوایا اس میں پانی تھا، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اور چہرہ مبارک اس میں دھویا اور پھر کلی فرمائی، **"ثم قال: اشربا منه، وأفرغا على وجوهكما ونحوركما وأبشرا"** اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پیو اور اپنے چہروں پر ڈالو پھر خوش خبری سنو یعنی حاصل کرو۔

"فأخذا القدح ففعل" انہوں نے اس پیالے کو لے لیا اور پھر یہی کیا یعنی اس کو پیا بھی اور اپنے چہرے اور سینہ پر ڈالا بھی۔

"فنادت أم سلمة من وراء الستر أن أفضلا لأمكما" تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو پردے کے پیچھے موجود تھیں، انہوں نے آواز دی کہ اپنی ماں کو بھی تھوڑا سا بچا کر دینا، تو پیالہ میں پانی

---

[۴۵] قوله: ((ألا تنجز لي؟)) أى: ألا توفى لى ما وعدتنى؟ وهذا الوعد الذى ذكره يحتمل أن يكون وعداً خاصاً لهذا الأعرابى، ويحتمل أن يكون من الوعد العام الذى وعد أن يقسم غنائم حنين بالجعرانة بعد رجوعه من الطائف، وكان طلبه التعجيل بنصيبه. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۳۷، و فتح البارى، ج:۸، ص:۴۶

کا تھوڑا سا حصہ بچا کر انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی دیا۔

"ابشر" کا حاصل یہ تھا کہ خوش خبری لو ان شاء اللہ ملے گا جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن وہ دیہاتی اپنی ضد پر اڑا رہا تو حضور اقدس ﷺ نے ان دو حضرات سے فرمایا کہ تم قبول کرو۔

خوش خبری اس سے بڑی اور کیا ہوگی کہ نبی کریم ﷺ کا تبرک اس طرح نصیب ہو جائے باقی مال غنیمت بعد میں تقسیم ہوگی تو اس میں سے بھی ملے گا۔ [۲۶]

۴۳۲۹ ـ حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا إسماعيل: حدثنا ابن جريج أخبرني عطاء: أن صفوان بن يعلى بن أمية أخبره أن يعلى كان يقول: ليتني أرى رسول الله ﷺ حين ينزل عليه. قال: فبينا النبي ﷺ بالجعرانة وعليه ثوب قد أظل به معه فيه ناس من أصحابه إذ جاءه أعرابي عليه جبة متضمخ بطيب فقال: يارسو ل الله، كيف ترى في رجل أحرم بعمرة في جبة بعدما تضمخ بالطيب؟ فأشار عمر إلى يعلى بيده أن تعال. فجاء يعلى فأدخل رأسه فإذا النبي ﷺ محمر الوجه يغط كذلك ساعة ثم سري عنه فقال: ((أين الذي يسألني عن العمرة آنفا))، فالتمس الرجل فأتي به فقال: ((أما الطيب الذي بك فاغسله ثلاث مرات، وأما الجبة فانزعها. ثم اصنع في عمرتك كما تصنع في حجك)). [راجع: ۱۵۳۶]

ترجمہ: ابن جریج، عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ صفوان بن یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ حضرت یعلی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کو نزول وحی کے وقت دیکھتا۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مقام جعرانہ میں تھے، اور آپ ﷺ پر کپڑے کا ایک سائبان تھا، جس میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی تھے، آپ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا جو خوشبو لگائے ہوئے، ایک جبہ پہنے ہوئے تھے، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں جس نے عمرہ کا احرام ایک ایسے جبہ میں جس میں خوشبو لگی ہے، باندھا ہو، آپ ﷺ کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے بلایا کہ ادھر آؤ، یعلی رضی اللہ عنہ نے آکر اس سائبان میں سر ڈال کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک سُرخ تھا، اور زور زور سے سانس چل رہا تھا، تھوڑی دیر یہ کیفیت رہ کر پھر ختم ہوگئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ابھی میرے سے عمرہ کے بارے میں مسئلہ پوچھا تھا وہ کہاں ہے؟ اس آدمی تلاش کر کے لایا گیا۔ تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس خوشبو کو دھو کر جبہ کو اتار ڈالو، اور عمرہ میں اپنے حج کی طرح تمام افعال ادا کرو۔

---

[۲۶] قوله ((أبشر))، بهمزة قطع بمعنى: أبشر أيها الأعرابي بقرب القسمة أو الثواب الجزيل على الصبر. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۴۳۷، وفتح الباري، ج: ۸، ص: ۴۶

نزولِ وحی کی کیفیت کا مشاہدہ

حضرت یعلی بن امیہ ﷺ فرماتے ہیں کہ **"لیتنی أری رسول اللہ ﷺ حین ینزل علیہ"** میری تمنا تھی کہ میں نبی کریم ﷺ کو اس حالت میں دیکھوں جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو یعنی اس وقت دیکھوں کہ کیا منظر ہوتا ہے۔

حضرت یعلی ﷺ کہتے ہیں کہ **"فبینا النبی ﷺ بالجعرانۃ وعلیہ ثوب قد أظل بہ معہ فیہ ناس من أصحابہ"** ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جعرانہ میں تھے کہ آپ ﷺ پر ایک کپڑا کا سایہ کیا گیا تھا، اس میں آپ ﷺ کے ہمراہ صحابۂ کرام ﷺ میں سے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"إذ جاءہ أعرابی علیہ جبۃ متضمخ بطیب" اتنے میں ایک اعرابی آ گیا جس نے جبہ پہن رکھا تھا اور وہ اپنی خوشبو میں لتھڑا ہوا تھا یعنی سارے جسم پر خوشبو ملی ہوئی تھی۔

"کیف تری فی رجل أحرم بعمرۃ فی جبۃ بعدما تضمخ بالطیب؟" پھر وہ اعرابی کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے جبہ میں عمرے کا احرام باندھا؟

اس اعرابی نے جبہ پہنا ہوا تھا اور اسی حالت میں تلبیہ پڑھی، احرام کی چادریں پہننے کے بجائے جبہ کی حالت میں عمرہ کر لیا اور خوشبو بھی لگائی ہوئی تھی تو پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

"فأشار عمر إلی یعلی بیدہ أن تعال" جب اس نے سوال کیا تو حضرت عمر ﷺ دیکھ رہے تھے تو انہوں نے حضرت یعلی بن امیہ ﷺ کو اشارہ کیا کہ تم کہہ رہے تھے کہ وحی کے نازل ہونے کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں تو شاید ابھی وحی نازل ہو، اس لئے دیکھنے کا موقع ہے۔

"فجاء یعلی فأدخل رأسہ" چنانچہ حضرت یعلی بن امیہ ﷺ آئے اور اپنے سر کو اس چادر کے اندر ڈال کر آنحضرت ﷺ کی زیارت کرنے لگ گئے۔

"فإذا النبی ﷺ محمر الوجہ یغط کذلک ساعۃ ثم سری عنہ" تو اچانک دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو رہا تھا اور آپ اس طرح سانس لے رہے تھے جیسے کوئی آدمی سونے میں یا مشقت کے کام کے وقت سانس لیتا ہے، چونکہ نزولِ وحی کے وقت آپ ﷺ کو مشقت ہوتی تھی اس لئے سانس پھول جاتا تھا کچھ دیر آپ کی یہ حالت رہی، پھر آپ ﷺ سے یہ حالت رفع کر دی گئی۔

حالتِ احرام میں خوشبو کا حکم

پھر نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ **"أین الذی یسألنی عن العمرۃ آنفا"** وہ شخص جو ابھی عمرہ کے

بارے میں سوال کرر ہا تھا وہ کہاں ہے؟"**فالتمس الرجل فأتی به**" چنانچہ اس شخص کو تلاش کیا گیا اور اس کو لایا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب میں کہا کہ "**اما الطیب الذی بک فاغسله ثلاث مرات، وأما الجبة فانزعها**" جب خوشبو لگ جائے تو اس کو تین مرتبہ دھولو اور جہاں تک جبہ کا تعلق ہے اس کو اتار دو۔

"**لم اصنع فی عمرتک کما تصنع فی حجک**" پھر عمرہ میں وہی کام کرو جو حج میں کرتے تھے یعنی طواف وسعی کرلو۔

ظاہر ہے کہ دم بھی لازم ہوگا، اس کا راوی نے اختصاراً ذکر نہیں کیا اور یہ جو فرمایا کہ خوشبو کو تین مرتبہ دھوؤ مطلب یہ ہے کہ جو جسم پر لگی ہوئی خوشبو ہے اس کو تین مرتبہ دھوؤ ورنہ احرام سے پہلے کپڑوں پر اگر خوشبو لگائی ہے اور اس کے اثرات باقی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ جو جسم پر لگی ہوئی ہے اس کا یہی حکم ہے۔ [۴۷]

۴۳۳۰ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل: حدثنا وهیب، حدثنا عمرو بن یحیی، عن عباد بن تمیم، عن عبدالله بن زید بن عاصم قال: لما أفاء الله علی رسوله ﷺ یوم حنین قسم فی الناس فی المؤلفة قلوبهم ولم یعط الأنصار شیئا فکأنهم وجدوا إذ لم یصبهم ماأصاب الناس فخطبهم فقال: ((یا معشر الأنصار ألم أجدکم ضلالا فهداکم الله بی؟ وکنتم متفرقین فألفکم الله بی، وکنتم عالة فأغناکم الله بی؟)) کلما قال شیئا قالوا: الله ورسوله أمن. قال: ((لو شئتم قلتم جئتنا کذا وکذا، ألا ترضون أن یذهب الناس بالشاة والبعیر وتذهبون بالنبی ﷺ إلی رحالکم؟ لولا الهجرة لکنت امرأ من الأنصار، ولو سلک الناس، وادیا وشعبا لسلکت وادی الأنصاروشعبها. الأنصار شعار والناس دثار. إنکم ستلقون بعدی أثرة فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض)). [انظر: ۷۲۴۵] [۴۸]

ترجمہ: عباد بن تمیم روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم ؓ فرماتے ہیں کہ حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول ﷺ کو مال غنیمت عطا فرمایا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جن کے دل کو ایمان پر جمانا مقصود تھا، وہ مال انکو دیدیا اور انصار کو بالکل بھی نہ دیا، جب مال دوسرے لوگوں کو ملا اور انہیں نہ ملا

---

[۴۷] مزید تفصیل وضاحت کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب، رقم: ۱۵۳۶، ج: ۵، ص: ۱۹۵ ۔ ۱۹۲

[۴۸] وفی صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب اعطاء المؤلفة قلوبهم علی الاسلام وتصبر من قوی ایمانه، رقم: ۱۰۱۲، ومسند احمد، حدیث عبدالله بن زید بن عاصم المازنی، رقم: ۱۶۴۷۰

تو، انہیں کچھ رنج ہوا۔ تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا تھا؟ تو اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت بخشی اور تم میں نا اتفاقی تھی، تو اللہ نے میری وجہ سے تم میں الفت پیدا کردی، اور کیا تم فقیر نہیں تھے؟ تو اللہ نے میری وجہ سے تمہیں مالدار بنا دیا۔ آپ ﷺ جب بھی کچھ فرماتے تو انصار جواب میں عرض کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مگر تم چاہو تو مجھ سے کہہ سکتے ہو کہ آپ ﷺ ہمارے پاس ایسی ایسی حالت میں تشریف لائے تھے، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے جائیں، اور تم اپنے گھروں میں نبی کریم ﷺ کو لے کر جاؤ؟ اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر اور لوگ کسی میدان اور گھاٹی میں چلیں، تو میں انصار کے میدان اور گھاٹی میں جاؤں گا۔ انصار استر (اندر کا کپڑا) ہیں اور دوسرے لوگ ابرا (باہر کا کپڑا) تم میرے بعد دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے، تو صبر کرنا حتیٰ کہ حوض کوثر پر میری ملاقات ہو۔

مؤلفۃ القلوب کو نوازنے کی حکمت

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حنین کے دن مال عطا فرمایا یعنی مال غنیمت ہاتھ آیا تو **"مؤلفة القلوب"** کو رسول اللہ ﷺ نے عطاء کیا اور انصار کو کچھ نہیں دیا۔

"مؤلفة القلوب" سے قریش کے وہ لوگ اور قبائل کے سرداران مراد ہیں جو فتح مکہ کے وقت اسلام لائے لیکن ابھی ایمان میں ضعیف تھے، اسی طرح ان میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے یہ توقع تھی کہ اگر انہیں انعام سے نوازا گیا تو اسلام قبول کرلیں جیسے صفوان بن امیہ وغیرہ۔

ان **"مؤلفة القلوب"** کی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہے۔ [۴۹]

غزوۂ حنین کے مال میں سے صرف ان **"مؤلفة القلوب"** لوگوں کو مال عطاء کیا گیا، اب اس بات کے یہاں پر دو مفہوم مراد لئے جاسکتے ہیں:

---

[۴۹] وقوله: ((في المؤلفة القلوب)) بدل بعض من كل، والمراد بالمؤلفة ناس من قريش أسلموا يوم الفتح اسلاماً ضعيفاً، وقيل كان فيهم من لم يسلم بعد كصفوان بن أمية. وقد اختلف في المراد بالمؤلفة قلوبهم الذين هم أحد المستحقين للزكاة فقيل: كفار يعطون ترغيباً في الاسلام، وقيل مسلمون لم أتباع كفار ليتألفوهم، وقيل مسلمون أول ما دخلوا في الاسلام ليتمكن الاسلام من قلوبهم. وأما المراد بالمؤلفة ههنا فهذا الأخير. فتح الباري، ج:۸، ص: ۴۸، وعمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۴۳۹

ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مالِ غنیمت قاعدہ کے مطابق تقسیم کیا، لیکن جو خمس تھا اس میں سے **"مؤلفة القلوب"** کے سوا کسی کو نہیں دیا، اس میں سے حضرات انصار کو نہیں دیا، بعض لوگ یہ مفہوم مراد لیتے ہیں۔

اس صورت میں کوئی شبہ اور اعتراض کی بات نہیں ہے۔ [۵۰]

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ سارا مالِ غنیمت اس طرح تقسیم کیا کہ انصار کو کچھ بھی نہیں دیا اور **"مؤلفة القلوب"** کو سب کچھ دے دیا، بعض لوگ یہ بات کہتے ہیں۔

اس صورت میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے جائز ہوا کہ جو مجاہدین ہیں ان کو کچھ بھی نہ دیا جائے اور جو نو وارد **"مؤلفة القلوب"** ہیں ان کو دیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ یہ تازہ تازہ اسلام لائے ہیں اور ان کے دلوں میں صحیح طور پر اسلام راسخ نہیں ہوا ہے تو میں نے یہ چاہا کہ یہ کسی طرح مانوس ہوں قریب آئیں، جملہ محاسنِ اخلاق پیدا ہوں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وقت تو تلوار کے خوف سے مسلمان ہو گئے اور بعد میں مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) اور عالم اسلام کیلئے فتنہ بنیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس وقت ان کو ثابت قدم رکھنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی جائے اس واسطے ان کو میں نے دیئے۔ اس مقصد کے تحت اس خاص موقع پر مال کی تقسیم کا جو عام قاعدہ ہے اس سے اس غزوے کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔

بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ بھی بیان کی کہ اس میں انصار کو یہ تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ حنین کے موقع پر جو لوگ پیچھے ہٹے تو کہا جاتا ہے کہ سب انصار تھے تو اس تنبیہ کی غرض سے ان کو اس سے حصہ نہیں دیا گیا۔

لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ کے قریب بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی رہ گئے تو آپ نے دائیں طرف دیکھ کر فرمایا **"یامعشر الأنصار؟"** اے انصار کے جانثارو تم کہاں ہو؟ جواب میں انصار نے کہا **"لبیک وسعدیک یارسول اللہ نحن معک"** ہم حاضر ہیں اے اللہ کے رسول! ہر حکم کی تعمیل کے لئے ہم آپ کے ساتھ موجود ہیں۔

پھر بائیں طرف منہ کر کے فرمایا **"یامعشر الأنصار؟"** جواب میں انصار نے کہا **"لبیک وسعدیک یارسول اللہ نحن معک"** ہم حاضر ہیں یارسول اللہ! ہر حکم کی تعمیل کے لئے ہم آپ کے ساتھ موجود ہیں۔

---

[۵۰] اي: لما أعطاه غنائم الذين قاتلهم يوم حنين، وأصل الفيء الرجوع، ومنه سمي الظل بعد الزوال فيئاً لأنه يرجع من جانب الى جانب، ومنه سميت أموال الكفار فيئاً لأنها كانت في الأصل للمؤمنين، لأن الإيمان هو أصل والكفر الى طارى عليه، ولكن غلبوا عليها بالتعدى فإذا غنمها المسلمون فكأنها رجعت إليهم. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۴۳۹

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار نے حضور اکرم ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا، اس واسطے یہ کہنا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے تھے یہ صحیح بات درست نہیں ہے۔

چنانچہ اس وقت جو تمام مالِ غنیمت دیا گیا وہ اُس وقت کی خصوصیت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ عالم اسلام کو ان لوگوں کے شر اور فتنہ سے بچانے کے لئے اس وقت ضرورت تھی کہ ان کی تالیف قلب کی جائے، ان کو اپنی جانب راغب کرنے کے لئے مالِ غنیمت اور انعام سے نوازا جائے تا کہ یہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ بنائیں اور اس میں اگر ایک مرتبہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے عام قاعدہ کو اٹھا دیا گیا تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ [۵۱]

---

۵۱ قوله: ((ولم يعط الانصار شيئاً)) ظاهراً في أن العطية المذكورة كانت من جميع الغنيمة، وقال القرطبي: في ((المفهم)): الإجراء على أصول الشريعة أن العطاء المذكور كان من الخمس، ومنه كان أكثر عطاياه، وقد قال في هذه الغزوة للاعرابي ((مالي مما أفاء الله عليكم إلا الخمس، والخمس مردود فيكم)) اخرجه أبوداؤد والنسائي من حديث عبدالله بن عمرو، وعلى الاول فيكون ذلك مخصوصاً بهذه الواقعة. وقد ذكر السبب في ذلك في رواية قتادة عن أنس في الباب حيث قال ((أن قريشا حديث عهد بجاهلية ومصيبة، وإني أردت أن أجبرهم وأتألفهم)). قلت: الأول هو المعتمد، وسيأتي مايؤكده. والذي رجحه القرطبي جزم به الواقدي، ولكنه ليس بحجة إذا انفرد فكيف اذا خالف، وقيل إنما كان تصرف في الغنيمة لأن الأنصار كانوا انهزموا فلم يرجعوا حتى وقعت الهزيمة على الكفار فرده الله أمر الغنيمة لنبيه. وهذا معنى القول السابق بأنه خاص بهذه الواقعة، واختار أبوعبيد أنه كان من الخمس، وقال ابن القيم: اقتضت حكمة الله أن فتح مكة كان سبباً لدخول كثير من قبائل العرب في الاسلام وكانوا يقولون: دعوه وقومه، فان غلبهم دخلنا في دينه، وأن غلبوه كفوناه أمره. فلما فتح الله عليه استمر بعضهم على ضلالة فجمعوا له وتأهبوا لحربه، وكان من لاحكمة في ذلك أن يظهر أن الله نصر رسوله لابكثرة من دخل في دينه من القبائل ولا بالكاف قومه عن قتاله، ثم لما قدر الله عليه من غلبه اياهم قدر وقوع هزيمة المسلمين مع كثرة عددهم وقوة عددهم ليتبين لهم أن النصر الحق إنما هو من عنده لابقوتهم، ولو قدر أن لا يغلبوا الكفار ابتداء لرجع من رجع منهم شامخ الرأس متعاظما، فقدر هزيمتهم ثم أعقبهم النصر ليدخلوا مكة كما دخلها النبي ﷺ يوم الفتح متواضعاً متخشعاً، واقتضت حكمته ايضاً أن غنائم الكفار لما حصلت ثم قسمت على من لم يتكن الايمان من قلبه لما بقي فيه من الطبع البشري في محبة المال فقسمه فيهم لتطمئن قلوبهم وتجتمع على محبته، لانها جبلت على حب من أحسن اليها، ومنع أهل الجهاد من أكابر المهاجرين ورؤساء الأنصار مع ظهور استحقاقهم لجميعها لأنه لوقسم ذلك فيهم لكان مقصورا عليهم، بخلاف قسمته على المؤلفة لأن فيه استجلاب قلوب أتباعهم الذين كانوا يرضون اذا رضي رئيسهم، فلما كان ذلك العطاء سببا لدخولهم في الاسلام ولتقوية قلب من دخل فيه قبل تبعهم من دونهم في الدخول، فكان في ذلك عظيم المصلحة — الخ. كذا ذكره الحافظ ابن حجر العسقلاني فيه : فتح الباري، ج:۸، ص: ۴۸،۴۹

حبِ مال پر حضور ﷺ کی صبر و اصلاح کی تلقین

"فکانھم وجدوا إذ لم یصبھم ما أصاب الناس" جب مال دوسرے لوگوں کو ملا اور انہیں نہ ملا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض انصار غمگین ہوئے۔

"وجد یجد" یہ اضداد میں سے ہیں اسکے معنی غم کرنے اور خوشی کرنے دونوں معنی آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ انصار کو یہ بات ناگوار گزری کہ ہمیں کچھ نہیں دیا گیا، یعنی ان کو وہ چیز نہ ملی جو دوسرے لوگوں کو ملی۔ ۵۲

اگلی حدیث میں جس کے راوی حضرت انس بن مالک ﷺ ہیں، اُس میں اِس طرح ہے کہ کچھ انصاری آدمیوں نے کہا اللہ اپنے رسول ﷺ کی مغفرت فرمائے، ہمیں نظر انداز کر کے قریش کو مال دے رہے ہیں، حالانکہ قریش کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے، کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم ہر مرحلہ پر ہم ساتھ تھے ہمیں کچھ نہ ملا۔

حضور اقدس ﷺ نے انصار کو جمع کر کے خطبہ فرمایا **"یا معشر الأنصار ألم أجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی؟"** اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا تھا اور میرے ذریعہ اللہ نے تم کو ہدایت دی۔

"وکنتم متفرقین فألفکم اللہ بی" تم آپس میں بٹے ہوئے تھے، منتشر تھے تو کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان میری وجہ سے تمہیں متحد نہیں کر دیا؟

"وکنتم عالة فأغناکم اللہ بی؟" اور تم لوگ فقر و فاقہ کی حالت میں تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو مال و دولت عطا فرمایا؟

"کلما قال شیئا قالوا: اللہ ورسولہ أمن" رسول اللہ ﷺ جب بھی کچھ فرماتے تو انصاری حضرات جواب میں کہتے کہ اللہ اور اس کے رسول اور زیادہ ہم پر احسان کرنے والے ہیں اور یہ ہمارے اوپر سارا احسان اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔

"قال: لو شئتم قلتم جئتنا کذا وکذا" آپ ﷺ نے فرمایا مگر تم چاہو تو مجھ سے کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس ایسی ایسی حالت میں تشریف لائے تھے یعنی آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا چیز مانع ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دو تو جواب میں وہ لوگ یہ کہتے کہ اللہ اور اس کا رسول ہم پر زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔

---

۵۲ قولہ: ((وجدوا)) أی: حزنوا، یقال: وجد فی الحزن وجداً، بفتح الواو، ووجد فی المال وُجداً ضالته و وَجداً بالفتح و وِجداً بالکسر وجدة أی: استغنی، ووجد مطلوبه یجده وجوداً، ووجد ضالته وجداناً، ووجد علیه فی الغضب موجدة ووجداناً أیضاً، حکاها بعضهم. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۴۳۹

یہاں راوی نے اختصار کرلیا ہے، جبکہ دوسری روایتوں میں یہ آیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو جواب میں یہ کہو کہ آپ کی آپ کے خاندان، گھر والوں نے تکذیب نہیں کی تھی اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور کیا آپ کے قبیلے والوں نے آپ کو نکال نہیں دیا تھا کہ ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، کیا تم جواب میں یہ کہنا چاہتے ہو؟

انصار نے جواب میں فرمایا کہ نہیں یا رسول اللہ ہم یہ کبھی نہیں کہتے، آپ کے احسانات ہم پر اتنے ہیں کہ ان کا کوئی شمار نہیں ہوسکتا اس واسطے ہم یہ نہیں کہنا چاہتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ سے مصدق تھے اور ہمیشہ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا ہوا تھا۔ [۵۳]

جب انصار نے یہ کہہ دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا **"ألا ترضون أن يذهب الناس بالشاة والبعير"** کیا بلیغ جملہ ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ جب اپنے گھروں میں جائیں تو ان کے ساتھ بکریاں اور اونٹ وغیرہ ہوں۔

"وتذهبون بالنبی ﷺ إلی رحالكم؟" اور جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو نبی کریم ﷺ تمہارے ساتھ ہوں۔ گویا ان کو تسلی دے رہے ہیں کہ یہ لوگ تو اونٹ بکری لے کر جارہے ہیں اور میں تو تمہارے ساتھ بیٹھا ہوں، میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے تو میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں یہ لوگ تو جائیں گے بکریاں اور اونٹ لے کر اور تم جاؤ گے اللہ کے رسول کو لے کر۔

"لولا الهجرة لكنت امرأ من الأنصار" اگر ہجرت کی فضیلت مقصود نہ ہوتی تو میں انصار میں کا ایک آدمی ہوتا، یا یہ مطلب ہے کہ انصار کی طرف خود کو منسوب کرتا۔

اس طرح سے کہنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں:

ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوتا کہ مجھے ہجرت کی نعمت سے سرفراز فرمائیں تو مجھے انصار میں پیدا کرتے اور انصار میں پیدا ہوکر وہیں سے اپنی دعوت کا آغاز کرتا۔

دوسرا وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جس کو زیادہ تر شراح نے اختیار کیا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو انصار کی طرف منسوب کردوں نسبت بلدانی کہہ لیں یا نسبت اختیاری کہہ لیں کہ اپنے آپ کو یہ کہوں کہ قریشی نہیں ہوں بلکہ انصاری ہوں۔

---

[۵۳] قوله: ((كذا وكذا))، كناية عما يقال: جئتنا مكذباً فصدقناك، ومخذولاً فنصرناك، وطريداً فآويناك، وعائلاً فواسيناك، وصرح بذلك في حديث أبي سعيد، وروى أحمد من حديث ابن أبي عدي عن حميد عن أنس بلفظ: أفلا تقولون: جئتنا خائفاً فآمناك، وطريداً فآويناك، ومخذولاً فنصرناك؟ قالوا: بل المن علينا لله ولرسوله، انتهى. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۴۳۹

لیکن اس کو کہنے سے ہجرت کی فضیلت جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے کہیں اس سے اعراض لازم نہ آ جائے اس لئے انصار کی طرف منسوب نہیں کرتا ورنہ میں اپنے آپ کو انصار کی طرف منسوب کرتا۔ ۵۴

"ولو سلک الناس، وادیا وشعبا لسلکت وادی الأنصار وشعبها" اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی کی طرف جاؤں گا۔

"الأنصار شعار والناس دثار" فرمایا کہ انصار میرے لئے شعار کا درجہ رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ دثار ہیں یعنی ان کو اتنا قرب حاصل نہیں ہے۔

"شعار" بنیان کو کہتے ہیں ہے اور اوپر جو قمیض پہنتے ہیں اس کو **"دثار"** کہتے ہیں، تو انسان کے قریب ترین شعار ہوتا ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ میں نے ان کو اس وقت تألیف قلب کے لئے دی ہے فرمایا کہ اس وقت تو تمہارے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوا اللہ کے رسول نے صحیح حکمت کے تحت فیصلہ کیا ہے۔

"إنکم ستلقون بعدی أثرہ فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض" تم میرے بعد دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے، تو صبر کرنا حتیٰ کہ حوض کوثر پر میری ملاقات ہو۔

یعنی میرے بعد دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی اس وقت بھی کچھ ہنگامہ کرنے کی ضرورت نہیں، تحفظ حقوق اُنصار کے نام پر ایک جماعت بنالو اور جھنڈا لے کر ہڑتال کرو اور توڑ پھوڑ کرو بلکہ فرمایا صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر جا ملو۔

یہ تلقین فرمائی کہ ابھی تو تم پر ظلم نہیں ہوا لیکن میرے بعد ہوسکتا ہے کہ تمہیں یہ دن دیکھنا پڑے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر ترجیح دی جا رہی ہو تو اس وقت بھی تمہارا کام یہی ہونا چاہیے کہ صبر کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، فتنہ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، جو فتنہ پیدا کرکے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرے اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرے اس سے باز رہو، لہٰذا صبر کرو یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر جا ملو۔ ۵۵

---

۵۴ قوله: ((لولا الهجرة)) أي: لولا وجود الهجرة. قال الخطابي: أراد بهذا الكلام تألف الأنصار وتطيب قلوبهم والثناء عليهم في دينهم حتى رضي أن يكون واحداً منهم لولا مايمنعه من الهجرة لا يجوز تبديلها، ونسبة الانسان على وجود الولادية: كالقرشية، والبلادية كالكوفية، والاعتقادية: كالسنية، والصناعية: كالصيرفية. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۴۰، ۳۳۹، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۵۱

۵۵ وفي رواية الزهري: حتى تلقوا الله ورسوله فاني على الحوض، أي: اصبروا حتى تموتوا فانكم ستجدوني عند الحوض، فيحصل لكم الانتصاف ممن ظلمكم، والثواب الجزيل على الصبر. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۴۰

اس تفصیل کے بعد احادیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۳۳۱ ۔ حدثني عبدالله بن محمد: حدثنا هشام: أخبرنا معمر، عن الزهري: حدثني أنس بن مالک قال: قال ناس من الأنصار حين أفاء الله على رسوله ما أفاء من أموال هوازن، فطفق النبي ﷺ يعطي رجالا المائة من الابل . فقالوا: يغفرالله لرسول الله ، يعطي قريشا ويتركنا وسيوفنا تقطر من دمائهم؟ قال أنس: فحدث رسول الله ﷺ بمقالتهم فأرسل الى الأنصار فجمعهم في قبة من أدم ولم يدع معهم غيرهم فلما اجتمعوا قام النبي ﷺ فقال: ((ما حديث بلغني عنكم؟)) فقال فقهاء الأنصار: أما رؤسائنا يارسول الله فلم يقولوا شيئا، وأما ناس منا حديثة أسنانهم فقالوا: يغفرالله لرسول الله ، يعطي قريشا ويتركنا وسيوفنا تقطر من دمائهم؟ فقال النبي ﷺ: ((فاني أعطي رجالا حديثي عهد بكفر أتألفهم، أما ترضون أن يذهب الناس بالأموال وتذهبون بالنبي الى رحالكم؟ فوالله لما تنقلبون به خيرٌ مما ينقلبون به)). قالوا: يارسول الله، قد رضينا. فقال لهم النبي ﷺ: ((ستجدون أثرة شديدة فاصبروا حتى تلقوا الله ورسوله فاني على الحوض)). قال أنس: فلم يصبروا. [راجع: ۳۱۴۶]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہوازن کا مال عطا فرمایا اور آپ ﷺ نے بعض آدمیوں کو سو سو اونٹ دیئے تو کچھ انصاریوں نے کہا اللہ اپنے رسول کی مغفرت فرمائے، ہمیں نظر انداز کر کے قریش کو مال دے رہے ہیں، حالانکہ قریش کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو انصار کی یہ بات معلوم ہوگئی تو آپ ﷺ نے انہیں چمڑے کے خیمہ میں بلا کر جمع کیا اور ان کے ساتھ کسی غیر انصاری کو نہیں بلایا، جب وہ آکر جمع ہوگئے، تو آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا وہ کیسی بات ہے جو مجھے تمہاری مجھ تک پہنچی ہے؟ انصار کے علماء نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہمارے بڑوں نے تو اس بارے میں کچھ نہیں کہا، ہاں ہم میں کچھ نوعمر ایسے تھے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مغفرت فرمائے، ہمیں نظر انداز کر کے قریش کو مال دے رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نومسلم آدمیوں کو تالیف قلب یعنی اسلام پر دل جمانے کے لئے دیتا ہوں، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو مال لیکر جائیں اور تم اپنے گھروں میں نبی کریم ﷺ کو لے کر جاؤ؟ اللہ کی قسم! تم جو لے کر جاؤ گے ان کی لے جائی ہوئی چیز سے بہت بہتر ہے۔ انصار نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہیں۔ پھر انصار سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے بعد (اپنے اوپر دوسروں کی) بے انتہا ترجیح دیکھو گے، تو صبر کرنا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے مل جاؤ اور میں تمہیں حوض کوثر پر ملوں

گا۔حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ لیکن انصار نے صبر نہیں کیا۔

۴۳۳۲ ـ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن أبی التیاح، عن أنس ﷺ قال: لما کان یوم فتح مکة قسم رسول اللّٰه ﷺ غنائم فی قریش فغضبت الأنصار، قال النبی ﷺ: ((أما ترضون أن یذهب الناس بالدنیا وتذهبون برسول اللّٰه ؟)) قالوا: بلی، قال: ((لو سلک وادیا أو شعبا لسلکت وادی الأنصار أو شعبهم)). [راجع: ۳۱۴۶]

ترجمہ:حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے زمانے میں جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے درمیان غنائم کو تقسیم فرمایا تو انصار اس بات پر ناراض ہوگئے،تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اپنے ساتھ دنیا کو لیکر جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لیکر جاؤ؟ انصار نے کہا کیوں نہیں ہم اس پر راضی ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی کی طرف جاؤں گا۔

۴۳۳۳ ـ حدثنا علی بن عبداللّٰه: حدثنا أزهر، عن ابن عون: أنبأنا هشام بن زید بن أنس، عن أنس ﷺ قال: لما کان یوم حنین التقی وهوازن ومع النبی ﷺ عشرة الآف والطلقاء فأدبروا، قال: ((یامعشر الأنصار))، قالوا: لبیک یارسول اللّٰه وسعدیک، نحن بین یدیک. فنزل النبی ﷺ فقال: ((أنا عبداللّٰه ورسوله))، فانهزم المشرکون. فأعطی الطلقاء والمهاجرین ولم یعط الأنصار شیئاً. فقالوا فدعاهم فأدخلهم فی قبة، فقال: ((أما ترضون أن یذهب الناس بالشاة والبعیر وتذهبون برسول اللّٰه ؟)) فقال النبی ﷺ: ((لوسلک الناس وادیا وسلکت الأنصار شعبا لاخترت شعب الأنصار)). [راجع: ۳۱۴۶]

ترجمہ:حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں جب بنوہوازن سے مقابلہ ہوا، اس وقت نبی کریم ﷺ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر اور طلقاء تھے پھر سب نے پیٹھ پھیر لی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے انصار کے لوگو! انہوں نے جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں اے اللہ کے رسول! اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں اور ہم آپ کے سامنے موجود ہیں۔ پھر آپ ﷺ سواری سے اترے اور فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔اس کے بعد کفار کو شکست ہوگئی، پھر آپ ﷺ نے طلقاء اور مہاجرین میں مال تقسیم کیا اور انصار کو کچھ نہیں دیا، انصار نے اس بارے میں باتیں کیں، تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلایا اور ایک خیمہ میں جمع کیا اور فرمایا کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اپنے ساتھ اونٹ اور بکریوں کو لیکر جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کو لیکر جاؤ؟ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی یا گھاٹی کو اختیار کروں گا۔

طلقاء سے مراد

یہ اس باب میں حضرت انس بن مالک ﷺ کی تیسری حدیث ہے۔

اس حدیث میں ایک جملہ ہے کہ "**ومع النبی ﷺ عشرة الآف والطلقاء**" نبی کریم ﷺ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر اور طلقاء تھے۔

"**طلقاء**" جمع "**طلیق**" اسکے اصل معنی ہیں وہ قیدی جس کو حاکم صرف احسان کی غرض سے چھوڑ دے۔

یہاں "**طلقاء**" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے احساناً چھوڑ دیا تھا، نہ قتل کیا، نہ قید کیا، نہ فدیہ لیا، جیسے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ نے ان حضرات سے فتح مکہ کے روز فرمایا آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ [۵۶]

۴۳۳۴ ـ حدثنی محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة قال: سمعت قتادة، عن أنس بن مالک قال: جمع النبی ﷺ ناسا من الأنصار فقال: ((ان قریشا حدیث عهد بجاهلیة ومصیبة وانی أردت أن أجبرهم وأتالفهم، أما ترضون أن یرجع الناس بالدنیا وترجعون برسول الله ﷺ الی بیوتکم؟)) قالوا: بلی، قال: ((لوسلک الناس وادیا وسلکت الأنصار شعبا لسلکت وادی الأنصار)). [راجع: ۳۱۴۶]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش کے کفر اور مصائب کا دور قریبی اور تازہ ہے اس لئے میں نے چاہا کہ انہیں انعام دوں اور ان کو تالیف قلب یعنی اسلام پر دل جمانے کیلئے دوں کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اپنے ساتھ دنیا کو لیکر واپس جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ واپس جاؤ؟ انصار نے کہا کیوں نہیں ہم اس پر راضی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی کی طرف جاؤں گا۔

۴۳۳۵ ـ حدثنا قبیصة: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن أبی وائل، عن عبدالله قال: لما قسم النبی ﷺ قسمة حنین قال رجل من الأنصار: ماأراد بها الله وجه الله، فأتیت

---

[۵۶] والطلقاء جمع: طلیق، وهو الأسیر الذی أطلق عنه الأسر وخلی سبیله، ویراد بهم أهل مکة فانه أطلق عنهم، وقال لهم: أقول لکم ماقال یوسف: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ [یوسف: ۹۲]. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۴۲

النبی ﷺ فأخبرته فتغير وجهه ثم قال: ((رحمة الله على موسىٰ، لقد أوذى بأكثر من هذا فصبر)). [راجع: ۳۱۵۰]

ترجمہ: ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا اس تقسیم سے اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں ہے۔ تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کی خبر دی تو آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت نازل ہو انہیں اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچائیں گئیں اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

۴۳۳۶ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير، عن منصور، عن أبي وائل، عن عبدالله قال: لما كان يوم حنين آثر النبي ﷺ ناسا، أعطى الأقرع مائة من الابل، وأعطى عيينة مثل ذلك، وأعطى ناسا. فقال رجل: ما أريد بهذه القسمة وجه الله، فقلت: لأخبرن النبي ﷺ، قال: ((رحم الله موسى قد أوذى بأكثر من هذا فصبر)). [راجع: ۳۱۵۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حنین کے روز آپ ﷺ نے چند لوگوں کو ترجیح دی، چنانچہ اقرع کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو اسی کے مثل دیئے اور بھی چند لوگوں کو دیئے۔ اس پر ایک شخص نے کہا اس تقسیم میں اللہ کی خوشنودی کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔

حضرت عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کو اس بات کی ضرور خبر کروں گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا موسیٰ پر اللہ کی رحمت نازل ہو انہوں نے اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچائیں گئیں اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

۴۳۳۷ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا معاذ بن معاذ: حدثنا ابن عون، عن هشام بن زيد بن أنس بن مالك [عن أنس بن مالك] رضي الله عنه قال: لما كان يوم حنين أقبلت هوازن وغطفان وغيرهم بنعمهم وذراريهم ومع النبي صلى الله عليه وسلم عشرة آلاف ومن الطلقاء فأدبروا عنه حتى بقي وحده فنادى يومئذ نداء ين لم يخلط بينهما، التفت عن يمينه فقال: ((يامعشر الأنصار))، قالوا: لبيك يارسول الله، أبشر نحن معك. ثم التفت عن يساره فقال: ((يامعشر الأنصار))، قالوا: لبيك يارسول الله، أبشر نحن معك، وهو على بغلة بيضاء فنزل فقال: ((أنا عبدالله ورسوله))، فانهزم المشركون وأصاب يومئذ غنائم كثيرة فقسم في المهاجرين والطلقاء ولم يعط الأنصار شيئاً، فقالت

الأنصار: اذا كانت شديدة فنحن ندعى ويعطى الغنيمة غيرنا؟ فبلغه ذلك فجمعهم في قبة فقال: ((يامعشر الأنصار، ما حديث بلغني عنكم؟)) فسكتوا، فقال: ((يامعشر الأنصار، ألا ترضون أن يذهب الناس بالدنيا، وتذهبون برسول الله صلى الله عليه وسلم تحوزونه الى بيوتكم؟)) قالوا: بلى، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ((لوسلك الناس وادياً وسلكت الأنصار شعبا لأخذت شعب الأنصار)). وقال هشام، قلت: يا أبا حمزة وأنت شاهد ذلك. قال: وأين اغيب عنه؟. [راجع: ۳۱۴۶]

ترجمہ: ہشام بن زید بن انس روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ﷛ فرماتے ہیں کہ جب جنگ حنین کا دن ہوا تو قبیلہ ہوازن اور غطفان اپنے مویشی اور اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ آئے اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور کچھ طلقاء، پھر سب نے پیٹھ پھیر لی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا باقی رہ گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز دو مرتبہ پکارا دونوں پکاریں ایک دوسرے سے الگ الگ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں طرف متوجہ ہوکر پکارا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہِ انصار! تو انہوں نے جواب دیا ہم حاضر ہیں اے اللہ کے رسول! آپ کو بشارت ہو ہم آپ کے ساتھ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے گروہِ انصار! تو انہوں نے بھی جواب دیا ہم حاضر ہیں اے اللہ کے رسول! آپ کو بشارت ہو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک سفید خچر پر سوار تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر گئے اور فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں۔

پھر مشرکین کو شکست ہوئی اور اس لڑائی میں بہت زیادہ غنیمت حاصل ہوا۔ جو حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین اور طلقاء میں تقسیم کردیا اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں دیا، اس پر (بعض) انصار نے کہا کہ سخت وقت آتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور غنیمت ہمارے سواء دوسروں کو دی جاتی ہے۔

یہ خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے انصار کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور فرمایا اے انصار کے لوگو! کیا وہ بات صحیح ہے جو تمہارے بارے میں مجھے معلوم ہوئی؟ اس پر وہ خاموش رہے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے انصار کے لوگو! کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اپنے ساتھ دنیا کو لیکر جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے ساتھ اپنے گھروں کو لے جاؤ؟ انصار نے کہا کیوں نہیں ہم اس پر راضی ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر لوگ کسی وادی میں چلیں تو میں انصار کسی گھاٹی میں چلیں تو میں انصار ہی

کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔

ہشام نے کہا اے ابوحمزہ! (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کنیت) کیا آپ وہاں موجود تھے؟ انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ سے غائب ہی کب ہوتا تھا؟

باب

السرية النبی ﷺ قبل نجد

الی

باب حج أبی بکر بالناس

(۵۸) باب السرية النبي ﷺ قبل نجد

نبی ﷺ کا نجد کی طرف سریہ بھیجنے کا بیان

۴۳۳۸ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد: حدثنا أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: بعث النبي ﷺ سرية قبل نجد فكنت فيها، فبلغت سهمانا اثني عشر بعيرا، ونفلنا بعيرا بعيرا، فرجعنا بثلاثة عشر بعيرا. [راجع: ۳۱۳۴]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے نجد کی طرف جو سریہ روانہ فرمایا تھا، میں اس میں بھی شریک تھا، مال غنیمت میں ہمارے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئے، پھر ایک ایک اونٹ ہمیں زیادہ ملا، تیرہ، تیرہ اونٹ لے کر ہم واپس ہوئے۔

سریۂ نجد

یہ سریہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف بھیجا تھا۔ یہ سریہ کس سال روانہ فرمایا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

جمہور اہل سیر و مغازی کہتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کی روانگی سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ابن سعد کے نزدیک شعبان ۸ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ سے قبل یہ سریہ روانہ فرمایا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ اس سریہ کا امیر حضرت ابوقتادہ ﷺ کو مقرر فرمایا اور ان کو نجد کے علاقہ ارض محارب کی طرف بھیجا تھا۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کو ترجیح دے رہے ہیں کہ غزوۂ طائف کے بعد یہ سریہ بھیجا گیا، اس لئے فتح مکہ کے بعد اس کو ذکر کیا اور روایت میں اس کی بہت زیادہ تفصیلات نہیں ہیں۔[۱]

---

[۱] وكانت هذه السرية قبل توجه النبي ﷺ لفتح مكة. وهكذا ذكرها أهل المغازي، والبخاري ذكرها بعد الطائف، وقال ابن سعد: كانت في شعبان سنة ثمان، وذكر غيره أنها كانت قبل مؤتة، ومؤتة كانت في جمادى من السنة المذكورة. وقال ابن سعد: وكان أميرهم أبا قتادة أرسله النبي ﷺ الى أرض محارب بنجد. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۴۴۵، وطبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۱۳۲، وكتاب المغازي للواقدي، ج:۲، ص:۷۷۹

صرف اتنا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف سریہ بھیجا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں بھی اس میں شریک تھا اور اس سریہ میں ہم سب کے حصے میں بارہ اونٹ آئے تھے اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک اونٹ بطور انعام دیا گیا تھا، تو ہر آدمی تیرہ اونٹ لے کر آیا تو بڑی بات ہے اتنا مال غنیمت ملا۔

(۵۹) باب بعث النبی ﷺ خالدبن الولید إلی بنی جذیمة

بنی جذیمہ کی طرف نبی ﷺ کا خالد بن ولید کو روانہ کرنے کا بیان

۴۳۳۹ ۔ حدثنا محمود: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر ح. وحدثنی نعیم: أخبرنا عبداللہ: أخبرنا معمر، عن الزهری، عن سالم، عن أبیه قال: بعث النبی ﷺ خالد بن الولید إلی بنی جذیمة فدعاهم إلی الإسلام فلم یحسنوا أن یقولوا: أسلمنا، فجعلوا یقولون: صبأنا، فجعل خالد یقتل منهم ویأسر ودفع إلی کل رجل منا أسیره حتی إذا کان یوم أمر خالد أن یقتل کل رجل منا أسیره فقلت: واللہ لا أقتل أسیری. ولا یقتل رجل من أصحابی أسیره، حتی قدمنا علی النبی ﷺ فذکرناه له فرفع النبی ﷺ یدیه فقال: ((اللّٰهم إنی أبرأ إلیک مما صنع خالد))، مرتین. [انظر: ۷۱۸۹] ؎

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید ﷺ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، خالد بن ولید ﷺ نے انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے یہ دعوت تو قبول کر لی، مگر اپنی زبان سے انہوں نے ہم مسلمان ہو گئے کہنے کو اچھا نہ سمجھا، تو یوں کہنے لگے کہ ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ تو حضرت خالد بن ولید ﷺ انہیں قتل و قید کرنے لگے، اور قیدیوں کو ہم میں سے ہر ایک کے حوالہ کر دیا، ایک دن حضرت خالد بن ولید ﷺ نے ہمیں اپنے اپنے قیدی قتل کر دینے کا حکم دیا تو میں نے کہا اللہ کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو، اور نہ میرے ساتھی اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کریں گے۔ یہاں تک کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے، تو میں نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔

سریۂ بنو جذیمہ

تمام اہل سیر و مغازی کے نزدیک فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ حنین سے پہلے نبی کریم ﷺ نے بنی جذیمہ کی

؎ وفی سنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب الرد علی الحاکم اذا قضی بغیر الحق، رقم: ۵۳۰۵، ومسند احمد،

طرف حضرت خالد بن ولید ﷺ کی سرکردگی میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے روانہ کیا۔ [۳۶]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید ﷺ کو صحابۂ کرام ﷺ کی ایک جماعت کے ہمراہ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا تھا اور روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید ﷺ کو جنگ کیلئے نہیں بھیجا تھا بلکہ اسلام کی دعوت کیلئے بھیجا تھا۔

اجتہادی غلطی کے سبب قتل

حضرت خالد بن ولید ﷺ نے وہاں جا کر بنو جذیمہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

"فلم یحسنوا أن یقولوا: أسلمنا" لیکن بنو جذیمہ کے لوگ بے چارے یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لے آئے، **"فجعلوا یقولون: صبأنا"** بلکہ کہنے لگے ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا۔

کیونکہ کافروں کے ہاں یہ بات مشہور تھی کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے وہ صابی ہو جاتا ہے۔ صابی عام طور پر ستارہ پرست قوم کو کہا جاتا تھا، لیکن مشرکین عرب جو شخص بھی انکے دین سے نکل جاتا تو کہتے یہ صابی ہو گیا۔

تلوار اٹھی ہوئی ہے لوگ بے چارے پریشان ہیں تو جلدی میں "**اسلمنا**" کہنے کے بجائے "**صبأنا، صبأنا**" کہنا شروع کیا۔ کہنا یہ چاہتے تھے کہ ہم اسلام لے آئے لیکن یہ کہنا شروع کیا کہ ہم صابی ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید ﷺ نے سمجھا کہ یہ ایسے ہی جان بچانے کی خاطر "**صبأنا، صبأنا**" کہہ رہے ہیں۔

لیکن میرے خیال میں یہ وجہ نہیں تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کو قتال کیلئے نہیں بھیجا تھا بلکہ اسلام کی دعوت کیلئے بھیجا تھا تو حضرت خالد بن ولید ﷺ نے محسوس کیا کہ یہ تو ہمارے دین کی توہین کر رہے ہیں، "**صبأنا، صبأنا**" کہہ کر کہ ہمارے دین کا نام صابی ہونا رکھ رہے ہیں، یہ اسلام کی توہین ہے اور اسلام کی توہین قابل برداشت چیز نہیں ہے وہ آدمی کو واجب القتل بنا دیتی ہے۔ [۳۷]

---

[۳۶] وهذا البعث كان عقيب فتح مكة في شوال قبل الخروج الى حنين عند جميع أهل المغازي، وكانوا بأسفل مكة من ناحية يلملم، وقال ابن سعد: بعث النبي ﷺ اليهم خالد بن الوليد في ثلاثمائة وخمسين من المهاجرين والأنصار داعياً الى الاسلام لا مقاتلاً. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۴۶

[۳۷] قوله: ((صبأنا)) من: صبأ، اذا خرج من دين الى دين، وقريش كانوا يقولون لكل من أسلم: صبأ. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۳۴۶

"فجعل خالد یقتل منهم ویأسر" لہٰذا حضرت خالد بن ولید ﷺ نے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا، کسی کو قتل کیا اور کسی کو قیدی بنایا۔

"ودفع إلی کل رجل منا أسیرہ" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک قیدی دے دیا کہ اس کی حفاظت کرو، **"حتی إذا کان یوم أمر خالد أن یقتل کل رجل منا أسیرہ"** یہاں تک کہ ایک دن حضرت خالد بن ولید ﷺ نے حکم دیا کہ جسکے پاس جو قیدی ہے اس کو قتل کر ڈالو۔

"فقلت: واللہ لا أقتل أسیری ولا یقتل رجل من أصحابی أسیرہ" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور میرے ساتھیوں کے جو اسیر ہیں ان میں سے بھی کسی کو قتل کرنے نہیں دوں گا۔

"حتی قدمنا علی النبی ﷺ فذکرناہ لہ فرفع النبی ﷺ یدیہ" یہاں تک کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ہم نے اس معاملہ کا ذکر کیا، تو حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ **"اللّٰھم إنی أبرأ إلیک مما صنع خالد"** خالد نے جو کچھ کیا اے اللہ میں اس سے بری ہوتا ہوں۔

یعنی انہوں نے **"صبأنا، صبأنا"** کا مطلب صحیح نہ سمجھا وہ بے چارے اسلام لانا چاہتے تھے اور کم از کم زبان سے تو کہنا چاہتے تھے کہ اسلام لانا چاہتے ہیں اور ہم ظاہری حال پر عمل کرنے کے مامور ہیں، لہٰذا ہمارے لئے ان کو قتل کرنا جائز نہیں تھا، لیکن حضرت خالد بن ولید ﷺ کے عمل سے آپ ﷺ نے برأت کا اظہار تو فرمایا لیکن ساتھ میں یہ بھی محسوس فرمایا کہ خالد نے یہ جو کچھ کیا وہ دشمنی کی وجہ سے قتل نہیں کیا بلکہ غلط فہمی میں کیا، یہ اجتہادی غلطی ہوئی اس واسطے ان کے اوپر بھی بڑی تشنیع نہیں فرمائی۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو مال دیکر بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا اور ان مقتولین کی دیت ادا کی گئی۔ [۵، ۶]

---

[۵] فمن ذلک فهم ابن عمر انهم ارادوا الاسلام حقیقته، وأما خالد فانه لم یکتف بذلک حتی یصرحوا بالاسلام، وقال الخطابی: یحتمل ان یکون خالد نقم علیهم العدول عن لفظه الاسلام لأنه فهم عنهم أن ذلک وقع منهم علی سبیل الأنفة ولم ینقادوا الی الدین، فقتلهم متأولاً، وانما نقم رسول اللہ ﷺ علی خالد موضع العجلة وترک التثبت فی أمرهم. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۴۶، وفتح الباری، ج:۸، ص:۵۷

[۶] عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۳۴۷

(۶۰) باب سرية عبدالله بن حذافة السهمي، وعلقمة بن مجزز المدلجي. ويقال: إنها سرية الأنصاري

عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷺ اور علقمہ بن مجزز مدلجی ﷺ کے سریہ کا بیان اور اس کو سریۂ انصاری بھی کہا جاتا ہے

سریۂ انصاری کا پس منظر

اس سریہ کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو پتہ چلا تھا کہ جدہ کے باشندوں نے اہل حبشہ کو دیکھا کہ وہ مشتبہ حالت میں جدہ کے ارد گرد کشتیوں میں گشت کرتے ہوئے پائے گئے، جدہ کے ساحل کے بالمقابل حبشہ ہے جس کو آج کل ''ایتھوپیا'' کہتے ہیں، حبشہ کے لوگ زیادہ تر نصرانی تھے، حبشہ کے لوگ کچھ مشتبہ حرکتیں کرتے دیکھے گئے، جس سے یہ شبہ ہو رہا تھا کہ شاید ان کا جدہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی ﷺ کو بھیجا کہ کچھ معلومات لے کر آؤ اور اگر ان کا لڑنے کا ارادہ ہو تو مار پیٹ کر بھگا دینا۔ یہ کچھ صحابۂ کرام ﷺ کو لے کر گئے اور کشتی میں سوار ہوئے اور ایک جزیرہ تک ان لوگوں کا پیچھا کیا، جب جزیرہ میں جا کر دیکھا تو وہ لوگ بھاگ گئے۔ اس دوران حضور اقدس ﷺ نے ان کی مدد کے لئے کمک بھیجی، اور اس دوسرے دستے کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷺ کو بنایا تھا۔ [۷]

اسی واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں حضرات کا نام ایک ساتھ ذکر کر دیا، اگرچہ اہل سیر اس کو **''سرية علقمة بن مجزز المدلجي''** کہتے ہیں **''سرية عبدالله بن حذافه السهمي''** نہیں کہتے، لیکن متعدد اوقات میں ساتھ بھیجے گئے تھے اس لئے ان کا نام اکٹھا ذکر کر دیا۔

اس کے علاوہ اس کو **''سرية الأنصاري''** بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں صحابی انصاری تھے۔

---

[۷] وذكر أن سببها أنه بلغ النبي ﷺ أن ناسا من الحبشة تراآهم اهل جدة، فبعث اليهم علقمة بن مجزز في ربيع الآخر في سنة تسع في ثلاثمائة فانتهى الى جزيرة في البحر، فلما خاض البحر اليهم هربوا. فتح الباري، ج:۸، ص:۵۹، كتاب المغازي، للواقدي، ج:۳، ص:۹۸۳

۴۳۴۰ ـ حدثنا مسدد: حدثنا عبدالواحد: حدثنا الأعمش: حدثني سعد بن عبيدة، عن أبي عبدالرحمن، عن علي ﷺ قال: بعث النبي ﷺ سرية واستعمل عليها رجلا من الأنصار وأمرهم أن يطيعوه فغضب فقال: أليس أمركم النبي ﷺ أن تطيعوني؟ قالوا: بلى، قال: فاجمعوا لي حطبا، فجمعوا فقال: أوقدوا نارا، فأوقدوها فقال: ادخلوها، فهموا وجعل بعضهم يمسك بعضا ويقولون: فررنا إلى النبي ﷺ من النار فما زالوا حتى خمدت النار فسكن غضبه فبلغ النبي ﷺ فقال: ((لو دخلوها ما خرجوا منها إلى يوم القيامة، الطاعة في المعروف)). [انظر: ۷۱۴۵] ۵

ترجمہ: حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ بھیجا اور اس کا امیر ایک انصاری صحابی کو بنایا اور سریہ کے لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا، ان امیر کو غصہ آیا تو کہنے لگے کہ کیا آنحضرت ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ لوگوں نے کہا بالکل دیا ہے، اُنہوں نے کہا کہ میرے لئے لکڑیاں جمع کرو! چنانچہ لکڑیاں جمع کردی گئیں۔ امیر نے کہا ان میں آگ لگا دو، چنانچہ آگ لگا دی گئی، پھر انہوں نے کہا اس آگ میں گھس جاؤ، لوگوں نے گھسنے کا ارادہ کیا، مگر ایک دوسرے کو گھسنے سے روکتا رہا اور کہا ہم دوزخ سے بھاگ کر ہی تو آنحضرت ﷺ کی پناہ میں آئے ہیں، وہ برابر اسی کشش و پنج میں رہے حتیٰ کہ آگ بجھ گئی، اور امیر کا غصہ بھی ختم ہو گیا، جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس آگ میں گھس جاتے تو قیامت تک اس سے نہ نکلتے، اطاعت نیک کام میں ہوتی ہے۔

آگ میں داخل ہونے کا حکم

اس روایت میں حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ بھیجا تھا اور ایک انصاری صحابی کو عامل بنا کر بھیجا۔ مراد اس سے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷺ ہیں اور ساتھ جانے والے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان کو تمہارا امیر بنا رہا ہوں ان کی اطاعت کرنا۔

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمر في غير معصيته وتحريمها في المعصية، رقم: ۱۸۴۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الطاعة، رقم: ۲۶۲۵، وسنن النسائي، كتاب البيعة، باب جزاء من أمر بمعصية فأطاع، رقم: ۴۲۰۵، ومسند أحمد، مسند علي ابن أبي طالب رضي الله عنه، رقم: ۶۲۲، ۷۲۴، ۱۰۱۸، ۱۰۶۵، ۱۰۹۵

عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷛ کو اپنے ساتھیوں کی کسی بات پر غصہ آگیا تو انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں حضور ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا انہوں نے جواباً کہا جی ہاں بالکل ہمیں آپ کی اطاعت کا حکم دیا تھا، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷛ نے سریہ والوں کو کہا کہ اچھا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرو انہوں نے لکڑیاں جمع کیں اور پھر حکم دیا کہ اس میں آگ لگا دو اور کہا کہ اس میں گھس جاؤ کہ تمہیں اطاعت امیر کا حکم ہے۔

بعض صحابۂ کرام ﷡ کا ارادہ ہوگیا تھا کہ اس آگ میں داخل ہوجائیں تو ان میں سے بعض بعض کو پکڑنے لگے کہ اس آگ میں مت جاؤ اور کہنے لگے کہ ہم تو حضور اقدس ﷺ کے پاس آگ سے بھاگ کر آئے تھے اور اب آگ میں داخل ہوجائیں اور اپنے آپ کو جلادیں، اسی تردد کی حالت میں تھیکہ آگ بجھ گئی تو ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگیا۔

جب آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اگر آگ میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک آگ سے باہر نہ نکلتے مطلب یہ کہ خودکشی کا سخت گناہ ہوتا کیونکہ **"الطاعة فی المعروف"** یعنی اطاعت معروف میں ہے، نیکی کے کام میں ہے معصیت کے کام میں نہیں اور خودکشی معصیت کا کام ہے۔

امیر اور حاکم کی اطاعت واجب ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حاکم خواہ کیسا بھی ہو، جب تک وہ امیر کفرِ بواح کا ارتکاب نہ کرے، اس وقت تک مباحات میں اس کی اطاعت واجب ہے، البتہ اگر اسکے کسی حکم سے گناہ کا ارتکاب لازم آئے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی یا وہ کسی گناہ کا حکم دے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں، جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **"لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق"** مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی مت کرو۔[۹]

لہذا امیر کے حکم کے بعد وہ مباح کام واجب بن جاتا ہے۔

اس کی اصل قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[۱۰]

---

۹ مصنف ابن أبی شيبة، كتاب الجهاد، باب فی امام السرية يأمرهم بالمعصية؛ من قال: لاطاعة له، رقم: ۳۳۷۱۷

۱۰ [النساء: ۵۹]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے
رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ
اختیار ہوں، اُن کی بھی۔

اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ **"اولی الامر"** کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور **"اولی الامر"** یعنی صاحبِ اختیار کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے الگ کر کے ذکر کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر **"اولی الامر"** اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ بھی کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔

اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر امام کسی مباح کا حکم دیدے تو وہ مباح کام واجب ہو جاتا ہے اور امام کسی مباح کام سے روک دے تو وہ مباح کام ناجائز ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباح امور میں قانون کی پابندی ضروری ہے۔

غرض یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ قاعدۂ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ اطاعت معروف میں ہے معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں، نہ امیر، استاذ، شیخ اور کسی کی بھی نہیں۔

حکومت پر دباؤ ڈالنے کا موجودہ طریقہ

ہمارے ہاں ایک مصیبت یہ چل پڑی ہے کہ عوام کو حکومت سے اپنے حقوق حاصل کرنے اور ان سے جائز مطالبات پورے کرانے کے لئے حکومت پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ آج جو جمہوری نظام قائم ہے، اس کا ایک لازمی حصہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ عوام اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالیں۔

اب یہ کہ اس دباؤ ڈالنے کے لئے کیا راستے اختیار کیا جائے؟

وہ راستہ بھی ہمیں انگریز سکھا گیا کہ دباؤ ڈالنے کے لئے ہڑتال کرو، جلوس نکالو، راستے بند کرو، چنانچہ ان کی تعلیم و تبلیغ کے نتیجے میں ہم نے سارے وہ کام شروع کر دئے، ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ دباؤ ڈالنے کے یہ طریقے ہماری شریعت کے مطابق جائز ہیں یا نہیں؟

موجودہ ہڑتالوں کا شرعی حکم

ہڑتال کے بارے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی طرف سے یہ اپیل کی جائے کہ فلاں بات کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لئے یا اپنے جذبات کے اظہار کے لئے لوگ فلاں دن اپنی دکانیں اور کاروبار

بند رکھیں، پھر اس اپیل کے بعد کوئی شخص اپنی دکان بند رکھے تو ٹھیک ہے اور اگر نہ بند رکھے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ اس سے زبردستی دکان بند کرائی جائے، اس حد تک ہڑتال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن آج تک اس جمہوری نظام میں ایسی شریفانہ ہڑتال نہیں ہوئی اور نہ موجودہ دور میں ایسی شریفانہ ہڑتال کا کوئی تصور ہے۔

حکومت پر دباؤ ڈالنے کا صحیح طریقہ

اس کے برخلاف حکومت کے خلاف احتجاج کا جو طریقہ ہمیں شریعت نے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ **"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"** یعنی عوام حکومت سے یہ کہہ دے کہ ہم ان قوانین پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں جو ہمیں کسی گناہ پر آمادہ کرتے ہیں۔

مثلاً اگر تمام جج صاحبان جو عدالت میں بیٹھے ہیں، وہ یہ کہہ دیں کہ ہم مقدمات کے فیصلے اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک شریعت کا قانون نہیں لایا جائیگا، اسی طرح وکلاء یہ کہہ دیں کہ ہم کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے جب تک شرعی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا اور تاجر یہ کہہ دیں کے ہم کسی بینک میں پیسے نہیں رکھوائیں جب تک بینکوں کو سود سے پاک نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی بینک سے پیسے لیں گے۔

اگر یہ احتجاج کا طریقہ اپنا لیا جائے تو بڑی سے بڑی حکومتیں ایک گھنٹے میں گھٹنے ٹیک دے، اگر لوگ یہ کہیں کہ ہم آپ کے کسی بھی معصیت کے حکم کو نہیں مانیں گے سارے عوام ملکر اس بات کے لئے تیار ہو جائیں تو ایک منٹ کے لئے بھی حکومت نہیں چل سکتی یہی احتجاج کا صحیح طریقہ ہے۔

حدیث الباب اور آگ میں کودنے کا حکم

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷺ نے آگ میں داخل ہونے کو کیوں کہا؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ صرف مذاق تھا، جیسا حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ اس سریہ میں راستہ میں ایک جگہ ساتھیوں نے سینکنے اور کھانا پکانے کے لئے آگ جلائی، امیر سریہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷺ نے بڑے ظریف الطبع تھے یعنی مذاق کرنے والے تھے تو انہوں نے اس موقع پر کہا کہ کیا امیر کی اطاعت تم پر لازم نہیں ہے؟ سب نے کہا کیوں نہیں بالکل لازم ہے، تو انہوں نے پوچھا میں جس کام کا بھی حکم دوں وہ کرو گے؟ سب نے کہا ہاں کریں گے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو آگ میں کودنے کا حکم دیتا ہوں۔ جب سب لوگ اس حکم کی تعمیل کرنے لگے اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ﷺ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ

آگ میں کود جائیں گے تو فرمایا کہ رک جاؤ! میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔ [۱۱]

لیکن یہاں اس روایت میں جو واقعہ ذکر ہے یہ مذاق نہیں تھا اور مذاق کا واقعہ دوسرا ہے۔

یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ مغلوب الغضب ہوگئے تھے جب آدمی غضب سے اس درجہ مغلوب ہو جائے کہ اپنے حواس کھو بیٹھے تو غلبۂ حال کی کیفیت ہوتی ہے جس میں، ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ کے ہاں وہ معذور ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ کی عزیمت

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ وہ بزرگ ہیں جنہیں ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ نے شام کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، وہاں مسلمانوں کو شکست ہوگئی اور شام کا جو نصرانی بادشاہ تھا اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا اور کہنے لگا کہ تم نصرانی مذہب اختیار کرو، تو انہوں نے جواباً کہا کہ میں نہیں اختیار کرتا تو اس بادشاہ نے کہا کہ اگر نہیں کرتا تو دیکھو یہ سولی لٹک رہی ہے اس پر لٹکایا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ نے کہا کہ لٹکا دو، تو ان کو ہاتھ باندھ کر سولی کے اوپر کھڑا کردیا اور ساتھ میں ہی اپنے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ تیر مارو، تو وہ تیر کمانوں میں لگا کر ان کو مارنے کے لئے کھڑے ہوگئے، بادشاہ نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر ادنیٰ سی پریشانی اور تشویش کا شائبہ بھی نہیں تو اس نے دیکھا کہ ڈرتا ہی نہیں اس لئے اتار دیا اور کہا کہ اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔

اب ایسا کیا کہ ایک بڑی سی کڑاہی منگوائی اور اس میں تیل ڈالا اور کڑاہی کے نیچے آگ جلا دی، یہاں تک کہ اس میں جوش آ گیا تو کہا کہ نصرانی مذہب قبول کرلو ورنہ اس کھولتے ہوئے تیل میں پھینکتا ہوں، عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ نے کہا کہ جو چاہے کرلو، نصرانی بادشاہ نے کہا کہ تمہیں دکھاؤں تمہارا کیا حشر ہونے والا ہے!

چنانچہ ایک قیدی کو لایا اور اس کو اس میں ڈال دیا تو جس وقت ڈالا تو تیل ابل رہا تھا اس آدمی کے اس میں گرتے ہی اسی لمحے گوشت اور ہڈی الگ الگ ہوگئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا، انہوں نے کہا کہ میں اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا۔

---

[۱۱] سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب لاطاعة فى معصية الله، ج:۲، ص:۹۵۵ – وفى حديث ابى سعيد أنهم تحجزوا حتى ظن أنهم والبون فيها، فقال: احبسوا أنفسكم فانما كنت أضحك معكم. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۵۵۸، وفتح البارى، ج:۸، ص: ۵۹

بادشاہ نے کہا کہ لے جاؤ اس کو اور ڈال دو، جب لوگ ان کو پکڑ کر لے جانے لگے تو رو پڑے، تو اس بادشاہ نے کہا کہ دیکھا نا موت سامنے دیکھ کر رونا آ گیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے وقوف اس لئے تھوڑا رو رہا ہوں بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ میرے پاس صرف ایک جان ہے جو اس طرح اللہ کی خاطر قربان کر سکتا ہوں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ دس جانیں اگر ہوتیں تو اللہ کے راستے میں اسی طرح قربان کرتا۔

ایسی اذیت ناک موت آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے لیکن پھر بھی کہہ رہا ہے کہ دس جانیں ہوتیں تو اللہ کے راستے میں قربان کرتا۔

بادشاہ نے کہا کہ تم عجیب آدمی لگتے ہو چلو نصرانی نہ بنو تم صرف میری پیشانی پر بوسہ دے دو پھر میں چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے کہا صرف مجھے یا میرے سب ساتھیوں کو؟ کہا سارے ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا۔

انہوں نے کہا پھر بوسہ دیتا ہوں، یہ بوسہ کیونکہ نہ کوئی شرک و کفر تھا نہ کوئی گناہ، اور اپنی اور مسلمان قیدیوں کی جان اس بچتی تھی اس لئے قبول کر لیا اور جا کر نصرانی بادشاہ کو بوسہ دے دیا اور بوسہ دے کر خود سمیت سارے ساتھیوں کو چھڑا لیا اور ساتھیوں کے ہمراہ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو مدینہ منورہ سے باہر نکل کر استقبال کیا اور کہا کہ میں تمہاری پیشانی پر اسی طرح بوسہ دیتا ہوں جس طرح تم نے اس کم بخت اور بد بخت کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس واسطے کہ اس وقت بوسہ دینا واجب تھا اور جہاں کفر پر اکراہ ہو رہا تھا اس میں عزیمت یہ تھی کہ آدمی اکراہ کو قبول نہ کرے جان دیدے، وہاں تم نے عزیمت اختیار کی۔

لیکن یہاں اکراہ تھا، دین چھوڑنے پر نہیں بلکہ ایک کافر کی پیشانی کو چومنا زیادہ سے زیادہ معصیت ہے گناہ پر اکراہ ہو رہا تھا، تو جب گناہ پر اکراہ ہو تو جان بچانے کے لئے گناہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی۔ لہٰذا تم نے جو بوسہ دیا یہ تمہارا اس سے انکار کرنا بھی اللہ کے لئے اور یہ تمہارا بوسہ دینا بھی اللہ کے لئے ہے، لہٰذا میں تمہاری پیشانی پر بوسہ دیتا ہوں۔

یہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ [۱۲، ۱۳]

---

[۱۲] الإصابة في تمييز الصحابة، ذكر من اسمه عبدالله، عبدالله بن حذافه، ج:۴، ص: ۵۲، و سير اعلام النبلاء، الطبقة الأولى: الصحابة وكبار التابعين، السابقون الأولون، عبدالله بن حذافة، ج:۳، ص: ۳۴۸ـ۳۴۵

[۱۳] دست بوسی اور قدم بوسی کے مسئلہ کے متعلق تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: جواہر الفقہ، ج:۱، ص: ۱۸۱، وباب كراهة تقبيل الرجل والتزامه أخاه عند اللقاء على وجه التحية، بحث القيام التعظيمي والقيام للاكرام، في: اعلاء السنن. ج: ۱۷، ص: ۴۲۵ـ۴۱۸

(۶۱) باب بعث أبی موسی و معاذ إلی الیمن قبل حجة الوداع

حجۃ الوداع سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن روانہ کرنے کا بیان

۴۳۴۱، ۴۳۴۲ ـ حدثنا موسی: حدثنا أبو عوانة: حدثنا عبدالملک، عن أبی بردة قال: بعث رسول الله ﷺ موسی و معاذ بن جبل إلی الیمن، قال: وبعث کل واحد منهما علی مخلاف، قال: والیمن مخلافان، ثم قال: ((یسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا)). فانطلق کل واحد منهما إلی عمله، قال وکان کل واحد منهما إذا سار فی أرضه کان قریبا من صاحبه أحدث به عهدا فسلم علیه فسار معاذ فی أرضه قریبا من صاحبه أبی موسی فجاء یسیر علی بغلته حتی انتهی إلیه فإذا هو جالس وقد اجتمع إلیه الناس وإذا رجل عنده قد جمعت یداه إلی عنقه فقال له معاذ: یا عبدالله ابن قیس، أیم هذا؟ قال: هذا رجل کفر بعد اسلامه، قال: لا أنزل حتی یقتل، قال: إنما جیء به لذلک فانزل، قال: ما أنزل حتی یقتل، فأمر به فقتل ثم نزل فقال: یا عبد الله، کیف تقرأ القرآن؟ قال: أتفوقه تفوقا، قال: فکیف تقرأ أنت یا معاذ؟ قال: أنام أول اللیل فأقوم وقد قضیت جزئی من النوم فأقرأ ما کتب الله لی فأحتسبت نومی کما أحتسبت قومی. [راجع: ۲۲۶۱، وانظر: ۴۳۴۵]

ترجمہ: حضرت ابو بردہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا، ہر ایک کو الگ الگ صوبہ کی طرف بھیجا، یمن کے دو صوبے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں نرمی کرنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، رنجیدہ نہ کرنا۔ چنانچہ ہر ایک اپنی اپنی حکومت پر چلا گیا، حضرت ابو بردہ ؓ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک جب اپنی حدود حکومت کی سیر کرتا، اور وہ حصہ اس کے لئے دوسرے ساتھی سے قریب ہوتا، تو وہ ملاقات کر کے سلام کرتا، حضرت معاذ بن جبل ؓ، ابوموسیٰ کی حدود کے قریب اپنی حدود میں اپنے خچر پر سیر کرتے کرتے ابوموسیٰ کے پاس آ گئے، حضرت ابوموسیٰ ؓ بیٹھے تھے اور ایک آدمی جس کی

مشکیں کسی ہوئی تھیں، اور اس کے ارد گرد لوگ جمع تھے، ان کے پاس تھا، معاذ ﷺ نے ان سے کہا کہ اے عبداللہ بن قیس یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ آدمی اسلام لا کر مرتد ہو گیا ہے، معاذ ﷺ نے کہا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے میں نہیں اتروں گا۔ ابو موسیٰ ﷺ نے کہا اسے قتل ہی کے لئے لایا گیا ہے، لہٰذا آپ اتر آئیں، معاذ ﷺ نے کہا جب تک یہ قتل نہ ہو میں نہ اتروں گا، چنانچہ ابو موسیٰ ﷺ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا، پھر معاذ ﷺ خچر سے اترے، معاذ ﷺ نے پوچھا اے عبداللہ! تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں، ابو موسیٰ ﷺ نے کہا اے معاذ! تم کس طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا میں اول رات میں سو جاتا ہوں، پھر ایک نیند لے کر اٹھ جاتا ہوں اور جتنا خدا کو منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں، میں اپنی نیند میں بھی عبادت کے برابر ثواب سمجھتا ہوں۔

یمن بھیجنے کا مقصد

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو حجۃ الوداع سے پہلے یمن کی طرف بھیجا تھا، ان دو حضرات کو وہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں بڑی تعداد مسلمان ہو گئی تھی اس لئے ان کو تعلیم دینا اور دوسرں کو تبلیغ کرنا اور ساتھ مسلمانوں کے انتظامات انجام دینا یہ سارے مقاصد تھے۔

"وبعث كل واحد منهما على مخلاف" تو حضرت ابو بردہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک صوبہ میں بھیجا۔

"مخلاف" ایک صوبہ کو کہتے ہیں **"واليمن مخلافان"** یمن کے دو حصے ہیں ہر ایک کو مخلاف کہتے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے یمن کے مشرقی حصے کی سمت حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ کو روانہ فرمایا اور مغربی سمت یعنی عدن اور جند کے اطراف واکناف میں حضرت معاذ بن جبل ﷺ کو مقرر کیا۔ [۱۴]

"ثم قال: يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا" اور پھر آنحضرت ﷺ نے دونوں حضرات کو ہدایت فرمائی کہ آسانی پیدا کرنا مشکلات نہیں اور لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت میں مبتلا نہیں کرنا یعنی دین کے

---

[۱۴] ((مخلاف)) وهو لليمن كالريف للعراق، أى: الرستاق، والمخاليف الرساتيق، أى: الكور. قوله: ((واليمن مخلافان))، أى: أرض اليمن كورتان، وكانت لمعاذ الجهة العليا الى صوب عدن، وكان من عمله الجند، بفتح الجيم والنون، وله بها مسجد مشهور الى اليوم، وكانت جهة أبى موسى السفلى. عمدة القارى، ج: ۱۸، ص: ۵، وفتح البارى، ج: ۸، ص: ۶۱

بارے میں ایسا انداز اختیار کرو کہ جس سے لوگوں میں امید پیدا ہو، نہ یہ کہ لوگ بھاگ جائیں۔

"وکان کل واحد منهما إذا سار فی أرضه کان الخ" تو ان میں سے ہر ایک جب اپنے علاقہ میں چلتا اور دوسرے ساتھی سے قریب ہوتا تھا تو اس سے ملاقات پر اس عہد کی تجدید کرتا، **"فسار معاذ فی أرضه قریبا من صاحبه أبی موسی الخ"** حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے علاقے میں جارہے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قریب تھے تو اپنے خچر پر سوار ہو کر وہ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے یہاں تک کہ ان سے مل گئے۔

حدود اللہ کے نفاذ میں جلدی

"فإذا هو جالس وقد اجتمع إلیه الناس الخ" جب پہنچے تو دیکھا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ ان کے پاس جمع ہیں، ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔

"فقال له معاذ: یا عبداللہ ابن قیس، أیم هذا؟" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے عبداللہ بن قیس! یہ شخص کون ہے؟

عبداللہ بن قیس حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

"قال: هذا رجل کفر بعد اسلامه، قال: لا أنزل حتی یقتل" انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام کے بعد کفر اختیار کیا ہے یعنی مرتد ہوگیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک اس شخص کو قتل نہ کیا جائے گا اس وقت تک میں سواری سے نہیں اتروں گا، کیونکہ یہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

"قال: إنما جیء به لذلک فانزل" ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص کو اسی لئے لایا گیا ہے تاکہ قتل کیا جائے، لہٰذا آپ سواری سے اتر جاؤ، **"قال: ما أنزل حتی یقتل، فأمر به فقتل ثم نزل"** تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے میں سواری سے نہیں اتروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے قتل کردیا گیا، پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سواری سے اترے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کا حکم ہے اسی لئے جلد سے جلد نافذ کیا جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اعمال کے بارے آپس میں محاسبہ

"فقال: یا عبد اللہ، کیف تقرأ القرآن؟" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ابوموسی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ قرآن کیسے پڑھتے ہیں؟ یعنی قرآن کی تلاوت کا کیا معمول ہے؟ کن کن اوقات میں اور کتنا پڑھتے ہیں؟

"**قال: أتفوقه تفوقا**" انہوں نے کہا کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ میں پڑھتا ہوں۔

"**تفوقه**" ایک مرتبہ اونٹنی کے تھن سے دودھ نکالنے کے بعد دوبارہ دودھ آنے تک جو درمیان کا وقفہ ہوتا ہے اسکو کہتے ہیں، مطلب دن اور رات میں وقفے وقفے سے قرآت کرتا ہوں یہ نہیں کہ ایک ہی دفعہ میں پڑھ لوں، جیسے اونٹنی کے تھنوں میں دودھ وقفے وقفے سے آتا ہے اس طرح وقفے وقفے سے قرآت کرتا ہوں۔ [۱۵]

"**قال: فكيف تقرأ أنت يا معاذ؟**" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ اے معاذ! تم کیسے قرآن پڑھتے ہو؟

"**قال: أنام أول الليل فأقوم وقد قضيت جزئي من النوم**" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رات کے ابتدائی حصے میں سوجاتا ہوں پھر میں جب رات کے ایک حصے میں نیند کر چکا ہوتا ہوں تو پھر کھڑا ہوجاتا ہوں، "**فأقرأ ما كتب الله لي فأحتسب نومي كما أحتسب قومي**" اور جتنا ہوسکتا ہے تلاوت کرتا ہوں اور میں اپنے سونے میں بھی ثواب کی امید رکھتا ہوں اتنی ہی جتنی کھڑے ہونے کی یعنی نماز پڑھنے کی کیونکہ سونا بھی اللہ کیلئے ہے تاکہ وقت پر بیدار ہوکر اپنے فرائض اور عبادات میں لگ جاؤں۔

۴۳۴۳ ۔ حدثنا إسحاق: حدثنا خالد، عن الشيباني، عن سعيد بن أبي بردة، عن أبيه، عن أبي موسى الأشعري ﷺ: أن النبي ﷺ بعثه إلى اليمن فسأله عن أشربة تصنع بها فقال: ((وما هي؟)) قال: البتع والمزر، فقلت لأبي بردة: ما البتع؟ قال: نبيذ العسل، والمزر: نبيذ الشعير، فقال: ((كل مسكر حرام)). رواه جرير وعبد الواحد، عن الشيباني، عن أبي بردة. [راجع: ۲۲۶۱]

ترجمہ: سعید بن ابی بردہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں یمن کی جانب بھیجا تو انہوں نے یمنی شرابوں کا مسئلہ پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کون سی شرابیں ہیں؟ تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا، تبع اور مزر، سعید بن ابی بردۃ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ تبع کیا؟ انہوں نے کہا کہ شہد کا شیرہ، اور مزر کا جو کا شیرہ۔ تو آپ ﷺ نے انہیں جواب دیا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ اس روایت کو جریر اور عبد الواحد نے شیبانی سے اور انہوں نے ابو بردہ سے روایت کیا ہے۔

---

[۱۵] ((أتفوقه)) بالفاء والقاف أى: ألازم قراءته ليلاً ونهاراً شيئاً بعد شيئاً، يعنى: لا أقرأ وردى دفعة واحدة بل هو كما يحلب اللبن ساعة بعد ساعة، وأصله مأخوذ من فواق الناقة وهو أن تحلب ثم تترك ساعة حتى تدر، ثم تحلب هكذا دائماً. عمدة القارى، ج:۱۸، ص:۲

۴۳۴۴، ۴۳۴۵ ـ حدثنا مسلم: حدثنا شعبة: حدثنا سعيد بن أبي بردة، عن أبيه قال: بعث النبي ﷺ جده أبا موسى ومعاذا إلى اليمن فقال: ((يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا))، فقال أبو موسى: يا نبي الله إن أرضنا بها شراب من الشعير: المزر، وشراب من العسل: البتع، فقال: ((كل مسكر حرام))، فانطلقنا. فقال معاذ لأبي موسى: كيف تقرأ القرآن؟

قال: قائما وقاعدا وعلى راحلتي، وأتفوقه تفوقا. قال: أما أنا فأنام فأقوم وأنام.

فأحتسب نومتي كما أحتسب قومتي، وضرب فسطاطا فجعلا يتزوران، فزار معاذ أبا موسى، فإذا رجل موثق، فقال: ما هذا؟ فقال أبو موسى: يهودي أسلم ثم ارتد، فقال معاذ: لأضربن عنقه. [راجع: ۲۲۶۱، ۴۳۴۲]

تابعه العقدي ووهب، عن شعبة. وقال وكيع والنضر وأبو داود، عن شعبة، عن سعيد، عن أبيه، عن جده عن النبي ﷺ رواه جرير بن عبد الحميد، عن الشيباني، عن أبي بردة.

ترجمہ: سعید بن ابی بردہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے بیٹے) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے دادا ابوموسیٰ اور معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، رنجیدہ نہ کرنا اور تم دونوں متفق رہنا۔ ابوموسیٰ ؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے ملک میں جو کا جو کی شراب مرز ہے اور شہد کی شراب تبع ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ چنانچہ ہم دونوں چلے گئے، معاذ نے ابوموسیٰ سے پوچھا، تم کس طرح قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، سواری پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں، معاذ نے کہا میں تو سوجاتا ہوں اور پھر اٹھتا ہوں اور اپنی نیند میں بھی وہی ثواب سمجھتا ہوں، جو اپنی عبادت میں، پھر ابوموسیٰ ؓ نے ایک خیمہ نصب کرایا اور ایک دوسرے کی ملاقات ہونے لگی۔

ایک مرتبہ معاذ ؓ ابوموسیٰ ؓ کے پاس تشریف لائے تو ایک آدمی کو بندھے ہوئے دیکھا، تو معاذ ؓ نے کہا یہ کیا قصہ ہے؟ ابوموسیٰ ؓ نے جواب دیا، یہ یہودی تھا جس نے اسلام قبول کیا پھر مرتد ہوگیا، معاذ نے کہا میں اس کی گردن ماردوں گا۔

عقدی اور وہیب نے شعبہ سے اس کے متابع حدیث روایت کی، اور وکیع، نضر اور ابوداؤد نے شعبہ سے، انہوں نے سعید سے انہوں نے اپنے والد سے، اپنے دادا سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی، اور جریر بن عبدالحمید نے اس کو شیبانی سے، انہوں نے ابوبردہ سے روایت کی۔

۴۳۴۶ ـ حدثنا عباس بن الولید هو النرسی: حدثنا عبدالواحد، عن أیوب بن عائذ: حدثنا قیس بن مسلم قال: سمعت طارق بن شهاب یقول: حدثنی أبو موسی الأشعری ﷺ قال: بعثنی رسول اللہ ﷺ إلی أرض قومی فجئت ورسول اللہ ﷺ منیخ بالأبطح، فقال: ((أحججت یا عبداللہ بن قیس؟)) قلت: نعم یا رسول اللہ، قال: ((کیف قلت؟)) قال: قلت: لبیک إهلا لا کإهلا لک، قال: ((فهل سقت معک هدیا؟)) قلت: لم أسق، قال: ((فطف بالبیت واسع بین الصفا والمروۃ ثم حل))، ففعلت حتی مشطت لی امرأۃ من نساء بنی قیس ومکثنا بذلک حتی استخلف عمر. [راجع: ۱۵۵۹]

ترجمہ: طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے میری قوم کے ملک میں بھیجا، پھر میں آیا، اس وقت رسول اللہ ﷺ مقام ابطح میں ٹھہرے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے پوچھا اے عبداللہ بن قیس! کیا تم نے حج کا احرام باندھ لیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا (کلمات احرام) تم نے کس طرح کہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے کہا تھا کہ اے اللہ میں حاضر ہوں، اور آپ ﷺ کی طرح احرام باندھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا بیت اللہ کا طواف کرو، اور صفا ومروہ کی سعی کرکے احرام کھول دو، میں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ بنو قیس کی ایک عورت نے میری کنگھی بھی کردی، اور ہم حضرت عمر ﷺ کی خلافت تک ایسا ہی کرتے رہے۔

تشریح

حضرت ابوموسی اشعری ﷺ اپنے یمن کی جانب عامل بنا کر بھیجے جانے کا واقعہ بیان کررہے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی زمین کی طرف یعنی یمن کی طرف بھیجا۔

"**فجئت ورسول اللہ ﷺ منیخ بالابطح**" وہاں میں یمن میں رہا، پھر جب حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع فرمایا تو میں مکہ مکرمہ اس حالت میں پہنچا کہ حضور اقدس ﷺ نے ابطح میں اونٹ بیٹھایا ہوا تھا یعنی وادی بطحاء میں قیام فرمایا ہوا تھا۔

"**فقال: احججت یا عبداللہ بن قیس؟**" حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس! کیا حج کا ارادہ ہے یعنی کیا تم نے حج کا احرام باندھ لیا ہے؟

"**قلت: نعم یارسول اللہ، قال: کیف قلت؟**" حضرت ابوموسی اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ میں

جواب دیا کہ جی ہاں میں حج کا ارادہ کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے تلبیہ کے وقت کیا کہا تھا؟ یعنی احرام کون سا باندھا تھا قران، تمتع یا افراد حج کا یا عمرہ کا؟

"قال: قلت: لبیک إهلا لا کإهلا لک" تو حضرت ابوموسی اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے تو تلبیہ لبیک پڑھا اور دل میں یہ نیت کی تھی کہ جیسا تلبیہ حضور اقدس ﷺ نے پڑھا ہوگا ویسا ہی میرا بھی ہے، اگر حضور اقدس ﷺ نے قران کیا ہے تو میرا بھی قران ہے اور اگر آپ ﷺ نے تمتع کیا ہو تو میرا بھی تمتع ہوگا۔

"قال: فهل سقت معک هديا؟" پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا ہدی چلا کر لائے ہو یعنی کیا تم اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے ہو؟ **"قلت: لم أسق"** تو میں نے عرض کیا نہیں۔

"قال: فطف بالبيت واسع بين الصفا والمروة ثم حل" آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف کرو، سعی کرو اور حلال ہو جاؤ۔

کیونکہ حضور اقدس ﷺ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے، اس واسطے آپ ﷺ حلال نہیں ہو سکتے تھے لیکن دوسرے صحابۂ کرام ﷺ کو حلال ہونے کا حکم دیا تھا، حضرت ابو موسی اشعری ﷺ سے کہا کہ جس طرح دوسرے صحابۂ کرام ﷺ عمرہ کر کے حلال ہو رہے ہیں تم بھی حلال ہو جاؤ۔

"ففعلت حتى مشطت لي امرأة من نساء بني قيس" چنانچہ میں بھی حلال ہو گیا یہاں تک کہ بنو قیس کی عورتوں میں سے ایک عورت نے میری بالوں میں کنگھی کی، **"ومكثنا بذلك حتى استخلف عمر"** یہ عمل ہم کرتے رہے یعنی تمتع کرتے رہے یہاں تک حضرت عمر ﷺ خلفیہ بن گئے اور انہوں نے تمتع کرنے سے منع کرنا شروع کر دیا۔

اس کی تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

۴۳۴۷ ـ حدثني حبان: أخبرنا عبدالله، عن زكريا، عن يحيى بن عبدالله بن صيفي، عن أبي معبد مولى ابن عباس، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله لمعاذ بن جبل حين بعثه الى اليمن: ((انک ستأتي قوماً أهل كتاب فاذا جئتهم فادعهم الى أن يشهدوا أن لااله الا الله وأن محمداً رسول الله، فان هم اطاعوا لک بذلک فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فان هم أطاعوا لک بذلک فأخبرهم ان الله قد فرض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم، فترد على فقرائهم، فان هم اطاعوا لک بذلک، فاياک وكرائم أموالهم، واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجابٌ)). [راجع: ۱۳۵۹]

قال أبوعبداللہ: طوّعت: طاعت وأطاعت لغۃ، طعت وطعت وأطعت.

ترجمہ: ابی معبد جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجتے وقت ہدایت فرمائی تھی کہ تم ایسی قوم کی طرف جارہے ہو جو اہل کتاب میں سے ہیں، اس لئے جب تم ان کے پاس پہنچو تو پہلے انہیں اس کی دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ اس پر ایمان لے آئیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے روزانہ ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور انہیں کے غریبوں میں تقسیم کردی جائے گی، جب یہ بات بھی مان لیں تو ان کا سب سے عمدہ مال لینے سے پرہیز کرنا اور مظلوم کی آہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا اس لئے کہ مظلوم کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

ابوعبداللہ رحمہ اللہ یعنی امام بخاری کہتے ہیں کہ "**طوّعت**" لغت کے اعتبار سے طاعت اور اطاعت کے معنی میں ہے، اسی سے "**طعت وطعت وأطعت**" واحد متکلم کے صیغے ہیں۔

۴۳۴۸ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا شعبۃ، عن حبیب بن أبی ثابت، عن سعید بن جبیر، عن عمرو بن میمون أن معاذا رضی اللہ عنہ لما قدم الیمن صلی بھم الصبح فقرأ: ﴿واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا﴾، فقال رجل من القوم: ولقد قرت عین أم إبراھیم.

زاد معاذ، عن شعبۃ، عن حبیب، عن سعید، عن عمرو: أن النبی ﷺ بعث معاذا إلی الیمن فقرأ معاذ فی صلاۃ الصبح سورۃ النساء، فلما قال: ﴿واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا﴾، فقال رجل خلفہ: قرت عین أم إبراھیم. [۱۶]

ترجمہ: عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب یمن آئے تو لوگوں کو صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے یہ آیت پڑھی کہ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰہُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ تو ایک آدمی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہوگئی۔

معاذ نے شعبہ سے، انہوں حبیب سے، انہوں نے سعید سے، انہوں نے عمرو بن میمون سے اس روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو معاذ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں سورۂ نساء پڑھی، جب یہ آیت آئی اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا ہے، تو ایک آدمی نے پیچھے سے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہوگئی۔

---

[۱۶] انفرد بہ البخاری.

تشریح

اس حدیث میں ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل ﷺ نے فجر کی نماز میں یہ آیت تلاوت فرمائی کہ

﴿واتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً﴾ [17]

ترجمہ: اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا ہے۔

ایک شخص نے جو پیچھے کھڑا تھا اس نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی آنکھوں میں ٹھنڈ پڑ گئی ہوگئی، آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد مسرت اور خوشی ہے کہ ان کے بیٹے کو اللہ نے اپنا دوست بنالیا ہے۔ [18]

---

[17] [النساء: ۱۲۵]

[18] ((قرت عين أم ابراهيم))، اى حصل لها السرور، وكنى عنه بقرت عينها أى بردت دمعتها لأن دمعة السرور باردة بخلاف دمعة الحزن فانها حارة. فتح البارى، ج: ۸، ص: ۶۵

(٦٢) باب بعث علي بن أبي طالب وخالد بن الوليد رضي الله عنهما إلى اليمن قبل حجة الوداع

علی بن ابی طالب اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حجۃ الوداع سے پہلے یمن روانگی کا بیان

۴۳۴۹ ۔ حدثني أحمد بن عثمان: حدثنا شريح بن مسلمة: حدثنا إبراهيم بن يوسف بن إسحاق بن أبي إسحاق: حدثني أبي، عن أبي إسحاق: سمعت البراء ﷺ: بعثنا رسول الله ﷺ مع خالد بن الوليد إلى اليمن قال: ثم بعث عليا بعد ذلك مكانه فقال: ((مر أصحاب خالد من شاء منهم أن يعقب معك فليعقب، ومن شاء فيقبل)). فكنت فيمن عقب معه، قال: فغنمت أواقي ذوات عدد. [۹]

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں میں حضرت براء ﷺ سے سنا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید ﷺ کے ساتھ یمن بھیجا پھر اس کے بعد ان کی جگہ حضرت علی ﷺ کو بھیجا اور فرمایا کہ خالد کے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ جو تمہارے ساتھ جانا چاہے چلا جائے اور جو واپس آنا چاہے آجائے۔ میں ان کے ساتھ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھا، کہتے ہیں کہ مجھے غنیمت میں سے بہت سے اوقیہ ملے تھے۔

حضرت علی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجنے کا مقصد

فتح مکہ کے بعد اور حجۃ الوداع سے پہلے حضورِ اقدس ﷺ نے مختلف مقامات پر صحابۂ کرام ﷺ کو بھیجا، کہیں پر دین اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے لئے، کہیں پر دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔

اس روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید ﷺ کو اور پھر بعد میں حضرت علی ﷺ کو یمن بھیجا تھا، گو کہ یمن میں اسلام کافی حد پھیل چکا تھا لیکن پھر بھی کچھ لوگ مزاحمت کر رہے تھے۔

---

[۹] انفرد به البخاري.

"بعثنا رسول الله ﷺ مع خالد بن الوليد إلى اليمن" حضرت براء ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پہلے حضرت خالد بن ولید ؓ کے ساتھ یمن روانہ فرمایا، جب حضرت خالد بن ولید ؓ کا لشکر وہاں پہنچ گیا، **"قال: ثم بعث عليا بعد ذلک مكانه"** پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت علی ؓ کو بھی ان کے پیچھے روانہ فرمایا۔

مقصد یہ تھا کہ وہاں جو مال غنیمت جمع ہوا ہے اس کو تقسیم کرنے کے لئے حضرت علی ؓ مدد کریں اور اس کے ساتھ ساتھ وہاں دعوت، تبلیغ اور ضرورت پڑے تو جہاد میں بھی حضرت علی ؓ حصہ لیں، تو جو لوگ حضرت خالد بن ولید ؓ کے ساتھ گئے تھے ان میں سے بہت سے لوگ مدینہ منورہ واپس آگئے تھے۔

جب حضرت علی ؓ جانے لگے تو حضور ﷺ نے ان صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا **"مر أصحاب خالد من شاء الخ"** جو حضرت خالد بن ولید ؓ کے ساتھ گئے تھے اور واپس آگئے تھے کہ اگر تم میں سے کوئی ان کے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے اور اگر نہ جانا چاہے تو کوئی بات نہیں مدینہ منورہ میں رہے۔

"فكنت فيمن عقب معه" چنانچہ حضرت براء ؓ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت علی ؓ کے ساتھ دوبارہ لوٹ کر گئے، **"فغنمت أواقي ذوات عدد"** تو مجھے بہت سے اوقیہ چاندی غنیمت میں ملے، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

۴۳۵۰ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا روح بن عبادة: حدثنا علي بن سويد بن منجوف، عن عبدالله بن بريدة، عن أبيه ؓ، قال: بعث النبي ﷺ عليا إلى خالد ليقبض الخمس وكنت أبغض عليا وقد اغتسل، فقلت لخالد: ألا ترى إلى هذا؟ فلما قدمنا على النبي ﷺ ذكرت ذلک له فقال: ((يا بريدة، أتبغض عليا؟)) فقلت: نعم، قال: لا تبغضه فإن له في الخمس أكثر من ذلک. [۲۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد بریدہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو حضرت خالد ؓ کے پاس خمس لینے کو بھیجا، میں ان کا مخالف ہو گیا اور جب انہوں نے غسل کیا، تو میں نے خالد ؓ سے کہا کہ آپ ان کو نہیں دیکھ رہے؟ جب ہم نبی ﷺ کے پاس آئے تو میں نے آپ ﷺ سے یہ بات ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے بریدہ! کیا تم علی سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ بغض نہ کرو کہ اس کا حصہ تو خمس میں اس سے بھی زیادہ ہے۔

---

[۲۲] وفي مسند أحمد، باب حديث بريدة الأسلمي رضي الله عنها، رقم: ۲۲۹۴۵، ۲۲۲۶۱، ۲۳۰۱۲، ۲۳۰۲۸، ۲۳۰۳۶، ۲۳۰۵۷

حضرت علی ﷺ کو خمس میں اختیار تھا

حضرت بریدہ ﷺ فرماتے ہیں **"بعث النبی ﷺ علیا إلی خالد لیقبض الخمس"** حضور ﷺ نے علی ﷺ کو خالد بن ولید ﷺ کے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ خمس پر قبضہ کریں، **"وکنت أبغض علیا وقد اغتسل"** حضرت بریدہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی ﷺ سے بغض تھا یعنی ناراض تھا اور انہوں نے غسل بھی کیا تھا۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مال غنیمت تقسیم ہوا اور خمس پر حضرت علی ﷺ نے قبضہ کیا تو اس میں سے ایک باندی کو حضرت علی ﷺ نے اپنے لئے لے لیا، کیونکہ خمس امام یا اس کے قائم مقام کا حق ہے اور حضرت علی ﷺ رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام بن کر خمس لینے گئے تھے یا یہ کہ اس میں اہل بیت کا بھی حصہ ہوتا ہے تو اس حق کے طور پر ایک باندی حضرت علی ﷺ نے لے لی۔

اس بات پر ان سے ناراضگی تھی اور کہتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے وہ جاریہ اپنے قبضہ میں لے لی اور اگلے دن صبح دیکھا کہ انہوں نے غسل بھی کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جاریہ سے فائدہ بھی حاصل کیا ہے۔

"فقلت لخالد: ألا تری إلی هذا؟" میں نے خالد ﷺ سے کہا کہ آپ دیکھ نہیں رہے کیا ہو رہا ہے؟ [۲۱]

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی ﷺ نے اس جاریہ کو لے لیا پھر ہم نے صبح یہ دیکھا گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے یعنی انہوں نے غسل کیا ہے حضرت خالد بن ولید ﷺ نے حضرت بریدہ ﷺ سے کہا کہ آپ دیکھ نہیں رہے کیا ہو رہا ہے؟ کہ حضرت علی ﷺ نے یہ عمل کیا کہ جاریہ رکھی اور پھر اس سے تمتع بھی کیا۔ [۲۲]

---

[۲۱] فظن بریدة انه غل و کان مافعله علی من ذلک سبب بغض بریدة اباه قوله: ((وقد اغتسل))، کنایة عن الوطء، أراد أن علیاً وطیء الجاریة التی أخذها من الخمس واصطفاها لنفسه. قوله: ((فقلت لخالد: ألا تری الی هذا)) القائل هو بریدة، وأشار: بهذا، الی علی ﷺ، وقال الخطابی: فیه اشکالان: أحدهما: أنه قسم لنفسه. والثانی: أنه أصابها قبل الاستبراء، والجواب أن الامام له أن یقسم الغنائم بین اهلها وهو شریکهم، فکذا من یقوم مقامه فیها، وأما الاستبراء فیحتمل أن تکون الوصیفة غیر بالغة، أو کانت عذراء، وأدی اجتهاده الی عدم الاحتیاج الیه. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۱۲، ۱۱

[۲۲] وقد أورده الاسماعیلی من طرق الی روح بن عبادة الذی أخرجه البخاری من طریقه فقال فی سیاقه ((بعث علیا الی خالد لیقسم الخمس)) وفی روایة له ((لیقسم الفیء، فاصطفی علی منه لنفسه سبیة)) بفتح المهملة وکسر الموحدة بعدها تحتانیة ساکنة، ثم همزة أی جاریة من السبی، وفی روایة له ((فأخذ منه جاریة ثم أصبح یقطر رأسه، فقال خالد لبریدة: ألا تری ماصنع هذا؟ قال بریدة: وکنت أبغض علیاً)). فتح الباری، ج: ۸، ص:۶۶

"فلما قدمنا علی النبی ﷺ ذکرت ذلک له" تو اس کے بعد جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے اس بات کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو **"فقال: یا بریدة، أتبغض علیا؟"** حضور ﷺ نے فرمایا اے بریدہ! کیا تم علی سے بغض رکھتے ہو؟

"فقلت: نعم" میں نے کہا جی ہاں!

"قال: لا تبغضه فإن له فی الخمس أکثر من ذلک" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بغض مت رکھو کیونکہ خمس میں علی کا حصہ اس سے بھی زیادہ تھا یعنی جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لیا وہ کم ہے، اس وجہ سے ان پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔ [۴۳]

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک خط لکھ کر بھیجا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ عمل کیا کہ جاریہ رکھی اور تمتع بھی کیا ہم نے صبح یہ دیکھا گویا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا خط پیش کیا تو اس کو پڑھ کر آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار ظاہر ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا **"ما تری فی رجل یحب اللہ ورسوله ویحبه اللہ ورسوله"** ایسے شخص کے بارے میں بات کرتے ہو جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے، میں تو صرف ایک قاصد ہوں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بدگمانی، چغلی اور اعتراض کرنا درست نہیں ہے اور ان کا یہ ناجائز عمل نہیں تھا۔ [۴۴]

---

[۴۳] قوله: ((ذکرت ذلک له))، أی: ذکرت مافعله علی للنبی ﷺ. قوله: ((فان له فی الخمس أکثر من ذلک)) أی: فان لعلی من الحق فی الخمس أکثر من الذی اخذه، وعند احمد من روایة عبدالجلیل عن عبداللّٰه بن بریدة عن ابیه: فوالذی نفس محمد بیده لنصیب آل علي فی الخمس أفضل من وصیفة، وزاد قال: فما کان من الناس احد احب الی من علی، وفی روایة: لاتقع فی علي فانه منی وأنا منه، وفی روایة: قال: من کنت ولیه فعلي ولیه. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۱۲، و فی مسند احمد، باب حدیث بریدة الأسلمی، ج:۳۸، رقم: ۲۲۹۶۷، ۲۳۰۱۲، ۲۳۰۲۸

[۴۴] عن البراء، أن النبي ﷺ بعث جیشین وأمر علی أحدهما علي بن أبي طالب، وعلی الآخر خالد بن الولید، فقال: ((إذا کان القتال فعلي))، قال: فافتتح علي حصنا فأخذ منه جاریة، فکتب معي خالد بن الولید إلی النبي ﷺ یشي به، فقدمت عل ? النبي ﷺ، فقرأ الکتاب، فتغیر لونه، ثم قال: ((ما تری في رجل یحب اللہ ورسوله، ویحبه اللہ ورسوله))، قال: قلت: اعوذ باللہ من غضب اللہ، وغضب رسوله، وإنما أنا رسول. سنن الترمذی، أبواب الجهاد، باب ماجاء من یستعمل علی الحرب، رقم: ۱۷۰۴

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس بارے میں شراح حدیث کو اشکال پیش آیا ہے کہ حضرت علی ﷛ نے جاریہ رکھ کر اس کے ساتھ تمتع بھی کیا اور بعض روایتوں میں صراحت ہے کہ صبح جب ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا تو کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جاریہ میرے حصے میں آئی ہے اور میں نے رات کو اس کے ساتھ تمتع کیا ہے تو پھر صبح میں نے غسل جنابت کیا۔

لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی جاریہ کسی کی ملکیت میں آئے تو تمتع استبراء کے بعد جائز ہوتا ہے، استبراء سے پہلے تمتع جائز نہیں کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ دوسرے کی کھیتی میں پانی مت دو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے شوہر کا نطفہ ہے اور باندی حاملہ ہے تو جماع مت کرو اسلئے حیض آنے کا انتظار کرنا چاہئے اور استبراء رحم کم سے کم ایک حیض آنے کے بعد ہوتا ہے۔ آج جاریہ قبضہ میں آئی اور آج ہی تمتع کیا، یہ بات تو قواعد کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

اس کے مختلف جوابات ہیں:

پہلا جواب: حیض ایک دن ایک رات میں بھی بند ہوسکتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ ایک دن ایک رات میں بند ہوگیا ہو۔

دوسرا جواب: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جاریہ باکرہ ہو اس لئے استبراء کی ضرورت نہ تھی۔

تیسرا جواب: اسی طرح یہ بھی ممکن ہے یہ جاریہ صغیرہ نابالغہ ہو۔

چوتھا جواب: اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی ﷛ نے جس وقت قبضہ کیا ہو اس وقت حیض میں تھی پھر جب حیض سے پاک ہو کر غسل کیا تو حضرت علی ﷛ نے اس تمتع حاصل کیا ہو۔ ۲۵

---

۲۵ وقد استشكل وقوع علي على الجارية بغير استبراء، وكذلك قسمته لنفسه، فأما الأول فمحمول على أنها كانت بكراً غير بالغ ورأى ان مثلها لا يستبرأ كما صار اليه غيره من الصحابة، ويجوز أن تكون حاضت عقب صيرورتها له ثم طهرت بعد يوم وليلة ثم وقع عليها وليس مايدفعه، وأما القسمة فجائزة في مثل ذلك ممن هو شريك فيما يقسمه كالامام اذا قسم بين الرعية وهو منهم، فكذلك من نصبه الامام قام مقامه. وقد أجاب الخطابي بالثاني، وأجاب عن الأول لاحتمال ان تكون عذراً، او دون البلوغ او اداه اجتهاده أن لا استبراء فيها، ويؤخذ من الحديث جوز التسرى على بنت رسول الله بخلاف التزويج عليها لما وقع في حديث المسور في كتاب النكاح. فتح الباري، ج:۸، ص: ٦٧

اس طرح مختلف تاویلات محدثینِ عظام نے کی ہیں۔

اشکال دور کرنے کی آسان صورت

میرے خیال میں ان تکلفات کی حاجت نہیں ہے۔

اس لئے کہ ان روایات میں کہیں یہ صراحت نہیں ہے کہ جس تاریخ میں حضرت علی ؓ نے اس کا تملک کیا تو اسی تاریخ میں وطی بھی کی ہو، ہوسکتا ہے کہ تملک اور تمتع میں فاصلہ ہو اور روایتوں میں یہ بکثرت قصر حذف ہوتا ہے کہ بیچ کا فاصلہ حذف کر دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اسی روایت میں یہ بات کہہ رہے ہیں کہ **"فقلت لخالد: ألا ترى إلى هذا؟"** اور اس بات کے فوراً بعد یہ کہہ رہے ہیں کہ **"فلما قدمنا على النبي ﷺ ذكرت ذلك له"** حالانکہ یہ بات کہنے میں اور حضور ﷺ تک آنے میں کچھ زمانہ فاصلہ تو ہوگا۔

بسا اوقات راویِ حدیث لمبے واقعات کو سمیٹ کر مختصر بیان کر دیتے ہیں، اس لئے یہ کہیں صراحت نہیں ہے کہ اسی رات حضرت علی ؓ نے تمتع کیا جس وقت تملک ہوا تھا۔

۴۳۵۱ ـ حدثنا قتيبة: حدثنا عبدالواحد، عن عمارة بن القعقاع: حدثنا عبد الرحمن بن أبي نعم قال: سمعت أبا سعيد الخدري يقول: بعث علي بن أبي طالب ؓ إلى رسول الله ﷺ من اليمن بذهيبة في أديم مقروظ لم تحصل من ترابها، قال: فقسمها بين اربعة نفر: بين عيينة بن بدر، وأقرع بن حابس، وزيد الخيل، والرابع اما علقمة واما عامر بن الطفيل. فقال رجل من أصحابه: كنا نحن أحق بهذا من هؤلاء قال، فبلغ ذلك النبي ﷺ فقال: ((ألا تأمنوني وأنا أمين من في السماء يأتيني خبر السماء صباحا ومساءً؟)) قال: فقام رجل غائر العينين، مشرف الوجنتين، ناشز الجبهة، كث اللحية، محلوق الرأس، مشمر الازار، فقال: يارسول الله، اتق الله، قال: ((ويلك، أولست أحق أهل الأرض أن يتقي الله؟)) قال: ثم ولى الرجل، فقال خالد بن الوليد: يارسول الله، ألا اضرب عنقه؟ قال: ((لا، لعله أن يكون يصلي)). فقال خالد: وكم من مصل يقول بلسانه ماليس في قلبه. قال رسول الله ﷺ: ((اني لم أومر أن أنقب قلوب الناس ولا أشق بطونهم)). قال: ثم نظر اليه وهو مقفي فقال: ((انه يخرج من ضئضئ هذا قوم يتلون كتاب الله رطبا، لايجاوز حناجرهم، يمرقون من الدين كمايمرق السهم من الرمية)).

واظنه قال: ((لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل ثمود)). [راجع: ۳۳۴۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت علی ﷺ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کیلئے رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں سونے کے چند ڈلے بھیجے، جس کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی کہ تازہ کان سے نکالا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل، اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل ﷺ کے درمیان تقسیم کردیا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں، آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں مجھ پر اطمینان نہیں ہے؟ حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں، میرے پاس صبح شام آسمان والے کی خبریں آتی ہیں۔ تو ایک آدمی دھنسی ہوئی آنکھوں والا، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، اونچی پیشانی، گھنی داڑھی، منڈا ہوا سر، تہ بند اٹھائے ہوئے تھا کھڑا ہو کر بولا اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریئے! آپ ﷺ نے فرمایا تو ہلاک ہو، کیا میں تمام روئے زمین پر اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے کا مستحق نہیں ہوں؟ حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر وہ آدمی چلا گیا تو خالد بن ولید ﷺ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، ممکن ہے وہ نماز پڑھتا ہو۔ حضرت خالد ﷺ نے عرض کیا اور بہت سے ایسے نمازی ہیں جو زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں، جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں کے دلوں کو کریدنے اور ان کے پیٹوں کو چاک کر کے حالات معلوم کرنے کا حکم نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ جب وہ شخص پیٹھ موڑے جارہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے پھر اس کی طرف دیکھ کر فرمایا اس شخص کی نسل سے وہ قوم پیدا ہوگی، جو کتاب اللہ کو بہت اچھے انداز سے پڑھے گی، حالانکہ وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا، دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے، جس طرح تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ کہتے ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ اگر میں اس قوم کے زمانہ میں ہوتا تو قوم ثمود کی طرح انہیں قتل کرتا۔

رسولِ امین ﷺ پر موردِ الزام؟

حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں "**بعث علی بن أبی طالب ﷺ إلی رسول اللہ ﷺ من الیمن الخ**" حضرت علی ﷺ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کو کچھ سونا بھیجا، جو ایک دباغت دیئے ہوئے چمڑے میں بند تھا اور اس سونے کو ابھی اپنی مٹی سے بھی علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔

سونا چونکہ کان سے نکالا جاتا ہے تو اس سونے پر ابھی تک کان سے نکالتے وقت جو مٹی لگی وہ بھی صاف نہیں کی گئی تھی یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس ایسا سونا بھیجا جس کو ابھی تک اس کی مٹی سے بھی الگ نہیں کیا گیا تھا۔

"فقسمها بين اربعة نفر" جب یہ مال غنیمت پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو چار آدمیوں میں تقسیم کیا جو کہ **"مؤلفة القلوب"** میں سے تھے، عیینہ بن بدر، اُقرع بن حابس، زید خیل اور چوتھے علقمہ تھے یا عامر بن طفیل تھے۔

"فقال رجل من أصحابه: كنا الخ" تو آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے کہا کہ ہم بنسبت ان لوگوں کے زیادہ حق دار تھے۔

"فبلغ ذلك النبي ﷺ فقال: ألا تأمنوني وأنا أمين الخ" تو جب آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ کسی نے یہ کہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے یعنی کیا تمہیں مجھ پر اطمینان نہیں ہے؟ حالانکہ میں اللہ کی طرف سے امین ہوں، میرے پاس صبح شام آسمان والے یعنی اللہ کی وحی آتی ہے۔

"فقام رجل غائر العينين، مشرف الوجنتين" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں تھیں اور رُخسار اُبھرے ہوئے تھے، **"ناشز الجبهة، كث اللحية، محلوق الرأس، مشمر الازار"** اور اس شخص کی پیشانی بھی اٹھی ہوئی تھی، گھنی داڑھی تھی، سر منڈا تھا اور شلوار کے پائینچے چڑھائے ہوئے تھے یعنی اس طرح کے حلیہ کا آدمی کھڑا ہوا۔

"فقال: يارسول الله، اتق الله" پھر اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریئے۔

"قال: ويلك، أولست أحق أهل الأرض أن يتقي الله؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر ہلاکت ہو، کیا میں روئے زمین پر سب سے زیادہ حق دار نہیں ہوں اللہ سے ڈرنے کا؟ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ اللہ سے کون ڈرے گا۔

"قال: ثم ولى الرجل" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

ظاہری حالت پر اعتبار

"فقال خالد بن الوليد: يارسول الله، ألا أضرب عنقه؟" تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس کم بخت کی گردن نہ ماردوں؟

اس لئے اس شخص نے آپ کے اوپر بداعتمادی کا مظاہرہ کیا ہے۔

"قال: لا، لعله أن يكون يصلي" آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، شاید نماز پڑھتا ہو یعنی کیونکہ ظاہری طور پر تو وہ مسلمان ہے، اس لئے اس کا قتل جائز نہیں ہے۔

"فقال خالد: وكم من مصل الخ" تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کتنے ہی ایسے

نماز پڑھنے والے ہیں جو وہ زبان سے نکالتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہوتا ہے یعنی منافق ہوتے ہیں۔

"قال رسول اللہ ﷺ: انی لم أومر أن أنقب الخ" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں کو کھرچ کر اور ان کے پیٹ چاک کر کے اندر کے حال معلوم کروں۔

یعنی ظاہری حال سے جو کیفیت نظر آرہی ہے اس کا حکم لگائیں گے، لہٰذا اگر کسی کے دل میں نفاق ہے تو اس کی وجہ اس پر کفر کے احکام جاری نہیں کریں گے جب تک کہ زبان سے کلمہ کفر نہ کہے۔

خوارج کے خروج کی پیش گوئی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اس شخص کی طرف دیکھا جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر جارہا تھا، **"فقال: انه یخرج من ضئضئی هذا قوم یتلون کتاب اللہ رطبا"** تو آپ ﷺ فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جو اللہ کی کتاب کو بڑی تروتازگی سے پڑھے گی یعنی بہت اچھے انداز میں قرآن کی تلاوت کریں گے، **"لایجاوز حناجرهم"** کتاب اللہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی یعنی قرآن کا اثر ان کے دل پر نہیں ہوگا، **"یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة"** لیکن وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائے گی جیسے کہ تیر اپنے نشانے سے آر پار نکل جاتا ہے۔

"واظنه قال: لئن أدرکتهم لأقتلنهم قتل ثمود" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نے اس قوم کو پایا تو ان کو ضرور قتل کروں گا جیسا کہ قوم ثمود کو قتل کیا گیا تھا۔

یہاں اس قوم سے خوارج مراد ہیں۔

۴۳۵۲ ۔ حدثنا المکی بن إبراهیم، عن ابن جریج: قال عطاء: قال جابر: أمر النبی ﷺ علیا أن یقیم علی إحرامه. زاد محمد بن بکر، عن ابن جریج: قال عطاء: قال جابر: فقدم علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ بسعایته فقال له النبی ﷺ: ((بم أهللت یا علی؟)) قال: بما أهل به النبی ﷺ قال: ((فأهد وامکث حراما کما أنت))، قال: وأهدی له علی هدیا.

[راجع: ۱۵۵۷]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے احرام پر قائم رہو، محمد بن ابوبکر نے ابن جریج کے واسطے سے اتنا بڑھایا ہے کہ ان سے عطاء نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ولایت سے تشریف لائے، تو ان سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے علی! تم

نے کون سا احرام باندھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کا سا احرام باندھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تم قربانی کا جانور بھیج دو اور حالت احرام میں رہو جیسے اب ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے آنحضور ﷺ کو قربانی کا جانور بھیجا تھا۔

قِران کا حکم

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حجۃ الوداع کیلئے روانہ ہوئے، **"أمر النبی ﷺ علیا أن یقیم علی إحرامه"** تو اس وقت حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اپنے احرام پر باقی رہیں۔

محمد بن بکر نے ابن جریج کی روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ ان سے عطاء نے یہ بیان کیا کہ حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں **"قدم علی بن أبی طالب ﷺ بسعایته"** حضرت علی ﷺ اپنی ولایت یعنی یمن میں تھے جب حضور اقدس ﷺ حجۃ الوداع کیلئے روانہ ہوئے تو حضرت علی ﷺ یمن سے سیدھے آئے۔

"فقال له النبی ﷺ: بم أهللت یا علی؟" تو نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اے علی! تم نے کون سا احرام باندھا ہے؟

"قال: بما أهل به النبی ﷺ" تو حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نیت کی تھی کہ جو احرام نبی کریم ﷺ نے باندھا ہوگا ویسا ہی میرا بھی ہے۔

"قال: فأهدوا مکث حراما کما أنت" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہدی یعنی قربانی کے جانور کو ذبح کرو اور حالتِ احرام میں رہو جیسے ہو۔

یہ سب حنفیہ کی دلیلیں ہیں کہ حضور ﷺ نے قران کیا تھا تو حضرت علی ﷺ کو قران کا حکم دیا کیونکہ اگر قران نہ ہوتا تو ہدی کو ذبح کرنے کا کوئی معنی نہیں تھا۔ [۲۶]

۴۳۵۳، ۴۳۵۴ ۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا بشر بن المفضل، عن حمید الطویل حدثنا بکر البصري أنه ذکر لابن عمر أن أنسا حدثهم أن رسول اللّٰہ ﷺ أهل بعمرة وحجة. فقال: أهل النبي ﷺ بالحج وأهللنا به معه فلما قدمنا مكة قال: ((من لم یکن معه هدي فلیجعلها عمرة)). وکان مع النبي ﷺ هدي فقدم علینا علي بن أبي طالب من الیمن حاجا فقال النبي ﷺ: ((بم أهللت فإن معنا أهلک؟)) قال: أهللت بما أهل به النبي صلي

---

[۲۶] مزید تفصیل و دلائل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج:۵، ص: ۲۱۱-۲۰۷

اللہ علیہ وسلم قال: ((فامسک فإن معنا هديا)). ۲۷

ترجمہ: بکر بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ حضرت انس ﷜ لوگوں سے یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا نبی کریم ﷺ نے حج کا احرام باندھا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ حج کا احرام باندھا، تو جب ہم مکہ آئے تو آپ نے فرمایا جو اپنے ساتھ قربانی نہیں لایا، وہ اس احرام کو عمرہ کا احرام بنالے۔ اور اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، پھر حضرت علی ﷜ یمن سے حج کے ارادہ سے آئے، تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے علی! تم نے کون سا احرام باندھا ہے کیونکہ ہمارے ساتھ تمہارے گھر والے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ جیسا احرام باندھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو تم رکے رہو، کیونکہ ہمارے ساتھ تو قربانی کے جانور ہیں۔

---

۲۷ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها، رقم: ۶۹۰، وكتاب الحج، باب في الافراد والقران بالحج والعمرة، رقم: ۱۲۳۶، وباب اهلال النبي ﷺ وهديه، رقم: ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، وكتاب الصيد والذبائح ومايؤكل من الحيوان، باب وقتها، رقم: ۱۹۶۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب متى يقصر المسافر، رقم: ۱۲۰۲، وكتاب المناسك، باب في وقت الاحرام، رقم: ۱۷۷۳، وباب في الاقران، رقم: ۱۷۰۵، ۱۷۹۶، وسنن الترمذي، ابواب السفر، باب التقصير في السفر، رقم: ۵۴۶، وابواب الحج، باب ما جاء في الجمع بين الحج والعمرة، رقم: ۸۲۱، وباب، رقم: ۹۵۶، وسنن النسائي، كتاب الصلاة، باب عدد صلاة الظهر في الحضر، رقم: ۴۶۹، ۴۷۷، وكتاب مناسك الحج، باب البيداء، رقم: ۲۶۶۲، وباب القران، رقم: ۲۷۲۹، ۲۷۳۰، ۲۷۳۱، وباب العمل في الاهلال، رقم: ۲۷۵۵، باب كيف يفعل من اهل بالحج والعمرة ولم يسق الهدى، رقم: ۲۹۳۱، وسنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب الاحرام، رقم: ۲۹۱۷، وباب من قرن الحج والعمرة، رقم: ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ومسند أحمد، باب مسند عبدالله عمر رضي الله عنهما، رقم: ۳۸۲۲، ۴۹۹۶، ۵۱۴۷، ۵۵۰۹، وباب مسند أنس بن مالك، ۱۱۹۵۸، ۱۱۹۶۱، ۱۲۰۷۹، ۱۲۰۸۳، ۱۲۰۹۱، ۱۲۰۹۸، ۱۲۴۴۷، ۱۲۵۰۲، ۱۲۶۷۸، ۱۲۷۴۵، ۱۲۸۱۸، ۱۲۸۷۰، ۱۲۸۹۸، ۱۲۸۹۹، ۱۲۹۲۷، ۱۲۹۳۴، ۱۲۹۴۶، ۱۳۱۵۳، ۱۱۳۱۵۶، ۱۳۳۴۹، ۱۳۳۸۸، ۱۳۸۰۶، ۱۳۸۱۳، ۱۳۸۷۱، ۱۳۸۸۱، ۱۴۰۰۱ ۱۴۰۰۲، ومسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۵۰۴۰، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب قصر الصلاة في السفر، رقم: ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، وكتاب المناسك، باب في القران، ۱۹۶۵. ۱۹۶۶

(۶۳) غزوة ذی الخلصة

غزوہ ذی الخلصہ کا بیان

۴۳۵۵ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا خالد: حدثنا بیان، عن قیس، عن جریر قال: کان بیت فی الجاهلیة یقال له: ذو الخلصة والکعبة الیمانیة والکعبة الشامیة، فقال لی النبی ﷺ: ((ألا تریحنی من ذی الخلصة؟)) فنفرت فی مائة وخمسین راکبا فکسرناه وقتلنا من وجدنا عنده فأتیت النبی ﷺ فأخبرته فدعا لنا ولأحمس. [راجع: ۳۰۲۰]

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مکان تھا جسے ذوالخلصہ اور کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ کہتے تھے، تو مجھ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم مجھے ذوالخلصہ کی فکر سے نجات نہ دو گے؟ چنانچہ میں ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا، پھر ہم نے اسے گرادیا اور جن لوگوں کو وہاں پایا انہیں قتل کر دیا، پھر میں نے آ کر آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے ہمارے اور قبیلہ احمس کے لئے دعا فرمائی۔

پس منظر

یہ باب "**ذی الخلصہ**" کے غزوہ کے بارے میں ہے۔

قبیلہ بنو خثعم نے یمن کے قریب قریب ایک ایسا بت خانہ بنا رکھا تھا جو متوازی کعبہ سمجھا جاتا تھا یعنی جس طرح مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا اسی طرح کا انہوں نے یمن کے اندر ایک کعبہ بنالیا تھا اور اس کا نام ذی الخلصۃ تھا اور اس کے اردگرد اس طرح طواف کیا جاتا تھا جس طرح کعبہ کے اردگرد طواف کیا جاتا ہے، قصہ مختصر یہ شرک کا بہت بڑا اڈا تھا۔

جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو یہ قبیلہ بجیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا قبیلہ بجیلہ بھی قبیلہ خثعم کے قریب واقع تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے بھیجا کہ کیا تم مجھے ذی الخلصہ سے راحت نہیں پہنچا سکتے، یعنی کسی طرح ایسا ہو جائے کہ ذی الخلصہ تباہ ہو جائے تو میرے دل کو سکون ملے کہ شرک کا یہ اڈا منہدم ہو گیا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ضرور جو آپ کا حکم ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ روانہ کئے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر

ذی الخلصہ کو منہدم کیا پھر اس کو آگ لگا دی اور بالکل ویران کر کے وہاں سے واپس تشریف لائے۔

اس باب میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور حدیثیں اسی سے متعلق ہیں۔

"کان بیت فی الجاهلية يقال له: ذوالخلصة والكعبة اليمانية والكعبة الشامية"

زمانہ جاہلیت میں ایک گھر تھا یعنی بت خانہ اس کو ذی الخلصہ کہتے تھے اور اس کو کعبہ یمانیہ اور شامیہ بھی کہتے تھے۔

کعبہ شامیہ کہنے پر اشکال وجواب

ظاہری معنی یہ نظر آتے ہیں کہ اس کو کعبہ یمانیہ بھی کہا جاتا تھا اور کعبہ شامیہ بھی کہا جاتا تھا۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ اس کو کعبہ شامیہ کہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ وہ شام کے سمت میں نہیں تھا، شام کے سمت میں تو بیت اللہ تھا۔ یمن سے اگر مکہ مکرمہ کی طرف رخ کیا جائے تو مکہ مکرمہ شام کی سمت میں پڑتا ہے تو یمن کے لوگ مکہ مکرمہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے تو کعبہ شامیہ تو مکہ مکرمہ ہوا ذوالخلصہ کو کعبہ شامیہ کہنے کے کوئی معنی نہیں۔

تو اس اشکال کے جواب میں شراح بڑے حیران اور پریشان ہوئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس کی چند توجیہات بیان فرمائی ہیں:

پہلی توجیہ یہ ہے کہ اس کو کعبہ یمانی بھی کہہ سکتے ہیں اور کعبہ شامی بھی اور کعبہ شامی جو کہلاتا تھا وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ شام کی طرف واقع تھا بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا دروازہ شام کی طرف تھا، اس دروازہ کی وجہ سے اس کو کعبہ شامیہ بھی کہہ دیتے تھے۔

دوسری توجیہ یہ ہیکہ یہ لفظ اصل میں یوں ہے کہ **"ذوالخلصة والكعبة اليمانية"** یعنی ایک گھر تھا جس کا نام ذوالخلصہ تھا اور کعبہ یمانیہ تھا، یہاں پر یہ جملہ ختم ہو گیا۔

آگے راوی کہہ رہے ہیں **"والكعبة الشامية"** تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقتاً کعبہ تو وہ تھا جو شامی ہے، یعنی **"الكعبة"** یہاں مبتداء ہے اور **"الشامية"** اس کی خبر ہے، اس صورت میں یوں جملہ بنتا ہے کہ کعبہ حقیقت میں وہ ہے جو شامی ہے یعنی مکہ مکرمہ والا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں پر راوی کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ **"ذوالخلصة"** کو بھی زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے کعبہ کا مقام دے رکھا تھا تو اس واسطے ان کے ہاں دو کعبے ہو گئے تھے ایک کعبہ یمانیہ اور ایک کعبہ شامیہ، تو کعبہ یمانیہ **"ذوالخلصة"** تھا اور کعبہ شامیہ مکہ مکرمہ والا کعبہ تھا۔

لوگ اس طرح کی بات کیا کرتے تھے **"هذه كعبة اليمانية وهذه كعبة الشامية"** یہ مطلب ہے۔

اس صورت میں جملہ یوں بنا **"یقال لہ: ذو الخلصة"** اس کا نام ذی الخلصہ تھا اور اس کو بھی کعبہ بنا رکھا تھا، یہاں پر یہ جملہ ختم ہوا۔

"والکعبة الیمانیة والکعبة الشامیة" یعنی لوگ اس طرح کی بات کیا کرتے تھے کہ ایک کعبہ یمانی ہے اور ایک کعبہ شامی ہے۔ [۲۸]

"فقال لی النبی ﷺ: ألا تریحنی من ذی الخلصة؟" حضرت جریر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم مجھے ذو الخلصہ کی فکر سے نجات نہ دوگے؟ یعنی اس کو ختم کرکے راحت نہیں پہنچاؤ گے۔

"فنفرت فی مائة وخمسین راکبا الخ" میں ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا اور ہم نے جا کر اس بت خانہ کو توڑ ڈالا اور جو اس کے پاس جو لوگ تھے ان سب کو قتل کر دیا۔

"فأتیت النبی ﷺ فأخبرته فدعا لنا ولأحمس" جب ہم واپس آئے تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو بتایا تو آپ ﷺ نے ہمیں بھی دعا دی اور ہمارے قبیلہ احمس کو بھی دعا دی۔

۴۳۵۶ ـ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا یحیی: حدثنا إسماعیل: حدثنا قیس قال: قال لی جریر ؓ: قال لی النبی ﷺ: ((ألا تریحنی من ذی الخلصة؟ - وکان بیتا فی خثعم یسمی الکعبة الیمانیة - فانطلقت فی خمسین ومائة فارس من أحمس وکانوا أصحاب خیل وکنت لا أثبت علی الخیل فضرب فی صدری حتی رأیت أثر أصابعه فی

---

[۲۸] قوله: ((والکعبة الیمانیة والکعبة الشامیة)) کذا فیه، قیل وهو غلط والصواب الیمانیة فقط، سموها بذلک مضاهاة للکعبة، والکعبة البیت الحرام بالنسبة لمن یکون جهة الیمن شامیة فسموا التی بمکة شامیة والتی عندهم یمانیة تفریقاً بینهما. والذی یظهر لی أن الذی فی الروایة صواب وأنها کان یقال لما الیمانیة باعتبار کونها بالیمن والشامیة باعتبار أنهم جعلوا بابها مقابل الشام، وقد حکی عیاض أن فی بعض الروایات ((والکعبة الیمانیة الکعبة الشامیة)) بغیر واو. قال وفیه ابهام، قال والمعنه کان یقال لها تارة هکذا وتارة هکذا، وهذا یقوی ماقلته فان ارادة ذلک مع ثبوت الواو اولی، وقال غیره: قوله ((والکعبة الشامیة)) مبتدأ محذوف الخبر تقدیره هی التی بمکة، وقیل الکعبة مبتدأ والشامیة خبره والجملة حال والمعنی والکعبة هی الشامیة لاغیر، وحکی السهیلی عن بعض النحویین أن ((له)) زائدة وأن الصواب ((کان یقال الکعبة الشامیة)) ای لهذا البیت الجدید، والکعبة الیمانیة)) ای للبیت العتیق أو بالعکس، قال السهیلی: ولیست فیه زیادة، وانما اللام بمعنی من اجل ای کان یقال من اجله الکعبة الشامیة والکعبة الیمانیة ای احدی الصفتین للعتیق والأخری للجدید. فتح الباری، ج:۸، ص:۷۲، ۷۱، وعمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۱۷، ۱۶

صدری وقال ((اللّٰهم ثبته واجعله هاديا مهديا)). فانطلق إليها فكسرها وحرقها ثم بعث إلى رسول الله ﷺ فقال رسول جرير: والذي بعثك بالحق ما جئتك حت تركتها كأنها جمل أجرب. قال: فبارك في خيل أحمس ورجالها خمس مرات. [راجع: ۳۰۲۰]

ترجمہ: قیس بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم مجھے ذی الخلصہ کی فکر سے نجات نہ دو گے؟ وہ قبیلہ خثعم میں ایک مکان تھا، جسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ تو میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر چل دیا اور وہ میرے ساتھی گھوڑوں پر تھے اور میں گھوڑے پر جم نہیں سکتا تھا تو آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشانات میں نے اپنے سینے میں دیکھے، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! اسے (گھوڑے پر) جمادے اور اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔ چنانچہ جب وہ لوگ کعبہ یمانیہ پہنچے تو اسے گرادیا اور اس کو جلا دیا۔ پھر انہوں نے نبی ﷺ کے پاس قاصد بھیجا اس قاصد جریر نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں جب وہاں سے چلا ہوں تو وہ مکان خارشی اونٹ کی طرح سیاہ ہو گیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے پانچ مرتبہ احمس کے سوار اور پیادوں کو برکت کی دعا دی۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء

اس روایت میں درمیان میں ایک جملہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ "**وکنت لا اثبت علی الخیل**" میں گھوڑے پہ جم کر نہیں بیٹھ سکتا تھا یعنی میرے اندر یہ ایک عیب تھا کہ گھوڑے پر جم کر بیٹھنا میرے لئے ممکن نہیں ہوتا تھا۔

جب حضور ﷺ مجھے روانہ کر رہے تھے اس وقت میں نے یہ بات آنحضرت ﷺ کو بتائی "**فضرب فی صدری حتی رأیت أثر اصابعه فی صدری**" تو حضور ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا حتی کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشان مجھے اپنے سینے میں نظر آئے۔

اور پھر مجھے یہ دعا دی "**اللّٰهم ثبته واجعله هاديا مهديا**" اے اللہ! اسے گھوڑے پر جمادے اور اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔

۴۳۵۷ ۔ حدثنا یوسف بن موسی: أخبرنا أبو أسامة، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن جرير قال: قال لي رسول الله ﷺ: ((ألا تريحني من ذي الخلصة؟)) فقلت: بلى، فانطلقت في خمسين ومائة فارس من أحمس وكانوا أصحاب خيل وكنت لا أثبت على

الخيل فذكرت ذلك للنبي ﷺ فضرب يده على صدري حتى رأيت أثر يده في صدري وقال: ((اللّٰهم ثبته واجعله هاديا مهديا))، قال: فما وقعت عن فرس بعد، قال: وكان ذوالخلصة بيتا باليمن لخثعم وبجيلة فيه نصب يعبد يقال له: الكعبة، قال: فأتاها فحرقها بالنار وكسرها. قال: ولما قدم جرير اليمن كان بها رجل يستقسم بالأزلام، فقيل له: إن رسولَ رسولِ الله ﷺ هاهنا فإن قدر عليك ضرب عنقك. قال :فبينما هو يضرب بها إذ وقف عليه جرير،فقال: لتكسرنها ولتشهدن أن لا إله إلا الله أو لأضربن عنقك ،قال: فكسرها وشهد .ثم بعث جرير رجلا من أحمس يكنى أبا أرطاة إلى النبي ﷺ يبشره بذلك ،فلما أتى النبي ﷺ قال: يا رسو ل الله، والذي بعثك بالحق ما جئت حتى تركتها كأنها جمل أجرب قال: فبرك النبي ﷺ على خيل أحمس ورجالها خمس مرات. [راجع: ۳۰۲۰]

ترجمہ: حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم مجھے ذوالخلصہ کی فکر سے نجات نہ دو گے؟ میں نے عرض کیا ضرور نجات دوں گا، لہٰذا میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر چل پڑا، وہ سب گھوڑوں پر تھے، اور میں گھوڑے پر قائم نہ رہ سکتا تھا، تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے میرے سینہ میں ہاتھ مارا، جس سے میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کا نشان اپنے سینہ میں دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اسے گھوڑے پر قائم رکھ اور اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔ حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی بھی گھوڑے سے نہیں گرا۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ ذوالخلصہ یمن میں قبیلہ خثعم اور بجیلہ کا ایک مکان تھا جس میں نصب بتوں کی عبادت کی جاتی تھی، اسے کعبہ بھی کہتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت جریرؓ جب وہاں پہنچے تو اسے آگ سے جلا کر ڈھا دیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جریرؓ جب یمن آئے تو وہاں ایک آدمی تیروں سے فال نکالا کرتا تھا، اس سے کسی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے قاصد یہاں ہیں، اگر انہیں تیرا پتہ چل گیا تو تیری گردن مار دیں گے، راوی کہتے ہیں کہ وہ ایک دن فال نکال رہا تھا کہ حضرت جریرؓ وہاں پہنچ گئے کہا کہ ان تیروں کو توڑ اور مسلمان ہو جا، ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا، تو اس نے وہ تیر توڑ دیئے اور مسلمان ہو گیا۔ پھر حضرت جریرؓ نے قبیلہ احمس کے ایک آدمی جس کی کنیت ابوارطاۃ تھی ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس فتح کی خوشخبری دینے کے لیے بھیجا، انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں وہاں سے چلا ہوں تو اس مکان کو میں نے دیکھا کہ خارشی اونٹ کی طرح جل کر سیاہ ہو گیا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے احمس کے سواروں اور پیادوں کو پانچ مرتبہ برکت کی دعا دی۔

تشریح

"قال: یا رسول اللہ، والذی بعثک بالحق ماجئت حتی ترکتھا کأنھا جمل أجرب" اس قاصد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ میں آپ کے پاس نہیں آیا یہاں تک کہ میں نے اس بت خانہ کو اس حالت میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ خارش زدہ اونٹ ہے یعنی اس کے جل جانے کی وجہ سے اس پر جو داغ وغیرہ پڑ گئے تھے اس پر تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کہ خارش زدہ اونٹ ہو۔

زبردستی اسلام قبول کروانا مقصود نہیں

اس روایت میں درمیان میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ اسی ذوالخلصہ کو ڈھانیکے سلسلہ میں جب حضرت جریر ؓ جب یمن آئے تو وہاں ایک شخص تھا جو استقسام بالازلام کیا کرتا تھا۔

"استقسام بالازلام" تیروں کے ذریعے فال نکالنے کی ایک شکل تھی۔

"فقیل لہ: إن رسولَ رسولِ اللہ ﷺ الخ" تو اس سے لوگوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا ایلچی یہاں پر آئے ہوئے ہیں، اگر ان کا داؤ تمہارے اوپر چل گیا تو تمہاری خیر نہیں، تمہاری گردن ماردیں گے، اس دوران جب وہ استقسام بالازلام کر رہا تھا تو حضرت جریر ؓ وہاں پہنچ گئے۔

"فقال: لتکسرنھا ولتشھدن أن لا إلہ إلا اللہ الخ" اور اس سے فرمایا کہ ان کو توڑ ڈالو یا شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ورنہ میں تمہاری گردن ماردوں گا، **"فکسرھا وشھد"** تو اس شخص نے وہ تیر توڑ دیئے اور ایمان لے آیا۔

یہاں اکراہ رجبر دراصل استقسام بالازلام کے چھوڑنے پر ہے، یہ ایسا نہیں ہے کہ اسلام لاؤ ورنہ گردن ماردیں گے بلکہ یہ ہے کہ استقسام بالازلام نہیں کرنے دیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دے دی اس نے استقسام بالازلام کو چھوڑ دیا اور اسلام لے آیا۔

(۶۴) باب غزوة ذات السلاسل

غزوہ ذات السلاسل کا بیان

وهی غزوة لخم وجذام قاله اسماعيل بن ابی وقال ابن إسحاق عن يزيد عن عروة هي بلاد بلي وعذرة وبني القين.

ترجمہ: اور یہ غزوۂ لخم اور جذام ہیں ایسا اسماعیل بن ابی خالد نے کہا ہے اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ انہوں نے یزید سے روایت کیا ہے اور انہوں نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ یہ قبیلۂ بلی، عذرہ اور بنی القین کے شہر ہیں۔

غزوۂ ذات السلاسل کا پس منظر

یہ باب غزوہ ذات السلاسل کے بیان میں ہے، یہ غزوہ جس کو غزوۂ ذات السلاسل کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ یہ قبائل جن کے نام لخم اور جذام مذکور ہیں، ان قبائل کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو کچھ اطلاع ملی تھی کہ وہ اکٹھے ہو رہے ہیں اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے پر تول رہے ہیں، ان کا آپس میں کچھ مشورہ ہوا ہے کہ ہم مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں۔

حضور اقدس ﷺ نے ان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک لشکر ترتیب دیا اور یہ لشکر اس لحاظ سے ایک منفرد لشکر تھا کہ اس کا امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے یعنی دونوں شیخین شامل تھے، لیکن امیر حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔

اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ قبیلہ بلی سے تعلق رکھتی تھیں، جس کا ذکر ترجمۃ الباب میں بلاد بلی کے نام سے آیا ہے اور یہ قبیلہ بلی ان کا ننھیال تھا تو شاید یہ بات آپ ﷺ نے مناسب سمجھی ہو کہ انہی کو اس قبیلہ کی طرف بھیجیں، جس کی طرف ان کی والدہ کی نسبت ہے۔ [۲۹]

---

[۲۹] وذكر ابن اسحاق: أن ام العاص كانت من بلى، فبعثه النبى ﷺ ، العرب يستنفر الى الاسلام يستالفهم بذلك.

عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۲۷۴

حضرت عمرو بن العاص ﷛ کو ایک سفید جھنڈا دے کر تین سو کے لشکر کا امیر بنا کر آپ ﷺ نے ذات السلاسل کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ مقام وادی القریٰ سے آگے مدینہ منورہ سے دس منزل پر واقع ہے۔ جب اس مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ کافروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے توقف کیا اور رافع بن مکیث جہنی ﷛ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر مزید امداد طلب کی، آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷛ کو دو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا، جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور یہ تاکید فرمائی کہ عمرو بن عاص سے مل کر کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔

جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷛ وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا تو انہوں نے امامت کرنی چاہی تو حضرت عمرو بن عاص ﷛ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور آپ لوگ میری مدد کو آئے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ ﷛ نے کہا کہ تم اپنی جماعت کے امیر اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں، اگرچہ مقصد ایک ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے میری جماعت کا علیحدہ جھنڈا دیا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص ﷛ نے کہا کہ امیر جماعت میں ہوں۔ اس کے بعد ابوعبیدہ بن جراح ﷛ نے کہا کہ حضور ﷺ نے چلتے وقت مجھے حکم دیا تھا کہ اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا اس لئے میں تمہاری اطاعت کروں گا اگرچہ تم میری مخالفت کرو۔ اس طرح حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷛ نے حضرت عمرو بن عاص ﷛ کی امامت اور امارت کو تسلیم کرلیا، چنانچہ عمرو بن عاص ﷛ امامت کرتے تھے اور ابوعبیدہ ان کی اقتداء کرتے تھے۔ [۳۰]

وجہ تسمیہ

اس غزوہ کو ذات السلاسل کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں دو وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ **"سلاسل"** جمع ہے **"سلسل"** کی جس کے معنی زنجیر کے ہوتے ہیں اور اس کو ذات السلاسل اس لئے کہتے ہیں کہ جو مشرکین اس میں مقابلہ کے لئے آئے تھے وہ اپنے پاؤں میں زنجیریں

---

[۳۰] وسبب ذلک ما ذکره ابن سعد: أن جمعاً من قضاعة تجمعوا وأرادوا أن يدنوا من أطراف المدينة فدعا النبي ﷺ، عمرو بن العاص فعقد له لواء أبيض وبعثه في ثلاثمائة من سراة المهاجرين والأنصار، ثم أمده بأبي عبيدة بن الجراح في مائتين وأمره أن يلحق بعمرو، وأن لا يختلفا، فأراد أبو عبيدة أن يؤمهم فمنعه عمرو، وقال: إنما قدمت علي مدداً وأنا الأمير، فأطاع له أبو عبيدة، فصلى بهم عمرو، وسار عمرو حتى وطئ بلاد بلي وعذرة. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۰، وفتح الباري، ج: ۸، ص: ۷۴

باندھ کر آئے تھے، پاؤں زنجیروں سے اس لئے باندھ کر آئے تا کہ ہم بھاگیں نہیں تو اس واسطے اس کو ذات السلاسل کہتے ہیں۔

دوسری وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کی ہے کہ وہاں پر "سلسل" ایک چشمہ کا نام تھا اور وہاں پر مختلف چشمے تھے اس واسطے اس کو ذات السلاسل کہتے ہیں۔ [۳۱]

بہر صورت حضرت عمرو بن العاص ؓ تقریباً تین سو صحابۂ کرام ؓ کے ہمراہ اس جگہ پر تشریف لے گئے اور حملہ کیا کفار مرعوب ہو کر بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ کی مدبرانہ حکمت عملی

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص ؓ نے بلیک آوٹ کا طریقہ جاری کیا یعنی انہوں نے لشکر والوں کو کہا کہ کوئی بھی رات کو آگ نہ جلائے، بلکہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے لشکر والوں سے کہا کہ اگر کسی نے رات کو آگ جلائی تو اسی آگ میں اس کو ڈال دوں گا۔

مقصد یہ تھا کہ رات کے وقت دشمن کو اندھیرے میں ہمارا محل وقوع کا پتہ نہ چلے۔ یوں سب سے پہلے جنگی حالات میں یہ بلیک آوٹ حضرت عمرو بن العاص ؓ نے کیا۔

بلکہ بعض صحابۂ کرام ؓ کو اس پر اشکال ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں رات کو آگ جلانے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ ہمیں آگ جلانے نہیں دے رہے تو لوگ شکایت کرنے کے لئے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس گئے کہ دیکھئے یہ ہمیں آگ جلانے نہیں دیتے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے جوان کو ہم پر امیر مقرر فرمایا ہے وہ ان کا جنگی معاملات میں تجربہ کار ہونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا ان کی جو تدبیر ہے اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور کسی آدمی کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ پھر لوگ ٹھنڈے پڑ گئے اور انہوں نے اس پر عمل کیا۔

جب لڑائی سے واپس آئے تو لشکر کے لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا کہ عجیب قصہ ہے کہ انہوں نے ہمیں رات بھر آگ ہی نہ جلانے دی تو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جا کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اس لئے کیا تھا تا کہ دشمن کو ہمارے محل وقوع کا پتہ نہ چلے، ہماری نقل

---

[۳۱] سمیت هذه الغزوة بذات السلاسل لأن المشركين ارتبط بعضهم الى بعض مخافة أن يفروا. وقيل: لأن بها ماء يقال له: السلسل. عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۱۹، وفتح الباری، ج:۸، ص ۷۴

وحرکت کا پتہ نہ چلے اور اس طرح ہم ان کے اوپر غالب آسکیں۔

جب سریہ سے واپس آئے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر تعریف فرمائی کہ تم نے بہت اچھا کیا، جب یہ تعریف فرمائی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟

اسی سیاق میں یہ حدیث ذکر کی ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں۔ [۳۲]

۴۳۵۸ — حدثنا إسحاق: أخبرنا خالد بن عبداللہ، عن خالد الحذاء، عن أبی عثمان أن رسول اللہ ﷺ بعث عمرو بن العاص علی جیش ذات السلاسل، قال: فأتیتہ فقلت: أی الناس أحب إلیک؟ قال: ((عائشۃ))، قلت: من الرجال؟ قال: ((أبوھا))، قلت: ثم من؟ قال: ((عمر)) فعد رجالا فسکت مخافۃ أن یجعلنی فی آخرھم. [راجع: ۳۶۶۲]

ترجمہ: حضرت ابوعثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جیش ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا، کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر پوچھا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا، میں نے کہا مردوں میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے والد یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ، میں نے عرض کیا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ، پھر آپ ﷺ نے چند آدمیوں کا نام لیا، بس میں اس خوف سے کہ میں سب سے آخر میں نہ آجاؤں، خاموش ہوگیا۔

سوال پوچھنے سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مقصد

راوی حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کو ذات السلاسل کی طرف بھیجے جانے والے سریہ کا امیر بنایا۔

"**قال: فأتیتہ**" حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔

---

[۳۲] وروی ابن حبان من طریق قیس بن أبی حازم عن عمرو بن العاص ((أن رسول اللہ بعثہ فی ذات السلاسل، فسألہ أصحابہ أن یوقدوا ناراً فمنعہم، فکلموا أبا بکر فکلمہ فی ذلک فقال: لا یوقد أحد منہم نارا الا قذفتہ فیہا فلقوا العدو فھزمھم، فأرادوا أن یتبعھم فمنعھم، فلما انصرفوا ذکر ذلک للنبی ﷺ فسألہ فقال: کرھت أن آذن لھم أن یوقدوا ناراً فیری عدوھم قلتھم، وکرھت أن یتبعوھم فیکون لھم مدد. فحمد أمرہ. فقال: یارسول اللہ من أحب الناس إلیک؟ الحدیث. فتح الباری، ج:۸، ص:۷۵

اب یہاں واقعہ محذوف ہے کہ جب رات کوانہوں نے لشکر کے لوگوں کو دشمن سے چھپنے کی غرض سے آگ جلانے نہیں دی تھی تو اس عمل کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کی تعریف کی۔

ایک طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے لشکر کا امیر بنایا تھا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔

دوسری طرف آپ ﷺ نے ان کی جنگی تدبیر کی تعریف بھی فرمائی تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید رسول کریم ﷺ کو میں سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ ۳۳

عائشہ رضی اللہ عنہا محبوب ترین ہستی

تو اس لئے پوچھا **"أی الناس أحب إلیک ؟"** یارسول اللہ! آپ کو سب سے زیادہ کون پسند ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ، یعنی سب سے زیادہ محبت مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔

"قلت: من الرجال؟ قال: أبوها" پھر میں دوبارہ پوچھا کہ مردوں میں کون ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کے والد مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

"قلت: ثم من ؟ قال: عمر" میں نے پوچھا کہ پھر کون؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے محبوب ہیں۔

"فعد رجالا فسکت مخافة أن یجعلنی فی آخرهم" پھر اور کچھ لوگوں کے بھی نام لئے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد خاموش ہو گیا اس ڈر سے کہ اگر یہی ترتیب چلتی رہی تو پتہ نہیں کہ میرا نام کہاں جا کر آئے گا، اس واسطے پھر میں نے آگے بولنا مناسب نہیں سمجھا۔

---

۳۳ قوله: (فأتيته) في رواية معلى بن منصور المذكورة ((قدمت من جيش ذات السلاسل، فأتيت النبي ﷺ)) وعند البيهقي من طريق علي بن عاصم عن خالد الحذاء في هذه القصة ((قال عمرو: فحدثت نفسي أنه لم يبعثني على قوم فيهم أبوبكر وعمر رضي الله عنهما الالمنزلة لي عنده، فأتيته حتى قعدت بين يديه فقلت: يارسول الله من احب الناس اليك)) الحديث. فتح الباري، ج:۷، ص:۲۶، رقم: ۳۶۶۲، و ج:۸، ص:۷۵، رقم: ۴۳۵۸

(۶۵) باب ذهاب جریر إلى الیمن

حضرت جریرؓ کا یمن کی طرف جانے کا بیان

۴۳۵۹ ـ حدثنا عبدالله بن أبی شیبة العبسی: حدثنا ابن إدریس، عن إسماعیل ابن أبی خالد، عن قیس، عن جریر قال: کنت بالیمن فلقیت رجلین من أهل الیمن ذا کلاع وذا عمرو، فجعلت أحدثهم عن رسول الله ﷺ فقال له ذو عمرو: لئن کان الذی تذکر من أمر صاحبک، لقد مر علی أجله ثلاث وأقبلا معی حتی إذا کنا فی بعض الطریق رفع لنا رکب من قبل المدینة فسألناهم فقالوا: قبض رسول الله ﷺ واستخلف أبو بکر والناس صالحون . فقالا :أخبر صاحبک أنا قد جئنا ولعلنا سنعود إن شاء الله، ورجعا إلی الیمن فأخبرت أبا بکر بحدیثهم، قال: أفلاجئت بهم؟ فلما کان بعد قال لی ذوعمرو: یاجریر، إن لک علی کرامة، وإنی مخبرک خبرا إنکم معشر العرب لن تزالوا بخیر ما کنتم إذا هلک أمیر تأمرتم فی آخر فإذا کانت بالسیف کانوا ملوکا یغضبون غضب الملوک، ویرضون رضا الملوک. [۳۴]

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ میں یمن میں تھا کہ یمن کے دو آدمیوں ذوکلاع اور ذو عمرو سے ملاقات ہوئی تو میں ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنے لگا تو ان میں سے ذوعمرو نے کہا اگر یہ بات تمہارے نبی کی ہے، جو تم بیان کررہے ہو تو ان کی وفات کو تین روز گزر گئے، اور وہ دونوں میرے ساتھ آئے، جب ہم ایک راستہ میں تھے، تو مدینہ کی جانب سے ہمیں کچھ سوار آتے نظر آئے، ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، اور لوگوں کے مشورہ سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے ہیں۔ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے امیر سے کہہ دینا کہ ہم آئے تھے، اور عنقریب انشاءاللہ واپس آئیں گے، اور وہ دونوں یمن کو واپس چلے گئے۔ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کی بات بیان کی، تو انہوں نے کہا کہ تم انہیں لے کر کیوں نہیں آئے؟ پھر اس کے بعد مجھ سے ذوعمرو نے کہا کہ اے جریر! آپ مجھ سے بزرگ ہیں اور میں آپ کو ایک بات بتا رہا ہوں اور وہ یہ کہ تم اہل عرب ہمیشہ کامیاب رہو گے، جب تک تم ایک امیر کے فوت

---

[۳۴] وفی مسند أحمد، باب ومن حدیث جریر بن عبدالله عن النبی ﷺ، رقم: ۱۹۲۲۳

ہونے پر دوسرے کو امیر بناؤ گے۔ اگر یہ امارت تلوار کے ذریعہ ہوتی تو یہ بادشاہوں کی طرح ہوتے، انہی کی طرح غصہ کرتے، اور انہی کی طرح راضی ہوتے۔

جریر ﷺ کی تبلیغ اسلام کیلئے یمن روانگی

یہ حضرت جریر بن عبداللہ ﷺ کی روایت ہے جن کا ایک واقعہ آپ پیچھے روایت میں پڑھ چکے ہیں کہ **"ذو الخلصة"** یمن کی طرف آپ ﷺ نے ان کو بھیجا تھا تا کہ وہاں موجود بت خانہ کو گرائیں۔

دوسری بار آنحضرت ﷺ نے ان کو دین کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے حجۃ الوداع کے بعد روانہ فرمایا، اس کا واقعہ یہاں بیان فرمار ہے ہیں۔ [۳۵]

"كنت باليمن فلقيت رجلين من أهل اليمن الخ" تو کہتے ہیں کہ میں یمن میں تھا، یمن کے دو آدمیوں سے میری ملاقات ہوئی جن میں سے ایک کا نام ذو کلاع تھا اور دوسرے کا نام ذو عمرو تھا، یہ دونوں یمن کے باشندے تھے بلکہ یمن کے بادشاہوں میں سے تھے۔ [۳۶]

"جعلت أحدثهم عن رسول الله ﷺ" کہتے ہیں کہ میں ان کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں بتانے لگا کہ دیکھو اس طرح اللہ نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ کی یہ دعوت ہے آپ ﷺ اس طرح کرتے ہیں، تو اس طرح کی باتیں ان سے کہنے لگا۔

---

[۳۵] ذكر الطبراني من طريق ابراهيم بن جرير عن أبيه قال: ((بعثني النبي ﷺ، الى اليمن أقاتلهم وادعوهم أن يقولوا: لااله الا الله)). فان قلت: هذا البعث غير بعثه الى هدم ذى الخلصة أم لا؟ قلت: الظاهر انه غيره، ويحتمل أن يكون بعثه الى الجهتين على الترتيب، ويؤيد الغيرية ما رواه ابن حبان من حديث جرير: ((أن النبي ﷺ، قال له: يا جرير انه لم يبق من طواغيت الجاهلية الا بيت ذى الخلصة)). فانه يشعر بتأخير هذه القصة جداً. عمدة القارى، ج:۱۸، ص: ۲۰، وفتح البارى، ج:۸، ص: ۷۶

[۳۶] وهذه الرواية أبين، وذلك أن جريراً قضى حاجته من اليمن وأقبل راجعا يريد المدينة فصحبه من ملوك اليمن ذوالكلاع و ذوعمرو، فاما ذوالكلاع – فهو بفتح الكاف وتخفيف اللام– واسمه اميفع –بسكون الهملة وفتح الميم وسكون التحتانية وفتح الفاء وبعدها مهملة– ، ويقال أيفع بن باكوراء ويقال ابن حوشب بن عمرو. وأما ذوعمرو فكان أحد ملوك اليمن وهو من حمير أيضا، ولم أقف على اسم غيره. فتح البارى، ج: ۸، ص: ۷۶، وعمدة القارى، ج:۱۸، ص: ۲۱

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بارے میں خبر

"قال له ذو عمرو: لئن كان الذی الخ" ان میں سے ذوعمرو نے کہا کہ اگر وہ بات درست ہے جو تم اپنے صاحب کے بارے میں ذکر کررہے ہو، صاحب سے مراد حضور اقدس ﷺ ہیں یعنی حضور اقدس ﷺ کی جو باتیں تم میرے سامنے ذکر کررہے ہو اگر وہ باتیں درست ہیں، **"لقد مر علی أجله ثلاث الخ"** تو آپ صاحب کی وفات پر تین دن گذر چکے ہیں۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ چونکہ یمن میں تھے تو ان کو تو حضور ﷺ کے حالات کا علم نہیں تھا، ذوعمر نامی یہ شخص اہل کتاب کا علم رکھتا تھا۔ کیونکہ اہل کتاب بکثرت یمن آتے جاتے رہتے تھے تو ان سے یہ لوگ کتاب کا علم یعنی تورات وغیرہ کا علم حاصل کرتے رہتے تھے۔

اس لئے یہ بات یا تو تورات کی پیشگوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہی کہ تورات میں جو خبر دی گئی ہے نبی آخر الزمان ﷺ کے متعلق تو ان پیشگوئیوں کی رو سے ان کی اب تک وفات ہو جانی چاہیے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کاہن تھا اور کہانت کے ذریعہ اس نے یہ بات کہی کہ اگر یہ بات واقع ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے جو حالات بتا رہے ہیں تو آج ان کی وفات پر تین دن گذر چکے۔ [۳۷]

"واقبلا معی حتی إذا كنا فی بعض الطريق الخ" تو اس کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ چلے یعنی میں مدینہ منورہ آنے لگا تو وہ دونوں بھی میرے ساتھ آنے لگے، یہاں تک کہ جب ہم راستے کے کچھ حصہ پر پہنچے تو ہمارا مدینہ منورہ سے آنیوالے ایک قافلہ سے ملاقات ہوگئی، **"فسألناهم فقالوا: قبض رسول الله ﷺ الخ"** ہم نے ان سے حضور اکرم ﷺ کی خیریت دریافت کی، تو ان قافلے والوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات ہو چکی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے اور لوگ ٹھیک ٹھاک ہیں یعنی مسلمانوں کے حالات میں کوئی انقلاب برپا نہیں ہوا بلکہ جیسے تھے ویسے ہی ہیں ٹھیک ٹھاک ہیں۔

"فقالا: أخبر صاحبك أنا قد جئنا الخ" تو ذوکلاع اور ذوعمر جو ہمارے ساتھ مدینہ منورہ

---

[۳۷] وهذا قاله ذو عمرو عن اطلاع من الكتب القديمة لأن اليمن كان أقام بها جماعة من اليهود فدخل كثير من أهل اليمن في دينهم وتعلموا منهم، وذلك بين في قوله ﷺ لمعاذ لما بعثه الى اليمن انك ستأتی قوماً أهل كتاب، وقال الكرمانی يحتمل ان يكون سمع من بعض القادمين من المدينة سرا، أو انه كان فی الجاهلية كاهنا. فتح الباری، ج:۸، ص: ۷۶،۷۷

جا رہے تھے اور ان کا مقصد تو حضور اکرم ﷺ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کرنا تھا جب انہوں نے سنا کہ وفات ہوگئی ہے تو انہوں نے کہا کہ اپنے صاحب کو یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جا کے بتا دینا کہ ہم آئے تھے مگر یہ خبر سن کر واپس چلے گئے، اور شاید ہم دوبارہ کسی وقت لوٹ کر آئیں، چنانچہ یہ پھر واپس یمن لوٹ گئے اور میں مدینہ منورہ چلا آیا۔

"فاخبرت ابا بكر بحديثهم...الخ" تو میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان کا واقعہ سنایا کہ اس طرح ہمارے ساتھ آرہے تھے لیکن یہ خبر سن کر اب واپس چلے گئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کیوں نہ ان کو اپنے ساتھ لے آئے؟ یعنی ساتھ لاتے تو وہ یہاں آکر مسلمان ہوتے اور مسلمان ہو کر اسلام کی دولت حاصل کرتے اور معاون ہوتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جب ذوکلاع کو اسلام کی دعوت دی اور حضور اقدس ﷺ کی حالت سنائی تو انہوں نے کہا کہ تم ام شرحبیل، میری زوجہ سے ملو، ذوکلاع کی کنیت ابوشرحبیل تھی۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس سے ملے تو ذوکلاع اور ان کی زوجہ ام شرحبیل دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ [۳۸]

پھر آگے کا واقعہ انہوں نے یہاں حذف کر دیا ہے، اس لئے کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوکلاع اور ذوعمر دونوں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دوبارہ مدینہ منورہ آئے اور آکر مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ پھر شامل رہے۔ [۳۹]

اور ذوکلاع جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اسی میں ان کا انتقال ہوا۔ [۴۰]

"فلما كان بعد قال لي ذو عمر" حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ذوعمر نے مجھ سے کہا یعنی جب وہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور یمن سے مدینہ منورہ آگئے تو اس وقت مجھ سے یہ کہا، **"يا جرير! إن لك علي كرامة"** اے جریر! میں تمہاری بڑی عزت کرتا ہوں۔

---

[۳۸] في رواية أبي اسحاق عن جرير رضي الله عنه عند ابن عساكر أن النبي ﷺ بعثه الى ذي عمرو وذي الكلاع يدعوهما الى الاسلام فاسلما. قال: ((وقال لي ذو الكلاع ادخل على أم شرحبيل)) يعني زوجته، فتح الباري، ج: ۸، ص: ۷۶

[۳۹] كان ذوالكلاع ادعى الربوبية في الجاهلية وأن اسلامه انما كان ايام عمر رضي الله عنه، لأن النبي ﷺ كتب له مع جرير وجرير انما قدم بعد وفاة سيدنا محمد ﷺ. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۱

[۴۰] وكان ذوالكلاع القائم بأمر معاوية في حرب صفين وقتل قبل انقضاء الحرب، ففرح معاوية بموته، وكان موته في سنة سبع وثلاثين. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۱

"انی بک علی کرامة" اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

ایک تو یہ کہ میرے دل میں تمہاری زیادہ عزت اور اونچا مقام ہے۔

دوسرا یہ کہ میرے ذمہ تمہارا ایک احسان ہے۔ احسان کیا ہے؟

احسان یہ ہے کہ تم نے مجھے دولت ایمان سے سرفراز کروایا کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی باتیں تم نے بتائی اس کے نتیجہ میں میرے دل میں ایمان اور اسلام کا داعیہ پیدا ہوا۔

خلافت ومشاورت کی برکت وفضیلت

" وانی مخبرک خبرا إنکم معشر العرب الخ" میں تمہیں ایک خبر دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم عرب لوگ ہمیشہ اچھی حالت میں رہو گے، خیریت سے رہو گے جب تک تمہارا حال یہ ہو کہ جب ایک امیر کا انتقال ہو تو تم دوسرے کو باہمی مشورے سے اور بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے امیر بنالو، تب تک تو تم ٹھیک رہو گے۔

"فإذا کانت بالسیف کانوا ملوکا الخ" لیکن جب یہ امارت تلوار کے ذریعہ حاصل کی جانے لگے اور اس کے اوپر جھگڑے ہونے لگے اور لڑائیاں ہونے لگے تو لوگ امیر کے بجائے بادشاہ بن جائیں گے ، بادشاہ کی طرح غصہ ہوں گے اور بادشاہ کی طرح راضی ہوں گے یعنی بادشاہ کے نہ غصہ کا اعتبار اور نہ بادشاہ کی رضامندی کا اعتبار۔

پہلے زمانے کے جو بادشاہ ہوتے تھے ان کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا تھا کہ کس وقت کیا ہو جائے، کس وقت ناراض ہو جائے اور کس وقت راضی ہو کر نواز بھی دیں۔ ذرا ذرا سی بات پہ لوگوں کو قتل بھی کرا دیا اور کسی کو نوازنا ہو تو نواز بھی دیا، کسی قاعدہ قانون کے پابند نہیں ہوتے، جب امارت تلوار کے ذریعہ حاصل کی جانے لگے تو پھر ایسے بادشاہ ہو جائیں گے جن کا غضب اور رضا کسی قاعدہ قانون کا پابند نہیں ہوتا۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ انہوں نے نصیحت یہ کی کہ جب تک خلافت مسلمانوں کے باہمی مشورے سے قائم ہوتی رہے گی، اس وقت تک تم لوگ خیر سے ہم کنار رہو گے، جب لڑائی اور تلوار کے ذریعہ ہونے لگے تو تمہارا انجام برا ہو جائے گا۔ [۱۲]

---

[۱۲] قوله: ((فإذا كانت))، أي: الامارة: ((بالسيف)) أي: بالقهر والغلبة ((كانوا ملوكاً)) أي: خلفاء، وهذا الكلام منه يدل على أن ذا عمرو له اطلاع على الأخبار من الكتب القديمة، لأنه يطابق حديث سفينة: أن النبي قال: ((الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم تصير ملكاً))، رواه أحمد وأصحاب السنن وصححه ابن حبان. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۲۲

(٦٦) باب غزوة سيف البحر، وهم يتلقون عير القريش، وأميرهم أبو عبيدة بن الجراح ﷺ

غزوہ سیف البحر کا بیان، مسلمان اس میں قافلہ قریش کے منتظر تھے، انکے امیر ابوعبیدہ بن جراح ﷺ تھے

پس منظر

یہ باب **"غزوة سيف البحر"** کے عنوان سے قائم کیا ہے۔

"سیف" ریتلے ساحل کو کہتے ہیں، یعنی سمندر کا وہ کنارا جس پہ ریت ہو۔ اس کو غزوہ کو **"سیف البحر"** اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کی سرکردگی میں لشکر بھیجا تھا۔

اصحاب سیر ومغازی اس کا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ جہینہ کے قبیلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا اور حملہ کا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ جہینہ کے لوگوں کے بارے میں اس قسم کی اطلاعات مل رہی تھیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف تیاری کررہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے مناسب سمجھا کہ قبل اسکے کہ وہ لوگ آغاز کریں اس سے پہلے ہی ان کی سرکوبی کردی جائے۔

جبکہ حدیث میں پہلا لفظ یہ آیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترجمۃ الباب میں بھی کہا ہے **"وهم يتلقون عير للقريش"** یعنی قریش کا ایک قافلہ شام سے آرہا تھا اس پر حملہ کرنا مقصود تھا، جیسے بدر کے واقعہ میں ہوا تھا۔

چونکہ قریشِ مکہ سے جنگ تھی اور وہ اپنے تجارتی قافلے شام بھیجا کرتے تھے، وہاں سے سامان منگوایا کرتے تھے، اس میں بعض اوقات اسلحہ بھی ہوتا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے کئی مرتبہ ایسا کیا کہ جب آپ کو اطلاع ملی کہ قریش کا کوئی قافلہ شام سے تجارت کا سامان یا اسلحہ لے کر آرہا ہے تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ﷺ کے ذریعہ اس قافلہ پر حملہ کروایا تاکہ وہ قافلۂ قریش کی تقویت کا باعث نہ بن سکے۔ صرف غزوۂ بدر ہی میں ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی مرتبہ ایسا ہوا تو یہاں حدیث میں یہ مقصد بیان کیا ہے کہ لشکر بھیجنے کا مقصد قریش کے قافلہ کے اوپر حملہ کرنا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ وغیرہ نے اصحاب سیر اور اصحابِ حدیث کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ دونوں ہی مقصد ہوں گے، یہ مقصد بھی ہوگا کہ ایک طرف جہینہ کی بھی سرکوبی کی جائے اور دوسری طرف یہ خیال تھا کہ شاید قریش کا کوئی قافلہ شام سے گذرے تو اس کو روکا جاسکے، دونوں ہی مقصد ہوں گے۔

ایک مقصد اصحاب السیر نے بیان کیا اور ایک مقصد اصحاب حدیث نے بیان کیا۔ [۴۲]

بہرصورت حضرت ابوعبیدہ ﷺ کی سرکردگی میں یہ لشکر گیا اور اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ اس کا کسی سے مقابلہ نہیں ہوا، جہینہ کے لوگ بھاگ گئے اور قریش کا قافلہ بھی ان کو ہاتھ نہیں آیا، لہٰذا لڑائی کوئی نہیں ہوئی لیکن مسلمانوں کو بڑی سخت آزمائش پیش آئی کیونکہ ان حضرات کو کچھ سمندر کے ساحلی علاقہ پر جو ریگستان تھا وہاں پر لمبا چوڑا سفر کرنا پڑا، اس سفر کے دوران زادراہ ختم ہوگیا بڑی مشکل پیش آئی۔

اسی کا واقعہ یہاں حدیث میں منقول ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

۴۳۶۰ ـ حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك، عن وهب بن كيسان، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما أنه قال: بعث رسول الله ﷺ بعثا قبل الساحل وأمر عليهم أبا عبيدة بن الجراح وهم ثلاثمائة فخرجنا فكنا ببعض الطريق فني الزاد فأمر أبو عبيدة بأزواد الجيش فجمع مزود تمر فكان يقوتنا كل يوم قليلا قليلا حتى فني فلم يكن يصيبنا إلا تمرة تمرة فقلت: ما تغنيعنكم تمرة؟ فقال: لقد وجدنا فقدها حين فنيت. ثم انتهينا إلى البحر فإذا حوت مثل الظرب فأكل منه القوم ثمان عشرة ليلة. ثم أمر أبو عبيدة بضلعين من أضلاعه فنصبا ثم أمر براحلة فرحلت ثم مرت تحتهما فلم تصبهما. [راجع: ۲۴۸۳]

ترجمہ: وہب بن کیسان روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کو امیر بنا کر تین سو آدمیوں کا ایک لشکر ساحل کی طرف بھیجا، ہم چل پڑے، ہم راستہ ہی میں تھے کہ زادراہ ختم ہوگیا، ابوعبیدہ ﷺ نے تمام لشکر کے توشے جمع کرنے کا حکم دیا، جب تمام توشے جمع کر لئے تو وہ کھجور کے دو تھیلے ہوئے، ابوعبیدہ روز ہمیں تھوڑا تھوڑا دیتے، یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہوگیا، اب ہمیں ایک ایک کھجور ملنے لگی۔ میں (راوی حدیث وہب بن کیسان) نے حضرت جابر ﷺ سے کہا کہ

---

[۴۲] وقد ذكر ابن سعد وغيره: أن النبي ﷺ بعثهم الى حي من جهينة بالقبيلة بفتح القاف والموحدة مما يلي ساحل البحر، بينهم وبين المدينة خمس ليال، وأنهم انصرفوا ولم يلقوا كيدا، وأن ذلك كان في رجب سنة ثمان. وهذا لايغاير ظاهره ما في الصحيح لأنه يمكن الجمع بين كونهم يتلقون عيراً لقريش ويقصدون حيا من جهينة. فتح الباري، ج:۸، ص:۷۸، وعمدة القاري، ج:۱۸، ص:۲۳

ایک کھجور سے کیا پیٹ بھرتا ہوگا؟ حضرت جابر ﷺ نے کہا کہ اس ایک کھجور کے ملنے کی حقیقت جب معلوم ہوئی جب وہ بھی ختم ہوگئی، یہاں تک کہ ہم ساحل سمندر پر پہنچ گئے، تو دیکھا کہ ایک مچھلی پہاڑی کی طرح موجود ہے، اس لشکر نے وہ مچھلی اٹھارہ دن تک کھائی۔ پھر ابوعبیدہ ﷺ نے اس مچھلی کی دو پسلیاں کھڑی کرائیں اور ایک سواری کو اس کے نیچے سے گزارا، تو بغیر اس کے لگے ہوئے سواری نیچے سے صاف نکل گئی۔

سریہ سیف البحر کا قصہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں **"قال: بعث رسول اللہ ﷺ بعثا قبل الساحل الخ"** آپ ﷺ نے ساحل کی طرف حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کی امارت میں ایک لشکر روانہ فرمایا، اس لشکر میں تین سو آدمی تھے، **"فکنا ببعض الطریق فنی الزاد"** جب ہم ابھی راستے ہی میں تھے کہ ہمارا زادراہ ختم ہوگیا۔

"فامر ابو عبیدة بازواد الجیش الخ" جو اجتماعی سارے لشکر کا زادراہ تھا وہ ختم ہوگیا تو اب حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس انفرادی طور پر تھوڑا بہت زادراہ موجود ہو وہ سب لے آؤ اور اکٹھا ایک جگہ جمع کرلو جب وہ تمام توشے جمع کر لئے گئے، یہ کھجور کے دو مشکیزے تھے یعنی سب ملا کر سارے لوگوں کا زاد اکٹھا کیا گیا تو سب مل ملا کر کھجور کے دو مشکیزے کے بقدر سامان ہوا جو کہ تین سو آدمیوں کے لئے ہے۔

"فکان یقوتنا کل یوم قلیلا قلیل الخ" تو ہم میں سے ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا غذا دیتا تھا، یعنی جو دو مشکیزے کھجور کے تھے ان میں سے روزانہ تھوڑا تھوڑا حصہ ہمارا غذا بن جاتا تھا یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہوگئی، تو اب اس وقت ہمارے حصہ میں ایک ایک کھجور آتی تھی کہ روزانہ ہر آدمی کو کہا جاتا کہ تمہارا حصہ ایک کھجور ہے اسے کھالو۔

"فقلت: ماتغنی عنکم تمرة؟" یہ اس حدیث کے راوی وہب بن کیسان رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ﷺ سے پوچھا کہ ایک کھجور آپ کو کیا فائدہ پہنچاتی تھی؟ یعنی ایک کھجور سے آپ لوگوں کا پیٹ کیسے بھرتا تھا۔

"فقال: لقد وجدنا فقدھا حین فنیت" تو حضرت جابر ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں اس ایک کھجور کے نہ ہونے کا احساس اس وقت ہوا جب وہ ایک کھجور بھی ختم ہوگئی یعنی بعد میں ایسا ہوا کہ وہ ایک کھجور بھی نہیں ملتی تھی تو اس وقت پتہ چلا کہ یہ ایک کھجور بھی کتنی نعمت تھی، ہم نے اس کے نہ ہونے کو محسوس کیا اس وقت جب کہ وہ ایک بھی

ختم ہوگئی تو خلاصہ یہ کہ اب فاقے ہونے لگے۔

"ثم انتھینا إلی البحر فإذا حوت مثل الظرب" یہاں تک کہ ہم سمندر کے پاس پہنچ گئے، وہاں ہم نے دیکھا ایک مچھلی کہ چھوٹے سے پہاڑ کی طرح ہے، **"فأکل منہ القوم ثمان عشرۃ لیلۃ"** تو وہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ لشکر کے لوگ اٹھارہ راتوں تک وہی مچھلی کھاتے رہے۔

"ثم أمر أبو عبیدۃ بضلعین من أضلاعہ فنصبا" پھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷜ نے اس کی پسلیوں میں سے دو پسلیوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو نصب کرو، پھر ان کو محراب کی شکل میں کھڑا کر دیا گیا۔

"ثم أمر براحلۃ فرحلت ثم مرت تحتھما فلم تصبھما" پھر ایک اونٹنی کے اوپر کجاوا کسنے کا حکم دیا، پھر اس اونٹنی کو اس کجاوہ سمیت اس کی پسلیوں کے نیچے سے گزارا گیا تو وہ کجاوا ان پسلیوں تک نہ پہنچ سکا، اتنی بڑی پسلی تھی۔

۴۳۶۱ ـ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان قال: الذی حفظناہ من عمرو بن دینار قال: سمعت جابر بن عبد اللہ یقول: بعثنا رسول اللہ ﷺ ثلاثمائۃ راکب أمیرنا أبو عبیدۃ بن الجراح نرصد عیر قریش فأقمنا بالساحل نصف شھر. فأصابنا جوع شدید حتی أکلنا الخبط، فسمی ذلک الجیش، جیش الخبط. فألقی لنا البحر دابۃ یقال لھا: العنبر، فأکلنا منہ نصف شھر وادّھنا من ودکہ حتی ثابت إلینا أجسامنا فأخذ أبو عبیدۃ ضلعا من أضلاعہ فنصبہ فعمد إلی أطول رجل معہ، قال سفیان مرۃ: ضلعا من أضلاعہ فنصبہ فعمد الی أطول رجل مع، قال سفیان مرۃ: ضلعا من أعضائہ فنصبہ وأخذ رجلا وبعیراً فمر تحتہ، قال جابر: وکان رجل میں القوم نحر ثلاث جزائر، ثم نحر ثلاث جزائر، ثم نحر ثلاث جزائر، ثم ان أباعبیدۃ نھاہُ. وکان عمرو یقول: أخبرنا أبو صالح: أن قیس بن سعد قال لأبیہ: کنت فی الجیش فجاعوا قال: انحر، قال: نحرت، قال: ثم جاعوا، قال: انحر، قال: نحرت، قال: ثم جاعوا، قال: انحر، قال: نھیت. [راجع: ۲۴۸۳]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ہم تین سو سواروں پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷜ کو امیر بنا کر قریش کے قافلہ کی گھات میں بھیجا تھا، ہم ساحل پر پندرہ دن ٹھہرے، وہاں سخت بھوک نے ہم پر غلبہ کیا، یہاں تک کہ ہم نے پتے کھا کر گزارہ کیا، اسی لئے اس لشکر کو **جیش الخبط** (پتوں والا لشکر) بھی کہتے ہیں۔ سمندر نے عنبر نامی ایک مچھلی باہر پھینک دی تو اسے ہم نے پندرہ دن تک کھایا، اور ہمیں اس کی چربی ملی تو ہمارے جسم اپنی اصلی حالت پر آگئے، حضرت ابوعبیدہ ﷜ نے اس کی ایک پسلی

لیکر کھڑی کی پھر اپنے ساتھیوں میں سے سب سے لمبے شخص کا قصد کیا، سفیان نے ایک مرتبہ اس طرح بیان کیا کہ پھر اپنے ساتھیوں میں سب سے لمبے آدمی کو اونٹ پر بٹھا کر گزارا تو وہ اس کے نیچے سے صاف گزر گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لشکر کے ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کئے، تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے منع کر دیا۔ اور عمرو بیان کرتے تھے کہ ہم سے ابو صالح نے بیان کیا کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے والد (حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) کو بتایا کہ میں بھی اس لشکر میں تھا، جب لوگوں کو سخت بھوک لگی تو ان سے کہا کہ اونٹ ذبح کریں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذبح کر دیا، جب پھر بھوک لگی تو لوگوں نے پھر کہا کہ اونٹ ذبح کرو، تو میں نے پھر ذبح کر دیا، جب پھر بھوک لگی تو انہوں نے کہا کہ اونٹ ذبح کرو، تو میں نے پھر ذبح کر دیا، پھر جب بھوک لگی تو انہوں نے کہا کہ اونٹ ذبح کرو تو میں نے کہہ دیا کہ (حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے) مجھے منع کر دیا ہے۔

حدیث عنبر

"یقال لها: العنبر" عنبر وہیل مچھلی کو کہا جاتا ہے، یہ پہاڑ کی طرح بڑی ہوتی ہے۔

میں نے اس طرح کی مچھلی کا ایک ہفتہ عمر کا بچہ جنوبی افریقہ ڈربن میں دیکھا تھا، وہاں ایک مچھلی گھر بنا ہوا ہے جہاں یہ وہیل مچھلی ہے، اس علاقہ میں یہ مچھلی بہت ہوتی ہے، وہ ایک ہفتہ عمر کا بچہ ہے اتنا بڑا تھا کہ اس کو ایک بہت بڑے شیشے کے شوکیس میں جو لمبائی اور چوڑائی میں کئی گز پر مشتمل ہے اور بہت بڑی جگہ کو گھیرے ہوئے تھا، میں رکھا گیا تھا۔ تو اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب یہ مچھلی بڑی ہوتی ہے تو کیا ہوگی۔

یہ حدیث **"حدیث العنبر"** کہلاتی ہے اس واسطے کہ اس حدیث میں عنبر مچھلی کا ذکر ہے۔

"فاکلنا منه نصف شهر" اسے ہم نے پندرہ دن تک کھایا یعنی عنبر مچھلی کو کھایا۔

اس سے شافعیہ اس بات کے اوپر استدلال کرتے ہیں کہ مینڈک کے علاوہ سمندر کے سارے جانور حلال ہیں لیکن ہم نے ابھی دیکھا کہ یہاں پر لفظ **"حوت"** (مچھلی) آیا ہے، اور معلوم ہوا ہے کہ یہاں پر مچھلی کا ذکر ہے اور ویسے بھی وہیل مچھلی ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شافعیہ اس پر بھی استدلال کرتے ہیں کہ جو مچھلی طبعی موت مر جائے وہ بھی کھانا جائز ہے کیونکہ طبعی موت مرتی۔ [۴۳]

---

۴۳ ويحل السمک كله طافية وغير طافية، ودواب الماء إلا الضفدع، والحيّات، وذوات السموم وما يستقذره الإنسان، وموتها كقتلها إلا ما يعيش في غير الماء. اللباب في الفقه الشافعي، ج: ۱، ص: ۳۹۵

احناف کہتے ہیں **"سمک طافی"** مکروہ تحریمی ہے اور وجہ استدلال یہ بیان کرتے ہیں کہ سنن ابو داؤد میں روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر جس مچھلی کو باہر ڈال دے یا جس سے سمندر کا پانی سکڑ جائے تو اسے کھاؤ (یعنی کنارے پر پانی کے ساتھ آجائے اور کنارے پر ہی رہ جائے)، اور جو اس میں مرکر اوپر آجائے تو اسے مت کھاؤ۔ [۴۴]

جبکہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ یہ ساحل پہ ملی، جس کے معنی یہ ہے کہ اس کو سمندر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

قحط کے وقت حکومت کو اختیار

استدلال فی الجملہ درست ہے، اس معنی میں کہ جہاں کہیں اجتماعی طور پر ضرورت شدیدہ داعی ہو اور وہاں لوگ بھوکے مر رہے ہیں تو اس وقت میں حکومت یہ کرسکتی ہے کہ جن کے پاس کوئی کھانا ہے تو وہ دوسروں کو یہ کہے کہ سب ملا کر کھاؤ لیکن یہ بس اسی حد تک ہے کہ آدمی بھوکے مر رہے ہوں۔ جیسے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم ﷺ نے قحط سالی کے زمانہ میں ایسا کیا تھا فرمایا کہ اگر یہ قحط ختم نہ ہوتا تو میں تم سے ہر ایک آدمی کے پاس دو تین آدمی داخل کر دیتا کہ تمہارے کھانے میں یہ بھی شریک ہوں، جن کے پاس کھانا ہے اس میں داخل کر دیتا۔

تو معلوم ہوا کہ جہاں لوگوں کے بھوکے مرجانے کا اندیشہ ہو وہاں پر کسی کے ملکیت پر قبضہ کر کے اس کو باہم مشترک تقسیم کرنا جائز ہے لیکن اس اصول کو اس انتہائی مشکل سے آگے نہیں بڑھایا جاسکتا، کہ جہاں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور پھر آپ چھین چھین کر لوگوں میں تقسیم کریں یہ صحیح نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کی مملوکہ چیز کو بلا معاوضہ زبردستی اس کی ملکیت سے نکالنا جائز نہیں، ہاں اس کو تمام شرعی واجبات ادا کرنے پر بزور قانون مجبور کیا جاسکتا ہے، اور شرعی واجبات میں سے ایک واجب یہ بھی ہے کہ قحط سالی کے وقت جس شخص کے پاس مال موجود ہو اس کو بھی مجبور کیا جاسکتا ہے کہ قحط زدہ افراد کی خوراک کا انتظام کرنا بھی واجب ہے۔ [۴۵]

قیس بن سعد ﷺ کی سخاوت

اسی لشکر کا ایک اور واقعہ روایت کرتے ہیں **"قال جابر: وکان رجل من القوم نحر ثلاث**

---

[۴۴] سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب فی أکل الطافی من السمک، ۳۸۱۵

[۴۵] اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: بھوک مٹانے کی شرعی ذمہ داری، کتاب: ملکیت زمین اور اس کی تحدید، ص: ۶۵-۶۰

جزائر الخ" حضرت جابر ﷺ کہتے ہیں کہ جب لوگ بھوک مرنے لگے تو ایک شخص (حضرت قیس بن سعد ﷺ مراد ہیں) نے تین اونٹ ذبح کر دئے تا کہ لوگوں کو اس کا گوشت کھلائے۔

تین بار انہوں نے اونٹ ذبح کئے اس کے بعد ابوعبیدہ ﷺ نے منع کر دیا یعنی وہ اونٹ جن پر سفر کر رہے تھے ان کو ذبح کیا، اس لئے منع کیا کہ اگر سارے اونٹ اسی طرح ختم ہو گئے تو واپسی پر کوئی سواری نہیں رہے گی۔

"أن قيس بن سعد قال لأبيه: كنت في الجيش فجاعوا الخ" قیس بن سعد ﷺ واپس آنے کے بعد یہ واقعہ اپنے والد حضرت سعد بن عبادہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اس لشکر میں تھا، جب لوگوں کو بھوک لگی تو انہوں نے مجھے کہا کہ اونٹ ذبح کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذبح کر دیا۔ جب دوبارہ پھر بھوک لگی تو انہوں نے پھر کہا کہ اونٹ ذبح کرو، میں نے پھر ذبح کر دیا، جب تیسری بار پھر بھوک لگی تو انہوں نے کہا کہ اونٹ ذبح کرو، میں نے پھر ذبح کر دیا۔ پھر جب چوتھی بار بھوک لگی تو انہوں نے کہا کہ اونٹ ذبح کرو تو میں نے کہہ دیا کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے یعنی حضرت عبیدہ بن جراح ﷺ نے اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا تھا۔

۴۳۶۲ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن ابن جريج قال: أخبرني عمرو أنه سمع جابرا ﷺ يقول: غزونا جيش الخبط وأمر أبو عبيدة فجعنا جوعا شديدا فألقى البحر حوتا ميتا لم نر مثله يقال له: العنبر، فأكلنا منه نصف شهر، فأخذ أبو عبيدة عظماً من عظامه فمر الراكب تحته. وأخبرني أبو الزبير: أنه سمع جابراً يقول: قال أبو عبيدة: كلوا. فلما قدمنا المدينة ذكرنا ذلك للنبي ﷺ فقال: ((كلوا رزقا أخرجه الله، أطعمونا إن كان معكم منه)) فأتاه بعضهم فأكله. [راجع: ۲۴۸۳]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ہم جیش الخبط (سیف البحر) کے جہاد میں تھے اور ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ ﷺ تھے، تو ہمیں سخت بھوک لگی، تو سمندر نے ایک مری ہوئی مچھلی جسے عنبر کہتے ہیں، باہر پھینک دی، ہم نے اس جیسی مچھلی دیکھی ہی نہ تھی، ہم نے اسے پندرہ دن تک کھایا، ابوعبیدہ ﷺ نے اس کی ایک ہڈی لی تو ایک سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۔ پھر ابوزبیر نے حضرت جابر ﷺ سے یہ روایت مجھے بتائی کہ حضرت ابوعبیدہ ﷺ نے کہا کھاؤ، تو جب ہم مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کا بھیجا ہوا رزق ہے، کھاؤ اگر تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ کسی نے آپ ﷺ کو لا کر دیا تو آپ ﷺ نے بھی کھایا۔

تشریح

اس روایت میں یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ آئے تو ہم نے حضور اکرم ﷺ سے اس مچھلی کا ذکر کیا تو آپ

ﷺ نے فرمایا کہ **"کلوا رزقا أخرجه الله"** یہ اللہ کا بھیجا ہوا رزق ہے اس لئے کھاؤ، **"أطعمونا إن كان معكم منه"** اور تسلی کے لئے فرمایا کہ اگر ہو تو مجھے بھی کھلاؤ تو بعض نے وہ لا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے تقریر بھی ثابت ہوگئی۔

(٦٧) باب حج أبي بكر بالناس في سنة تسع

۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو حج کرانے کا بیان

۴۳۶۴ ـ حدثني سليمان بن داود أبو الربيع: حدثنا فليح، عن الزهري، عن حميد بن عبدالرحمن، عن أبي هريرة: أن أبا بكر الصديق رضی اللہ عنہ بعثه في الحجة التي أمره عليها النبي ﷺ قبل حجة الوداع يوم النحر في رهط يؤذن في الناس: أن لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. [راجع: ٣٦٩] [٦]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے جس حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے قربانی کے دن کئی آدمیوں کے ساتھ بھیجا تا کہ تمام لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں فریضہ حج کی ادائیگی

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ماہ ذیقعدہ ۹ھ میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔

مدینہ منورہ سے تین سو آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے آپ کے ہمراہ کئے تا کہ لوگوں کو شریعت کے مطابق حج کرائیں اور سورۂ براءت کی چالیس آیتیں جو نقضِ عہد کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں ان کا اعلان کریں۔

ان آیات میں اس بات کا اعلان تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجدِ حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کریں اور جس سے آپ نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جن

---

[٦] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب لا يحج البيت مشرك ولا يطوف بالبيت عريان وبيان يوم الحج الأكبر، رقم: ١٣٤٧، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب قوله عزوجل الخ، رقم: ٢٩٥٧، ٢٩٥٨، ومسند أحمد، باب مسند أبي هريرة رضی اللہ عنہ، رقم: ٧٧٤٧

لوگوں کے ساتھ کوئی عہد نہیں کیا گیا ہے ان کو یوم النحر سے لیکر چار مہینے کی مہلت ہے۔ [۴۷]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ عہد و نقض کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہو جو عہد قبول کرنے والے خاندان اور اہل بیت میں سے ہو، اس لئے کہ عرب ایسے معاملات میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی ناقہ عضباء پر سوار کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کیا کہ سورۂ برأت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیات برأت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں، اس لئے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیات برأت سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب ناقہ کی آواز سنی تو یہ گمان ہوا کہ آپ ﷺ خود تشریف لائے ہیں اس لئے رک گئے، دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، پوچھا کہ **"امیر او مامور"** یعنی امیر ہو یا تابع ہو کر آئے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **"بل مامور"** مامور ہوں یعنی تابع ہو کر آیا ہوں اور فقط سورۂ برأت کی آیات سنانے کے لئے آیا ہوں۔

چنانچہ لوگوں کو حج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی کرایا اور موسم حج کے خطبات بھی انہوں نے ہی پڑھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف سورۂ برأت کی آیات اور انکا مضمون یوم نحر میں لوگوں کو سنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد کے لئے مقرر کر دئے کہ باری باری سے منادی کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے حکم کے مطابق سورۂ برأت کی آیات کا اعلان کیا اور اس میں بیان کئے گئے احکامات لوگوں تک پہنچائے کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا اور نہ آئندہ سال کوئی مشرک حج کر پائے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا اور جس کا عہد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت پورا کر دیا جائے اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کو چار مہینے کا امن ہے اگر اس مدت مسلمان نہ ہوا تو چار ماہ بعد جہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ [۴۸]

---

[۴۷] قال ابن القيم في الهدى: ويستفاد أيضاً من قول أبي هريرة في حديث الباب ((قبل حجة الوداع)) أنها كانت سنة تسع لأن حجة الوداع كانت سنة عشر اتفاقاً، وذكر ابن اسحق أن خروج أبي بكر كان في ذي القعدة، وذكر الواقدي أنه خرج في تلك الحجة مع أبي بكر ثلاثمائة من الصحابة، وبعث معه رسول الله ﷺ عشرين بدنة. فتح الباري، ج:۸، ص:۸۲، وكتاب المغازي للواقدي، ج:۳، ص:۱۰۷۷

[۴۸] فتح الباري، ج:۸، ص:۸۳، سيرة ابن هشام، ج:۲، ص:۵۴۶، ۵۴۵، وكتاب المغازي للواقدي، ج:۳، ص:۱۰۷۸

۴۳۶۴ ۔ حدثنا عبداللہ بن رجاء: حدثنا إسرائیل، عن أبی إسحاق، عن البراء رضی اللہ عنہ قال: آخر سورۃ نزلت کاملۃ: براءۃ، وآخر نزلت خاتمۃ سورۃ النساء ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾. [انظر: ۴۶۰۵، ۴۶۵۴، ۶۷۴۴] ۴۹

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جو سورت سب سے آخر میں پوری اتری ہے وہ سورت براءۃ ہے، آخری آیت اتری تو وہ سورہ نساء کی آیت ہے ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾۔

تشریح

"**آخر سورۃ نزلت کاملۃ: براءۃ**" اس سے مراد یہ ہے کہ سورت کا اکثر حصہ نازل ہوا، ورنہ بعض آیتیں سورۂ براءۃ کی مختلف اوقات میں بھی نازل ہوئی ہیں۔

"**وآخر نزلت خاتمۃ سورۃ النساء**" اور آخر سورۃ جو نازل ہوئی وہ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ ۵۰

ترجمہ: (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں مکمل حکم بتاتا ہے۔

اس جملہ میں "سورۃ" سے مراد آیت ہے اور کہا جاتا ہے کہ احکام میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہ آیت ہے۔ باقی فی نفسہ جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ یہ ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ۵۱

ترجمہ: اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

---

۴۹ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب لایحج البیت مشرک ولایطوف بالبیت عریاناً وبیان یوم حج الاکبر، رقم: ۱۴۳۷، وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب قولہ عزوجل الخ، رقم ۲۹۵۸، ۲۹۵۷، ومسند احمد، مسند ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ، رقم: ۷۰۷۷

۵۰ [البقرۃ: ۲۸۱]

۵۱ [النساء: ۱۷۶]

أبواب الوفود

باب وفد بني تميم

الى

باب قصة وفد طيء

(۶۸) باب وفد بنی تمیم

بنوتمیم کے وفد کا بیان

۴۳۶۵ ـ حدثنا أبو نعیم: حدثناسفیان، عن أبی صخرة، عن صفوان بن محرز المازنی، عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہما قال: أتی نفر من بنی تمیم النبی ﷺ فقال: ((اقبلوا البشری یا بنی تمیم))، قالوا: یارسول اللہ قد بشرتنا فأعطنا، فرؤی ذلک فی وجھہ. فجاء نفر من الیمن فقال: ((اقبلوا البشری إذ لم یقبلھا بنو تمیم))، قالوا: قد قبلنا یارسول اللہ. [راجع: ۳۱۹۰]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین ﷺ نے بیان کیا کہ بنوتمیم کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے بنوتمیم! بشارت قبول کرو۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ نے بشارت تو دیدی، اب ہمیں کچھ دلوایئے۔ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر اس کا اثر معلوم ہوا، پھر یمن کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنوتمیم نے تو بشارت قبول نہیں کی، لہٰذا تم قبول کرو، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم نے قبول کی۔

قبولِ بشارت اور مزاج شناسی

بنوتمیم کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ **"اقبلو البشری یابنی تمیم"** اے بنوتمیم کے لوگو! بشارت قبول کرو۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے تو اس لئے فرمایا کہ خوشخبری قبول کرلو یعنی میں تم کو جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔

"قالوا: یارسول اللہ قد بشرتنا فأعطنا" تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں خوشخبری تو دیدی، اب ہمیں کچھ دلوایئے یعنی کچھ مال و دولت بھی دیجئے، تو لایئے کچھ پیسے بھی دیجئے۔

"فرؤی ذلک فی وجھہ" آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر اس کا اثر معلوم ہوا۔

بعض روایات میں لفظ "رؤیا" ہے اسکے معنی دیکھا گیا یعنی آپ ﷺ کے چہرہ میں یہ بات دیکھی گئی۔

اسی مجہول کے صغیہ میں "رای، یری" سے ہے کہ آپ ﷺ کے چہرے پر تغیر کے آثار دیکھے گئے۔

تغیر کے آثار اس لئے دیکھے گئے کہ میں نے جنت کی اتنی بڑی خوشخبری دی اور یہ ابھی تک پیسوں اور دنیا کے مال و دولت کے چکر میں ہیں اس لئے آپ ﷺ کے چہرے پر تغیر کے آثار دیکھے گئے۔

اس کے بعد پھر یمن کا وفد کا حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ **"اقبلوا البشری إذ لم یقبلها بنو تمیم"** تم لوگ بشارت قبول کرو، بنوتمیم نے تو بشارت کو قبول نہیں کیا۔
یمن کے لوگوں نے کہا کہ **"قد قبلنا یارسول اللہ"** اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کی بشارت قبول کی۔

(۶۹) باب

یہ باب ترجمۃ الباب سے خالی ہے

قال ابن إسحاق: غزوة عيينة بن حصن بن حذيفة بن بدر، بني العنبر من بني تميم، بعثه النبي ﷺ إليهم فأغار وأصاب منهم ناسا وسبى منهم سباء.

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر ؓ کا مقابلہ بنوتمیم کی شاخ بنوعنبر سے ہوا، نبی کریم ﷺ نے ان کو بنوعنبر کی طرف بھیجا تو انہوں نے شبخون مار کر ان کو مردوں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔

۴۳۶۶ ۔ حدثني زهير بن حرب: حدثنا جرير، عن عمارة بن القعقاع، عن أبي زرعة، عن أبي هريرة ؓ قال: لا أزال أحب بني تميم بعد ثلاث سمعته من رسول الله ﷺ يقولها فيهم: ((هم أشد أمتي على الدجال)). وكانت فيهم سبية عند عائشة فقال: ((أعتقيها فإنها من ولد إسماعيل)). وجاء ت صدقاتهم فقال: ((هذه صدقات قوم، أو قومي)). [راجع: ۲۵۴۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بنوتمیم کے حق میں تین باتیں سنی ہیں، انہیں برابر دوست رکھتا ہوں، بنوتمیم میری اُمت میں دجال کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس قوم کی ایک باندی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کردو، کیونکہ یہ اولادِ اسماعیل میں سے ہے۔ جب ان کے صدقات کا مال آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ میری قوم یا فرمایا قوم کا صدقہ ہے۔

بنوتمیم کی خصوصیات

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں بنوتمیم سے تین باتوں کی وجہ سے محبت کرتا ہوں، یہ تین باتیں جو

میں نے رسول کریم ﷺ سے سنی ہیں جو آپ ﷺ ان کے بارے میں فرماتے تھے۔

پہلی بات یہ ہے کہ **"هم أشد أمتي على الدجال"** بنو تمیم کے کچھ لوگ دجال کے اوپر میری قوم میں سب سے زیادہ سخت ہوں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ **"وكانت فيهم سبية عند عائشة"** بنو تمیم کی ایک کنیز ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"أعتقيها فإنها من ولد إسماعيل"** ان کو آزاد کردو کیونکہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب بنو تمیم کے کچھ صدقات آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"هذه صدقات قوم، أو قومي"** یہ میری قوم کے صدقات ہیں یعنی آپ ﷺ نے ان کو اپنی قوم قرار دیا۔

حالانکہ نسباً آپ ﷺ بنو تمیم سے اس طرح نہیں تھے لیکن قوم اس لئے قرار دیا کہ بنو تمیم سے دور سے جا کر نسب ملتا تھا اس لئے ان کو آپ ﷺ نے اپنی نسبت سے شرف عطا فرمایا۔

۴۳۶۷ ۔ حدثني إبراهيم بن موسى: حدثنا هشام بن يوسف: أن ابن جريج أخبرهم عن ابن أبي مليكة: أن عبدالله بن الزبير أخبرهم أنه قدم ركب من بني تميم على النبي ﷺ، فقال أبوبكر: أمر القعقاع بن معبد بن زرارة، فقال عمر: بل أمر الأقرع بن حابس. قال أبو بكر: ما أردت إلا خلافي، قال عمر: ما أردت خلافك. فتماريا حتى ارتفعت أصواتهما، فنزل في ذلك ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾ حتى انقضت. [انظر: ۴۸۴۵، ۴۸۴۷، ۷۳۰۲][1]

ترجمہ: ہشام بن یوسف روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج رحمہ اللہ ان سے بیان کرتے ہیں کہ ابن ابو ملیکہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے سوار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا ان کا امیر قعقاع بن معبد بن زرارہ کو بنایئے، حضرت عمر ؓ نے عرض کیا نہیں، بلکہ اقرع بن حابس کو بنایئے، تو حضرت ابوبکر ؓ نے کہا تم ہمیشہ مجھ سے اختلاف کرتے ہو، جواب میں حضرت عمر ؓ نے کہا میں آپ سے اختلاف کا قصد نہیں کرتا، دونوں میں تکرار ہوئی، یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، تو اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾۔

---

[1] وفي سنن الترمذي، ابواب التفسير القرآن، باب ومن سورة الحجرات، رقم: ۳۲۶۶، وسنن النسائي، كتاب اداب القضاة، باب استعمال الشعراء، رقم: ۵۳۸۶

حقوق کی ادائیگی میں حدود وادب کا تقاضہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ **"انہ قدم رکب من بنی تمیم"** بنو تمیم کا ایک قافلہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔

حضورِ اقدس ﷺ کے پاس جس بھی قبیلہ کا کوئی وفد آتا تھا تو اُن میں سے کسی ایک کو آئندہ کے لئے امیر مقرر فرما دیتے تھے۔ ابھی حضورِ اقدس ﷺ نے اُن میں سے کسی کو بھی ان کا امیر نہیں مقرر فرمایا تھا، اور نہ اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔

"فقال ابوبکر: أمر القعقاع بن معبد بن زرارة" تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو تجویز پیش کی کہ قعقاع بن معبد کو انکا امیر بنا دیجئے۔

"فقال عمر: بل أمر الأقرع بن حابس" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ **"ما أردت إلا خلافی"** تم ہمیشہ میری بات سے اختلاف کرتے ہو، جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ **"ما أردت خلافک"** میں آپ سے اختلاف کا قصد نہیں کرتا یعنی جیسے آپ کا انتخاب قعقاع بن معبد ہیں اسی طرح میری نظر میں اقرع بن حابس کو امیر منتخب کرنا چاہئے، غرض یہ کہ اس معاملہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان آپس میں کچھ تکرار ہوئی۔

"فتماریا حتی ارتفعت أصواتهما" یہاں تک کہ بحث ومباحثہ کے دوران شیخین رضی اللہ عنہما کی آوازیں بلند ہوگئیں، تو اس پر سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾ [۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔

---

[۲] [الحجرات: ۱]

اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ آنحضرت ﷺ کو کرنا ہو، اور آپ نے اُن کے بارے میں کوئی مشورہ بھی طلب نہ فرمایا ہو، اُن معاملات میں آپ سے پہلے کوئی رائے قائم کرلینا اور اس پر اصرار یا بحث کرنا آپ کے ادب کے خلاف ہے۔

اگرچہ (سورۂ حجرات کی) یہ پہلی آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن الفاظ عام استعمال فرمائے گئے ہیں، تاکہ یہ اُصولی ہدایت دی جائے کہ کسی بھی معاملے میں آنحضرت ﷺ سے آگے بڑھنا مسلمانوں کے لئے دُرست نہیں ہے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلنا ہو تو آپ سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ نیز آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو حدود مقرر فرمائی ہیں، اُن سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ [۳]

---

[۳] آسان ترجمہ قرآن، [سورة الحجرات: ۱]

(۷۰) باب وفد عبد القیس

وفدعبدالقیس کا بیان

بحرین کا محل ووقوع

عبدالقیس ایک عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا اور بحرین میں آباد تھا۔

آج کل تو بحرین ایک چھوٹا سا ملک ہے، کورنگی کے برابر بھی نہیں ہے یعنی جتنا پورا کورنگی ہے اتنا بحرین ہے شاید اس سے بھی چھوٹا ہو تو یہ ملک جس کو آج بحرین کہا جاتا ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بحرین بڑا وسیع رقبہ پر تھا، جو بحرین اس زمانے میں تھا اس کا کچھ حصہ موجودہ دور میں سعودیہ عرب میں آگیا ہے، کچھ حصہ بحرین ہی کہلاتا ہے، کچھ حصہ ابوظہبی کہلاتا ہے، کچھ حصہ دبئی کہلاتا ہے اور کچھ حصہ قطر کہلاتا ہے، تو دبئی سے لے کر بحرین تک خلیج فارس کا جو عربی کنارہ ہے وہ سارا اس زمانے میں بحرین کہلاتا تھا اور دبئی سے ادھر جنوبی حصہ مسقط اور مغرب تک وہ سارا علاقہ یمن کہلاتا تھا یا عمان یا یمن، تو دو حصے تھے نہ اس زمانے دبئی تھا نہ ابوظہبی نہ قطر، سب بحرین تھا۔

وفدعبدالقیس کی حاضری کا پس منظر

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ اس قبیلہ عبدالقیس کے ایک صاحب تھے جن کا نام منقذ بن حیان، وہ تجارت کی غرض سے مدینہ منورہ آئے، اس سلسلے میں بازار میں کہیں پھر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنا ہوگیا۔ نئے آدمی تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا نام منقذ بن حیان ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ بتایا کہ میں بحرین سے آیا ہوں اور عبدالقیس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے بنوعبدالقیس کے جتنے بڑے بڑے سردار و شرفاء تھے، ان میں سے ہر ایک ایک کا نام لے کر پوچھا کہ اس کو جانتے ہو، اس کا کیا حال ہے؟ اس کو جانتے ہو اس کا کیا حال ہے؟ غرض یہ کہ جتنے سرداران بنوعبدالقیس تھے ان سب کا نام لے کر ان کا حال پوچھا۔

ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کس طرح اتنے سارے لوگوں کے نام جانتے ہیں اور واقعہ یہ

ہے کہ اس سے پہلے نہ ان کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی تھی نہ کوئی ایسا موقع پیش آیا تھا کہ ان سے واقف ہوئے ہوں، آخر میں پھر آپ ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کے سردار، جس کا لقب الاشج تھا، پورا نام منذر الاشج تھا، اس کا حال واحوال پوچھا اور فرمایا کہ اس کو خاص طور پر میرا پیغام دینا اور اس کی خیریت میری طرف سے دریافت کرنا۔

ان تمام باتوں سے منقذ بن حیان ﷺ کے دل میں یقین پیدا ہو گیا کہ یہ سچے نبی ہیں تو فوراً مسلمان ہو گئے۔ جب جانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے قوم کو بھی دعوت دینا اور خاص طور پر تمہارا سردار ہے وہ اچھا آدمی ہے اس کو بھی دعوت دینا اور میرا اسلام کہنا۔

مسلمان ہو کر اپنے وطن بحرین واپس چلے گئے، چونکہ اس زمانے میں مسلمان ہو جانا اپنے پورے خاندان سے لڑائی لینے کے مترادف تھا تو اپنے وطن جانے کے بعد ان کو حوصلہ نہ ہوا کہ ایک دم سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں، گھر میں چھپ کر نماز پڑھتے رہے اور بیوی کو بھی نہیں بتایا، یہاں تک بیوی نے دیکھا کہ یہ روز عجیب کام کرتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں اور اٹھک بیٹھک کرتے ہیں تو وہ دیکھتی رہی اور اس نے کہا کہ تم جب سے آئے ہو یہ عجیب حرکتیں کرتے ہو، تو منقذ بن حیان ﷺ نے بیوی کو ٹال دیا۔ بیوی نے جا کر سردار منذر الاشج سے کہا کہ جب سے میرا شوہر مدینہ سے واپس آیا ہے اس وقت سے اس کی عجیب حالت ہو گئی ہے، دن میں پانچ وقت وہ منہ دھوتا ہے عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے، جو پہلے کبھی دیکھی نہیں۔

سردار نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ میں مدینہ گیا تھا، حضور ﷺ سے میری ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے اس طریقہ سے سارے قبیلہ کے بڑے بڑے سرداروں کے نام لئے، خیرت دریافت کی یہاں تک کہ تمہیں بھی پیغام بھجوایا اور حضور اقدس ﷺ نے تمہاری تعریف کی۔

اس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کی دعوت کی تفصیلات کچھ بتائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ سردار منذر الاشج اور عبدالقیس کے بڑے بڑے لوگ مسلمان ہو گئے۔

پھر ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ ہم خود حضور اقدس ﷺ کے پاس جائیں اور جا کر دین کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوں، چنانچہ یہ چھ سات آمیوں کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ ۵ھ کا واقعہ ہے، یعنی پہلی بار وفد عبدالقیس پانچ ہجری میں مدینہ آیا۔

دوسری بار فتح مکہ کے بعد بھی بنو عبدالقیس کا وفد آیا، اس میں چالیس کے قریب آدمی تھے۔

پہلی بار ۵ھ میں جب مدینہ منورہ آئے اور اپنی سواریوں سے اترے تو حضور اکرم ﷺ سامنے نظر آئے تو سب لوگ جلدی سے دوڑ کر گئے حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا لیکن منذر الاشج، جو سردار تھا وہ فوراً نہ آئے، بلکہ پہلے نئے کپڑے پہنے اور آرام سے بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضری دی اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی اس بات کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ بات مجھے پسند ہے کہ

تمہارے اندر حلم ہے اور اطمینان کے ساتھ کام کرنے کے عادی ہو اور جلد بازی تمہارے اندر نہیں ہے۔ [۲]
اس وفد میں جو گفتگو ہوئی، تو اس کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے۔

۴۳۶۸ ۔ حدثنی إسحاق أخبرنا أبو عامر العقدی: حدثنا قرة، عن أبی جمرة، قلت لابن عباس رضی اللہ عنہما: إن لی جرة تنتبذ لی فیها نبیذا فأشربه حلوا فی جر، إن أکثرت منه فجالست القوم فأطلت الجلوس خشیت أن أفتضح. فقال: قدم وفد عبدالقیس علی رسول اللہ ﷺ فقال: ((مرحبا بالقوم غیر خزایا ولا الندامی))، فقالوا: یا رسول اللہ، إن بیننا وبینک المشرکین من مضر وإنا لا نصل إلیک إلا فی أشهر الحرم، حدثنا بجمل من الأمر إن عملنا به دخلنا الجنة وندعو به من وراء نا. قال: ((آمرکم بأربع وأنهاکم عن أربع: الإیمان باللہ، هل تدرون ما الإیمان باللہ؟ شهادة أن لا إله إلا اللہ وإقام الصلاة، وإیتاء الزکاة وصوم رمضان، وأن تعطوا من المغانم الخمس. وأنهاکم عن أربع: ما انتبذ فی الدباء والنقیر والحنتم والمزفت)). [راجع: ۵۳]

ترجمہ: ابو جمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ میرے پاس ایک گھڑا ہے، جس میں میرے لئے نبیذ تیار ہوتی ہے، میں اس نبیذ کو میٹھا کر کے آب خورہ میں پی لیتا ہوں، مجھے خوف ہے کہ اگر میں وہ نبیذ زیادہ پی کر لوگوں کے ساتھ دیر تک بیٹھوں تو میں (نشہ پینے کی تہمت) سے رسوا ہو جاؤں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا وفد عبدالقیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا خوش آمدید اے قوم! جو نہ نقصان میں ہے نہ شرمسار۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے درمیان مشرکین حائل ہیں، اس لئے ہم سوائے اشہر حرم کے آپ ﷺ کے پاس نہیں آسکتے، ہمیں کچھ ایسی باتیں بتا دیجئے کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو جنت میں چلے جائیں اور ہمارے پیچھے جو لوگ رہ گئے ہیں انہیں بھی اس کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں، اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور نماز پڑھنا، اور زکوٰۃ دینا، اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس دینا اور تمہیں چار چیزوں سے روکتا ہوں، **دباء** (کدو کے برتن)، **نقیر** (سبز منکا یا ٹھلیا)، **حنتم** (لکڑی کے برتن) اور **مزفت** (روغن کئے ہوئے برتن) میں نبیذ بنانے سے۔

۴۳۶۹ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا حماد بن زید، عن أبی جمرة قال: سمعت

---

[۲] حاشیة دلائل النبوة للبیهقی، ج:۵، ص:۳۲۳، فتح الباری، ج:۸، ص:۸۵

ابن عباس يقول: قدم وفد عبدالقيس على النبى ﷺ فقالوا: يارسول الله، إنا هذا الحى من ربيعة وقد حالت بيننا وبينك كفار مضر، فلسنا نخلص إليك إلا فى شهر حرام، فمرنا بأشياء نأخذ بها وندعو إليها من وراء نا. قال: ((آمركم بأربع، وأنهاكم عن أربع: الإيمان بالله، شهادة أن لا إله إلا الله - وعقد واحدة - وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وأن تؤدوا لله خمس ما غنمتم. وأنهاكم عن الدباء والنقير والحنتم والمزفت)). [راجع: ۵۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ وفد عبدالقیس نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم ربیعہ کا قبیلہ ہیں اور کفار مضر ہمارے اور آپ کے درمیان حائل ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی خدمت میں سوائے اشہر حرام کے نہیں آسکتے، لہٰذا ہمارے عمل کرنے کے لئے اور جو لوگ ہم سے پیچھے ہیں انہیں دعوت دینے کے لئے کچھ چیزوں کا حکم فرمادیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں اللہ پر ایمان لانا، یعنی اللہ کے ایک معبود ہونے کی شہادت دینا (اور آپ ﷺ نے انگلی سے ایک کے عدد کی طرف اشارہ کیا) نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، مال غنیمت سے خمس اللہ کے لئے ادا کرنا اور میں تمہیں کدو کے، لکڑی کے، سبز ٹھلیا اور روغن کئے برتنوں (کے استعمال) سے روکتا ہوں۔

نبیذ کے معاملے میں احتیاط

اس روایت میں ابوحمزہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے یہ کہا تھا" **إن لى جرة تنتبذ لى فيها نبيذا** " میرے پاس ایک مٹکا ہے جو میرے لئے نبیذ بناتا ہے یعنی مٹکا ہے اس کے اندر میں کھجوریں ڈال کر نبیذ بنایا کرتا ہوں،" **فأشربه حلوا فى جر** " جب وہ میٹھا ہوجاتا ہے تو میں اس کو پیتا ہوں یعنی وہ نبیذ پیتا ہوں۔

"**فى جر**" انہی مٹکوں میں، کیا مطلب اس جملے کا؟ یعنی وہ مٹکا مختلف مٹکوں میں شامل ہوتا ہے، اس میں ایک مٹکا نکال کے پی لیتا ہوں۔

"**إن أكثرت منه فجالست القوم فأطلت الجلوس**" مجھے خوف ہے کہ اگر میں وہ نبیذ زیادہ پی کر جب مجلس میں بیٹھوں تو،" **خشيت أن أفتضح** " کوئی ایسی بے سروپا بات منہ سے نکل جائے یعنی اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ نبیذ پینے سے تھوڑا بہت نشہ نہ ہوجائے اور جب مجلس میں بیٹھوں تو کوئی فضول بات کردوں جو کہ میرے نشہ پر ہونے کی دلالت کرتی ہو اور دوسروں کے سامنے میری رسوائی ہو۔

پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نبیذ پیتا رہتا ہوں اور یہ ہوتا رہتا ہے تو یہ سب کچھ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جواب میں کہنا تو یہ تھا کہ بھی اتنا تو نہیں پینا چاہئے کہ جس سے سکر یعنی نشہ چڑھ جانے کا اندیشہ ہو لیکن اس بات کو اور اس حکم کو بیان کرنے سے پہلے آپ نے وفد عبدالقیس کی آمد کا قصہ سنایا جس میں نبی کریم ﷺ نے شراب کے برتنوں کے استعمال سے بھی ممانعت کی تھی کیونکہ شراب کے برتنوں میں ایک تو یہ اندیشہ تھا کہ جب آدمی شراب کے برتن استعمال کرے گا تو وہ پھر یاد آجائے گی کہ کہیں اس میں ہم مئے نوشی کیا کرتے تھے، اس واسطے اندیشہ ہے کہ کہیں دوبارہ مبتلا نہ ہو جائیں۔

دوسرا ان مٹکوں کے اندر جو پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس میں اگر کوئی حلال مشروب بھی ڈالا جاتا ہے جیسے نبیذ تو اندیشہ تھا کہ کہیں اس میں بھی سکر نہ ہو یا تو اس وجہ سے کہ پہلے سے ہی اس میں نشہ آور کوئی چیز موجود ہو یا اس وجہ سے کہ یہ مٹکے بنائے ہی اس طرح جاتے تھے کہ ان کے اندر یہ خاصیت تھی کہ جلدی خمیر اٹھتا تھا اور جلدی خمیر اٹھنے کے نتیجہ میں نشہ جلدی پیدا ہوتا تھا۔

اس واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حدیث سنائی یہ بتانے کے لئے کہ یہ تمہارا طریقہ صحیح نہیں ہے، مٹکے کے اندر اتنا سارا نبیذ بنا کر مت پیا کرو۔ اول تو ذرا احتیاط سے کام لو کہ اس میں سکر پیدا ہی نہ ہو اور اگر پیئو تو اتنی پیئو کہ جس سے سکر پیدا نہ ہو۔

یہ قصہ تھا اس میں وفد عبدالقیس کے آنے کا واقعہ بیان کیا۔

وفد عبدالقیس کا حال بیان فرماتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا **"مرحبا بالقوم غیر خزایا ولا الندامی"** خوش آمدید اس قوم کو یہ نہ رسوا ہو کر آئے ہیں نہ پشمان ہو کر، ہمارے پاس سرخرو ہو کر آئے ہیں۔

"یا رسول اللہ، إن بیننا وبینک المشرکین منمضر" تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کے مشرکین حائل ہیں یعنی ہمارا بحرین کا جو علاقہ ہے اس میں اور آپ کے درمیان مضر کے قبیلہ کے مشرک آباد ہیں۔ ہم الحمد للہ بحرین کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اور آپ ادھر مدینہ منورہ میں، درمیان کا جو علاقہ ہے اس میں مضر کے لوگ آباد ہیں اور یہ نجد کا علاقہ تھا، تو اس میں یہ مضر آباد ہیں۔

"وإنا لا نصل إلیک إلا فی أشهر الحرم" لہٰذا ہم سوائے حرمت والے مہینوں کے اور کسی مہینہ میں آپ تک نہیں آسکتے کیونکہ درمیان میں مضر کے لوگ حائل ہیں تو یہ لڑائی کریں گے اور مار پٹائی کرتے ہیں تو اس واسطے ہم اور دنوں میں آئیں گے اس لئے کہ ہمیں مضر کے ہاتھوں جانوں کا خطرہ ہے ہم صرف اشہر حرم میں آسکتے ہیں، **"حدثنا بجمل من الأمر إن عملنا به دخلنا الجنة وندعو به من وراء نا"** لہٰذا آپ ہمیں کچھ ایسی باتیں بتا دیجئے کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو جنت میں چلے جائیں اور ہمارے پیچھے جو لوگ رہ گئے ہیں انہیں بھی اس کی دعوت دیں۔

یعنی کچھ ایسے امور بتا دیجئے کہ روز روز تو ہمارا آنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا آپ ایسی کوئی عام ہدایات ہمیں دیجئے کہ ہم اس پر عمل کرتے رہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں جنت عطا فرمائیں۔

"جمل" جمع ہے **"جملہ"** کی اور اس کے کے معنی مجموعی چیز، تو ایسے مجموعی امور بتا دیجئے کہ جو عام ہو اور شامل قسم کے ہدایات رکھتی ہوں اگر ہم اس پر عمل کریں تو جنت میں داخل ہوں اور پھر ہم اپنے پیچھے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں۔

آگے ساری وہ حدیث ہے جو کتاب الایمان میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ [۵]

۴۳۷۰ ـ حدثنا یحی بن سلیمان: حدثنا ابن وهب: أخبرنی عمرو: وقال بکر ابن مضر، عن عمرو بن الحارث، عن بکیر: أن کریبا مولی ابن عباس حدثه أن ابن عباس وعبد الرحمٰن بن أزهر والمسور بن مخرمة أرسلوا إلی عائشة فقالوا: اقرأ علیها السلام منا جمیعا وسلها عن الرکعتین بعد العصر فإنا أخبرنا أنک تصلیهما وقد بلغنا أن النبی ﷺ نهی عنهما، قال ابن عباس: وکنت أضرب مع عمر الناس عنهما، قال کریب: فدخلت علیها وبلغتها ما أرسلونی، فقالت: سل أم سلمة، فأخبرتهم فردونی إلی أم سلمة بمثل ما أرسلونی إلی عائشة فقالت أم سلمة: سمعت النبی ﷺ ینهی عنهما وإنه صلی العصر ثم دخل علی وعندی نسوة من بنی حرام من الأنصار فصلاهما فأرسلت إلیه الخادم فقلت: قومی إلی جنبه فقولی: تقول أم سلمة: یا رسول الله ألم أسمعک تنهی عن هاتین الرکعتین فأراک تصلیهما؟ فإن أشار بیده فاستأخری. ففعلت الجاریة فأشار بیده فاستأخرت عنه، فلما انصرف قال: ((یا بنت أبی امیة، سألت عن الرکعتین بعد العصر، إنه أتانی أناس من عبد القیس بالإسلام من قومهم فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظهر فهما هاتان)). [راجع: ۱۲۳۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ کا بیان ہے کہ ابن عباس، عبدالرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مجھے بھیجا اور کہا کہ ہم سب کی طرف سے انہیں سلام کہنا اور عصر کے بعد دو رکعت نفل کے بارے میں پوچھنا اور کہنا کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ عصر کے بعد یہ دو رکعت پڑھتی ہیں، حالانکہ ہمیں آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث معلوم ہوئی ہے کہ آپ نے ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے۔

---

[۵] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب الایمان، باب: أداء الخمس من الایمان، رقم: ۵۳، ج: ۱، ص: ۵۹۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ لوگوں کو ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے روکتا تھا۔ کریب کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور انہیں ان لوگوں کا پیغام پہنچایا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر معلوم کرو، کریب کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات بتادی تو انہوں نے مجھے اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس وہی پیغام دے کر بھیجا، جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا تھا، تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ان دو رکعتوں سے منع فرماتے ہوئے سنا اور آپ ﷺ ایک دن نماز عصر پڑھ کر میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس انصار کے قبیلہ بنو حرام کی عورتیں بیٹھیں تھیں، تو آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں، میں نے آپ ﷺ کے پاس خادمہ کو بھیجا، اور اس سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پہلو میں کھڑی ہو کر عرض کر کہ اُم سلمہ یہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں نے آپ سے یہ نہیں سنا کہ آپ ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے منع کرتے تھے، حالانکہ اب میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہوں، اگر آپ ﷺ ہاتھ کے اشارے سے منع کریں تو، تو پیچھے ہٹ جانا، چنانچہ وہ خادمہ گئی، اور اس نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ ہٹ گئی، پھر جب آپ چلنے لگے تو فرمایا اے دختر ابو امیہ تو عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھتی ہے، میرے پاس عبدالقیس کے آدمی اسلام لانے کے لئے آئے تو میں ان کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا، تو یہ دو رکعتیں وہی تھیں۔

بعد عصر نماز پڑھنے کا مسئلہ

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر اور حضرت مسور بن مخرمہؓ ان تینوں حضرات نے کریب کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا اور کریب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مولی ہیں اور اس حدیث کے راوی بھی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے ان تین حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا کہ جا کے ہمارا اسلام کہنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنا کہ عصر کی نماز کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں بتائیے۔

"فإنا أخبرنا أنک تصليهما" اور یہ بھی بتائیں کہ ہمیں پتہ چلا ہے آپ یہ دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھتی ہیں، **"وقد بلغنا أن النبی ﷺ نهى عنهما"** اور جب کہ ساتھ میں ہم تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد رکعتوں یعنی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

چونکہ ان حضرات کو وہ احادیث پہنچی ہوئی تھی جن میں نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع

فرمایا ہوا ہے اور ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو رکعتیں پڑھتی ہیں تو ان سے یہ پوچھنے کے لئے ان تینوں حضرات نے کریب کو بھیجا کہ جا کر ان سے یہ سب بات کہنا۔

"قال ابن عباس: و کنت أضرب مع عمر الناس عنهما" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے درمیان میں یہ اضافہ بھی کیا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر لوگوں کو ان رکعتوں سے روکا کرتا تھا۔

"اضرب" یہاں مارنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے اعراض کروایا کرتا تھا۔

"فدخلت علیها و بلغتها ما أرسلونی" کریب کہتے ہیں کہ ان حضرات کے حکم کی تعمیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور ان تک وہ پیغام پہنچایا جو مجھے دیا گیا تھا۔

"فقالت: سل أم سلمة، فأخبرتهم فردونی إلی أم سلمة" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جا کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھو، میں نے جا کر تینوں حضرات سے کو بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی ہیں، تو ان حضرات نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے پوچھو، **"بمثل ما أرسلونی إلی عائشة"** اور تقریباً وہی پیغام بھیجا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ تفصیل سے بتایا۔

"سمعت النبی ﷺ ینهی عنهما" فرمایا کہ میں نے بھی نبی کریم ﷺ کو سنا تھا کہ آپ عصر کے بعد نماز پڑھنے کو منع فرماتے تھے، **"وإنه صلی العصر ثم دخل علی وعندی نسوة من بنی حرام من الأنصار"** لیکن ہوا یہ کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے عصر کی نماز مسجد میں پڑھی، پھر میرے پاس تشریف لائے، اور اس وقت میرے پاس انصار میں سے بنو حرام کی عورتیں بیٹھی تھیں۔

"فصلاهما فأرسلت إلیه الخادم" آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں، جب آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے تو کہتی ہیں کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید آپ کو یہ یاد نہ رہا ہو کہ عصر کے بعد کا وقت ہے اور عصر کے بعد نماز پڑھنا منع ہوتا ہے۔ اس واسطے آپ ﷺ کھڑے ہو گئے ہوں تو میں نے اپنی خادمہ کو بھیجا۔

"فأرسلت" میں نے حضور اکرم ﷺ کے پاس اپنی نوکرانی کو بھیجا، یہاں اگرچہ اسم فاعل مذکر کا صیغہ ہے لیکن یہ جنس کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس میں مذکر مؤنث دونوں شامل ہوتے ہیں، مراد مؤنث ہے۔

"فقلت: قومی إلی جنبه" اور میں نے یہ کہا کہ وہاں پر جا کے پہلو میں کھڑی ہو جانا، **"فقولی: تقول أم سلمة: یا رسول الله ألم أسمعک تنهی عن هاتین الرکعتین"** اور ان سے یہ کہنا کہ ام سلمہ نے یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا کرتے تھے، **"فأراک تصلیهما؟"** تو اب آپ کیسے نماز پڑھ رہے ہیں؟

"فإن أشار بیده فاستأخری" اگر تمہیں ٹھہرنے کا اشارہ کریں تو تھوڑی دیر ٹھہر جانا، نماز پڑھ کے

فارغ ہوں گے تو صحیح حقیقت حال بتادیں گے۔ خادمہ نے ایسا ہی کیا، حضور اکرم ﷺ نے اشارہ کیا کہ ٹھہر جاؤ۔

"فلما انصرف قال: یا بنت أبی امیة" جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوامیہ! کی بیٹی، **"سألت عن الرکعتین بعد العصر"** تم نے مجھ سے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے متعلق سوال کیا ہے۔

"إنه أتانی أناس من عبد القیس بالإسلام من قومهم" میرے پاس بنوعبدالقیس کے کچھ لوگ اپنے قوم کے کچھ لوگوں کو اسلام لاکر لائے تھے، **"فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظهر فهما هاتان"** اور انہوں نے مجھے ظہر کی بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کرلیا تو اب یہ دو رکعتیں ہیں۔

جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو وجہ بتائی کہ اصل بات یہ ہے کہ میں ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا اس وجہ سے کہ عبدالقیس کا وفد میرے پاس آیا ہوا تھا عبدالقیس کے وفد کے ساتھ مشغولیت کی بنا پر میں دو سنتیں جو ظہر کے بعد کی ہیں وہ نہیں پڑھ سکا تھا تو اس واسطے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ جب ایک کام رہ گیا ہے تو اس کو عصر کے بعد پورا کرلوں، تو اس لئے میں نے پڑھ لیں۔

کیونکہ نبی کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بات یا عمل شروع کریں تو اس پر مداومت اختیار کریں تو اس لئے میں نے یہ کام کرلیا کہ ظہر کے بعد کی دو رکعت نماز کو عصر کے بعد پڑھ لیا۔

روایات میں تعارض اور اس کا حل

عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں حدیثوں کے درمیان بظاہر اتنا زبردست تعارض ہے کہ آدمی کا سر چکرا جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ حضور ﷺ نے اس لئے پڑھی تھی۔

پھر مسند احمد کی روایت میں آیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اگر ہم سے کبھی ظہر کی دو رکعتیں رہ جائیں تو کیا ہم بھی اسی طرح عصر کی نماز کے بعد قضا کرلیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عصر کے بعد دو رکعات نماز حضور ﷺ نے زندگی بھر صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی۔[۶]

---

[۶] مسند احمد، حدیث ام سلمة زوج النبی ﷺ، رقم: ۲۶۶۷۸، ۲۶۳۵۰

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب کبھی عصر کے بعد میرے گھر تشریف لاتے تو دو رکعتیں ضرور پڑھتے ۔ [۷]

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور ﷺ پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہیں ہوگا تو اس واسطے انہوں نے کہہ دیا کہ آپ ﷺ نے زندگی بھر ایک مرتبہ پڑھی اس سے زیادہ نہیں پڑھی۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پتا چلتا ہے کہ اصل علم تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تھا جب لوگ ان سے پوچھنے آئے تو انہوں نے بھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ اس واسطے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو علم نہیں تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم تھا۔

ساری روایات کو مدنظر رکھنے کے بعد جو بات صحیح معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابتداً میں سب سے پہلے جو آنحضرت ﷺ نے رکعتیں عصر کے بعد پڑھیں وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پڑھیں، جس کا واقعہ یہاں پر مذکور ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرمادیا کہ آئندہ اگر تمہاری دو رکعت قضا ہو جائے تم ایسا مت کرنا، یہ میری خصوصیت ہے۔

اس سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ یہ ایک واقعہ ہے جو انفرادی طور پر پیش آگیا ہے، اب دوبارہ نہ آپ ﷺ پڑھیں گے اور نہ آپ ﷺ نے دوسرے کو پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی عمل کسی وقت میں شروع فرمادیتے تو پھر آئندہ بھی اس کی پابندی کرتے تھے تو اگرچہ عصر کے بعد کے دو رکعتوں کا اصل سبب ظہر کی دو رکعتوں کا فوت ہو جانا تھا، پھر بھی بہر حال آپ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں ایک مرتبہ پڑھ لی تو اب ساری عمر اس عمل کو پسند فرمایا۔

لیکن یہ عمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جاری رکھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس کا پتہ نہیں چل سکا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا ان کا منشا یہ تھا کہ ان دو رکعتوں کی اصل بنیاد کس طرح قائم ہوئی اس کا علم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہے ان سے جا کر پوچھو، لیکن بعد میں مسلسل عصر کے بعد نماز پڑھنا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے اپنے گھر میں تھا۔

اس طرح تمام روایات اپنی اپنی جگہ پر درست ہو جاتی ہیں۔ بہر صورت یہ بات متفق علیہ ہے کہ اب کسی آدمی کے لئے عصر کے فرائض کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون نہیں اور مشروع نہیں۔

---

[۷] صحیح البخاری، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوها، رقم: ۵۹۳، ۵۹۲، ۵۹۱

۴۳۷۱ ـ حدثني عبدالله بن محمد الجعفي: حدثنا أبو عامر عبدالملك: حدثنا إبراهيم هو ابن طهمان، عن أبي جمرة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أول جمعة جمعت بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ في مسجد عبدالقيس بجواثى. يعني قرية من البحرين. [راجع: ۸۹۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ہونے کے بعد سب سے پہلے جہاں جمعہ کی نماز ادا کی گئی، وہ جواثی میں بنو عبدالقیس کی مسجد ہے، جواثی بحرین میں ایک جگہ کا نام ہے۔

تشریح

سب سے پہلا جمعہ حضور ﷺ کی مسجد میں قائم ہونے کے بعد جس جگہ ہوا وہ عبدالقیس کی مسجد میں ہوا۔
شہر اور دیہات میں جمعہ کی نماز قائم ہونے پر مفصل بحث کتاب الجمعہ میں گزری ہے۔ [۸]

[۸] مکمل تفصیل ودلائل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، ج: ۴، ص: ۶۵-۷۷

(۷۱) باب وفد بني حنيفة، وحديث ثمامة بن أثال

وفد بنوحنیفہ اور ثمامہ بن اثال کے قصہ کا بیان

۴۳۷۲ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثني سعید بن أبي سعید أنه سمع أبا هريرة ﷺ قال: بعث النبي ﷺ خيلا قبل نجد فجاء ت برجل من بني حنيفة يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد فخرج إليه النبي ﷺ فقال: ((ماذا عندک يا ثمامة؟)) فقال: عندي خير يا محمد، إن تقتلني تقتل ذا دم، وإن تنعم تنعم على شاكر، وإن كنت تريد المال فسل منه ما شئت فترک حتى كان الغد. ثم قال له: ((ما عندک يا ثمامة؟)) فقال: ما قلت لک، إن تنعم تنعم على شاكر، فتركه حتى كان بعد الغد، فقال: ((ماذا عندک يا ثمامة؟)) فقال: عندي ما قلت لک. فقال: ((أطلقوا ثمامة))، فانطلق إلى نخل قريب من المسجد، فاغتسل ثم دخل المسجد فقال: اشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا رسو ل الله. يا محمد! والله ما كان على الأرض وجة ابغض إلي من وجهک، فقد اصبح وجهک أحب الوجوه إلي. والله ما كان من دين ابغض إلي من دينک فاصبح دينک أحب الدين إلي. والله ما كان من بلد أبغض إلي من بلدک فاصبح بلدک أحب البلاد إلي. وإن خيلک أخذتني وأنا أريد العمرة، فماذا ترى؟ فبشره النبي ﷺ وأمره أن يعتمر. فلما قدم مكة قال له قائل: صبوت؟ قال: لا والله ولكن أسلمت مع محمد رسول الله ﷺ ولا والله لا يأتيكم من اليمامة حبة حنطة حتى يأذن فيها النبي ﷺ. [راجع: ۴۶۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سواروں کو بھیجا، وہ بنی حنیفہ کے آدمی ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے، اور مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ اسے باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ثمامہ کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد! میرا خیال بہتر ہے، اگر آپ مجھے قتل کردیں گے تو ایک خونی کو قتل کریں گے، اور اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا دل چاہے مانگ لیجئے، حتی کہ دوسرا دن ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کیا خیال ہے اے ثمامہ؟ اس نے کہا میرا وہی خیال ہے جو میں آپ سے کہہ چکا کہ اگر آپ احسان کریں

گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے، آپ ﷺ نے اسے اسی حال پر چھوڑ دیا، حتیٰ کہ تیسرا دن ہوا۔ **پھر آپ** ﷺ نے پوچھا کیا خیال ہے اے ثمامہ؟ اس نے کہا میرا وہی خیال ہے جو میں آپ سے کہہ چکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو رہا کر دو۔ چنانچہ ثمامہ نے مسجد کے قریب ایک باغ میں جا کر غسل کیا پھر مسجد میں آ کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم اے محمد! روئے زمین پر آپ سے زیادہ بغض مجھے کسی سے نہیں تھا، مگر اب آپ سے زیادہ محبوب مجھے روئے زمین پر کوئی نہیں۔ اللہ کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ دشمنی مجھے کسی دین سے نہیں تھی، مگر اب آپ کے دین سے زیادہ محبت مجھے کسی دین سے نہیں۔ اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند مجھے کوئی شہر نہیں تھا، مگر اب آپ کے شہر سے زیادہ پسندیدہ کوئی شہر نہیں۔ آپ کے سواروں نے مجھے اس وقت پکڑا جب میں عمرہ کے ارادہ سے جا رہا تھا، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ مکہ آئے تو ان سے کسی نے کہا تو بے دین ہو گیا ہے، انہوں نے جواب دیا اللہ کی قسم! نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہوا ہوں، اور اللہ کی قسم! تمہارے پاس نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

اس روایت میں حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سواروں کو روانہ فرمایا، وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو گرفتار کر کے لے آئے، جن کا نام ثمامہ بن اثال تھا، اس قیدی کو ان لوگوں نے مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

"فخرج إليه النبي ﷺ فقال: ماذا عندك يا ثمامة؟" آپ ﷺ جب باہر تشریف لائے تو کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے اے ثمامہ؟ مطلب یہ تھا کہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔

"فقال: عندي خير يا محمد، إن تقتلني تقتل ذا دم" تو ثمامہ بن اثال نے کہا کہ میری رائے تو خیر کی ہے اے محمد! اگر آپ قتل کریں تو ٹھیک ہے قتل کریں، قتل کسی ایسے شخص کو ہی کریں گے جو خون والا ہے۔

مطلب یہ کہ میں صاحب حسب ونسب ہوں اور صاحب حسب نسب ہونے کی حیثیت سے اگر آپ قتل کرنا چاہے تو کریں، جیسے آدمی صاحب حسب ونسب شخص کو قتل کر کے فخر کر سکتا ہے ویسے آپ بھی مجھے قتل کر کے فخر کر سکتے ہیں کیونکہ کہ میں بھی حسب ونسب والا ہوں۔

بعض لوگوں نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ میں ایسا لاوارث نہیں ہوں کہ اگر آپ نے مجھے قتل کیا تو

ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کے خون کا بدلہ لینے والے بہت ہیں۔

یعنی ایک طرح سے دھمکی بھی ہے کہ ایسے شخص کو قتل کریں گے کہ ایسا نہیں لاوارث قتل ہو گیا، بلکہ اس کے خون کا بدلہ لینے والے بہت ہیں، یہ دونوں تفسیریں کی گئی۔ [۹]

"وإن تنعم تنعم علی شاکر" اور اگر آپ انعام کریں، احسان کریں یعنی چھوڑ دیں تو انعام کریں گے ایک ایسے شخص پر جو شکر کرنے والا ہوگا، ناقدر نہیں ہوگا ناشکرا نہیں ہوگا۔

مطلب یہ کہ وہ شکرگزار ہوگا اور آپ کے اس انعام کا قدردان ہوگا۔

"وإن کنت ترید المال فسل منه ما شئت" اور اگر مال چاہئے تو جو چاہے آپ مانگ لیں۔

اہل عرب کی بلاغت اور جرأت

یہ ہے عربوں کی بلاغت کہ تین جملوں میں اپنا استغناء بھی پورا ظاہر کر دیا اور اپنا استغناء ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ جو امکان ہو سکتا تھا اپنی رہائی کا وہ بھی باوقار انداز میں پیش کر دیا۔

ایک تو یہ ہے کہ آدمی منتیں شروع کر دے کہ خدا کے لئے معاف کر دو، یہ نہیں کیا بلکہ اپنا وقار بھی قائم رکھا اور غیرت بھی قائم رکھی اور ساتھ ساتھ اپنی رہائی کے راستے بند بھی نہیں کئے بلکہ اس کے لئے راستہ بھی کھلا چھوڑ دیا۔

"فترک حتی کان الغد" آپ ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا یعنی اسی حالت میں رہنے دیا کہ وہ ستون سے بندھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اگلا دن آگیا۔

"ثم قال له: ما عندک یا ثمامة؟" نبی کریم ﷺ نے اگلے دن دوبارہ پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے اے ثمامہ؟، **"ما قلت لک، إن تنعم تنعم علی شاکر"** تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو وہی ہے جو کل کہا تھا اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکرگزار پر احسان کریں گے۔

اب یا تو اس موقع پر انہوں نے دو جملے حذف کر دیئے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اگرچہ میں نے تینوں اختیار آپ کے پاس چھوڑے ہیں لیکن آپ کے کرم سے امید یہ ہے کہ اس کو آپ زیادہ ترجیح دیں گے۔

---

[۹] وقال النووی: معنی الأول: ان تقتل تقتل ذا دم، ای: صاحب دم لأجل دمه، ومعنی الثانی: ذاذمة، وکذلک وقع فی روایة ابی داود، ورده عیاض: لأنه ینقلب المعنی لأنه اذا کان ذا ذمة یمتنع قتله، فوجهه النووی: بأن المراد بالذمة الحرمة فی قومه. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۳

"فترک حتی کان الغد" تو پھر آپ ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا یعنی اس حالت میں رہنے دیا یہاں تک کہ اگلا دن آ گیا یعنی تیسرا دن آ گیا۔

"فقال: ماذا عندک یا ثمامة؟" پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے اے ثمامہ؟،

"فقال: عندی ما قلت لک" تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو وہی ہے۔

"فقال: أطلقوا ثمامة" آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، ان کو آزاد کر دو۔

"فانطلق إلى نخل قريب من المسجد، فاغتسل" جب ان کو چھوڑ دیا آزاد ہو گئے تو اسی وقت مسجد کے قریب واقع نخلستان میں گئے وہاں غسل کیا، "ثم دخل المسجدفقال: أشهد الخ" اور غسل کرنے کے بعد پھر مسجد نبوی میں داخل ہوئے، اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

جب تک بندھے ہوئے تھے اس وقت تک نہیں کہا کہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ دباؤ میں آ کر ڈر کے مارے اسلام قبول کیا، بلکہ آزاد ہونے کے بعد پہلا کام یہی کیا۔

اور پھر کہا "یا محمدا واللہ ما کان علی الأرض وجہ أبغض إلی من وجھک" اے محمد اللہ کی قسم! اس روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، "فقد أصبح وجھک أحب الوجوہ إلی" اور اب آپ کا چہرہ مبارک مجھے ساری دنیا کے چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔

"واللہ ما کان من دین أبغض إلی من دینک" اللہ کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ دشمنی مجھے کسی دین سے نہیں تھی، "فأصبح دینک أحب الدین إلی" مگر اب آپ کے دین سے زیادہ محبت مجھے کسی دین سے نہیں۔

"واللہ ما کان من بلد أبغض إلی من بلدک" اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند مجھے کوئی شہر نہیں تھا، "فأصبح بلدک أحب البلاد إلی" مگر اب آپ کے شہر سے زیادہ پسندیدہ کوئی شہر نہیں۔

اب اتنا بڑا انقلاب برپا ہو گیا کہ سب سے زیادہ مبغوض جو چیزیں تھیں، وہ محبوب بن گئیں۔

"وإن خیلک أخذتنی وأنا أرید العمرۃ، فماذا تری؟" آپ کے لشکر نے مجھے اس حالت میں پکڑا تھا کہ میں عمرہ کو جا رہا تھا، اب آپ کی رائے کیا ہے آپ اگر حکم دیں تو عمرہ کو جاؤں اور عمرہ پورا کروں؟

"فبشرہ النبی ﷺ وأمرہ أن یعتمر" آپ ﷺ نے ان کو خوشخبری دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

"فلما قدم مکۃ قال لہ قائل: صبوت؟" جب ثمامہ بن أثال رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو کسی کہنے والے نے کہا ارے تم صابی ہو گئے ہو؟ یعنی بے دین ہو گئے ہو؟

"قال: لا واللہ ولکن أسلمت مع محمد رسول اللہ ﷺ" انہوں نے جواب دیا اللہ کی قسم

نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے اور مسلمان ہوا ہوں، **"ولا واللہ لا یأتیکم من الیمامة حبة حنطة حتی یأذن فیها النبی ﷺ"** اور اللہ کی قسم! اب یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی اس وقت تک تمہارے پاس نہیں آئے گا جب تک کہ نبی کریم ﷺ اجازت نہ دیں گے۔

اس واسطے کہ مکہ مکرمہ میں سارا گندم، وغیرہ یمامہ سے آیا کرتا تھا چنانچہ یہی ہوا، یہ یمامہ چلے گئے اور گندم کی ترسیل انہوں نے بند کردی، اور مکہ میں قحط پڑنے لگا تو حضور ﷺ سے مکہ کے لوگوں نے باقاعدہ رشتہ داری اور قرابت کا حوالہ دے کر یہ کہا کہ آپ تو ہمارے بہترین رشتہ دار ہیں اور آپ سخی ہیں تو کسی طرح سے کہئے کہ ہمارے لئے گندم کی ترسیل کو چھوڑ دیں تو حضور اکرم ﷺ نے اس حالت میں بھی اہل مکہ کی سفارش کی اور ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بھیجا، اس کے بعد انہوں نے گندم ترسیل جاری کی۔ [۱۱]

یہ باب جو چل رہا ہے وہ ہے **"باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة ابن أثال"** اس میں بنو حنیفہ کے وفد کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے اور اسی ضمن میں ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

قبائلِ عرب کے وفود کی حاضری کا سال

یہاں ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ مغازی میں عام طور سے غزوات کا بیان ان کی تاریخی ترتیب سے کرتے چلے آئے ہیں لیکن کسی کسی جگہ کسی معمولی تعلق سے وہ کوئی ایسا واقعہ بھی ذکر کر دیتے ہیں جو اس تاریخی ترتیب کے مطابق نہیں ہوتا۔

اس وقت ابواب کا سیاق چل رہا ہے یہ عام الوفود کا ہے یعنی سن نو ہجری فتح مکہ کے بعد یہ سال ایسا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے پاس عرب کے چاروں اطراف سے مختلف قبائل کے وفود آتے رہے ہیں، کوئی وفد معلومات حاصل کرنے کے لئے آیا، کوئی وفد حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں کچھ دن گذرنے کے لئے آیا، کوئی وفد محض سُن گُن لینے کی غرض سے آیا، مختلف مقاصد کے تحت وفود آتے رہے ہیں۔

اور وجہ اس کی یہ تھی کہ فتح مکہ سے پہلے جو قبائل دور دور تھے تو حضور اقدس ﷺ کے انجام کا انتظار کر رہے تھے کہ اہل مکہ کے ساتھ جو اُن کی لڑائی چل رہی ہے اس میں بالآخر کون فتح یاب ہوتا ہے؟

---

[۱۱] قولہ: ((حتی یأذن فیها النبی ﷺ)) ای: الی یأذن النبی بذلک، قال ابن هشام: ثم خرج الی الیمامة فمنعهم أن یحملوا الی مكة شیئاً، فكتبوا الی النبی ﷺ . انک تأمر بصلة الرحم، فكتب الی ثمامة: أن تخلی بینهم وبین الحمل الیهم. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۴

مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد جب دیکھا کہ حضور ﷺ کا غلبہ اور تسلط مکمل ہو گیا ہے، تو اب قبائل عرب جو اس انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے وہ رفتہ رفتہ حضور ﷺ کی خدمت میں آنا شروع ہوئے۔

بعض نے تو اس لئے آنا شروع کیا کہ اسلام دل میں گھر کر گیا تھا مسلمان ہونے کے لئے آئے۔

بعض اس لئے کہ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے مزید تعلیمات حاصل کرنے آئے۔

بعض وہ تھے جو دیکھنے کے لئے آئے کہ ہم ذرا جا کر مشاہدہ کریں کہ حضور ﷺ کون ہیں؟ کس طرح آپ کی تعلیمات ہیں؟ اور کیا اس کے طریق زندگی ہے؟

مختلف مقاصد کے تحت وفود آئے ہیں اور ان وفود کی تعداد جو اس سال میں آئے ہیں وہ تقریباً ساٹھ ستر ہیں، جن کو اصحاب سیر و مغازی نے بیان کیا ہے۔

اسی واسطے اس سال کو عام الوفود کہا جاتا ہے تو جیسا کہ وفد بنی تمیم، وفد عبدالقیس وغیرہ وغیرہ۔

اس باب میں اصل بنو حنیفہ کے بابت بیان کرنا مقصود تھا اور بنو حنیفہ یمامہ میں آباد تھے، تو اصل مقصود بنو حنیفہ کے وفد کی آمد کا بیان تھا جو کہ اگلی حدیث میں ذکر ہے۔

لیکن چونکہ ثمامہ بن اثال ﷛ کا ذکر آ گیا تھا اور یہ بھی یمامہ ہی کے تھے، آپ ﷺ نے بنو حنیفہ پر حملہ کروایا تھا اور وہاں سے گرفتار ہو کر آئے تھے تو ان کا واقعہ پہلے استطرادا ذکر کر دیا۔

حالانکہ یہ عام الوفود کا واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ فتح مکہ سے بھی پہلے کا واقعہ ہے جیسے کہ اس روایت میں ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ والوں سے جا کر کہا کہ ایک دانہ گندم بھی ہمارے پاس سے تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ اس وقت تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا لہٰذا اس کا یہ محل فی الواقع نہیں تھا لیکن چونکہ بنو حنیفہ کا اور اہل یمامہ کا ذکر تھا اس واسطے تمہید کے طور پر پہلے ان کا واقعہ ذکر کر دیا، اب بنو حنیفہ کے وفد کے سلسلہ میں واقعہ بیان فرمایا، اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی۔

وفد بنو حنیفہ کے ہمراہ مسلیمہ کذاب کی مدینہ آمد

بنو حنیفہ کا قبیلہ یمامہ میں آباد تھا اور یہاں کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے، مسلمان ہونے کے باوجود یہاں پر مدعی نبوت مسلیمہ کذاب کھڑا ہو گیا اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

اس کذاب کا دعویٰ نبوت بھی کچھ اسی قسم کا تھا جیسے موجودہ دور کے مرزا قادیانی کا دعویٰ یعنی یوں تو نہیں کہتا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا کھل کر انکار کر کے ۔العیاذ باللہ۔ یا آپ ﷺ سے ہٹ کر ایک مستقل نبوت کا دعویدار ہو، حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار نہیں کرتا تھا بلکہ فی الجملہ مانتا بھی تھا۔

روایات میں آتا ہے جہاں مسیلمہ کذاب کا غلبہ ہوا تھا تو وہاں اذان بھی دی جاتی تھی اور اس اذان میں "**اشهد ان محمد رسول الله**" بھی کہا جاتا تھا۔

یوں تو اس نے تمام طریقۂ کار عام مسلمانوں جیسے رکھے ہوئے تھے لیکن اس کے دماغ میں یہ فتور تھا کہ میں حضور اقدس ﷺ کا نائب بن جاؤں یعنی آپ ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو میں آپ ﷺ کا خلیفہ بن جاؤں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام ہوئے تو اسی طرح میں بھی بن جاؤں، یہ دماغ میں خلل تھا۔

بنوحنیفہ کے جو مسلمان لوگ تھے جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے خدمت میں وفد بنا کر حاضر ہونا چاہا تاکہ آپ ﷺ سے دین سیکھیں تو مسیلمہ کذاب بھی ان کے ساتھ چلا آیا لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پہنچے تو بنو حنیفہ کے سارے لوگ اپنے اونٹوں سے اتر کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسے کہ حاضر ہونا چاہیے تھا لیکن یہ اپنے کجاوے میں بیٹھا رہا اور یہ کہا کہ جب حضور اقدس ﷺ آئیں گے تو پھر ان سے بات کروں گا۔

جب حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے مناسب سمجھا کہ اس پر اتمام حجت کیا جائے، اگرچہ یہ خود چل کر نہیں آیا متکبرانہ انداز میں وہاں بیٹھا ہوا ہے لیکن بہرحال وہاں جا کر اتمام حجت کر دیا جائے۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو لے کر اس کے پاس تشریف لے گئے، تو اس نے کہا کہ اگر تم مجھ سے یہ معاملہ کر لو کہ آپ کے بعد جو ہے وہ سارے معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا تو بس میں اسلام لانے کو تیار ہوں، مطلب یہ کہ آپ کی اتباع کو تیار ہوں۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی دست مبارک میں چھڑی تھی تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ چھڑی بھی تجھے دینے کو تیار نہیں ہوں اور جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کیا ہوا ہے وہی آخر میں ہوگا اور تو اس سے آگے تجاوز نہیں کر سکے گا، باقی اور بحث مباحث تجھ سے کرنا نہیں چاہتا اور اگر تو اور سوال جواب کرنا چاہتا ہے تو ثابت بن قیس خطیب الأنصار میرے ساتھ ہیں ان سے بات چیت کر لو، یہ کہہ کر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ میں نے خواب دیکھا تھا تو میرا خیال یہ ہے کہ اس خواب کی تعبیر دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تُو ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دو کنگن دیکھے اور اس میں آپ نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری تعبیر یہ تھی کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے ایک تُو ہے اور ایک اسود عنسی ہے۔

یہ واقعہ جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کیا ہے، جبکہ اسود عنسی کے بارے میں اگلا باب قائم کیا ہے۔ اس کی روشنی میں الفاظِ حدیث اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۳۷۳ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن عبدالله بن أبي حسين: حدثنا نافع بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم مسيلمة الكذاب على عهد النبي ﷺ

فجعل يقول: إن جعل لي محمد الأمر من بعده تبعته، وقدمها في بشر كثير من قومه. فأقبل إليه رسول الله ﷺ ومعه ثابت بن قيس بن شماس وفي يد رسول الله ﷺ قطعة جريد حتى وقف على مسيلمة في أصحابه فقال: ((لو سألتني هذه القطعة ما أعطيتكها ولن تعدو أمر الله فيك، ولئن أدبرت ليعقرنك الله، وإني لأراك الذي أريت فيه ما رأيت، وهذا ثابت بن قيس يجيبك عني))، ثم انصرف عنه. [راجع: ۳۶۲۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ مسیلمہ کذاب نبی ﷺ کے زمانے میں (مدینہ) میں آیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد ﷺ اپنے بعد مجھے خلیفہ بنا دیں تو میں ان کا متبع ہو جاؤں، اور مدینہ میں اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کو لے کر آیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس کی طرف چلے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی، حتیٰ کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مسیلمہ کے پاس ٹھہر گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو مجھ سے یہ ٹہنی بھی مانگے گا تو میں تجھے نہ دوں گا اور تیرے بارے میں اللہ کا حکم غلط نہیں ہوسکتا کہ تو دوزخی ہے، اگر تو نے مجھ سے روگردانی کی تو اللہ تجھے ہلاک کر دے گا، اور میں تو تجھے ویسا ہی دیکھ رہا ہوں، جیسا مجھے خواب میں نظر آیا ہے، اور یہ ثابت بن قیس ہیں، جو میری طرف سے تجھے جواب دیں گے۔ پھر آپ ﷺ وہاں سے واپس آ گئے۔

۴۳۷۴ ۔ قال ابن عباس: فسألت عن قول رسول الله ﷺ: ((إنك أرى الذي أريت فيه ما أريت))، فأخبرني أبو هريرة أن رسول الله ﷺ قال: ((بينا أنا نائم رأيت في يدي سوارين من ذهب فأهمني شأنهما، فأوحي إلي في المنام أن انفخهما، فنفختهما فطارا. فأولتهما كذا بين يخرجان بعدي أحدهما العنسي، والآخر مسيلمة)). [راجع: ۳۶۲۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے قول میں تو تجھے ایسا ہی دیکھ رہا ہوں، جیسا مجھے خواب میں نظر آیا ہے، کا مطلب دریافت کیا، تو مجھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دن میں سو رہا تھا کہ میں نے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے ان کی حالت سے رنج ہوا تو خواب میں ہی مجھے وحی کی گئی کہ ان دونوں پر پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ اُڑ گئے۔ میں نے خواب کی تعبیر ان دو کذابوں سے کی، جو میرے بعد ظاہر ہوں گے، ایک عنسی، دوسرے مسیلمہ۔

خواب کی تعبیر

اس روایت میں خواب کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

"بینا أنا نائم رأیت فی یدی سوارین من ذهب" ایک دن میں سورہا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں میں دو کنگن سونے کے دیکھے۔

"فأهمنی شأنهما" تو میرے دل میں اس بات سے بڑا غم ہوا کہ یہ تو عورتوں کا زیور ہے میرے ہاتھ میں کیسے آ گیا؟

"فأوحی إلی فی المنام أن انفخهما" تو خواب میں ہی مجھے وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک مارو، "فنفختهما فطارا" تو میں نے دونوں پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔

"فأولتهما كذابين يخرجان بعدی" میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ دو کذاب ہوں گے جو میرے بعد نکلیں گے، "أحدهما العنسی، والآخر مسيلمة" ان میں ایک عنسی ہوگا اور دوسرا مسیلمہ ہوگا۔

اسود عنسی تو آنحضرت ﷺ کی زندگی مبارک میں ہی قتل ہوا اور دوسرا کذاب یعنی مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں قتل ہوا۔

۴۳۷۵ ـ حدثنی إسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام: أنه سمع أبا هريرة رضی اللہ عنہ يقول: قال رسول الله ﷺ: ((بينا أنا نائم أتيت بخزائن الأرض فوضع فی كفی سواران من ذهب، فكبرا علی، فأوحی إلی أن انفخهما فنفختهما فذهبا، فأولتهما الكذابين اللذين أنا بينهما: صاحب صنعاء، وصاحب اليمامة)). [راجع: ۳۶۲۱]

ترجمہ: ہمام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک دن سورہا تھا کہ مجھے دنیا کے تمام خزانے دے دیئے گئے، پھر میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے، جو مجھ پر شاق گزرے، تو مجھ پر وحی کی گئی کہ ان پر پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ غائب ہوگئے، تو میں نے اس کی تعبیر ان دو کذابوں سے کی جن کے درمیان میں ہوں، یعنی صنعاء والا اور یمامہ والا۔

۴۳۷۶ ـ حدثنا الصلت بن محمد قال: سمعت مهدی بن ميمون قال: سمعت أبا رجاء العطاردی يقول: كنا نعبد الحجر فإذا وجدنا حجرا هو أخير منه ألقيناه وأخذنا الآخر فإذا لم نجد حجرا جمعنا جثوة من تراب ثم جئنا بالشاة فحلبناه عليه ثم طفنا به فإذا دخل شهر رجب قلنا: منصل الأسنة، فلا ندع رمحا فيه حديدة ولا سهما فيه. حديدة إلا نزعناه وألقيناه شهر رجب.

ترجمہ: مہدی بن میمون کہتے ہیں میں نے ابو رجاء عطاردی سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پتھروں کی عبادت کرتے تھے، اگر ہمیں اس سے اچھا پتھر مل جاتا تو ہم پہلے کو پھینک کر وہ اٹھا لیتے، اور اگر ہمیں کوئی پتھر نہ ملتا تو ہم مٹی کا ڈھیر جمع کر کے ایک بکری لاتے اور اس پر اس کا دودھ دھو کر اس کا طواف کرتے، اور جب رجب کا

مہینہ آتا تو ہم کہتے کہ یہ مہینہ تیروں وغیرہ کی انی دور کرنے والا ہے، چنانچہ ہم کسی نیزہ اور تیر کوانی نکالے بغیر نہ چھوڑتے تھے اور اسے ہم رجب کے پورے مہینہ پھینکتے رہتے۔

۴۳۷۷ ۔ وسمعت أبا رجاء يقول: كنت يوم بعث النبی ﷺ غلاما أرعى الإبل على أهلي، فلما سمعنا بخروجه فررنا إلى النار، إلى مسيلمة الكذاب.

ترجمہ: (راوی حدیث مہدی کہتے ہیں) میں نے سنا کہ ابورجاء یہ بھی فرماتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو میں بچہ تھا اور اپنے گھر والوں کے اونٹ چرایا کرتا تھا، جب ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں سنا تو ہم دوزخ یعنی مسیلمہ کذاب کی طرف بھاگے۔

زمانۂ جاہلیت کے احوال

ابورجاء عطاردی رحمہ اللہ کی حدیث نقل کی ہے، یہ مخضرمین میں سے ہے یعنی حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پایا ہے، مسلمان بھی ہو گئے تھے لیکن حضور ﷺ کی زیارت نصیب نہ ہوسکی تو وہ اپنا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ [۱۱]

زمانۂ جاہلیت میں کن کن گمراہیوں میں لوگ مبتلاء رہے اس بارے میں فرماتے ہیں کہ **"کنا نعبد الحجر فإذا وجدنا حجرا الخ"** ہم لوگ پتھروں کی پوجا کرتے تھے ایک پتھر کو اپنا معبود بنایا بعد میں کوئی اور خوبصورت پتھر مل گیا تو پہلے والے کو پھینک دیا اور اس کی عبادت شروع کر دی۔

"فإذا لم نجد حجرا جمعنا جثوة من تراب الخ" اور اگر کہیں پتھر نہیں ملتا تو ہم مٹی کا ڈھیر جمع کر کے، ڈھیلے وغیرہ اور بکری کو لا کر اس کا دودھ اس مٹی کے اوپر نکال دیتے، پھر اس کا طواف کرتے، اس کی عبادت شروع کر دیتے تو یہ حرکتیں کرتے تھے۔

"فإذا دخل شهر رجب قلنا: منصل الأسنة" پھر جب رجب کا مہینہ آتا تو ہم کہتے تھے کہ یہ جو مہینہ ہے یہ نیزوں کی انی یعنی دھار یا نوک کو بند کرنے والا مہینہ ہے۔

"نصل" پھل کو کہتے ہیں، تلوار کا ہو یا نیزے کا یا نیزکا ہو جو پھل ہوتا ہے یعنی جس طرف دھار ہوتی ہے اس کو **"نصل"** کہتے ہیں، یہ معنی ہے کہ کسی ہتھیار کی دھار سیدھی کرنا، نکالنا تاکہ اس کے ذریعہ کسی کو قتل کیا جائے اور اسی کو جب باب افعال میں لے جائیں۔

---

[۱۱] أبو رجاء -ضد الخوف- عمران بن ملحان العطاردی، بالضم: نسبة الى عطارد بطن من تميم، اسلم زمن النبی ﷺ، ولم يره. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۳٦

"النصل" تو سلب ماخذ ہے یعنی دھار کو اندر کر لینا، چھپا لینا، غلاف میں ڈال دینا، تا کہ اب کسی کو قتل کرنے کو موقع نہ ہو۔ [۳۲]

کہتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو ہم یہ کہتے کہ یہ مہینہ نیزوں کے پھل کو غلاف میں ڈال دینے والا مہینہ ہے، کیا معنی؟ کہ یہ شہر حرام ہے اس میں لڑائی نہیں۔

"فلا ندع رمحا فيه حديدة ولا سهما فيه حديدة إلا نزعناه" تو کہتے ہیں کہ ہم نہیں چھوڑتے کوئی نیزہ جس میں لوہا لگا ہو یا کوئی تیر جس میں کوئی لوہا لگا ہو مگر اس کو ہم نکال لیتے تھے یعنی اس کے پھل کو اس سے نکال کے الگ کر دیتے تھے۔

"وألقيناه شهر رجب" اور اسے ہم رجب کے پورے مہینہ پھینکتے رہتے تھے یعنی رجب کا پورا اسی طرح گذارتے تھے کہ اس میں پھل تلواروں اور نیزوں سے الگ ہوتے تھے۔

تو اس حدیث میں ابورجاء عطاردی رحمہ اللہ نے اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت کا واقعہ بتایا کہ کس طرح کی خرافات میں مبتلاء تھے اہل عرب۔

اب اگلی روایت میں وہی راوی مہدی بن میمون کہتے ہیں کہ ابورجاء عطاردی رحمہ اللہ کو میں نے یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ **"كنت يوم بعث النبي ﷺ غلاما"** جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تو میں ایک لڑکا تھا، **"أرعى الإبل على أهلي"** اپنے گھر والوں کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔

"فلما سمعنا بخروجه فررنا إلى النار، إلى مسيلمة الكذاب" تو جب ہم نے آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ فتح پانے کی خبر سنی تو بجائے اس کے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے آپ کی اتباع کرتے ہم اس وقت جہنم کی طرف بھاگ گئے۔

یعنی مسیلمہ کذاب کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور اس کے متبع بن گئے، حالانکہ وہ ایسا تھا کہ ایک آگ سے نکل کر دوسری آگ میں چلے جانا بعد میں اللہ تعالی نے توفیق عطا فرمائی اور مسیلمہ کذاب سے نجات پا کر اسلام قبول کیا۔

---

[۳۲] يقال انصلت الرمح: اذا نزعت منه سنانه، ونصلته اذا جعلت له نصلاً، وفي رواية الكشميهني وكانوا ينزعون الحديد من السلاح اذا دخل شهر رجب لترك القتال فيه لتعظيمه. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۳۷

(۷۲) باب قصة الأسود العنسي

اسود عنسی کے قصہ کا بیان

۴۳۷۸ ۔ حدثني سعيد بن محمد الجرمي: حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا أبي، عن صالح، عن ابن عبيدة بن نشيط، وكان في موضع آخر اسمه عبدالله: أن عبيد الله بن عبدالله بن عتبة قال: بلغنا قال: بلغنا أن مسيلمة الكذاب قدم المدينة فنزل في دار بنت الحارث. وكانت تحته ابنة الحارث بن كريز وهي أم عبدالله بن عامر، فأتاه رسول الله ﷺ ومعه ثابت بن قيس بن شماس وهو الذي يقال له خطيب رسول الله وفي يد رسول الله ﷺ قضيب، حتى فوقف عليه فكلمه، فقال له مسيلمة: إن شئت خلينا بينك وبين الأمر ثم جعلته لنا بعدك. فقال النبي ﷺ: ((لو سألتني هذا القضيب ما أعطيتكه وإني لأراك الذي أريت فيه ما رأيت، وهذا ثابت بن قيس وسيجيبك عني)). فانصرف النبي ﷺ. [راجع: ۳۶۲۰]

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے بیان کیا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ مسیلمہ کذاب مدینہ آیا اور بنت حارث کے مکان میں ٹھہرا، اس کے نکاح میں حارث بن کریز کی بیٹی اُم عبد اللہ بن عامر تھی، تو آنحضرت ﷺ ثابت بن قیس بن شماس کو، جنہیں رسول اللہ کا خطیب کہا جاتا تھا، ساتھ لئے ہوئے مسیلمہ کے پاس پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ایک ٹہنی تھی، آپ ﷺ نے رُک کر اس سے گفتگو کی تو مسیلمہ نے کہا اگر آپ چاہیں تو آپ ہمارے اور حکومت کے درمیان حائل نہ ہوں، پھر اسے اپنے بعد میرے لئے کر دیجئے۔ تو اس سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تو مجھ سے یہ ٹہنی بھی مانگے گا تو میں تجھے نہ دوں گا، اور میں تو تجھے ویسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے میں نے خواب میں دیکھا ہے، اور یہ ثابت بن قیس ہیں، میری طرف سے تجھے جواب دیں گے۔ پھر آنحضرت ﷺ واپس آگئے۔

۴۳۷۹ ۔ قال عبيد الله بن عبد الله: سألت عبدالله بن عباس عن رؤيا رسول الله ﷺ التي ذكر، فقال ابن عباس: ذكر لي أن النبي ﷺ قال: ((بينا أنا نائم أريت أنه وضع في يدي سواران من ذهب ففظعتهما وكرهتهما، فأذن لي فنفختهما فطارا فأولتهما كذا بين يخرجان)). فقال عبيدالله: أحدهما العنسي الذي قتله فيروز باليمن، والآخر مسيلمة

الکذاب. [راجع: ۳۶۲۱]

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آنحضرت ﷺ کے مذکورہ خواب کے بارے میں پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے ہیں، میں گھبرا گیا اور وہ مجھے بُرے معلوم ہوئے، مجھے حکم ہوا تو میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ دونوں اُڑ گئے، میں نے اس کی تعبیر دو کذابوں سے کی، جو نکلیں گے۔ عبیداللہ نے کہا ایک ان میں سے عنسی تھا، جسے فیروز نے یمن میں قتل کر دیا تھا، اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔

اسود عنسی کا دعویٰ نبوت اور خاتمہ

اسود عنسی یمن کے شہر صنعاء میں ظاہر ہوا تھا اور اس نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا اس کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور چونکہ چہرہ چھپا کر چلتا تھا اس لئے اسود ذوالحمار سے مشہور تھا، نبوت کے دعویٰ کے بعد صنعاء میں حضور اقدس ﷺ کے عامل مہاجر بن ابی امیہ ﷺ پر غالب آ گیا تھا۔ [۱۳]

اور بعض حضرات کے قول مطابق حضور اقدس ﷺ کے عامل باذان تھے، جب باذان کا انتقال ہوا تو اسود عنسی کے مسخر شیطان نے اس کی اطلاع دی۔

اس کے پاس دو مسخر شیطان تھے، ایک کا نام سحیق تھا اور دوسرے کا شقیق تھا، ان ہی شیطانوں میں سے کسی نے اسود کو باذان کے انتقال کی خبر دی تو اس نے اپنی قوم کو ساتھ لیکر صنعاء پر حکومت قائم کر لی اور باذان کی بیوی مرزوبانہ کو گرفتار کر لیا اور گرفتار کر کے شادی کر لی، وہ عاجز تھی اس لئے مجبوراً نکاح کرنا پڑا۔

ایک صاحب فیروز جن کا ذکر اس حدیث کے آخر میں ہے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس سے نجات حاصل ہو تو انہوں نے مرزوبانہ سے رازدارانہ گفتگو کر کے معاملہ طے کیا اور ایک دن مرزوبانہ نے اسود کو خوب شراب پلا کر مست و مدہوش کر دیا۔ چونکہ دروازہ پر ایک ہزار چوکیداروں کا پہرا تھا اس لئے فیروز نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نقب لگایا اور اندر داخل ہو کر اس کا سر قلم کر کے مرزوبانہ کو مع ضروری مال و اسباب باہر نکال لائے۔ اور اس طرح اس کے فتنہ کا خاتمہ ہوا۔

---

[۱۳] وهو الأسود واسمه عبهلة بن كعب وكان يقال له ايضاً ذوالخمار بالخاء المعجمة لأنه كان يخمر وجهه، ويقال هو اسم شيطانه، وكان الأسود قد خرج بصنعاء وادعى النبوة وغلب على عامل صنعاء المهاجر بن ابى امية. فتح البارى، ج:۸، ص:۹۳

لیکن جس دن یہ واقعہ پیش آیا اسی دن نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو اسود عنسی کے قتل ہونے کی یہ خبر جو آئی یہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے وصال کے دن پہنچی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک دن بعد پہنچی، بہر حال یہ بالکل قریب کا واقعہ ہے۔ [۱۴]

منشاء امام بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ حدیث دوبارہ وہی احادیث نقل کی ہیں جن میں مسیلمہ کذاب کا واقعہ ذکر ہے، لیکن اس باب میں یہاں اس کو اسود عنسی کذاب کے واقعہ کا حصہ بنایا ہے۔

اسود عنسی کے سلسلہ میں ان کے شرط کے مطابق یہی حدیث تھی، کیونکہ روایت کے آخر میں اسود عنسی کذاب کے قتل کا ذکر ہے کہ فیروز نے یمن میں اس جھوٹے مدعی نبوت کو قتل کیا۔ [۱۵]

اسی مناسبت سے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب کو قائم کر دیا اور باب میں اس روایت کو ذکر کر دیا۔

سند کے بارے میں تحقیق

صرف شروع کا حصہ ذرا دیکھنے کا ہے کہ اس کی سند پر تھوڑا سا غور کر لیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **"عن ابن عبیدة بن نشیط، وکان فی موضع آخر اسمه عبدالله: أن عبید الله بن عبدالله بن عتبة"** یعنی صالح بن کیسان اس حدیث کو ابن عبیدہ ابن نشیط سے روایت کر رہے ہیں۔

---

[۱۴] ومن قصته ان الأسود کان له شیطانان یقال: لأحدهما: سحیق، والآخر: شقیق، وکانا یخبرانه بکل شیء یحدث من أمور الناس، وکان باذان عامل النبی ﷺ، بصنعاء فمات فجاء شیطان الأسود فاخبره فخرج فی قومه حتی ملک صنعاء وتزوج المرزبانة زوجة بازان، فواعدها راشوبة وفیروز وغیرهما حتی دخلوا علی الأسود وقد سقته المرزبانة الخمر صرفاً حتی سکر، وکان علی بابه ألف حارس، فنقب فیروز ومن معه الجدار حتی دخلوا فقتله فیروز وحز رأسه واخرجوا المرأة وما أحبوا من متاع البیت وأرسلوا الخبر الی المدینة فوافی ذلک عند وفاة النبی ﷺ. قال أبو الأسود عن عروة: أصیب الأسود قبل وفاة النبی بیوم ولیلة، فأتاه الوحی فاخبر به أصحابه، ثم جاء الخبر الی أبی بکر، وقیل وصل الخبر وقد بذلک صبیحة دفن النبی ﷺ. فتح الباری، ج:۸،ص:۹۳،و عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۳۹

[۱۵] لیست فیه قصة العنسی، وانما فیه قصة مسیلمة بطریق الارسال. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۳۸

اب ابن عبیدہ کا نام سن کر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عبیدہ جو مشہور ہے وہ تو موسیٰ بن عبیدہ ہے اور موسیٰ بن عبیدہ نہایت ضعیف راوی ہے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا **"لاتحل الروایۃ"** اس سے روایت کرنا ہی حلال نہیں یعنی جائز نہیں۔ [۷۶]

اب یہاں جب صالح بن کیسان نے کہا عن ابن عبیدہ تو شبہ پیدا ہوا کہ صالح بن کیسان موسیٰ بن ابی عبیدہ سے روایت کررہے ہیں اور وہ تو ضعیف راوی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی شبہ کو زائل کرنے کے لئے فرمایا **"وکان فی موضع آخر اسمہ عبداللہ"** کسی دوسرے مقام پر یہ بات آئی ہے کہ یہ ابن عبیدہ جن کا ذکر صالح بن کیسان نے کیا ہے یہ موسیٰ بن عبیدہ نہیں ہے بلکہ ان کے بھائی عبداللہ ہے اور عبداللہ بن عبیدہ ثقہ ہیں، لہٰذا کسی کو اس روایت کے اوپر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

اب ایسا لگتا ہے کہ جہاں عبداللہ کا نام آیا ہے تو وہ روایت یا تو بخاری کی شرط پر نہیں ہوتی تھی یا اس سے پورا مقصد حاصل نہیں ہوتا کہ جس سے اس سے پورا مقصود حاصل نہیں ہوتا تھا جو یہاں پر روایت کرنے کا ہے، لہٰذا اس سے روایت نہیں کیا بلکہ روایت کیا اور اس میں کہا گیا جمل طور پر لیکن اشکال کو رفع کرنے کے لئے ساتھ میں یہ کہہ دیا **"فی موضع آخر اسمہ عبداللہ"** اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کے تصرفات ہیں۔ [۷۷]

مسیلمہ کذاب کا مدینہ میں قیام

بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ جب مسیلمہ کذاب مدینہ منورہ آیا تو بنت حارث کے گھر جا کر اترا۔

"وکانت تحتہ ابنۃ الحارث بن کریز وھی أم عبداللہ بن عامر" بنت حارث بن کریز اس کی بیوی تھی، جو کہ ام عبداللہ بن عامر کی کنیت سے مشہور تھی۔

---

[۷۶] نا عبد الرحمن أنا إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني فيما كتب إلى قال سمعت أحمد بن حنبل يقول: لا تحل الرواية عندي عن موسى بن عبيدة، قلنا يا أبا عبد الله لا يحل، قال: عندي، قلت فان سفيان وشعبة قد رويا عنه، قال، لو بان لشعبة ما بان لغيره ما روى عنه. الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ج:۸، ص: ۱۵۲

[۷۷] قوله: (وكان في موضع آخر اسمه عبدالله) أراد بهذا أن ينبه على أن المبهم هو عبدالله بن عبيدة لا أخوه موسى، وموسىٰ ضعيف جداً وأخوه عبدالله ثقة، وكان عبدالله أكبر من موسى بثمانين سنة. فتح الباري، ج:۸، ص: ۹۲، عمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۳۸

یعنی مسیلمہ یمامہ کا رہنے والا تھا، لیکن اس کا نکاح بنت حارث بن کریز کا سے ہو گیا تھا، بعد میں طلاق ہو گئی تو پھر بنت حارث مدینہ منورہ آگئی اور اس نے یہاں آکر اپنے چچازاد عبداللہ بن عامر سے نکاح کرلیا۔

یہاں ام عبداللہ سے ام عبداللہ بن عبداللہ بن عامر بن کریز مراد ہے، کیونکہ عبداللہ بن عامر کا بیٹا اس کے ہم نام تھا اور وہ بنت حارث سے پیدا ہوا تھا، اس کے علاوہ بنت حارث سے عبداللہ بن عامر سے دو اور بیٹے ہوئے جن کے نام عبدالرحمٰن اور عبدالملک ہیں۔

بنت حارث کا نام کیسہ بنت حارث کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس ہے۔

بعض لوگوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ یہ مسیلمہ کذاب مدینہ منورہ آکر بنت حارث کے گھر پر اترا اور بنت حارث اس کی بیوی تھی تو مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے سابقہ بیوی کے گھر میں آکر اترا۔

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ بنت حارث سے مراد رملہ بنت حارث بن نعامۃ بن حارث بن زید جو کہ مشہور انصاری صحابی حضرت معاذ بن عفراء ﷜ کی بیوی تھیں، اور ان کا تعلق انصار کے قبیلہ نجار سے تھا۔ ان کو صحابیہ ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ ان کی کنیت اُم ثابت تھی۔

ان کا گھر بڑا وسیع تھا تو حضور ﷺ کے پاس جب وفود باہر سے آتے تھے تو آپ ﷺ اکثر و بیشتر رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر ان کو ٹھہراتے تھے، اس واسطے یہاں جو یہ کہا جارہا ہے کہ بنت حارث کے گھر مسیلمہ آکر ٹھہرا تو یہ مطلب ہے کہ صرف مسیلمہ نہیں بلکہ بنو حنیفہ کا پورا وفد رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرا تھا۔

لیکن چونکہ ان کا نام بھی بنت حارث تھا اور ایک بنت حارث مسیلمہ کی بیوی رہ چکی تھی لہٰذا راوی نے اس مناسبت سے یہ بات بھی ذکر کر دی کہ بنت حارث بن کریز اس کی بیوی تھی، اس بات کی وجہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مدینہ میں اپنی بیوی کے گھر میں آکر رکا۔ [۸۱]

آگے پھر مسیلمہ کذاب کا واقعہ ہے، جیسا کہ پچھلی حدیثوں میں گزرا ہے۔

---

[۸۱] عمدۃ القاری، ج:۸، ص:۳۸، ومقدمۃ فتح الباری، کتاب البیوع الی السلم، ص: ۳۰۹، وفتح الباری، کتاب المغازی، باب: قصۃ الأسود العنسی، رقم: ۴۳۷۸، ج:۱۸، ص:۹۳،۹۲

(۷۳) باب قصة أهل نجران

اہل نجران کے قصہ کا بیان

اس باب میں وفد نجران کا واقعہ ہے۔

نجران یہ بھی معروف شہر ہے جو مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل کے فاصلے پر آباد ہے، آج بھی اسی نام سے معروف ہے اور اس زمانے میں یہاں نصاری زیادہ آباد تھے تو ان کا ایک وفد آیا تھا اس کا واقعہ یہاں پر اس باب میں مذکور ہے۔ [۱۹]

۴۳۸۰ ـ حدثني عباس بن الحسين: حدثنا يحيى بن آدم، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن صلة بن زفر، عن حذيفة قال: جاء العاقب والسيد صاحبا نجران إلى رسول الله ﷺ يريد ان أن يلاعناه، قال: فقال أحدهما لصاحبه: لا تفعل فوالله لئن كان نبيا فلاعنا لا نفلح نحن ولا عقبنا من بعدنا. قالا: إنا نعطيك ما سألتنا وابعث معنا رجلا أمينا ولا تبعث معنا إلا أمينا. فقال: ((لأبعثن معكم رجلا أمينا حق أمين))، فاستشرف له أصحاب رسول الله ﷺ فقال: ((قم يا أبا عبيدة بن الجراح)). فلما قام قال رسول الله ﷺ: ((هذا أمين هذه الأمة)). [راجع: ۳۷۴۵]

ترجمہ: صلہ بن زفر روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ ﷺ نے بیان کیا کہ عاقب اور سید، نجران کے دو سردار رسول اللہ ﷺ کے پاس مباہلہ کرنے کے لئے آئے، کہتے ہیں ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ایسا مت کرنا، اللہ کی قسم! اگر وہ نبی ہوا اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم اور ہمارے بعد ہماری اولاد کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ تو ان دونوں نے کہا کہ آپ ہم سے جو طلب فرمائیں ہم اسے ادا کرتے رہیں گے، اور ہمارے ساتھ ایک امین آدمی کو بھیج دیجئے، خائن کو نہ بھیجیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایسے امین کو بھیجوں گا جو پکا اور سچا امین ہے، اصحاب رسول منتظر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو عبیدہ بن جراح تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اس امت کے امین ہیں۔

---

[۱۹] وهو بلد كبير على سبع مراحل من مكة الى جهة اليمن، يشتمل على ثلاث وسبعين قرية مسيرة يوم للراكب السريع، وكان نجران منزلاً للنصارى، وكان أهله أهل كتاب. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۹

مباہلہ کی تعریف

لغوی تعریف مباہلہ ماخوذ ہے "بَہْل" یا "بَہلة" سے جس کے معنی لعنت اور پھٹکار کے ہیں از باب فتح یفتح لعنت کرنا، ایک دوسرے پر لعنت پھٹکار کرنا۔

اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی امر کے حق و باطل میں فریقین کے اندر اختلاف ونزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو پھر دونوں فریق اپنے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ اللہ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا کا قہر نازل ہو، ہلاکت ولعنت نازل ہو۔ [۳۰]

۴۳۸۱ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا محمد بن جعفر: حدثنا شعبة قال: سمعت أبا إسحاق، عن صلة بن زفر، عن حذيفة ﷺ قال: جاء أهل نجران إلى النبي ﷺ فقالوا: ابعث لنا رجلا أمينا، فقال: ((لأبعثن إليكم رجلا أمينا حق أمين)). فاستشرف له الناس فبعث أبا عبيدة بن الجراح. [راجع: ۳۷۴۵]

ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ نے بیان کیا کہ اہل نجران نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کہا کہ ہمارے لئے ایک امین آدمی بھیج دیجئے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ پکے اور سچے امین کو بھیجوں گا۔ تو لوگ منتظر رہے کہ کس کو وہاں بھیجتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ابو عبیدہ بن جراح ﷺ کو بھیج دیا۔

۴۳۸۲ - حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة عن خالد، عن أبي قلابة، عن أنس، عن النبي ﷺ قال: ((لكل أمة أمين، وأمين هذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح)). [راجع: ۳۷۴۴]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔

نبی کریم ﷺ اور اہل نجران کے درمیان مکالمہ

حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں نجران کے دو سردار عاقب اور سید تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور چاہتے تھے کہ حضور ﷺ سے مباہلہ کریں۔

---

[۳۰] والمباهلة أن يجتمع قوم اذا اختلفوا في شئ فيقولون: لعنة الله على الظالم. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۴۰

واقعہ یوں ہے جو دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شروع میں اہل نجران آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور عیسائی عقائد میں جو خرابیاں تھیں وہ واضح فرمائیں، مکالمہ ومناظرہ ہوا، بعد میں باوجود دلائل واضح ہونے کے اسلام لانے پر آمادہ نہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ کی خود پیش کش کی کہ آؤ مباہلہ کریں۔ [۲۱]

اس کے بعد یہ ہوا کہ اب ان میں سے کچھ لوگ یہ ارادہ کر رہے تھے کہ حضور ﷺ کے ساتھ مباہلہ کریں۔

"لا تفعل فو اللہ لئن کان نبیا فلاعنا" ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ کام ہرگز نہ کرنا، اللہ کی قسم! اگر یہ واقعی نبی ہیں اور ہم نے مباہلہ کرلیا، کیونکہ کسی قوم نے کبھی کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر ہلاک ہوئے۔

"لا نفلح نحن ولا عقبنا من بعدنا" مباہلہ کر کے نہ ہم فلاح پائیں گے اور نہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں فلاح پائیں گی، اس لئے خود کو ہلاکت میں مت ڈالو، یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔

لہٰذا جان چھڑانے کے لئے اور اپنے دین پر قائم رہنے کے لئے کچھ اور ہی طریقہ اختیار کرو یعنی صلح کا راستہ اختیار کرو، اب انہوں نے دوسری پیش کش یہ کی **"إنا نعطیک ما سألتنا"** جو کچھ آپ مانگیں گے ہم دیں گے۔

یعنی ہوتا یہ تھا کہ جو کافر بستیاں ہیں ان پر پہلے اسلام پیش کیا جاتا تھا اسلام کے بعد دوسری چیز جزیہ ہوتی تھی کہ وہ جزیہ ادا کریں تو انہوں نے سوچا کہ ہم اسلام تو لائے نہیں اور مسلمانوں سے لڑائی لڑنا بھی مشکل، لہٰذا پیسے خرچ کرو، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان کی یہ صلح قبول فرمالی اور ان کے ذمہ جزیہ سالانہ دو ہزار حلہ لازم کردیا، ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درھم کے برابر ہے۔ اسی طرح بعض اور دوسری شرائط بھی عہد میں تحریر کی گئیں۔ اور یہی نجران کے نصاریٰ کا وفد ہے جس کے آنے کے موقع پر سورۂ آل عمران کی کافی آیتیں نازل ہوئیں۔

اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

"وابعث معنا رجلا أمینا ولا تبعث معنا إلا أمینا" تو انہوں نے کہا اب آپ ہمارے ساتھ کسی امانت دار آدمی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم اس کو مال کی ادائیگی کردیں۔

---

[۲۱] وقال رسول اللہ ﷺ: ان انکرتم ماأقول لکم فهلم بأهلكم فانصرفوا على ذلك. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۴۰

"**فقال: لأبعثن معكم رجلا أمينا حق أمين**" آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایسا امانت دار بھیجوں گا کہ جو صحیح معنی میں امین ہو، صحیح معنی میں امین ہو، دو مرتبہ یوں فرمایا، "**فاستشرف له أصحاب رسول الله ﷺ**" جب آپ ﷺ نے ایسے یہ فرمایا تو اب صحابۂ کرام ﷺ کو انتظار لگ گیا کہ اب یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے کہ جس کے بارے میں آپ ﷺ نے دو مرتبہ امین ہونے کی گواہی دی۔

"**قم یا أبا عبیدة بن الجراح**" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوعبیدہ بن جراح! تم کھڑے ہو جاؤ۔

"**فلما قام قال رسول الله ﷺ: هذا أمين هذه الأمة**" اور پھر جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں۔

اس وقت سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کا لقب "**امین الامة**" مشہور ہوا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کا تعارف

حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ آپ ﷺ کے اُن جلیل القدر صحابۂ کرام ﷺ میں سے ہیں جن کی ذات گرامی اُس دور کے تمام اعلیٰ فضائل ومناقب کا مجموعہ تھی۔ آپ سابقین اوّلین میں سے ہیں، اور اس وقت ایمان لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ آپ اُن دس خوش نصیب صحابۂ کرام ﷺ میں سے ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، اور جن کو خود سرکارِ رسالت مآب ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

آپ کا شمار ان صحابہ کرام ﷺ میں بھی ہے جن کو دو بار ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی، پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوسری بار مدینہ کی طرف۔ آپ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں ہمیشہ نہ صرف شامل رہے، بلکہ ہر موقع پر اپنی جانبازی، عشقِ رسول اور اطاعت واتباع کے انمٹ نقش قائم فرمائے۔

کفر واسلام کی کشمکش: بیٹے کے ہاتھوں باپ کا قتل

غزوۂ بدر کے موقع پر ان کے والد کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے، اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے (حضرت ابوعبیدہ ﷺ) کو نہ صرف تلاش کرتے تھے، بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ان سے آمنا سامنا ہو جائے، حضرت ابوعبیدہ ﷺ اگرچہ اپنے والد کے کفر سے بیزار تھے۔ لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اُن پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے، اس لئے جب کبھی وہ سامنے آکر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے، لیکن باپ نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا، اور بالآخر انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا، اور جب مقابلہ سر پر آ ہی گیا تو اللہ تعالیٰ سے جو رشتہ قائم تھا، اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا، باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی، اور ایمان کفر

پر غالب آگیا، باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ ۲۲

غزوۂ اُحد کے موقع پر کفار کے ناگہانی ہلّے میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے مغفر (خود) کے دو حلقے آپ ﷺ کے رُخسار مبارک کے اندر گھس گئے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا، یہاں تک کہ اس کشمکش میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ دانت گر جانے سے چہرے کی خوشنمائی میں فرق آجانا چاہئے تھا، لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان دانتوں کے گرنے سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کے بجائے مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ ۲۳

مقرب ومحبوب صحابیِ رسول ﷺ

جیسا کہ اس باب میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے صحابہ میں سے زیادہ کون محبوب تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابوبکر، پوچھا گیا کہ ان کے بعد کون؟ فرمایا عمر، پھر پوچھا گیا کہ ان کے بعد کون؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کہ ابوعبیدہ بن جراح۔ ۲۴

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ مرسلاً روایت بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ **"مامنکم أحد الالوشئت لأخذت علیه بعض خلقه، الاأباعبیدة."**

تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ میں چاہوں تو اس کے اخلاق میں کسی نہ کسی بات کو میں قابلِ اعتراض قرار دے سکتا ہوں، سوائے ابوعبیدہ کے۔ ۲۵

کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں آپ کا مقام

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتماع ہوا اور خلافت کی

۲۲، ۲۳ الاصابة فی تمییز الصحابة للحافظ ابن حجر، ج:۳، ص: ۴۷۵، ۴۷۶، وطبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۳۱۳

۲۴ جامع الترمذی، ابواب المناقب، رقم: ۳۶۵۷، وسنن ابن ماجه، مقدمه، رقم: ۱۰۲

۲۵ مستدرک الحاکم، رقم: ۵۱۵۷، ج:۳، ص: ۲۹۸، والاصابة فی تمییز الصحابة، ج:۳، ص: ۴۷۷

بات چلی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کے لئے دو نام پیش کئے، ایک حضرت عمرؓ کا اور دوسرا حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کا، لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں کسی اور پر اتفاق ہونے کا سوال ہی نہیں تھا، مسلمان آپ پر ہی متفق ہوئے، لیکن اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے حضرت ابوعبیدہؓ کا نام پیش کئے جانا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کی نگاہ میں آپ کا مقام ومرتبہ کیا تھا!! ۲۷

حضرت عمرؓ آپ کے اتنے قدر دان تھے کہ ایک مرتبہ جب اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کا سوال آیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ابوعبیدہ کی زندگی میں میرا وقت آگیا تو مجھے کسی سے مشورے کی ضرورت بھی نہیں، میں ان کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے نامزد کر جاؤں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے اس نامزدگی کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں عرض کرسکوں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔ ۲۸

فاتحِ شام ابوعبیدہ بن جراحؓ

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں شام کی مہمات حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ہی کے سپرد فرمائی تھیں، چنانچہ اردن اور شام کا بیشتر علاقہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں پر فتح ہوا۔

درمیان میں جب جنگ یرموک کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو عراق سے شام بھیجا تو اس وقت حضرت خالدؓ کو شام کی مہمات کا امیر بنادیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت کے آغاز میں ہی حضرت خالدؓ کو امارت سے معزول کرکے آپ کو امیر بنادیا۔ اور پھر سارا شام حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی سرکردگی میں فتح ہوا اور خالد بن ولیدؓ آپ کی ماتحتی میں شریکِ جہاد رہے، ملک شام کے فتح ہونے کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے گورنر کے فرائض انجام دئے۔ ۲۹

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں نے جب دمشق کا محاصرہ کیا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے اپنی چوکی باب الجابیہ کے سامنے قائم فرمائی تھی، حضرت خالد بن ولیدؓ اس کے مقابل دمشق کے ''الباب الشرقی'' کے سامنے فروکش تھے۔

---

۲۷ سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۷

۲۸ مسند احمد، ج:۱، ص:۱۸، ومستدرک للحاکم، رقم:۵۱۵۶، ج:۳، ص:۲۹۷

۲۹ البدایة والنهایة، ج:۷، ص:۲۰، و سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۱۲

محاصرہ کئی مہینے جاری رہا، مصالحت کی گفتگو بھی کئی بار چلی اور ناکام ہوئی، بالآخر حضرت خالد بن ولید ﷛ نے مشرقی جانب سے یلغار کی اور شہر میں داخل ہو گئے، حضرت ابو عبیدہ ﷛ کو حضرت خالد بن ولید ﷛ کا پتا نہ چل سکا، اور باب الجابیہ کے لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ ﷛ سے مصالحت کر کے یہ دروازہ حضرت ابو عبیدہ ﷛ کے لئے کھول دیا، اور حضرت ابو عبیدہ ﷛ اسی دروازے سے صلح کی بنیاد پر شہر میں داخل ہوئے۔

اُدھر حضرت خالد بن ولید ﷛ بزورِ شمشیر آگے بڑھ رہے تھے اور اِدھر حضرت ابو عبیدہ ﷛ پُر امن طور پر تشریف لا رہے تھے، شہر کے بیچوں بیچ دونوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں شہر کا نصف حصہ تلوار سے فتح کیا ہے، لہٰذا اس شہر کے لوگوں کے ساتھ مفتوحہ شہروں کا سلوک ہونا چاہئے۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ ﷛ نے فرمایا کہ کہ میں نے صلح کی بنیاد پر اہلِ شہر کو امان دے چکا ہوں اور جب آدھا شہر صلحاً فتح ہوا ہے تو ہمیں پورے شہر کے ساتھ مصالحت کا سلوک کرنا چاہئے۔

چنانچہ صحابۂ کرام ﷛ نے باتفاق یہی فیصلہ فرمایا کہ ہمارا مقصد خونریزی نہیں، اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہے، اس لئے ہم شہر کو صلح سے حاصل شدہ شہر تصور کریں گے۔ [۳۰]

زہد و تقویٰ کے داعی

جب حضرت ابو عبیدہ ﷛ شام کے گورنر تھے تو اسی زمانے میں حضرت عمر ﷛ شام کے دورے پر تشریف لائے، ایک دن حضرت عمر ﷛ نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے گھر لئے چلئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح ﷛ نے جواب دیا کہ آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کا سوا کچھ حاصل نہ ہو؟

لیکن جب حضرت عمر ﷛ نے اصرار فرمایا تو حضرت عمر ﷛ کو اپنے گھر لے گئے، حضرت عمر ﷛ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا، حضرت عمر ﷛ نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک نمدہ، ایک پیالہ اور ایک مشکیزہ نظر آ رہا ہے، آپ امیرِ شام ہیں آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ ﷛ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اُٹھا لائے۔

---

[۳۰] تاریخ ابن عساکر، ج: ۱، ص: ۱۴۸، و سفرنامہ "جہانِ دیدہ"، ص: ۲۸۲

حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو رو پڑے، حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا اثاثہ ہی کافی ہے جو اُسے اپنی خوابگاہ (قبر) تک پہنچادے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابوعبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا، مگر تمہیں نہیں بدل سکی۔ [۳۱]

اللہ اکبر! وہ ابوعبیدہؓ! جس کے نام سے قیصرِ روم کی عظیم طاقت لرزہ براندام تھی، جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہورہے تھے اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے خزانے ڈھیر ہوتے تھے، وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ دُنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے اتنا ذلیل و رسوا کسی نے کیا تو وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی جاں نثار صحابہ تھے۔

شان آنکھوں میں نہ جچتی جہاں داروں کی

حضرت ابوعبیدہؓ اُن خوش نصیب حضرات میں سے تھے جو نبی صادق و مصدوق ﷺ کی زبانِ مبارک سے اپنے جنت میں جانے کی بشارت سن چکے تھے اور آنحضرت ﷺ کی کسی خبر پر ادنیٰ تردد کا بھی ان کے یہاں کوئی سوال نہ تھا۔ اس کے باوجود خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات فرماتے تھے کہ

وددت انی کنت کبشا، فذبحنی أهلی، فیأکلون لحمی، ویحسون مرقی" [۳۲]

کاش میں ایک مینڈھا ہوتا، میرے گھر والے مجھے ذبح کرکے میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے۔

طاعون سے نصیبِ شہادت

جب اردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

"سلام علیک، أما بعد! فانه قد عرضت لی الیک حاجة

---

[۳۱] الزهد لأحمد بن حنبل، رقم: ۱۰۲۹، ج: ۱، ص: ۱۵۱، والاصابة فی تمییز الصحابة للحافظ ابن حجر، ج: ۳، ص: ۴۷۸، وسیر أعلام النبلاء، ج: ۳، ص: ۱۳، وحلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج: ۱، ص: ۱۰۲، ومصنف عبدالرزاق، رقم: ۲۰۶۲۸

[۳۲] الزهد لأحمد بن حنبل، رقم: ۱۰۲۸، ج: ۱، ص: ۱۵۱، و سیر اعلام النبلاء، ج: ۱، ص: ۱۸، و طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۳۱۵

أريد أن أشافهک بها فعزمت عليک اذا نظرت في
كتابي هذا أن لا تضعه من يدک حتى تقبل اليّ.‘‘

سلام کے بعد! مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں
آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہذا میں پوری تاکید کے ساتھ
آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی میرا یہ خط دیکھیں تو اُسے اپنے ہاتھ سے
رکھتے ہی روانہ ہوجائیں۔

حضرت ابوعبیدہ ﷛ اطاعتِ امیر کے سارے زندگی پابند رہے، لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے حضرت عمر ﷛ کی یہ شدید ضرورت (جس کے لئے مجھے مدینہ بلایا ہے) صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں، چنانچہ یہ خط پڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ

’’عرفت حاجة أمير المؤمنين، انه يريد أن يستبقي من ليس بباق.‘‘

میں امیر المؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔
یہ کہہ کر حضرت عمر ﷛ کو یہ جواب لکھا:

’’يا أمير المؤمنين! اني قد عرفت حاجتک الي، واني في جند من المسلمين لا أجد نفسي رغبة عنهم، فلست أريد فراقهم حتى يقضي الله فيّ وفيهم أمره وقضاؤه فخلفني من عزيمتک يا امير المؤمنين، ودعني في جندي.‘‘

امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بلایا ہے، وہ مجھے
معلوم ہے، لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس
کے لئے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا، لہذا میں ان
لوگوں کو چھوڑ کر اس وقت تک نہیں آنا چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے
اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ فرما دیتا ہے۔
لہذا اے امیر المؤمنین! مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرما دیجئے
اور اپنے لشکر میں ہی رہنے دیجئے۔

حضرت عمر ﷛ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے، جو لوگ پاس بیٹھے تھے، وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے، حضرت عمر ﷛ کو آبدیدہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا کہ کیا ابوعبیدہ ﷛ کی وفات ہوگئی؟ حضرت عمر ﷛

نے فرمایا کہ ہوئی تو نہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط لکھا:

"سلام علیک، اما بعد! فانک أنزلت الناس أرضاً عمیقة فارفعهم الی ارض مرتفعة نزهة."

سلام کے بعد! آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے، جو نشیب میں ہیں، انہیں کسی بلند جگہ لے جائے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ خط ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ امیر المؤمنین کا یہ خط آیا ہے، اب آپ ایسی جگہ تلاش کیجئے جہاں لیجا کر لشکر کو ٹھہرایا جا سکے، میں جگہ کی تلاش کے لئے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلاء ہو چکی ہیں، میں نے واپس آ کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا اس پر انہوں نے خود جگہ کی تلاش میں جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا، ابھی آپ نے اس کی رکاب پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا، اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔** [۳۳]

---

[۳۳] البدایہ والنہایۃ، ج:۷، ص:۱۰۸، وسیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۱۹، ۱۸، ومستدرک للحاکم، ج:۳، ص:۲۶۳، وسفرنامہ "جہان دیدہ"، ص:۱۹۲

(٧۴) باب قصة عمان و البحرين

عمان اور بحرین کے قصہ کا بیان

عمان آج بھی اسی نام سے ہے جس کا دارالحکومت مسقط ہے، اس زمانے میں بھی یہی نام تھا اور یہ یمن کا حصہ سمجھا جاتا تھا اور بحرین کا قصہ یعنی بحرین کی مال غنیمت آنے کا قصہ اس میں روایت نقل کی ہے۔

۴٣٨٣ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا سفيان: سمع ابن المنكدر جابر بن عبدالله رضى الله عنهما يقول: قال لى رسول الله ﷺ: ((لو قد جاء مال البحرين لقد أعطيتک هكذا وهكذا))، ثلاثا، فلم يقدم مال البحرين حتى قبض رسول الله ﷺ، فلما قدم على أبى بكر أمر مناديا فنادى: من كان له عند النبي ﷺ دين أو عدة فليأتني. قال جابر: فجئت أبابكر فأخبرته أن النبي ﷺ قال: ((لو جاء مال البحرين أعطيتک هكذا وهكذا))، ثلاثا. قال: فأعطاني. قال جابر: فلقيت أبابكر بعد ذلک فسألته فلم يعطني، ثم أتيته فلم يعطني، ثم أتيته الثالثة فلم يعطني، فقلت له: قد أتيتک فلم تعطني، ثم أتيتک فلم تعطني، ثم أتيتک فلم تعطني. فإما أن تعطيني وإما أن تبخل عني، فقال: أقلت: تبخل عني؟ وأى داء أدوأ من البخل؟ قالها ثلاثا، ما منعتک من مرة إلا وأنا أريد أن أعطيک.

وعن عمرو، عن محمد بن علي: سمعت جابر بن عبدالله يقول: جئته فقال لى أبو بكر: عدها فعددتها فوجدتها خمسمائة، فقال: خذ مثلها، مرتين. [راجع: ٢٢٩٦]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بحرین سے مال آیا تو میں تجھے اس طرح اس طرح دوں گا یعنی تین مرتبہ دوں گا، آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں وہاں سے مال نہ آسکا، جب وہ مال ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو ان کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ اگر نبی ﷺ کے پاس کسی کا قرض ہو، یا آپ ﷺ نے کسی سے کچھ وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آجائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے مال آیا تو میں تجھے ایسے ایسے دوں گا، یعنی تین مرتبہ دوں گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے مال دے دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر مال مانگا، تو انہوں نے نہ دیا، میں پھر آیا، تو بھی نہ دیا، میں تیسری مرتبہ پھر آیا تب بھی کچھ نہ دیا تو میں نے کہا میں آپ کے پاس آیا مگر

آپ نے کچھ نہ دیا، پھر دوبارہ آیا، پھر بھی نہ دیا، پھر تیسری مرتبہ آیا، پھر بھی نہ دیا۔ لہٰذا یا تو مجھے مال دیجئے، ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے بخل کر رہے ہیں۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے کہا کہ مجھ سے بخل کرتے ہیں؟ بھلا بخل سے زیادہ بُری بیماری کون سی ہے، یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جب بھی مال دینے سے منع کیا تو میں یہ چاہتا تھا کہ تمہیں کہیں اور سے دے دوں۔

عمرو سے روایت ہے انہوں نے محمد بن علی سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے کہا اس مال کو شمار کرو، میں نے دیکھا تو پانچ سو تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنے ہی دو مرتبہ اور لے لو۔

حدیث کی تشریح

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا **"لو قد جاء مال البحرين لقد أعطيتک هكذا وهكذا، ثلاثا"** اگر بحرین سے مال آیا تو میں تجھے اس طرح اس طرح دوں گا یعنی صدقہ کا مال جو بحرین سے مقرر کردہ عامل نے لیکر آنا تھا، اگر آ گیا تو تمہیں اتنا مال دوں گا اور اتنا دوں گا، رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ یوں فرمایا۔

"فلم يقدم مال البحرين حتى قبض رسول الله ﷺ الخ" آپ ﷺ کی وفات کے بعد بحرین سے مال یہ آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا اعلان یہ کیا کہ اگر کسی شخص کا نبی کریم ﷺ پر کسی کا کوئی قرضہ ہو یا آپ ﷺ نے اس سے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ میرے پاس آ جائے تا کہ میں اس کا ایفاء کروں یعنی پورا کر دوں۔

"فجئت ابابكر فاخبرته أن النبي ﷺ قال: لو جاء مال الخ" میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے بحرین سے آنے والے جزیہ کے مال کے متعلق مجھ سے یوں تین مرتبہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔

"قال: فاعطاني" یہاں **"اعطانی"** کا لفظ **"وعدنی"** کے معنی میں ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں دوں گا۔

"فلقيت ابابكر بعد ذلک فسالته الخ" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعد میں، میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مانگا تو انہوں نے مجھے نہیں دیا، دوبارہ آیا تو پھر بھی نہیں دیا، تیسری بار پھر آیا تو پھر نہیں دیا۔

"فقلت له: قد أتيتك فلم تعطني، ثم أتيتك الخ" تو پھر میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کے پاس آیا مگر آپ نے کچھ نہ دیا، پھر دوبارہ آیا، پھر بھی نہ دیا، پھر تیسری مرتبہ آیا، پھر بھی نہ دیا۔

"فإما أن تعطيني الخ" لہٰذا یا تو مجھے مال دیجئے، ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے بخل کر رہے ہیں۔

"فقال: أقلت: تبخل عني؟ وأي داء الخ" تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے یہ کہا ہے کہ مجھ سے بخل کرتے ہیں؟ بھلا بخل سے زیادہ بُری بیماری کون سی ہے یعنی بخل سے بڑی بیماری کیا ہے، یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا کہ بخل سے بڑی بیماری کیا ہے۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ **"ما منعتك من مرة إلا وأنا أريد أن أعطيك"** جب بھی میں تمہیں مال دینے سے رُکا تو رُکنے سے مطلب یہ نہیں تھا کہ دینا نہیں چاہتا تھا، میں تو بس کسی مناسب وقت کی تلاش میں تھا ارادہ اُس وقت بھی دینے کا تھا یعنی میں میرا ٹالنا اور نہ دینا بخل کی وجہ سے نہ تھا بلکہ میرا ارادہ خمس میں سے دینے کا تھا، جو خاص خلیفۃ المسلمین کا حصہ ہے کہ وہ مختار ہیں جسے چاہے دیں۔

"يقول: جئته فقال لي أبو بكر: عدها فعددتها الخ" فرماتے ہیں کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے کہا اس مال کو شمار کرو، میں نے دیکھا تو پانچ سو تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنے ہی دو مرتبہ اور لے لو، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، لہٰذا اس سے تین مرتبہ میں یہ بات پوری ہو جائے گی۔

(۷۵) باب قدوم الأشعرين و اهل اليمن

اشعریوں اور اہل یمن کی آمد کا بیان

وقال أبو موسى عن النبي ﷺ: ((هم منى و انا منهم)).

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں وہ یعنی اشعری لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور اشعریین کی مدینہ منورہ آمد

یہ باب قبیلہ اشعر اور اہل یمن کے لوگوں کے آنے کے متعلق ہے۔

اہل یمن میں ہی اشعریین بھی ہیں، اشعری اہل یمن ہی کا بڑا اور اہم قبیلہ ہے، لہٰذا **۔تعميم بعد التخصيص۔** یعنی اشعرین خاص ہیں اور اہل یمن عام ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی گزرا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مغازی میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ واقعات تاریخی ترتیب کے ساتھ آئیں لیکن بسا اوقات کبھی کبھار ترتیب کے خلاف بھی ہوگیا ہے جیسا کہ یہاں پر ہے۔

اس واسطے کہ اشعریین کی آمد کا جو واقعہ بیان کیا ہے، یہ فتح خیبر کے زمانے کا ہے، جو سن سات ہجری میں ہوا تھا جب کہ یہاں جو واقعات آگے پیچھے چل رہے ہیں وہ عام الوفود کے چل رہے ہیں جو سن نو ہجری کا ہے۔

لیکن چونکہ وفود کا ذکر آرہا ہے تو ان وفود کو بھی ذکر کردیا جو عام الوفود سے پہلے آئے تھے تو ان میں اشعریین کا آنا بھی داخل ہے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

روایات میں اگرچہ تعارض ہے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے آئے تھے اور آکر پھر حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور پھر خیبر کے موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے۔

لیکن تمام روایات کو مدنظر رکھنے کے بعد صحیح واقعہ یہ ہے کہ یہ اصل میں یمن میں رہتے ہوئے ہی مسلمان ہوگئے تھے اور حضور اقدس ﷺ کی زیارت اور ملاقات کے لئے یمن سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ جانے کے لئے بجائے خشکی کے راستے کے، سمندر کا راستے اختیار کیا تاکہ کشتی سے جدہ اتریں اور وہاں سے مکہ مکرمہ جائیں۔

سمندری سفر شاید اس وجہ سے اختیار کیا کہ جو خشکی کا راستہ تھا، وہ بعض اوقات محفوظ نہیں ہوتا تھا، رہزنوں رڈاکوؤں کا خطرہ ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ کفار ومشرکین بھی راستے میں حائل ہوں گے۔ بہر حال

انہوں نے سمندر کا راستہ اختیار کیا۔

اس زمانے میں سمندر میں بادبان کشتیاں ہوتی تھی جو ہوا کے سہارے چلا کرتی تھیں لیکن ہوا نے رخ پھیر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ افریقہ کا ساحل حبشہ ہے، وہاں جا پہنچے بجائے جدہ پہنچنے کے۔

یہ وہ زمانہ ہے جس میں بہت سے صحابۂ کرام ﷺ مکہ مکرمہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور وہیں مقیم ہو گئے تھے تو یہ بھی وہاں جا کر مقیم ہو گئے اور وہاں ان کی حضرت جعفر بن ابو طالب ﷺ سے ملاقات بھی ہوئی، پھر جب سن سات ہجری میں وہاں سے حبشہ کے مہاجرین مدینہ منورہ واپس آئے تو ان کے ساتھ یہ بھی مدینہ منورہ آئے اور غزوۂ خیبر کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۴۳۸۴ ـ حدثني عبد الله بن محمد إسحاق بن نصر قالا: حدثنا يحيى بن آدم: حدثنا ابن أبي زائدة، عن أبي إسحاق، عن الأسود بن يزيد، عن أبي موسى قال: قدمت أنا وأخي من اليمن فمكثنا حينا ما نرى ابن مسعود وأمه إلا من أهل البيت من كثرة دخولهم ولزومهم له. [راجع: ۳۷۶۳]

ترجمہ: ابو موسیٰ ﷺ نے بیان کیا کہ میں اور میرا بھائی یمن سے آئے ہم بہت دنوں تک یہ سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی والدہ اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں بہت آتے جاتے تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی فضیلت

اس روایت میں حضرت ابو موسیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی جب یمن سے آئے تو ہم ایک زمانے تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، اور ہم سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن مسعود اور ان کی والدہ اہل بیت میں سے ہیں، یعنی ہمارا گمان یہ ہوتا تھا کیونکہ یہ ہر وقت نبی کریم ﷺ کے گھر جاتے آتے رہتے تھے اور ہر وقت حضور اقدس ﷺ کے گھر کا لزوم اختیار کیا ہوا تھا، تو اس سے ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ اہل بیت میں سے ہیں.

اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

۴۳۸۵ ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا عبدالسلام، عن أيوب، عن أبي قلابة، عن زهدم قال: لما قدم أبو موسى أكرم هذا الحي من جرم وإنا لجلوس عنده وهو يتغدى دجاجا وفي القوم رجل جالس، فدعاه إلى الغداء، فقال: إني رأيته يأكل شيئا فقذرته، فقال: هلم فإني رأيت النبي ﷺ يأكله، فقال: إني حلفت لا آكله، فقال: هلم أخبرك عن يمينك،

إنا أتينا النبی ﷺ نفر من الأشعريين فاستحملناه فأبى أن يحملنا، فاستحملناه فحلف أن لا يحملنا، ثم لم يلبث النبی ﷺ أن أتى بنهب إبل فأمر لنا بخمس ذود، فلما قبضناها قلنا: تغفلنا النبی ﷺ يمينه لا نفلح بعدها أبدا. فأتيته فقلت: يا رسول الله إنك حلفت أن لا تحملنا وقد حملتنا، قال ((أجل ولكن لا أحلف على يمين فأرى غيرها خيرا منها إلا أتيت الذی هو خير منها)). [راجع: ۳۱۳۳]

ترجمہ: زہدم کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو موسیٰ ؓ آئے تو انہوں نے قبیلہ جرم کا بڑا اعزاز کیا، ہم ان کے پاس بیٹھے تھے، وہ مرغی کھا رہے تھے، لوگوں میں ایک اور آدمی بھی تھا، جسے حضرت ابو موسیٰ ؓ نے کھانے کے لئے بلایا تو اس نے کہا کہ میں نے اس مرغی کو کچھ کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے مجھے اس کے کھانے سے کراہت آتی ہے، حضرت ابو موسیٰ ؓ نے کہا آجاؤ، کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسی مرغی کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے کہا کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ میں نہیں کھاؤں گا، ابو موسیٰ نے کہا آجاؤ کیونکہ تمہاری قسم کے بارے میں میں بتاؤں گا کہ ہم قبیلہ اشعر کے چند لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سواری طلب کی، آپ ﷺ نے منع فرمادیا، ہم نے پھر سواری طلب کی تو آپ ﷺ نے سواری نہ دینے کی قسم کھالی، تھوڑی دیر میں آپ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے اونٹ آئے، تو آپ ﷺ نے ہمیں پانچ اونٹ دیئے جانے کا حکم دیا، جب ہم نے وہ اونٹ لے لئے تو ہم نے کہا آنحضرت ﷺ اپنی قسم کو بھول گئے، ہم کبھی ایسی حالت میں کامیاب نہیں ہوسکتے، تو میں نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں سواری نہ دینے کی قسم کھائی تھی، اور اب آپ نے سواری دیدی، آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں میں اگر کوئی قسم کھالوں اور اس کے خلاف مجھے بھلائی نظر آئے تو میں اس بھلائی کو اختیار کرلیتا ہوں۔

مرغی اور طبعی ذوق

حضرت زہدم بن مطرب جرمی کہتے ہیں **"لما قدم أبو موسى أكرم هذا الحی من جرم"** جب حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ آئے، یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو جب گورنر بن کر بصرہ تشریف لائے، تو انہوں نے اس قبیلہ جرم کے لوگوں کی بڑی عزت کی یعنی انہوں نے اپنے قبیلہ کے جو لوگ تھے ان کا اکرم کیا، **"وإنا لجلوس عنده وهو يتغدى دجاجا"** اور ہم ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے پاس بیٹھے تھے اور وہ مرغی کھا رہے تھے۔

"وفی القوم رجل جالس، فدعاه إلى الغداء" اور ایک شخص جو وہیں پر بیٹھا ہوا تھا تو حضرت

ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے اس شخص کو بلایا کہ آؤ اور ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ، **"فقال: إني رأيته يأكل شيئا فقذرته"** تو اس شخص نے کہا جو مرغی آپ کھا رہے ہیں، میں نے اس کو دیکھا تھا کہ وہ کچھ کھا رہی تھی، کچھ سے مراد ہے کہ کچھ نجاست کھا رہی تھی تو مجھے گھن آتی ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ یہ نجاست کھا رہی تھی، لہٰذا میری طبیعت پر گھن آتی ہے اور میری طبیعت پر برا لگتا ہے، دل نہیں چاہ رہا ہے۔

"فقال: هلم فإني رأيت النبي ﷺ يأكله" تو حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے کہا کہ آ جاؤ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی مرغی کو تناول فرمائی تھی، **"فقال: إني حلفت لا آكله"** تو اس نے کہا کہ میں تو اب قسم کھا بیٹھا ہوں کہ مرغی کبھی نہیں کھاؤں گا یعنی میں نے تو قسم اٹھالی اب میں اس کو کیسے کھا سکتا ہوں، **"فقال: هلم أخبرك عن يمينك"** تو حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے فرمایا کہ آؤ تمہاری قسم کے حوالے سے بھی تمہیں قصہ سناؤں یعنی جو قسم کھالی ہے اس کا کیا کرو گے۔

پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے اپنا قصہ سنایا کہ **"إنا أتينا النبي ﷺ نفر من الأشعريين فاستحملناه"** ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم کچھ لوگ اشعریین میں سے تھے، تو ہم نے آپ ﷺ سے سواری طلب کی یعنی ہم نے کہا کہ حضرت ہمیں بھی کوئی سواری عنایت ہو جائے۔

یہاں پر اصل میں **"نفرا"** ہونا چاہیے تھا یا تو اختصاص کی بناء پر یا **"ان"** کی ضمیر سے بدل ہے، لیکن روایت **"نفر"** ہے تو اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی **"ان اتينا النبي ﷺ ونحن نفر من الاشعرين"**۔

یہ واقعہ تبوک کے غزوہ کا ہے، یہ غزوہ میں جانا چاہتے تھے اور ان کے پاس جہاد میں جانے کے لئے سواری نہیں تھی تو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سواری کا مطالبہ کیا، **"فأبى أن يحملنا"** تو آپ ﷺ نے سواری دینے سے انکار کیا، یعنی نہ ہونے کی وجہ سے انکار فرمایا، **"فاستحملناه فحلف أن لا يحملنا"** تو ہم نے دوبارہ آپ ﷺ سے وہی سوال کیا کہ حضرت دیجئے تو حضور ﷺ نے سواری نہ دینے کی قسم کھالی کہ نہیں دوں گا۔

کفارۂ یمین

تھوڑی دیر میں آپ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے اونٹ آئے، تو آپ ﷺ نے ہمیں پانچ اونٹ دیئے جانے کا حکم دیا، تو ہم نے کہا آنحضرت ﷺ اپنی قسم کو بھول گئے، ہم کبھی ایسی حالت میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

"ثم لم يلبث النبي ﷺ أن أتى بنهب إبل" ابھی کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ اتنے میں حضور اکرم ﷺ کے پاس کچھ اونٹ آ گئے یعنی کچھ مال غنیمت وغیرہ، **"فأمر لنا بخمس ذود، فلما قبضناها"** تو آپ

ﷺ نے ہمیں پانچ اونٹ اس میں سے دیئے جب ہم نے وہ اونٹ لے لئے، **"فلما: تغفلنا النبی ﷺ یمینہ"** تو ہم نے کہا کہ ہم نے حضور ﷺ کو ایک بات بھلا دی یعنی ہم نے حضور اکرم ﷺ سے نسیان کی حالت میں ایک ایسا کام کرالیا کہ نبی کریم ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ میں نہیں سوار کروں گا، **"لا نفلح بعدھا أبدا"** ہم نے ایسی حرکت کی کہ حضور اکرم ﷺ قسم کھا چکے تھے اور پھر ہم نے جا کر لے لئے اور یاد نہیں دلایا کہ آپ ﷺ نے تو قسم کھائی ہوئی ہے، تو اب ہم کبھی فلاح نہیں پاسکتے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھا ایسا معاملہ کیا۔

تو میں نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا **"یارسول اللہ إنک حلفت أن لا تحملنا وقد حملتنا"** اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں سواری نہ دینے کی قسم کھائی تھی، اور اب آپ نے سواری دیدی۔

"قال أجل ولکن لا أحلف علی یمین" آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں کوئی قسم کھالیتا ہوں، **"فأری غیرھا خیرا منھا إلا أتیت الذی ھو خیر منھا"** اور اس کے خلاف مجھے بھلائی نظر آئے تو میں اس بھلائی کو اختیار کرلیتا ہوں یعنی بعد میں رائے ہوتی ہے کہ وہ کام کرلینا چاہیے تو وہ کام کرلیتا ہوں اور یمین کا کفارہ ادا کرلیتا ہوں اور یہی حکم بھی ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ **"کتاب الأیمان"** میں آئے گی۔

یہ واقعہ سنایا کہ دیکھو حضور ﷺ نے کفارہ دے دیا، تو تم نے بھی غلط قسم کھالیا کہ مرغی نہیں کھاؤں گا اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کفارہ ادا کردو اور آؤ کھاؤ۔

۴۳۸۶ ۔ حدثنی عمرو بن علی: حدثنا أبوعاصم: حدثنا سفیان: حدثنا أبو صخرة جامع بن شداد: حدثنا صفوان محرز المازنی قال: حدثنا عمران بن حصین قال: جاء ت بنوتمیم الی رسول اللہ ﷺ فقال: ((أبشروا یابنی تمیم))، فقالوا أما اذ بشرتنا فأعطنا، فتغیر وجه رسول اللہ ﷺ. فجاء ناس من أھل الیمن فقال النبی ﷺ: ((اقبلوا البشری اذ لم یقبلھا بنوتمیم))، قالوا: قد قبلنا یارسول اللہ. [راجع: ۳۱۹۰]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنوتمیم کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے بنوتمیم! بشارت قبول کرو۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ نے بشارت تو دیدی، اب ہمیں کچھ دلوایئے۔ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر اس کا اثر معلوم ہوا، پھر یمن کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنوتمیم نے تو بشارت قبول نہیں کی، لہٰذا تم قبول کرو، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم نے قبول کی۔

۴۳۸۷ ۔ حدثنی عبداللہ بن محمد الجعفی: حدثنا وھب بن جریر: حدثنا شعبة، عن إسماعیل بن أبی خالد، عن قیس بن أبی حازم، عن أبی مسعود: أن النبی ﷺ قال: ((الإیمان ھاھنا – وأشار بیده إلی الیمن – والجفاء وغلظ القلوب فی الفدادین عند أصول أذناب الإبل من حیث یطلع قرنا الشیطان: ربیعة ومضر)). [راجع: ۳۳۰۲]

ترجمہ: قیس بن حازم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابومسعود ﷺ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان یہاں ہے، درشتی اور سخت دلی ان میں ہے جو اونٹوں کی دُموں کے پاس آواز لگاتے ہیں، جہاں سے شیطان کے دوسینگ نکلتے ہیں یعنی ربیعہ اور مضر میں ہے۔

۴۳۸۸ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبی عدی، عن شعبة عن سلیمان، عن ذکوان، عن أبی هریرة ﷺ عن النبی ﷺ قال: ((أتاکم أهل الیمن، هم أرق أفئدة وألین قلوبا، الأیمان یمان والحکمة یمانیة، والفخر والخیلاء فی أصحاب الإبل، والسکینة والوقار فی أهل الغنم)). [راجع: ۳۳۰۱]

وقال غندر، عن شعبة، عن سلیمان، عن ثور بن زید، عن أبی الغیث، عن أبی هریرة عن النبی ﷺ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس یمن والے آئے ہیں، جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں، ایمان یمنی ہے، اور حکمت یمنی ہے، فخر اور تکبر اونٹ والوں میں ہے، سکون اور وقار بکری والوں میں ہے۔

اور غندر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے شعبہ سے روایت کی، اور انہوں نے سلیمان سے، انہوں نے ثور بن زید سے، انہوں نے ابوغیث سے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

۴۳۸۹ ـ حدثنا إسماعیل: حدثنی أخی، عن سلیمان، عن ثور بن زید، عن أبی الغیث، عن أبی هریرة أن النبی ﷺ قال: ((الإیمان یمان، والفتنة هاهنا. هاهنا یطلع قرن الشیطان)). [راجع: ۳۳۰۱]

ترجمہ: ابوغیث رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یمن میں ہے اور فتنہ یہاں ہے جہاں سے شیطان کے دوسینگ نکلتے ہیں (یعنی جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے)۔

۴۳۹۰ ـ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبی هریرة عن النبی ﷺ قال: ((أتاکم أهل الیمن أضعف قلوبا وأرق أفئدة، الفقه یمان، والحکمة یمانیة)). [راجع: ۳۳۰۱]

ترجمہ: اعرج روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں، جو کمزور دل والے ہیں اور رقیق القلب ہیں، دین کی سمجھ یمن والوں میں ہے اور حکمت بھی یمن میں ہے۔

یمن؛ ایمان وحکمت کی سرزمین

نبی کریم ﷺ نے فرمایا"**الإیمان ھاھنا - واشار بیدہ إلی الیمن** "ایمان اس طرف ہے اور اشارہ یمن کی طرف فرمایا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "**الأیمان یمان والحکمۃ یمانیۃ**" ایمان بھی یمن ہے اور حکمت بھی یمن ہے۔

اس کی تفسیر بعض لوگوں نے یوں کی ہے کہ یمان سے مراد یمن کا علاقہ نہیں ہے، بلکہ یمان سے مراد مکہ اور مدینہ ہے، اس واسطے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو بحیثیت مجموعی پورے جزیرۂ عرب میں یمان کہا جاتا ہے اور بعض اوقات جو مکہ پر جو تہامہ کا اطلاق ہوتا تھا وہ قدیم تاریخ کے رو سے یمن کا حصہ کہلایا جاتا تھا۔[۳۴]

پتہ نہیں لوگوں نے یہ تاویل کرنے کی ضرورت کیوں سمجھی!

شاید کوئی پرخاش ہو کہ یمن والوں کو حضور ﷺ نے ایمان کی سند دے دی تو کہیں ہم سے نہ چھین جائے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ صرف اہل یمن کی تعریف کرنا مقصد ہے کہ اہل یمن کا ایمان بڑا مضبوط ہوتا ہے، وہ سچے دل سے ایمان لائے ہیں، وہ نرم دل لوگ ہیں۔

"**الایمان یمان**" یا"**الایمان ھھنا**" کے معنی یہ ہے کہ ایمان ان کی بنیادی خصوصیت ہے، وہ نرم دل لوگ ہیں اور ایمان ان کے اندر پختہ ہے، لیکن اس سے ماعدا کی نفی لازم نہیں آتی، لہٰذا کسی تاویل کی کوئی حاجت نہیں۔

اونٹ اور ہل چلانے والے سخت دل

"**والجفاء وغلظ القلوب فی الفدادین عند أصول أذناب الإبل**"

درشتی اور سخت دلی ان میں ہے جو اونٹوں کی دُموں کے پاس آواز لگاتے ہیں۔

---

[۳۴] قولہ: ((الایمان یمان))، اصلہ یمانی، حذفت الیاء للتخفیف، وانما أوقع الیمان، خبراً عن الایمان لأن مبداہ من مکۃ وھی یمانیۃ أو المراد منہ وصف أھل الیمن بکمال الایمان، وقیل المراد مکۃ والمدینۃ، لأن ھذا الکلام صدر عن النبی ﷺ وھو بتبوک، فتکون المدینۃ حینئذ بالنسبۃ الی المحل الذی ھو فیہ یمانیۃ. عمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۳۶، وفتح الباری، ج:۸، ص: ۹۹

اس جملہ کی تفسیر دو طرح سے ہوسکتی ہے:

ایک تفسیر یہ ہوسکتی ہے کہ **"فَدَّاد"** کی جمع **"فدادین"** ہے، شور مچانے والا، ایک معنی تو ہوسکتے ہیں کہ ناشائستگی و سنگدلی ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اونٹوں کی دموں کی جڑوں کی نیچے اور ان کے پاس شور مچاتے ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں مالداری اونٹوں کی کثرت سے ہوا کرتی تھی کہ جس کے پاس جتنے اونٹ ہیں وہ اتنا ہی مال دار ہے تو جو اصحاب الابل ہیں، ان کے پاس بڑی دولت ہے اور وہ اونٹوں کے دموں کے پاس شور مچاتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو بہت بڑا دولت مند سمجھ کر شور مچارتے ہیں، دوسروں پر تکبر کرتے ہیں یا اپنے اونٹوں کو بھگانے کے لئے شور مچاتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہوسکتی ہے کہ **"فدادین"** کے معنی ہیں کاشتکار، جو زمین کو گاہتے ہیں۔

اصل میں **"فِــدَاد"** کہتے ہیں وہ ہل جو آدمی زمین میں چلاتا ہے تو ہل چلانے والا کہتے ہیں کہ ان کے دلوں میں سختی ہوتی ہے اور وہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہو کر امورِ آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ [۳۵]

جو بھی مراد ہو بہر حال ان کے دلوں میں سختی اور ناشائستگی ہوتی ہے۔

"ربیعة ومضر" یہ مشہور دو قبیلے ہیں جو فدادین سے بدل ہیں۔

پھر خاص طور پر ربیعہ اور مضر کے قبیلوں کا ذکر کیا کہ ان کے اندر بڑی سختی ہے، یعنی اہل یمن نرم دل لوگ ہیں اور یہ لوگ سخت دل ہیں اور یہ قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر والے نجد میں آباد تھے۔

مشرق؛ فتنوں کی سرزمین

جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"والفتنة ھاھنا"** اور فتنہ یہاں ہے۔

تو ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ **"من حیث یطلع قرنا الشیطان"** جہاں سے شیطان کے دو سینگ نکلتے ہیں، اس سے وہ جگہ مراد ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے یعنی مشرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اہل مدینہ کے ہاں اس سے مراد نجد ہوتا ہے کیونکہ مدینہ کے مشرق میں نجد کا علاقہ آتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں عراق مراد ہے اور مدینہ کے شمال مشرق میں واقع ہے، یہاں بڑے فتنے

---

[۳۵] قوله: ((فی الفدادین))، تفسیره علی وجهین. أحدهما: أن یکون جمع الفداد ـ بالتشدید ـ وهو الشدید الصوت وذلک من دأب أصحاب الابل. والآخر: أن یکون جمع الفداد ـ بالتخفیف ـ وهو آلة الحرث، وانما ذم هولاء لأنهم یشتغلون عن أمور الدین ویلتهون عن أمور الآخرة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۴۵

رونماء ہوئے جیسے جنگ جمل، صفین، خوارج کا ظہور وغیرہ اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے **واللہ اعلم**۔ ۳۶
جب کہ مطلقاً مشرق بھی مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ فتنہ دجال اور یاجوج ماجوج اور اسی طرح دیگر فتنوں کا خروج بھی مشرق سے ہوگا جیسا کہ مختلف احادیث میں موجود ہے۔ ۳۷

خلاصہ یہ کہ فتنے اس طرف سے آئیں گے اب جس طرف اشارہ فرمایا وہ مشرق ہے، اور مشرق میں کوئی شک نہیں نجد بھی داخل ہے اور عراق بھی ہے، عراق میں بھی فتنے ہوئے اور نجد میں بھی فتنے بپاء ہوئے۔

فردِ واحد پر اطلاق درست نہیں

کسی فرد واحد کی طرف اس قسم کا اطلاق بالکل درست نہیں، کیونکہ اس ارشاد میں مطلقاً علاقے کی طرف نسبت ہے، چنانچہ کسی ایک آدمی کا نام لے کر کہہ دینا کہ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا یہ بات کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ جیسے موجودہ دور میں بعض لوگ اس حدیث کو لیکر خاص طور پر شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کو نشانہ بناتے ہیں۔

ٹھیک ہے ان کی بہت سی باتوں میں غلو ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بدعات کے خلاف بڑا جہاد کیا اور بدعات کی تردید میں ان کا کام بڑا قابل تعریف بھی ہے۔ اگرچہ بعض جگہ حد سے بڑھ گئے، افراط سے تفریط کی طرف چلے گئے۔

لیکن جس طرح کے حالات تھے اس میں محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ نے بڑا کام کیا اس لئے ان کو علی الاطلاق کہہ دینا کہ یہ گمراہوں کی طرف ہیں یہ بات درست نہیں، یہ غلو ہے۔

ہمارا ان سے کئی معاملات میں شدید اختلاف بھی ہے، صرف ایک معاملہ میں نہیں، لیکن ساتھ ساتھ اس بات کا بھی احساس ہے کہ آدمی مخلص تھے، مقصود دین تھا، دنیاداری مقصود نہیں تھی اور خاص طور سے بدعات اور شرک سے نفرت تھی اور اس نفرت کے نتیجہ میں بعض اوقات حدود سے تجاوز کر گئے۔

---

۳۶ **وأشار بقوله: ((هناک)) الى نجد، ونجد من المشرق، قال الخطابی نجد من جهة المشرق، ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها، وهی مشرق أهل المدينة، وأصل النجد ما ارتفع من الأرض وهو خلاف الغور فإنه ما انخفض منها. الخ قاله الداودی ان نجدا من ناحية العراق فإنه توهم أن نجداً موضع مخصوص، وليس كذلک. عمدة القاری، ج: ۲۴، ص: ۲۸۸، فتح الباری، ج: ۱۳، ص: ۴۷**

۳۷ **وأما كون الفتنة من المشرق فلأن أعظم أسباب الكفر منشؤه هنالک كخروج الدجال ونحوه. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۴۷**

۴۳۹۱ - حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة قال: كنا جلوسا مع ابن مسعود فجاء خباب فقال: يا أبا عبدالرحمٰن، أيستطيع هؤلاء الشباب أن يقرؤا كما تقرأ؟ قال: أما إنك لو شئت أمرت بعضهم يقرأ عليك، قال: أجل، قال: اقرأ يا علقمة، فقال زيد بن حدير أخو زياد بن حدير: أتأمر علقمة أن يقرأ وليس بأقرانا قال: أما إنك إن شئت أخبرتك بما قال النبي ﷺ في قومك وقومه، فقرأت خمسين آية من سورة مريم فقال عبدالله: كيف ترى؟ قال: قد أحسن. قال عبدالله: ما أقرأ شيئا إلا وهو يقرؤه، ثم التفت إلى خباب وعليه خاتم من ذهب فقال: ألم يأن لهذا الخاتم أن يلقى؟ قال: أما إنك لن تراه علي بعد اليوم، فألقاه. رواه غندر، عن شعبة. [۳۸]

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن (ابن مسعودؓ کی کنیت)! کیا یہ جوانوں کا طبقہ آپ کی طرح قرآن پاک پڑھ سکتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم چاہو تو میں ان میں سے کسی کا قرآن تمہیں سنواؤں، انہوں نے کہا جی ہاں! ضرور سنوایئے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اے علقمہ پڑھو۔ زیاد بن حدیر کے بھائی یزید بن حدیر نے کہا کہ کیا آپ نے علقمہ کو حکم دیا کہ وہ پڑھیں؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر تم چاہو تو میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا وہ قول جو تمہاری قوم اور اس کی قوم کے بارے میں ہے تمہیں بتادوں، (علقمہ کہتے ہیں کہ) میں نے سورہ مریم کی پچاس آیتیں پڑھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا پڑھتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس طرح میں پڑھتا ہوں علقمہ بھی اُسی طرح پڑھتا ہے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے، ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی اور فرمایا کہ کیا ابھی اس کے پھینکنے کا وقت نہیں آیا ہے؟ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آج کے بعد سے آپ اسے نہ دیکھیں گے، اور انگوٹھی اتار دی، اس حدیث کی روایت غندر نے شعبہ کے واسطے سے کی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قرأتِ قرآن میں مرتبہ ومقام

حضرت علقمہ بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے

---

[۳۸] وفي مسند أحمد، باب مسند عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، رقم: ۴۰۲۵

تھے، اسی اثناء میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگردوں کو دیکھ کر ان سے سوال کیا کہ " **أیستطیع ہؤلاء الشباب أن یقرؤا کما تقرأ؟** " اے ابوعبدالرحمٰن! یہ جو آپ کے نوجوان شاگرد بیٹھے ہیں تو کیا یہ بھی اسی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں جس طرح آپ پڑھتے ہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تلاوت کے بارے میں تو حضورِ اقدس ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی "**من أحب أن یقرأ القرآن غضا کما أُنزل، فلیقرأہ علی قراۃ ابن أم عبد**" کہ جو شخص چاہتا ہو کہ وہ قرآن اس طرح پڑھے جیسے آج ہی نازل ہوا ہو تو وہ ابن ام عبد یعنی ابن مسعود کی طرح پڑھے۔ [۳۹]

قرأت قرآن کی یہ سند خود رسول اللہ ﷺ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی تھی، اس واسطے حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ یہ جو تمہارے نوجوان شاگرد ہیں کیا یہ بھی تمہارے طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں؟

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ زبان سے کہتے کہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "**أما إنک لو شئت أمرت بعضھم یقرأ علیک**" اگر آپ چاہیں تو میں ان میں سے کسی سے کہوں کہ وہ آپ کے سامنے تلاوت کرے۔

" **أجل** " تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں ضرور سنوائیے، "**قال: اقرأ یا علقمۃ**" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ سے کہا کہ ذرا تم پڑھ کے سناؤ۔

"**فقال زید بن حدیر أخو زیاد بن حدیر**" ان شاگردوں میں ایک شاگرد زید بن حدیر بھی تھے جو زیاد بن حدیر کے بھائی ہے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا "**أتأمر علقمۃ أن یقرأ**" کہ کیا آپ نے علقمہ کو حکم دیا کہ وہ پڑھیں؟

پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ حالانکہ وہ ہم میں سب سے اچھے پڑھنے والے نہیں ہے تو ان سے کیوں پڑھوا رہے ہیں؟ شاید شاگرد کو یہ خیال آیا ہو کہ مجھے کہیں گے لیکن انہوں نے علقمہ کو بہت اچھا سمجھا اور اس کی وجہ سے ان سے پڑھوا کے سنا رہے ہیں۔

"**أما إنک إن شئت أخبرتک بما قال النبی ﷺ فی قومک وقومہ**" تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو بتادوں کہ حضور اکرم ﷺ نے تمہاری قوم کے بارے میں کیا فرمایا تھا اور اس کی قوم کے بارے میں کیا فرمایا یعنی علقمہ کی قوم کے بارے میں اور تیرے قوم کے بارے میں۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ نخعی تھے، قبیلہ "**نخع**" سے تعلق رکھتے تھے اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ

---

[۳۹] مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، رقم: ۴۲۵۵، ومسند ابویعلیٰ الموصلی، مسند عبداللہ بن مسعود، رقم: ۵۰۵۸

نخع کی تعریف فرمائی، حضرت ابن مسعود ﷜ فرماتے ہیں کہ قبیلہ نخع کے لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے تعریف فرمائی یا ان کے لئے دعاء فرمائی تو میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں بھی اسی قبیلہ کا ایک فرد ہوتا۔

زیاد بن حدیر کا تعلق بنو اسد سے تھا اور بنو اسد کی تعریف آپ ﷺ نہیں فرمائی، بلکہ حضرت ابو ہریرہ ﷜ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جہینہ کا قبیلہ بنو اسد اور بنو غطفان سے اچھا ہے، تو یہ ایک طرح سے بنو اسد کی مذمت ہوئی۔ [۲۰]

تو حضرت ابن مسعود ﷜ نے اشارہ کیا کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو کہ علقمہ سے کیوں پڑھوا رہے ہو تو کیا میں بتادوں کہ حضور ﷺ نے تمہاری قوم کے بارے میں کیا فرمایا تھا اور اس کی قوم کی تعریف میں کیا فرمایا تھا۔

"فقرأت خمسین آیة من سورة مریم" علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خباب ﷜ کے سامنے سورۂ مریم کی پچاس آیتیں پڑھیں۔

"فقال عبداللہ: کیف تری؟" جب پڑھ چکا تو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ نے حضرت خباب ﷜ سے پوچھا کہ کیا خیال ہے؟ کیا رائے ہے؟ یعنی کیسا پڑھا قرآن پڑھا اس نے؟ **"قال: قد أحسن"** تو حضرت خباب ﷜ نے فرمایا کہ ہاں بہت اچھے انداز میں پڑھا ہے۔

"قال عبداللہ: ما أقرأ شیئا إلا وهو یقرؤه" حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ نے فرمایا کہ جو بھی میں پڑھتا ہوں یہ ضرور پڑھتا ہے یعنی یہ ایسا شاگرد ہے جس طرح اور جس انداز میں پڑھوں یہ ویسے ہی پڑھتا ہے۔

علقمہ رحمہ اللہ کی فضیلت

حضرت علقمہ رحمہ اللہ، حضرت ابن مسعود ﷜ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے، اس روایت سے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اسی واسطہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ **"علقمة لیس بدون من ابن عمر في الفقه، وإن کانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة"**۔

---

[۲۰] کانه یشیر الی ثناء النبی علی النخع لان علقمة نخعی، والی ذم بنی أسد وزیاد بن حدیر اسدی، فاما ثناؤه علی النخع ففیما اخرجه احمد والبزار باسناد حسن عن ابن مسعود قال: ((شهدت رسول الله یدعو لهذا لحی من النخع أو یثنی علیهم، حتی تمنیت انی رجل منهم)) واما ذمة لبنی أسد فتقدم فی المناقب حدیث ابی هریرة وغیره ((ان جهینة وغیرها خیر من بنی أسد وغطفان)) وأما النخعی فمنسوب الی النخع قبیلة مشهورة من الیمن. فتح الباری، ج:۸، ص: ۱۰۰، ومسند احمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود رضی الله عنهما، رقم: ۳۸۲۷

اس قول کا پس منظر یہ ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نماز میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہیں؟ دلیل کے طور پر روایت پیش کی جو وہ امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت سالمؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز کی ابتداء میں، رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے روایت پیش کی کہ وہ حضرت حماد رحمہ اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں اور وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اور حضرت علقمہ اور اسود رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جس میں نبی کریم ﷺ سے رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں آپ کو زہری کی روایت بیان کرتا ہوں جو حضرت سالم رحمہ اللہ اپنے والد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں اور مجھے اس کے جواب میں حماد رحمہ اللہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو وہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں؟

جواب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حماد رحمہ اللہ کو فقہ میں زہری رحمہ اللہ سے زیادہ مہارت حاصل تھی، اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو حضرت سالم رحمہ اللہ سے زیادہ مہارت حاصل تھی، اور علقمہ رحمہ اللہ کو صرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت کا شرف حاصل نہیں ہوا (جیسا کہ حضرت سالم رحمہ اللہ ہیں) بلکہ بہت سے دوسرے اکابر صحابہ کرام ﷺ کی صحبت کا بھی شرف حاصل ہوا ہے۔ [۴۱]

فقہ میں ان کا یہ مقام و مرتبہ تھا۔

"ثم التفت إلى خباب عليه خاتم من ذهب" اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت خباب ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، **"فقال: ألم يأن لهذا الخاتم أن يلقى؟"** حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا کیا اب بھی اس کے لئے وقت نہیں آیا کہ اس کو پھینک دیا جائے، **"قال: أما إنك لن تراه علي بعد اليوم، فألقاه"** حضرت خباب ﷺ نے فرمایا آج کے بعد آپ اسے نہیں دیکھیں گے اور پھر اس انگوٹھی کو اتار دیا۔

مسئلہ: اس بات سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ حضرت خباب ﷺ مردوں کے سونے کی ممانعت کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہوں گے لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے سونے کی حرمت بتائی تو فوراً اس انگوٹھی کو اتار دیا۔ [۴۲]

---

[۴۱] فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج: ۱، ص: ۳۱۱

[۴۲] ولعل خبابا كان يعتقد أن النهي عن لبس الرجال خاتم الذهب للتنزيه، فنبهه ابن مسعود على تحريمه، فرجع اليه مسرعاً. فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۰۱، عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۴۹

(۷۶) باب قصة دوس والطفیل بن عمرو الدوسی

قبیلہ دوس اور طفیل بن عمرو دوسی کے قصہ کا بیان

۴۳۹۲ ـ حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان، عن ابن ذکوان، عن عبدالرحمٰن الأعرج، عن أبي هریرة ﷺ قال: جاء الطفیل بن عمرو إلی النبي ﷺ فقال: إن دوسا قد هلکت، عصت وأبت، فادع اللہ علیهم. فقال: ((اللّٰهم اهد دوسا وائت بهم)). [راجع: ۲۹۳۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ طفیل بن عمرو دوسی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قبیلہ دوس ہلاک ہو، اس نے نافرمانی کی ہے، اور اسلام سے انکار کر دیا، لہٰذا آپ ﷺ ان کے لئے بددعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انہیں لے آئے۔

نبی کریم ﷺ کی قبیلہ دوس کے لئے ہدایت کی دعاء

یہ قبیلہ دوس اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی ﷺ کا واقعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمرو ﷺ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آکر عرض کیا کہ **"فقال: إن دوسا قد هلکت"** دوس قبیلہ کے لوگ تو تباہ ہوگئے، **"عصت وأبت"** اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اسلام قبول کرنے سے انکار کیا، **"فادع اللہ علیهم"** تو آپ ﷺ ان کے لئے بددعا کر دیجئے یعنی ان کا یہ مطلب تھا کم بخت مر ہی جائیں۔

" فقال: اللّٰهم اهد دوسا وائت بهم" تو آپ ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے فرمایا کہ اے اللہ! دوس کے لوگوں کو ہدایت دے دیں اور ان کو لے آ یعنی کہ وہ یہاں مسلمان ہو کر آجائیں۔

حضرت طفیل بن عمرو ﷺ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت عطاء فرمائی اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ مسلمان ہونے کے بعد اپنی قوم میں گئے دین اسلام کی دعوت اور تبلیغ کی اور کوشش کی کہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو بھی مسلمان کر لیں، تو سوائے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے اور کوئی مسلمان نہ ہوا، حضرت ابو ہریرہ ﷺ بھی اسی دوس قبیلہ کے تھے، تو یہ مایوس ہو کر پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ بات عرض کی کہ یہ تو کوئی مانتا نہیں تو ان کیلئے بددعا ہی کر دیجئے ایسی کہ یہ ختم ہو جائے۔

تو حضور ﷺ نے دعا یہ فرمائی اے اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطاء فرما۔

چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ دوس کے قبیلہ کا جو سردار تھا اس کا نام حبیب تھا تو وہیں بیٹھے بیٹھے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جستجو ڈالی اور پھر وہ اپنے پورے قبیلہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر تائب بھی ہوا اور مسلمان بھی ہوئے۔ [۴۳]

۴۳۹۳ ۔ حدثنی محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة: حدثنا إسماعیل، عن قیس، عن أبی هریرة قال: لما قدمت علی النبی ﷺ قلت فی الطریق:

یا لیلة من طولها وعنائها   علی أنها من دارة الکفر نجت

وأبق غلام لی فی الطریق، فلما قدمت علی النبی ﷺ فبایعته، فبینا أنا عنده إذ طلع الغلام، فقال لی النبی ﷺ: ((یا أبا هریرة هذا غلامک))، فقلت: هو لوجه الله، فأعتقته.
[راجع: ۲۵۳۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے چلا تو راستہ میں میں نے یہ کہا۔

اے رات باوجود درازی و مشقت کے   تو نے مجھے دار الکفر سے نجات دی!

اور میرا غلام راستہ میں بھاگ گیا تھا، جب میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر آپ ﷺ سے بیعت کی تو ابھی میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک وہ غلام آگیا، تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ابو ہریرہ! یہ ہے تمہارا غلام! میں نے کہا اسے میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا اور یہ بھی یمن کے قریب رہتے تھے، فرماتے ہیں جب میں نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا تو راستہ میں یہ شعر کہا:

"یا لیلة من طولها وعنائها – علی انها من دارة الکفر نجها"

اے رات! باوجود اس کی لمبائی اور اس کی مشقت کے   اس رات نے مجھے کفر کے گھر سے نجات دی

---

[۴۳] فذکر ابن الکلبی ان حبیب بن عمرو بن حثمة الدوسی کان حاکماً علی دوس، وکذا کان أبوه من قبله، وعمر ثلاثمائة سنة، وکان حبیب یقول: انی لأعلم أن للخلق خالقاً لکنی لا أدری من هو، فلما سمع النبی خرج الیه ومعه خمسة وسبعون رجلاً من قومه فأسلم وأسلموا. فتح الباری، ج:۸، ص: ۱۰۲

آگے کہتے ہیں کہ **"وأبق غلام لی فی الطریق"** راستہ میں میرا ایک غلام بھاگ گیا۔

"فلما قدمت علی النبی ﷺ فبایعته" جب میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر بیعت کی، **"فبینا أنا عنده إذ طلع الغلام"** ابھی میں بیعت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہی تھا دیکھا کہ وہ غلام چلا آرہا ہے۔

"فقال لی النبی ﷺ: یا أباهریرة هذا غلامک" تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ابو ہریرہ! دیکھو تمہارا غلام آگیا، **"هو لوجه الله، فاعتقته"** تو میں نے کہا کہ یہ اللہ کیلئے ہے اور پھر میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کا تعلق چونکہ قبیلہ دوس سے تھے، اس واسطے یہاں پر یہ روایت ذکر کر دی۔

(۷۷) باب قصة وفد طيء، وحديث عدي بن حاتم

وفد بنی طے اور عدی بن حاتم ﷺ کے قصہ کا بیان

اس باب میں قبیلہ طے کے وفد کا قصہ ہے، قبیلہ طے مشہور سخی حاتم طائی کا قبیلہ ہے اور یہ مدینہ منورہ سے بہت دور واقع تھا اور یہ دو پہاڑوں کے درمیان تھا، جو جبل اُجاء اور سلمٰی کے نام سے مشہور ہیں۔

جبل اُجاء و سلمی کی وجہ تسمیہ

ان دونوں پہاڑوں کا نام اُجاء نام کے مرد اور سلمی نامی عورت سے منسوب ہیں۔

جس طرح لیلیٰ و مجنوں کا قصہ مشہور ہے، اسی طرح ان کی بھی ایک عشقیہ داستان مشہور تھی۔

مرد کا نام اُجاء بن عبدالحیٔ تھا، اس کا تعلق عمالیق قبیلہ سے تھا، عورت کا نام سلمٰی بنت حام تھا، جس کا تعلق بنی عمیق سے تھا، دونوں میں عشق ہو گیا، سلمٰی کی دایہ جس کا نام عوجاء تھا، وہ دونوں کے درمیان پیغام رسانی کرتی تھی اور یہ دونوں آپس میں چھپ کر ملاقاتیں کرتے تھے، قبیلے آپس میں دشمن بھی تھے، جب دونوں کے عشق کا قبیلے والوں کو پتا لگا تو ڈر کر دونوں بھاگ گئے اور ساتھ میں عوجاء بھی تھی۔

دونوں قبیلوں نے آپس میں اتفاق کر لیا کہ ہم ان کو سخت سزا دے کر ماریں گے یہاں تک کہ جب یہ لوگ قبیلے والوں کے ہاتھوں پکڑے گئے تو اُجاء کو بھی ایک پہاڑ پر زندہ دفن کیا گیا اور دوسرے پر سلمٰی کو بھی اس کے بھائی نے سخت اذیت دے کر مارا۔

یوں جس پہاڑ پر اُجاء کو مارا وہ جبل اُجاء اور جس پہاڑ پر سلمٰی کو مارا وہ جبل سلمٰی کے نام سے مشہور ہو گئے، اور جب مطلقاً کہا جائے تو جبل طے کہتے ہیں یعنی طے کے پہاڑ۔ [۴۴]

دیوانِ حماسہ میں برج بن مسہر طائی کا اسی کے متعلق شعر ہے:

فان نرجع الی الجبلین یوماً نصالح قومنا حتی الممات

چنانچہ اب اگر ہم دو پہاڑوں کی جانب لوٹیں گے تو ہم اپنی قوم سے مرتے دم تک صلح رکھیں گے۔

اس شعر میں جبلین سے مراد یہی دو پہاڑ اُجاء و سلمٰی ہیں جو طے کے پہاڑ تھے۔

---

[۴۴] عمدة القاری، ج: ۹، ص: ۲۶

اس شعر کا پس منظر یہ ہے کہ شاعر کا تعلق طے کے قبیلہ جدیلہ سے ہے، ان کی طے کے ایک دوسرے قبیلے غو بن طے سے کسی معاملے پر تیس سال تک جنگ ہوتی رہی اور بالآخر جدیلہ والوں شکست ہوئی، جس کے بعد وہ لوگ بنوکلب کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

وہاں ان کے ساتھ بنوکلب لاپرواہی، بے رُخی سے پیش آئے اور اور بعض دوسرے واقعات بھی پیش آئے جن سے وہ لوگ سخت مصائب والم کا شکار ہوئے تو انہی کے متعلق یہ شعر کہا۔ [۴۵]

اسی قبلہ طے میں مشہور سخی حاتم طائی تھے اور انہی کے بیٹے عدی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا واقعہ یہاں ذکر ہے۔

۴۳۹۴ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا أبو عوانة: حدثنا عبدالملك، عن عمرو بن حريث، عن عدي بن حاتم قال: أتينا عمر في وفد فجعل يدعو رجلا رجلا ويسميهم، فقلت: أما تعرفني يا أمير المؤمنين؟ قال: بلى، أسلمت إذ كفروا، وأقبلت إذ أدبروا، ووفيت إذ غدروا، وعرفت إذ أنكروا. فقال عدي: فلا أبالي إذا. [۴۶]

ترجمہ: عمرو بن حریث روایت کرتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم ایک وفد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ ایک ایک آدمی کا نام لے کر بلانے لگے، میں نے کہا امیر المؤمنین! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ فرمایا کیوں نہیں، جب لوگ کافر تھے تو تم اسلام لائے، جب لوگ پیچھے تھے تو تم آگے آئے، جب لوگوں نے دھوکہ دیا تو تم نے وفا کی، جب لوگوں نے حقانیت اسلام سے انکار کیا تو تم نے پہچانا۔ عدی نے کہا اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مردم شناسی

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں **"أتينا عمر في وفد"** یعنی ہم قبیلۂ طے کے لوگ ایک وفد کی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

"فجعل يدعو رجلا رجلا ويسميهم" تو جتنے آدمی آئے تھے وہ ہر ایک کو ایک ایک کر کے بلاتے اور ہر ایک کا نام لیتے تو سب سے مل رہے تھے اور مجھے کوئی نہیں پوچھ رہے تھے، نہ مجھے بلایا اور نہ مجھ سے ابھی تک بات کی، میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ **"أما تعرفني يا أمير المؤمنين؟"** اے امیر المؤمنین!

---

[۴۵] دیوانِ حماسہ، ص: ۱۲۲

[۴۶] انفرد به البخاري.

کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے ؟ کیونکہ سب کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور میری طرف متوجہ نہیں ہو رہے ہیں۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ **"قال: بلی، أسلمت إذ کفروا"** کیوں نہیں؟ تمہیں میں کیوں نہیں پہچانوں گا، تم تو اس وقت اسلام لائے تھے جب تمہارے قبیلہ کے سارے لوگ کافر تھے، **"واقبلت إذ ادبروا"** اور اس وقت آئے تھے جب دوسرے لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔
"ووفیت إذ غدروا" اور اس وقت تم نے فرمانبرداری اور وفاء نبھائی جب دوسرے لوگ غداری کر رہے تھے، **"وعرفت إذ انکروا"** اور تم نے اس وقت حضور اکرم ﷺ کو اور دین حق کو پہچانا جب لوگ اس کو پہچاننے سے انکار کر رہے تھے، یعنی ان کے جواب میں اتنی ساری باتیں حضرت عمرؓ نے بیان کر دیں۔
"فقال عدی: فلا اُبالی إذا" حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ میرے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں جانتے ہیں تو اب مجھے پرواہ نہیں ہے کہ اب مجھ سے جلدی بات کریں یا نہ کریں۔ انکے قبولِ اسلام کے وقت طے قبیلہ میں کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا اس واسطے حضرت عمرؓ نے یوں فرمایا۔

عدی بن حاتم اور ان کی بہن کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ

حضور اکرم ﷺ نے ربیع الثانی ۹ھ میں حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ قبیلہ طے کی طرف روانہ فرمایا تا کہ وہاں موجود بت خانہ کو ڈھائیں۔ چنانچہ اس سریہ والوں نے قبیلہ طے پر حملہ کیا اور وہاں سے کچھ لوگ بھی گرفتار ہوئے، جو لوگ گرفتار ہو کر آئے تو اِن میں عدی بن حاتم کی بہن یعنی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھیں، جبکہ عدی بن حاتم بھاگ کر شام چلے گئے تھے۔
جب گرفتار شدہ لوگ مدینہ منورہ آئے تو سفانہ بھی آئیں، اور حضور اکرم ﷺ کا اس جگہ سے گزر ہوا جہاں ان کو اتارا گیا تھا تو انہوں نے اس انداز سے کھڑے ہو کر کہا کہ میرے والد تو فوت ہو گئے ہیں اور جو میرا سرپرست اور خیال رکھنے والا تھا وہ فرار ہو گیا ہے اب کوئی میرا دیکھنے والا نہیں ہے، آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ کرم کے خوگر ہیں، لہٰذا اگر آپ میرے اوپر احسان کیجئے اور مجھے چھوڑ دیجئے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔
آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا سرپرست کون ہے؟ سفانہ نے کہا کہ میرا بھائی عدی بن حاتم ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں چھوڑ دیا لیکن ابھی مت جاؤ، جب کوئی ساتھ جانے والا ہوگا تو میں تمہیں بھیج دوں گا۔
پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو بنو قضاعہ کے وفد کے ہمراہ روانہ فرما دیا اور جاتے ہوئے ان کو تحائف اور

سواری بھی دی بھی، جب ان کو چھوڑا تو انہوں نے فوراً ہی اسلام قبول کرلیا۔

اپنے قبیلے والوں کے پاس پہنچتے ہی سفانہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عدی بن حاتم کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں اور شام جا پہنچیں، جب بھائی مل گئے تو ان سے کہا کہ کیوں بھاگتے ہو؟ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور جا کر ان سے بات کرو تو تمہیں پتہ چلے کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں؟

تو عدی بن حاتم ان کی ترغیب پر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب بارگاہ نبوت ﷺ میں آئے تو گھائل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی۔ [۴۷]

---

[۴۷] الاصابة فی تمییز الصحابة، ج:۸، ص:۱۸۰، واسد الغابة، ج:۴، ص:۷، ج:۷، ص:۱۴۳

باب
حجة الوداع

(۷۸) باب حجة الوداع

حجۃ الوداع کا بیان

حجۃ الوداع کو مغازی میں ذکر کرنے کی وجہ

حجۃ الوداع کا **"کتاب المغازی"** سے کیا تعلق ہے؟

پہلے گزرا ہے کہ مغازی کا جو عنوان ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں جو غزوات پیش آئے ان کا بیان ہے اس واسطے مغازی کہہ دیا، ورنہ اصل مقصود **"کتاب المغازی"** سے حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا بیان ہے۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی جتنی مہمات ہیں ان سب کا بیان ہے تو اس میں حجۃ الوداع بھی داخل ہے، وفود کا آنا بھی داخل ہے، پھر آگے حضور اکرم ﷺ کی وفات کا بھی بیان ہوگا۔

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ

"حَجَّةُ الْوِدَاع" یا **"حِجَّةُ الْوَدَاع"** دونوں منقول ہیں۔

شراح حدیث رحمہم اللہ اجمعین سے اس کے علاوہ بھی دیگر نام منقول ہیں:

حجة الاسلام: اس لئے کہ فرضیت حج کے بعد اسلامی رکن کی حیثیت سے صرف یہی حج آپ ﷺ نے ادا کیا ہے۔

حجة البلاغ: اس لئے کہ اس میں آپ ﷺ نے شرعی احکام کی تبلیغ بھی فرمائی تھی۔

حجة التمام والکمال: کیونکہ اس حج میں تکمیل دین کی آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [1]

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر

---

[1] [المائدہ: ۳]

اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے
طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔ [۲]

اس حج کو حجۃ الوداع بھی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حضور ﷺ نے لوگوں کو الوداع کیا چونکہ آپ کو اس حج کے بعد حج کی نوبت نہیں آئی اور منیٰ اور عرفات کے خطبوں اس طرف اشارہ بھی فرما دیا کہ غالباً آئندہ سال تم لوگوں سے ملنا نہ ہوگا۔

مدینہ آکر آپ ﷺ نے صرف یہی ایک مرتبہ حج کیا، ہاں مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے آپ ﷺ نے متعدد حج کئے تھے، بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی۔ [۳]

۴۳۹۵ ـ حدثنا إسماعيل بن عبد الله حدثنا مالک عن ابن شهاب عن عروة ابن الزبير عن عائشة قالت خرجنا مع رسول الله ﷺ في حجة الوداع فأهللنا بعمرة ثم قال رسول الله ﷺ من كان معه هدي فليهلل بالحج مع العمرة ثم لا يحل حتى يحل منهما

---

[۲] [سب سے بڑا احسان تو یہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا مزید براں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دینوی نعمتوں کا دسترخوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبۂ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیئے یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے۔ "اسلام" جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے، اس کے سواء مقبولیت اور نجات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔

تنبیہ: اس آیت کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے۔ اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ھ ہجری میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جب کہ میدان عرفات میں نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیا و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔ (المائدہ: ۳، تفسیر عثمانی، ص: ۱۴۱)]

[۳] أي هذا باب في البيان حجة الوداع، يجوز فتح الحاء وكسرها وكذلك كسر الواو وفتحها، وانما سميت حجة الوداع لأن النبي ﷺ ودع الناس فيها ولم يحج بعدها، وسميت أيضاً: حجة الاسلام لأنه ﷺ لم يحج من المدينة غيرها ولكن حج قبل الهجرة مرات قبل النبوة وبعدها، وقد قيل: ان فريضة الحج نزلت عامئذٍ، وقيل: سنة تسع، وقيل: قبل الهجرة، وهو غريب وسميت: حجة البلاغ، أيضا لأنه ﷺ بلغ الناس فيها شرع الله في الحج قولاً وفعلاً ولم يكن بقي من دعائم الاسلام وقواعده الا وقد بلغه ﷺ، وسميت أيضاً: حجة التمام والكمال، وحجة الوداع أشهر. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۵۲

جميعا فقدمت معه مكة وأنا حائض ولم أطف بالبيت ولا بين الصفا والمروة فشكوت إلى رسول الله ﷺ فقال انقضي رأسك وامتشطي وأهلي بالحج ودعي العمرة ففعلت فلما قضينا الحج أرسلني رسول الله ﷺ مع عبد الرحمن ابن أبي بكر الصديق إلى التنعيم فاعتمرت فقال هذه مكان عمرتك قالت فطاف الذين أهلوا بالعمرة بالبيت وبين الصفا والمروة ثم حلوا ثم طافوا طوافا آخر بعد أن رجعوا من منى وأما الذين جمعوا الحج والعمرة فإنما طافوا طوافا واحدا. [راجع: ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے لئے ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ گئے اور جب احرام باندھا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو لوگ قربانی کا جانور اپنے ہمراہ لائے ہیں وہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرلیں اور اس وقت تک احرام نہ کھولیں، جب تک دونوں کام پورے طور پر انجام نہ دے لیں۔ میں جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ پہنچی تو حائضہ تھی، اس لئے نہ تو میں نے کعبہ کا طواف کیا اور نہ صفا ومروہ کی سعی کی، تو میں نے رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سر کھول کر بالوں میں کنگھی کرلو اور حج کی نیت سے احرام باندھ لو اور عمرے کو رہنے دو۔ چنانچہ میں نے یہی کیا، پھر جب حج سے فارغ ہو چکی، تو آپ ﷺ نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی ہمراہ مقام تنعیم میں بھیجا، پس میں نے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ عمرہ اس کے بدلہ میں ہے جو تم نے ترک کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے عمرہ کی نیت سے احرام باندھا تھا، جب وہ مکہ پہنچے تو طواف کعبہ اور صفا ومروہ کی سعی کی پھر اپنا احرام اتار دیا اس کے بعد حج سے فارغ ہو کر منیٰ سے مکہ آئے تو حج کا دوسرا طواف اور سعی کی اور جو ایسے لوگ تھے کہ انہوں نے حج وعمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا تھا ان کو ایک ہی مرتبہ طواف وسعی کرنا پڑی۔

۴۳۹۶ ۔ حدثني عمرو بن علي: حدثنا يحيى بن سعيد: حدثنا ابن جريج: حدثني عطاء، عن ابن عباس: إذا طاف بالبيت فقد حل، فقلت: من أين؟ قال: هذا ابن عباس؟ قال: من قول الله: ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ ومن أمر النبي ﷺ أصحابه أن يحلوا في حجة الوداع. فقلت: إنما كان ذلك بعد المعرف، قال: كان ابن عباس يراه قبل وبعد. [۲۷]

ترجمہ: ابن جریج نے عطاء سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عمرہ کرنے والا کعبہ کا طواف کرے تو حلال ہو جاتا ہے، تو میں نے عطاء سے پوچھا کہ یہ مسئلہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

[۲۷] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب تقليد الهدى واشعاره عند الاحرام، رقم: ۲۲۴۵، ۲۲۴۴، ومسند احمد، باب مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۲۵۱۳، ۲۵۳۹، ۳۱۸۱، ۳۱۸۲

نے کہاں سے لیا؟ تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ اور خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب سے حجۃ الوداع میں احرام کھول دینے کا حکم دیا، میں نے کہا یہ تو وقوف عرفہ کے بعد ہے، تو انہوں نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ خیال تھا کہ عرفات میں پہنچنے سے پہلے اور بعد جب بھی طواف کرے، احرام کھول سکتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک

اتنی بات سمجھ لینا کافی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حج کے بارے میں کچھ خصوصی آراء تھیں ساری دنیا سے الگ، ان سے میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کوئی شخص کوئی بھی احرام باندھ کے جائے افراد کا، تمتع کا یا قران کا اور جب بیت اللہ کا طواف کرے گا تو فوراً حلال ہونا ضروری ہے، یہ ان کا عجیب وغریب قسم کا مسلک تھا۔

"إذا طاف بالبيت فقد حل" سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ [۵]

ترجمہ: پھر ان کا حلال ہونا بیت العتیق کے پاس ہے۔

"فقلت: إنما كان ذلك بعد المعرف،" ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت سن کر کہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد حلال ہو جائے، کہا کہ یہ تو وقوف عرفہ کے بعد ہے، "معرف" کا معنی ہے کہ عرفہ کے اندر وقوف کرنا، یعنی یہ سب حلال ہونا تو وقوف عرفہ کے بعد ہے۔

"قال: كان ابن عباس يراه قبل وبعد" تو انہوں نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ خیال تھا کہ عرفات میں پہنچنے سے پہلے اور بعد جب بھی طواف کرے، احرام کھول سکتا ہے۔

۴۳۹۷ - حدثني بيان: حدثنا النضر. أخبرنا شعبة، عن قيس قال: سمعت طارقا عن أبي موسى الأشعري ﷺ قال: قدمت على النبي ﷺ بالبطحاء، فقال: ((أحججت؟)) قلت: نعم، قال: ((كيف أهللت؟)) قلت: لبيك بإهلال كإهلال رسول الله ﷺ، قال: ((طف بالبيت وبالصفا والمروة ثم حل)). فطفت بالبيت وبالصفا والمروة وأتيت امرأة من قيس ففلت رأسي. [راجع: ۱۵۵۷]

---

[۵] [الحج: ۳۳]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ بطحا میں موجود تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے حج کا احرام باندھ لیا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! آپ نے فرمایا، تم نے احرام کیا کہہ کر باندھا؟ میں نے عرض کیا، میں بھی وہی احرام باندھتا ہوں جو آنحضرت ﷺ نے باندھا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے بعد احرام اتار ڈالنا، لہٰذا میں نے طواف کیا، سعی کی، احرام کھولا اور پھر قبیلہ قیس کی ایک عورت سے سر کی جوئیں نکلوائیں۔

۴۳۹۸ ـ حدثني إبراهيم بن المنذر: حدثنا أنس بن عياض: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع: أن ابن عمر أخبره أن حفصة زوج النبي ﷺ أخبرته أن النبي ﷺ أمر أزواجه أن يحللن عام حجة الوداع، فقالت حفصة: فما يمنعك؟ فقال: ((لبدت رأسي وقلدت هديي، فلست أحل حتى أنحر هديي)). [راجع: ۱۵۶۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حجۃ الوداع میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں سے ارشاد فرمایا کہ تم سب احرام کھول ڈالو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں نہیں احرام کھولتے؟ فرمایا کہ میں نے اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ باندھا ہے اور بالوں کو جمالیا ہے قربانی کے ہار پہنا کر ساتھ لایا ہوں، لہٰذا جب تک اپنا جانور ذبح نہ کرلوں میں احرام نہیں اتار سکتا۔

۴۳۹۹ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، ن الزهري. وقال محمد بن يوسف: حدثنا الأوزاعي قال: أخبرني ابن شهاب، عن سليمان بن يسار، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن امرأة من خثعم استفتت رسول الله ﷺ في حجة الوداع والفضل بن عباس رديف رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله، إن فريضة الله على عباده أدركت أبي شيخا كبيرا لا يستطيع أن يستوي على الراحلة، فهل يقضي أن أحج عنه؟ قال: ((نعم)). [راجع: ۱۵۱۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں سواری پر بیٹھے ہوئے تھے اور فضل بن عباس آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے، مگر وہ اس قدر بوڑھا ہے کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! کر سکتی ہو۔

۴۴۰۰ ـ حدثني محمد: حدثنا سريج بن النعمان: حدثنا فليح، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: أقبل النبي ﷺ عام الفتح وهو مردف أسامة على القصواء ومعه

بلال وعثمان بن طلحة حتى أناخ عند البيت، ثم قال لعثمان: ((ائتنا بالمفتاح)) فجاءه بالمفتاح، ففتح له الباب. فدخل النبي ﷺ وأسامة وبلال وعثمان، ثم أغلقوا عليهم الباب فمكث نهارا طويلا ثم خرج فابتدر الناس الدخول فسبقتهم فوجدت بلالا قائما من وراء الباب فقلت له: أين صلى رسول الله ﷺ؟ فقال: صلى بين ذينك العمودين المقدمين. وكان البيت على ستة أعمدة سطرين، صلى بين العمودين من السطر المقدم، وجعل باب البيت خلف ظهره، واستقبل بوجهه الذي يستقبلك حين تلج البيت بينه وبين الجدار، قال: ونسيت أن أسأله كم صلى؟ وعند المكان الذي صلى فيه مرمرة حمراء. [راجع: ۳۹۷]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور حضرت اسامہ ؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، حضرت بلال ؓ اور عثمان بن طلحہ ؓ ہمراہ تھے یہاں تک کہ کعبہ کے پاس آئے اور اونٹنی کو بٹھایا، پھر عثمان بن طلحہ سے کہا کہ کنجی لاؤ، وہ کنجی لائے اور کعبہ کا دروازہ کھولا، تو آنحضرت ﷺ اور حضرت اسامہ، بلال اور عثمان ؓ اندر داخل ہوئے اور پھر دروازہ اندر سے بند کرلیا، بہت دیر تک دن کے وقت وہاں ٹھہرے رہے اور اس کے بعد باہر تشریف لائے تو بہت سے لوگ اندر داخل ہونے کے لئے بڑھے، مگر میں سب سے پہلے اندر گیا، میں نے دیکھا کہ حضرت بلال ؓ دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں، تو میں نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کس جگہ ادا فرمائی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آگے کے ان دوستونوں کے درمیان آپ نے نماز ادا فرمائی، ان دنوں بیت اللہ میں چھ ستون تھے، دوسطروں میں تین تین ستون، آپ نے اگلی قطار کے دوستونوں کے درمیاں نماز پڑھی، آپ کی پشت مبارک دروازہ کی طرف تھی اور چہرۂ مبارک اس طرف کیا جدھر بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت تمہارا چہرہ ہوتا ہے، آنحضرت اور اس دیوار کے درمیان تین ہاتھ کے قریب فاصلہ تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں حضرت بلال ؓ سے یہ معلوم کرنا بھول گیا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنی رکعات ادا فرمائی تھیں اور جہاں آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اس مقام پر کوئی سرخ پتھر تھا۔

۴۴۰۱ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: حدثني عروة بن الزبير وأبو سلمة بن عبد الرحمٰن: أن عائشة زوج النبي ﷺ أخبرتهما أن صفية بنت حيي زوج النبي ﷺ حاضت في حجة الوداع، فقال النبي ﷺ: ((أحابستنا هي؟)) فقلت: إنها قد أفاضت يا رسول الله وطافت بالبيت، فقال النبي ﷺ: ((فلتنفر)). [راجع: ۲۹۴]

ترجمہ: زہری عروہ بن زبیر اور سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ زوجہ رسول ﷺ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ زوجہ رسول ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع کے دن حائضہ ہوگئیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کی وجہ سے کیا ہمیں ٹھہرنا پڑے گا؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ تو مکہ واپس آکر طواف زیارت کرچکی ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر کیا فکر ہے (کیونکہ طواف وداع کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

۴۴۰۲ ـ حدثنا يحيى بن سليمان قال: أخبرني ابن وهب قال: حدثني عمر بن محمد أن أباه حدثه عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا نتحدث بحجة الوداع والنبي ﷺ بين أظهرنا ولا ندري ما حجة الوداع، فحمد الله وأثنى عليه، ثم ذكر المسيح الدجال فأطنب في ذكره وقال: ((ما بعث الله من نبي إلا أنذر أمته، أنذره نوح والنبيون من بعده، وإنه يخرج فيكم فما خفي عليكم من شأنه فليس يخفى عليكم أن ربكم ليس على ما يخفى عليكم ثلاثا، إن ربكم ليس بأعور، وإنه أعور عين اليمنى كأن عينه عنبة طافية)).
[راجع: ۳۰۵۷]

۴۴۰۳ ـ ((ألا إن الله حرم عليكم دماء كم وأموالكم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا، ألا هل بلغت؟)) قالوا: نعم، قال: ((اللهم اشهد))، ثلاثا. ((ويلكم، أو ويحكم انظروا لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض)).
[راجع: ۱۷۴۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم ایک بار حجۃ الوداع کا ذکر کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ ہم میں موجود تھے مگر ہم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حجۃ الوداع کسے کہتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کی تعریف کے بعد مسیح دجال کا حال بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا کہ جس نے اپنی امت کو مسیح دجال سے نہ ڈرایا ہو، یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں نے بھی ڈرایا، وہ ضرور تم ہی میں سے نکلے گا، پس اگر اس کا کچھ حال تم پر پوشیدہ رہے تو رہے مگر یہ بات تم پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ تمہارا رب کانا نہیں اور تمہارے پہچاننے کے لئے یہ علامت کافی ہے کہ وہ کانا ہوگا، اور تمہارا رب کانا نہیں ہے، اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی اور انگور کے دانے کی طرح پھولی ہوئی ہوگی۔

لہٰذا اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آج، اس شہر اور مہینہ میں مسلمانوں کے خون اور مال کو تم پر حرام کیا ہے اسی طرح آئندہ بھی حرام ہے، کیا میں نے اللہ کے احکامات آپ کو پہنچا دیئے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا جی ہاں! پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ تمہاری خرابی یا تم پر افسوس کہ دیکھو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

واقعہ کا پس منظر

بعض اوقات حضور اکرم ﷺ نے کوئی بات ذکر کی تھی کہ حجۃ الوداع میں یہ بات ہوگی اور ابھی حجۃ الوداع پیش نہیں آیا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمار ہے ہیں کہ ہم حجۃ الوادع کی باتیں کیا کرتے تھے جب کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرماتھے، **"ولا ندری ما حجۃ الوداع"** مگر ہم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حجۃ الوداع کسے کہتے ہیں اور حجۃ الوداع کیا ہے؟

حالانکہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کا لفظ استعمال کر کے اشارہ اس بات کی طرف فرمایا تھا کہ یہ میرا آخری حج ہوگا اور اس کے بعد میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، تو ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حجۃ الوداع کیوں کہا جارہا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔

"فما خفی علیکم من شانہ فلیس یخفی علیکم الخ" یعنی اس دجال کے حالات کی کوئی چیز تم پر پوشیدہ ہو جائے تو ہو جائے لیکن یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی مگر یہ بات تم پر یہ بات پوشیدہ نہ رہنے کہ تمہارا رب کانا نہیں اور تمہارے پہچاننے کے لئے یہ علامت کافی ہے کہ وہ کانا ہوگا۔

عبداللہ بن عمر کا مقصد یہ ہے کہ اب ہماری سمجھ میں آیا جب آپ ﷺ نے خطبہ دیا کہ حجۃ الوداع کیوں کہہ رہے تھے کیوں کہ آپ ﷺ نے اس میں وہ نصیحتیں فرمائی جو کوئی رخصت ہونے والا آدمی نصیحتیں فرماتے ہیں۔

۴۴۰۴ ۔ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا أبو إسحاق قال: حدثني زيد ابن أرقم أن النبي ﷺ غزا تسع عشرة غزوة، وأنه حج بعد ما هاجر حجة واحدة لم يحج بعدها حجة الوداع. قال أبو أسحاق: وبمكة اخرى. [راجع: ۳۹۴۹]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے انیس غزوات مین شرکت فرمائی اور ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا، جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اس کے بعد آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ ابواسحاق کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک حج اس وقت کیا تھا جس وقت آپ ﷺ مکہ میں تھے۔

ہجرت سے قبل حج

"قال أبو أسحاق: وبمكة اخرى" ابواسحاق کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک حج اس وقت کیا تھا جس وقت آپ ﷺ مکہ میں تھے یعنی ہجرت سے پہلے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ میں صرف ایک حج کیا تھا حالانکہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ ﷺ ہر

سال حج فرماتے تھے تو اس لئے "اخری" سے مراد "حج اُخریٰ" جمع کے صغیہ کے ساتھ یعنی باقی تمام حج مکہ مکرمہ میں قیام کے زمانے میں کئے۔ ٦

- یا ان کے خیال کے مطابق صرف ایک حج کا پتہ چلا باقی کا پتہ نہیں چلا۔

۴۴۰۵ ـ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن علي بن مدرک، عن أبي زرعة بن عمرو بن جرير، عن جرير: أن النبي ﷺ قال في حجة الوداع لجرير: ((استنصت الناس))، فقال: ((لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض)). [راجع: ۱۲۱]

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا کہ سب لوگوں کو خاموش کرادو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! میرے بعد ایسا مت کرنا کہ اسلام سے پھر جاؤ اور کافر ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو۔

تشریح

اس روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "**استنصت الناس**" لوگوں کو خاموش کرواؤ، تاکہ میں جو کہوں وہ سن سکیں کیونکہ آپ ﷺ خطبہ دینا چاہتے تھے اس لئے لوگوں کو خاموش کروانے کے حکم دیا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ "**لا ترجعوا بعدي كفارا**" میرے بعد اسلام سے پھر مت جانا، "**يضرب بعضكم رقاب بعض**" اور آپس میں اختلافات میں پڑ کر ایک دوسرے کی گردنیں مت مارنے لگ جانا یعنی جنگ جدل میں مت پڑ جانا۔

بعض حضرات کے نزدیک حضرت جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چالیس روز قبل اسلام لائے تھے، لیکن اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ وفات سے بہت پہلے حضرت جریر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع سے قبل ہی اسلام لے آئے تھے اور حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ ٧

---

٦ قوله: ((وبمكة اخرى)) يعني: حج حجة اخرى بمكة قبل أن يهاجروا، وهذا يوهم أنه لم يحج قبل الهجرة الا حجة واحدة، وليس كذلك، بل حج قبل الهجرة مراراً عديدة. عمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۵۹، وفتح الباري، ج:۸، ص: ۱۰۷

٧ وفيه دليل على وهم من زعم أن اسلام جرير كان قبل موت النبي ﷺ بأربعين يوماً، لأن حجة الوداع كانت قبل موته ﷺ بأكثر من ثمانين يوماً، لأن جريراً قد ذكر أنه حجر مع النبي ﷺ حجة الوداع. عمدة القاري، ج:۱۸، ص: ۵۹

۴۴۰۶ ـ حدثني محمد بن المثنى: حدثنا عبد الوهاب: حدثنا أيوب، عن محمد، عن ابن أبي بكرة عن أبي بكرة عن النبي ﷺ قال: ((الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق السماوات والأرض. السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاثة متواليات، ذو القعدة، وذو الحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان، أي شهر هذا؟)) قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: ((أليس ذا الحجة؟)) قلنا: بلى، قال: ((فأي بلد هذا؟)) قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: ((أليس البلدة؟)) قلنا: بلى، قال: ((فأي يوم هذا؟)) قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: ((أليس يوم النحر؟)) قلنا: بلى، قال: ((فإن دماءكم وأموالكم ـ قال محمد: وأحسبه قال: وأعراضكم ـ عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا. وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم، ألا فلا ترجعوا بعدي ضلالا، يضرب بعضكم رقاب بعض. ألا ليبلغ الشاهد الغائب، فلعل بعض من يبلغه أن يكون أوعى له من بعض من سمعه)). فكان محمد إذا ذكره يقول: صدق محمد ﷺ ثم قال: ((ألا هل بلغت؟)) مرتين. ۵

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ ﷺ نے بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے دن نبی ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دیکھو زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی مقام پر آ گیا جہاں پیدائش آسمان وزمین کے دن تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین تو متواتر ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا رجب کا مہینہ ہے، جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے، پھر آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو خوب معلوم ہے، آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے، ہم کو خیال ہوا کہ آپ اس مہینہ کا نام کوئی دوسرا فرمائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ مہینہ ذی الحجہ کا نہیں ہے؟ عرض کیا جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو خوب معلوم ہے، آپ تھوڑی دیر خاموش رہے، ہم نے خیال کیا

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، رقم: ۱۶۷۹، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب أشهر الحرم، رقم: ۱۹۴۷، وسنن النسائي، كتاب تحريم الدم، باب تحريم القتل، رقم: ۴۱۳۰، وسنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب من بلغ علماً، رقم: ۲۳۳، ومسند أحمد، باب حديث أبي بكرة نفيع بن الحارث بن كلدة، رقم: ۲۰۴۹۸، ۲۰۴۶۱، ۲۰۴۵۳، ۲۰۴۴۹، ۲۰۴۱۹، ۲۰۴۰۷، ۲۰۳۸۷. وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب في الخطبة يوم النحر، رقم: ۱۹۵۷

کہ آپ اس شہر کا نام کوئی دوسرا فرمائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس کا نام مکہ نہیں ہے؟ عرض کیا جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ آج دن کیا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو خوب معلوم ہے، آپ تھوڑی دیر خاموش رہے، ہم کو خیال ہوا کہ شاید آپ کوئی دوسرا فرمائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا یوم النحر نہیں ہے؟ عرض کیا جی ہاں، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوب سن لو! تمہاری جانیں، تمہارے مال، راوی محمد کہتے ہیں کہ میرے خیال میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا تھا، کہ تمہاری آبروئیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ مہینہ، شہر اور دن حرام ہیں، تم کو ایک روز اپنے رب کے پاس جانا ہے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا، لہٰذا یہ مت کرنا کہ میرے بعد گمراہ ہو جاؤ اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ اور سنو تم میں سے جو لوگ یہاں حاضر ہیں وہ اس کو دوسروں تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں، کیونکہ کبھی یہ ہوتا ہے کہ پہنچانے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھتا ہے جس کو پہنچائی جائے۔

محمد اس حدیث کو بیان کرتے وقت کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا، یہ دو مرتبہ فرمایا۔

۴۴۰۷ ـ حدثنا محمد بن یوسف: حدثنا سفیان الثوري، عن قیس بن مسلم، عن طارق بن شهاب: أن أناسا من الیهود قالوا: لو نزلت هذه الآیة فینا لاتخذنا ذلک الیوم عیدا، فقال عمر: أیة آیة؟ فقالوا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ فقال عمر: إني لأعلم أي مکان أنزلت، أنزلت ورسول الله ﷺ واقف بعرفة. [راجع: ۴۵، ۶۷]

ترجمہ: حضرت طارق بن شہاب نے بیان کیا کہ کچھ یہودیوں نے اس طرح کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سی آیت؟ یہودی نے کہا ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ الخ﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے معلوم ہے جہاں یہ آیت نازل ہوئی تھی، یہ عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی، جب کہ آنحضرت ﷺ عرفات میں تشریف فرما تھے۔

۴۴۰۸ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالک، عن أبي الأسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ فمنا من أهل بعمرة، ومنا من أهل بحجة، ومنا من أهل بحج وعمرة، وأهل رسول الله ﷺ بالحج. فأما من أهل بالحج، أو جمع الحج والعمرة فلم یحلوا حتی یوم النحر. حدثنا عبدالله بن یوسف: أخبرنا مالک وقال: مع رسول الله ﷺ في حجة الوداع. حدثنا إسماعیل: حدثنا مالک مثله. [راجع: ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے نکلے تو کچھ لوگوں نے عمرے کی نیت کی تھی، کچھ نے حج کی اور کچھ نے دونوں کی اور رسول اللہ ﷺ نے حج کی نیت فرمائی تھی۔ تو جس نے صرف حج کی یا حج وعمرہ دونوں کی نیت کی تھی، تو وہ احرام باندھے رہے جب تک کہ یوم النحر نہیں آ گیا۔

عبداللہ بن یوسف کہتے ہیں کہ امام مالک اس روایت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ اسماعیل بن اویس کا بیان ہے کہ امام مالک نے مجھ سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی جو اوپر گزری ہے۔

۴۴۰۹ ۔ حدثنا أحمدبن يونس: حدثنا إبراهيم هو ابن سعد: حدثنا ابن شهاب، عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: عادني النبي ﷺ في حجة الوداع من وجع أشفيت منه على الموت، فقلت: يا رسول الله، بلغ بي من الوجع ما ترى وأنا ذو مال ولا يرثني إلا ابنة لي واحدة، فأتصدق بثلثي مالي؟ قال: ((لا)) قلت: أفأتصدق بشطره؟ قال: ((لا)) قلت: فالثلث؟ قال: ((الثلث والثلث كثير، إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس، ولست تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت بها حتى اللقمة تجعلها في في امرأتك)). فقلت: يا رسول الله،أخلف بعد أصحابي؟ قال: ((إنك لن تخلف فتعمل عملا تبتغي به وجه الله إلا ازددت به درجة ورفعة ولعلك تخلف حتى ينتفع بك أقوام ويضربك آخرون، اللّٰهم أمض لأصحابي هجرتهم ولا تردهم على أعقابهم، لكن البائس سعد بن خولة)) رثى له رسول الله ﷺ أن توفي بمكة.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر مرض میں مبتلا ہو کر موت کے قریب پہنچ گیا، رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنا سخت بیمار ہو گیا ہوں اور میں بہت مال رکھتا ہوں، اور ایک بیٹی کے سواء کوئی میرا وارث نہیں ہے، تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے منع فرما دیا، میں نے عرض کیا اچھا کیا ایک تہائی حصہ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں دے سکتے ہو، مگر اپنے وارثوں کو محتاج چھوڑنے سے مالدار چھوڑنا اچھا ہے، نہیں تو وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اس کا ثواب ملے گا، حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی جو تم اپنی بیوی کو کھلاؤ گے۔ پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنے ساتھیوں کے بعد بچھڑ جاؤں گا (یعنی وہ آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ چلے جائیں گے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر رہ بھی گئے تو اللہ کی مرضی پر چلو گے۔ تو

مرتبہ بڑھے گا، اور کوئی تعجب نہیں کہ تم زیادہ دن زندہ رہو، اور تمہاری وجہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، اور کافروں کو نقصان پہنچے۔ اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو پورا کر دے اور ان کو پیچھے مت پھیرنا، بیچارہ سعد بن خولہ ﷺ جو مکہ میں انتقال کر گئے، جس کا آنحضرت ﷺ کو بہت صدمہ ہوا۔

حضرت سعد ﷺ کی بیماری اور آنحضرت ﷺ کی دعاء

"فقلت: یا رسول اللہ، أخلف بعد أصحابی؟" حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنے اصحاب کے پیچھے رہ جاؤں گا؟

اس جملے کے دو معنی ہیں:

ایک معنی یہ ہے کہ میرے اصحاب مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ سے جا ملیں گے اور میں پیچھے رہ جاؤں گا۔

دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں دوسرے اصحاب سے ہجرت میں پیچھے رہ جاؤں کہ میں یہاں حجۃ الوداع کے موقع پر آیا ہوں یہیں پر میرا انتقال ہو جائے اور اس کی وجہ سے مجھے ہجرت کا ثواب ملنا چاہئے وہ نہ ملے۔

لیکن پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے کہ میرے اصحاب پہلے مر جائیں اور میں زندہ رہوں۔

"قال: إنک لن تخلف فتعمل عملا تبتغی به وجه اللہ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم زندہ رہے تو تم پیچھے نہیں رہو گے جب کہ تم ایسا عمل کرو جس میں اللہ کی رضا مقصود ہو، **"إلا ازددت به درجة ورفعة"** تو اس پیچھے رہنے کے نتیجہ میں تمہارے درجات بلند ہوں گے اور بلندی میں اضافہ ہوگا۔

یعنی جو لوگ پہلے اللہ کے پاس پہنچ گئے ہیں ان پر رشک کرنا کہ وہ پہلے چلے گئے اور ہمیں ابھی تک نصیب نہ ہوا، یہ بات درست نہیں اس واسطے کہ زندگی کا جو لمحہ بھی مل رہا ہے اگر آدمی اس میں اللہ کی رضا کا کام کرے تو اس سے آدمی اپنے درجات میں اضافہ کر سکتا ہے۔

ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ **"ولعلک تخلف حتی ینتفع بک أقوام ویضربک آخرون"** شاید تم پیچھے رہ جاؤ گے یعنی دیر میں تمہارا انتقال ہوگا، اسکے نتیجہ میں کچھ لوگوں کو تم سے فائدہ پہنچے گا اور کچھ کو نقصان پہنچے گا۔

قوموں کو فائدہ پہنچے گا یعنی مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا چنانچہ مشہور جنگِ قادسیہ کے سپہ سالار اور ایران کے فاتح حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ ہی ہیں تو ایران پورا فتح کیا، مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔

دوسروں کو نقصان پہنچے گا یعنی اہل فارس اور آتش پرستوں کو نقصان پہنچایا۔

پھر آپ ﷺ نے یہ بھی دعا فرمائی **"اللّٰهم امض لأصحابي هجرتهم ولا تردهم على أعقابهم"** کہ اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو نافذ فرما، جاری فرما اور ان کو واپس مت لے جا۔

اس میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور دوسرے صحابہ کرام ﷺ کو جو فکر تھی کہ ویسے تو اللہ تعالی کے پاس جانے کا شوق ہے لیکن اگر یہاں مکہ مکرمہ میں مرجائیں گے تو پہلے مدینہ منورہ کی طرف جو ہجرت کر چکے ہیں ہمارا وہ ثواب ضائع نہ ہو جائے، تو اس کے لئے دعا فرمائی۔

"لكن البائس سعد بن خولة" آپ ﷺ نے فرمایا کہ لیکن بیچارہ سعد بن خولہ جو مکہ میں انتقال کر گیا۔

حضرت سعد بن خولہ ﷺ مہاجر صحابہ کرام میں سے تھے، غزوہ بدر میں شریک تھے، حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر آئے تھے اور یہیں مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ بات جس سے صحابہ کرام ﷺ ڈرا کرتے تھے کہ **"دار الهجرة"** سے واپس ہم اپنے پرانے وطن کی طرف جائیں اور وہیں پر ہمارا انتقال ہو جائے تو کہیں ہماری ہجرت کا ثواب ضائع نہ ہو جائے، وہ اندیشہ حضرت سعد بن خولہ ﷺ کو پیش آیا کہ یہیں پر ان کا انتقال ہوا۔

اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بے چارہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ ان کا انتقال **"دار الهجرة"** میں ہو تو آپ ﷺ نے ان کی اس بات پر غم کا اظہار کیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی وفات پا گئے۔ [۹]

۴۴۱۰ ۔ حدثني إبراهيم بن المنذر: حدثنا أبو ضمرة: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع: أن ابن عمر رضي الله عنهما أخبرهم أن النبي ﷺ حلق رأسه في حجة الوداع. [راجع: ۱۷۲۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں تمام ارکان ادا کرنے کے بعد اپنا سر منڈوا دیا تھا۔

۴۴۱۱ ۔ حدثنا عبيد الله بن سعيد: حدثنا محمد بن بكر: حدثنا ابن جريج: أخبرني موسى بن عقبة، عن نافع: أخبره ابن عمر أن النبي ﷺ حلق رأسه في حجة الوداع وأناس من أصحابه وقصر بعضهم. [راجع: ۱۷۲۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ اور بعض صحابہ نے بال منڈوائے اور کسی نے صرف کتروائے تھے۔

---

[۹] قوله: ((البائس)). هو شديد الحاجة وهي كلمة ترحم وكان سعد مهاجرياً بدرياً مات بمكة في حجة الوداع، وكان يكره أن يموت بمكة ويتمنى ان يموت بغيرها، فلم يعط مايتمنى فترحم عليه رسول الله . عمدة القارى، ج:۱۸، ص: ۶۲

۴۴۱۲ ۔ حدثنا یحیی بن قزعة: حدثنا مالک، عن ابن شهاب. وقال اللیث: حدثني یونس، عن ابن شهاب: حدثني عبید الله بن عبد الله: أن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما أخبره أنه أقبل یسیر علی حمار ورسول الله ﷺ قائم بمنی في حجة الوداع یصلي بالناس، فسار الحمار بین یدي بعض الصف ثم نزل عنه فصف مع الناس. [راجع: ۷۶]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کہ میں ایک گدھے پر بیٹھا ہوا آرہا تھا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں کھڑے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، ابھی تھوڑی سی صف کے سامنے سے میرا گدھا گزرا تھا کہ میں نیچے اتر کر صف میں کھڑا ہو گیا۔

۴۴۱۳ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن هشام قال: حدثني أبي قال: سئل أسامة وأنا شاهد عن سیر النبي ﷺ في حجته فقال: العنق، فإذا وجد فجوة نص. [راجع: ۱۶۶۶]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں سن رہا تھا کہ کسی نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ حجۃ الوداع میں حضور اکرم ﷺ اپنی سواری کس طرح چلاتے تھے، انہوں نے کہا، درمیانی چال سے اگر جگہ کشادہ ہوتی تو تیز بھی چلاتے تھے۔

حج کے موقع پر آپ ﷺ کے چلنے کی کیفیت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا گیا حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے چلنے کا کیا طریقہ تھا یعنی رفتار کیسی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی درمیانی رفتار تھی۔

"عنق" متوسط درجے کی رفتار کو کہتے ہیں، گھوڑے یا اونٹ پر آدمی متوسط رفتار سے چلے تو **"عنق"** کہتے ہیں۔

"فإذا وجد فجوة نص" جب راستہ میں کھلی جگہ آتی، کوئی خلا آتا تو آپ ﷺ کی رفتار تیز ہو جاتی۔

"نص" کے معنی ہیں دھل کی چال یعنی تیز چلتے تھے۔ [۱۰]

---

[۱۰] قوله: ((العنق))، بفتح العین المهملة والنون وبالقاف: وهو ضرب من السیر متوسط، والفجوة: الفرجة والمتسع. قوله: ((نص))، بفتح النون وتشدید الصاد المهملة أی: سار سیراً شدیداً. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۶۴

۴۴۱۴ ـ حدثنا عبد اللہ بن مسلمة، عن مالک، عن یحیی بن سعید، عن عدي بن ثابت، عن عبد اللہ بن یزید الخطمي: أن أبا أیوب أخبرہ أنه صلی مع النبي ﷺ في حجة الوداع المغرب والعشاء جمیعا. [راجع: ۱۶۷۴]

ترجمہ: حضرت ابوایوب ؓ نے بیان کیا کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز مغرب وعشاء ایک ساتھ ادا کی ہے۔

باب
غزوۃ تبوک

(۷۹) باب غزوة تبوک، وهی غزوة العسرة

جنگ تبوک کا بیان، جسے غزوۂ عسرۃ (مشقت کا غزوہ) بھی کہتے ہیں

غزوۂ تبوک کا پس منظر

یہ باب غزوۂ تبوک کے بارے میں ہے، اس کو غزوۂ عسرۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں مسلمانوں کو مالی تنگی درپیش تھی، اسی طرح سفر بھی مشقت کا تھا اور سخت گرمی کا زمانہ تھا۔

غزوۂ تبوک کا پس منظر یہ ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد چاروں اطراف عرب سے لوگ مسلمان ہونے لگے تو آس پاس کی جو نصرانی آبادیاں تھی ان کے کان کھڑے ہوئے کہ معاملہ تو آگے بڑھ رہا ہے اور اس زمانے کی روم کی سلطنت جو سپر پاور کہی جاتی تھی، اس کے بادشاہ یعنی قیصر کے دماغ میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم تو ان کو بڑا کمزور سمجھتے تھے اور اب تو انہوں نے اتنی جلدی سارے جزیرۂ عرب پر قابو پالیا ہے تو اب یہ کچھ بعید نہیں کہ ہماری طرف بھی پیش قدمی کریں۔

لہٰذا قیصر روم ہرقل نے اس غرض سے ایک لشکر جرار جمع کیا کہ حضور ﷺ کے اوپر حملہ کیا جائے، شام سے بعض سوداگر زیتوں وغیرہ فروخت کرنے کیلئے یا کپڑے وغیرہ فروخت کرنے کیلئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے تو اس وقت بھی کچھ سوداگر مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ ہرقل نے آپ سے جنگ کی غرض سے اتنا بڑا لشکر جمع کیا ہے جو کہ چالیس ہزار افراد پر مشتمل اور اس نے اپنے سارے فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کردی ہیں اور اس کے علاوہ ان کو سال بھر کا نفقہ اکٹھا دے دیا اور پیش قدمی کرکے بلقاء کے مقام تک پہنچ گیا ہے۔

آپ ﷺ کو جب یہ خبر کو ملی تو آپ نے تمام صحابۂ کرام ﷺ کو جو وہاں موجود تھے، ان کو اکٹھا کرکے فرمایا کہ روانگی کی تیاری کرو قبل اس کے وہ آئیں، ہمیں آگے بڑھ کے حملہ کرنا ہے اس لئے سواریاں جمع کرو۔

یہ معمولی بات نہیں تھی کہ اتنی بڑی سلطنت جو اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی اس کے اوپر حملہ کا ازخود اقدام کرنا لیکن نبی کریم ﷺ نے حملہ کا ارادہ فرمایا۔

سخت ترین حالات

ایک طرف سفر اتنی لمبی مسافت، مشقت کا سفر اور سواریاں بھی کم ہیں۔

دوسری طرف شدید گرمی کا یہ مہینہ جس میں کھجوریں پکتی ہیں سنبلہ کہلاتا ہے، کیونکہ سورج اس وقت برج سنبلہ میں داخل ہوتا ہے اور وہاں کے لوگوں میں مشہور ہے سنبلہ سم وبلاسم یعنی زہر اور مصیبت۔

جن لوگوں نے کبھی یہ موسم دیکھا ہے ان کو اس کی سختی اور شدت کا اندازہ ہے، صبح صادق کے جس وقت یعنی تہجد یا فجر کے وقت بھی اتنی شدید لو چلتی ہے کہ گرم ہوا کے تھپیڑوں سے جسم جل رہا ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ آسمان سے آگ برس رہی ہے اور زمین شعلے اگل رہی ہے۔ یہ تو فجر کے وقت کا حال جس وقت سورج بھی طلوع نہیں ہوتا تو باقی دن میں کیا حال ہوتا ہوگا، اس سے اندازہ کر لیجئے۔

مدینہ منورہ سے آٹھ سو کلومیٹر دور تبوک واقع ہے، سفر بھی صحراء میں اور اس شدید گرمی کے موسم میں، چٹیل صحراء، کوئی بستی نہیں، کوئی ٹیلہ نہیں، کوئی درخت نہیں، کوئی جھاڑی نہیں، کوئی کنواں نہیں، کوئی پانی نہیں۔

اس صحراء کو **"صحراء النفود الکبیر"** کہتے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نفود یہ نفاد سے نکلا ہے یعنی ہلاکت کا صحراء تو یہ وہ صحراء ہے جہاں سائے کا دور دور تک نام ونشان نہیں اور دوسرے صحراء جہاں پر کہیں ٹیلے ہوتے ہیں کہیں کوئی درخت، جھاڑی وغیرہ ہوتی ہے، اس کا سایہ مل جاتا ہے مگر اس میں دور دور تک سایہ نہیں ہے۔

تیسرا یہ کہ کھجوروں کے پکنے کا موسم کہ جس پر اہل مدینہ کے پورے سال کی معیشت کا دار و مدار ہے، کیونکہ اس وقت میں کھجوروں کو درختوں سے اتارتے تھے اور وہی سارے سال میں ایسا موسم ہوتا تھا کہ لوگ باغوں میں جا کر مقیم ہوتے، خود بھی کھاتے تھے، اپنے گھر والوں کو بھی کھلاتے تھے، ان کی تجارت بھی ہوتی تھی، ان کو سکھاتے بھی تھے تاکہ پورا سال ان سے گزارا بھی ہو جائے اور اگر اس موسم میں کھجوریں درختوں پر میں رہ جائیں تو خراب ہو جاتیں، رطب یعنی تازہ کھجور کی اگر حفاظت نہ کی جائے تو بہت جلدی خراب ہو جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا حوصلہ اور صحابہ کرام ؓ کی قربانیاں

سارے سال کی معیشت کا دار و مدار کھجوروں پر اور ان کے پکنے کا موسم، پھر سفر اتنا لمبا کہ آٹھ سو کلومیٹر کا سفر جو پیدل طے کرنا تو ممکن نہیں اس کیلئے سواریاں چاہئیں اور سواریوں کی قلت، وقت کی عظیم سلطنت کے ساتھ ٹکر لینا، یہ سارے مسائل تھے لیکن نبی کریم ﷺ کا حوصلہ اتنا عالی تھا کہ آپ نے اس وقت یہ فیصلہ فرمایا کہ جانا ہے اور جانثار ساتھیوں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور نکل کھڑے ہوئے۔

کیا کیا قربانیاں دے کر اس غزوہ میں شرکت فرمائی تھی وہ صحابہ کرام ؓ ہی جانتے ہیں، ہم آپ اس زمانہ میں اس کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ جن صحابہ کرام ؓ نے اس جیش میں شرکت کی ہے وہ خود یہ فرماتے ہیں جیسا

کہ آگے روایت آرہی ہے حضرت یعلی بن امیہ ؓ فرماتے ہیں کہ **"اوثق اعمالی عندی"** میں اپنے تمام عملوں میں سے اس عمل پر زیادہ اعتماد کرتا ہوں، یہ ایسے ہی نہیں فرما رہے ہیں۔

غرض یہ کہ حضور اکرم ﷺ اس تنگی اور سختی کے عالم میں روانہ ہوئے، راستہ میں بکثرت معجزات پیش آئے وہاں پہنچ کر بھی عجیب وغریب معجزات پیش آئے۔

آپ ﷺ تبوک پہنچے اور وہاں جا کر قیام فرمایا اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہاں تو خبر یہ تھی کہ ہرقل لشکر جرار لے کر بلقاء تک پہنچ گیا ہے لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ جا کر تبوک میں مقیم ہوئے تو معلوم ہوا کہ سب میدان صاف ہے وہ لوگ بھاگ گئے ہیں، جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔

لیکن اس محنت کا ثمر یہ ظاہر ہوا اور اس محنت کا نتیجہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دکھایا کہ جب تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تو آس پاس کی بستیوں کے لوگ آ آ کر مسلمان ہوئے۔ بعض نے خراج دینا منظور کیا یہاں تک کہ شام کے اعلاء اور ازرق اور جرباء کے لوگ آئے اور آکر انہوں نے خراج دینا منظور کیا، وادی القریٰ کے لوگ آئے اور بہت سے مسلمان ہوئے۔

تبوک کے مقام سے ہی آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر کو دومۃ الجندل کی جانب روانہ فرمایا روانہ کیا اور جہاں انہوں نے وہاں کے نصرانی بادشاہ اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کیا وغیرہ وغیرہ تو بہت سی فتوحات کا دروازہ وہاں سے کھلا۔ [2]

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے دشمن پر رعب طاری کر دیا کہ یہ اتنے جری ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ہمارے حملہ کا انتظار کیا بلکہ الٹا ہمارے اوپر چڑھ آئے تو اس واسطے اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ان کی دھاک بیٹھا دی۔

یہ غزوۂ تبوک کا مختصر سا خلاصہ ہے۔

۴۴۱۵ ۔ حدثنی محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن برید بن عبداللہ بن أبی بردة، عن أبی بردة، عن أبی موسی ؓ قال: أرسلنی أصحابی إلی رسول اللہ ﷺ أسأله الحملان لهم إذ هم معه فی جیش العسرة وهی غزوة تبوک. فقلت: یا نبی اللہ، إن أصحابی أرسلونی إلیک لتحملهم، فقال: ((واللہ لا أحملکم علی شیء)). ووافقته وهو غضبان ولا أشعر ورجعت حزینا من منع النبی ﷺ ومن مخافة أن یکون النبی ﷺ وجد فی

---

[1] التاریخ القدیم، ج: ۱، ص: ۲۳

[2] عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۶۵،۶۴، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۱۱، وکتاب المغازی للواقدی، ج: ۳، ص: ۱۰۲۵۔۹۸۹، وسیرة ابن هشام، ج: ۲، ص: ۵۲۶۔۵۱۵، وطبقات ابن سعد، ج: ۲، ص: ۱۲۵، ۱۲۴

نفسه علی فرجعت إلی أصحابی فأخبرتهم الذی قال النبی ﷺ فلم ألبث إلا سویعة إذ سمعت بلالا ینادی: أی عبد الله بن قیس، فأجبته، فقال: أجب رسول الله ﷺ یدعوک، فلما أتیته قال: ((خذ هذین القرینین وهذین القرینین لستة أبعرة ابتاعهن حینئذ من سعد ـ فانطلق بهن إلی أصحابک فقل: إن الله ـ أو قال: إن رسول الله ﷺ ـ یحملکم علی هؤلاء فارکبوهن)). فانطلقت إلیهم بهن فقلت: إن النبی ﷺ یحملکم علی هؤلاء ولکنی والله لا أدعکم حتی ینطلق معی بعضکم إلی من سمع مقالة رسول الله ﷺ، لا تظنوا أنی حدثتکم شیئا لم یقله رسول الله ﷺ. فقالوا لی: إنک عندنا لمصدق ولنفعلن ما أحببت، فانطلق أبو موسی بنفر منهم حتی أتوا الذین سمعوا قول رسول الله ﷺ منعه إیاهم إعطاء هم بعد فحدثوهم بمثل ما حدثهم به أبو موسی. [راجع: ۳۱۳۳]

ترجمہ: ابو بردۃ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے بیان کیا کہ میرے ساتھیوں نے جیش العسرۃ یعنی جنگ تبوک کے موقع پر مجھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تاکہ میں ان سے سواری طلب کروں، میں نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے میرے ساتھیوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ میں آپ سے سواری طلب کروں، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں تمہیں کوئی سواری نہ دوں گا۔ آپ ﷺ اس وقت غصہ میں تھے اور میں اس حالت کو سمجھا نہیں، میں افسوس کرتا ہوا واپس آیا، مجھے ایک غم تو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں سواری نہیں دی، دوسرا یہ رنج تھا کہ کہیں نبی ﷺ مجھ سے خفا نہ ہو جائیں، میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا اور جو کچھ نبی ﷺ نے کہا تھا اس کی انہیں اطلاع دی، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت بلال ﷺ پکارتے ہوئے آئے کہ عبداللہ بن قیس کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا تو وہ کہنے لگے چلو آنحضرت ﷺ تم کو بلاتے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اونٹ کے دو جوڑے اور یہ دو جوڑے (غالباً آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، راوی نے اختصاراً دو مرتبہ کہا) لے جاؤ، اس طرح آنحضرت ﷺ نے چھ اونٹ عنایت فرمائے، ان اونٹوں کو آنحضرت ﷺ نے اسی وقت سعد خریدا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہنا کہ یہ اونٹ اللہ تعالیٰ نے یا یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو سواری کے واسطے دیئے ہیں، انہیں کام میں لاؤ، میں اونٹ لے کر ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ یہ اونٹ آنحضرت ﷺ نے تمہیں سواری کے واسطے عنایت فرمائے ہیں، مگر میں تمہیں ان لوگوں کے پاس لے چلوں گا جنہوں نے پہلی بار نبی ﷺ کا منع فرمانا سنا ہے، کیونکہ شاید تم مجھے جھوٹا خیال کرو اور یہ سمجھو کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔ ساتھیوں نے کہا نہیں، ہم تم کو سچا جانتے ہیں، پھر بھی اگر تم کہتے ہو تو ہم چلیں گے، آخر ایک آدمی میرے ساتھ وہاں آیا، جہاں انکار کو سننے والے موجود تھے، انہوں نے میری تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے پہلے منع فرمایا

تھا، تو ان لوگوں نے اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ نے اپنے ساتھیوں کو بیان کیا تھا۔

ابو موسیٰ اشعری ﷛ کا سواریوں کا مطالبہ

یہ حدیث پہلے بھی اشعرین کے بارے میں گزری ہے، لیکن یہاں مفصل انداز میں بیان ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ فرماتے ہیں کہ **"ارسلني أصحابي إلى رسول الله ﷺ الخ"** مجھے میرے ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ میں ان کے لئے آپ ﷺ سے سواریاں مانگوں، اس واسطے کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ جیش العسرٰی میں جانا چاہتے ہیں جس کا نام غزوۂ تبوک ہے۔

"یا نبي الله، إن الخ" میں نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے میرے ساتھیوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تا کہ آپ ان کو سواری عطا فرمائیں، **"فقال: والله لا أحملكم على شيء"** آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں کسی چیز کی سواری نہیں دوں گا۔

"ووافقته وهو غضبان ولا أشعر ورجعت حزينا الخ" اور میں نے سوال ایسے وقت میں کیا تھا کہ جب آپ ﷺ حالتِ غضب میں تھے اور مجھے پتہ نہیں تھا اور اس وقت مجھے ایک تو مجھے حضور ﷺ کے منع کر دینے کا غم تھا اور دوسرا یہ خوف تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے دل میں مجھ سے ناراض نہ ہوں، تو میں ساتھیوں کی طرف واپس گیا اور بتایا کہ جو کچھ نبی ﷺ نے کہا تھا اس کی انہیں اطلاع دی۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ اس وقت کیا واقعہ پیش آیا تھا کیونکہ آدمی بے شمار تھے، جانا بھی تھا اور سواریوں کی ضرورت بھی تھی اور ہر ایک آدمی آ کے سواری مانگ رہا تھا اور انہوں نے اصرار بھی کیا، ایک کے بعد دوسری مرتبہ اصرار بھی کیا، حضور اکرم ﷺ نے شاید اس وجہ سے غصہ کا اظہار فرما کر قسم کھالی۔

"فلم ألبث إلا سويعة إذ سمعت بلالا ينادي الخ" ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ میں نے حضرت بلال ﷛ سنی کہ وہ آواز لگا رہے تھے کہ عبد اللہ بن قیس کہاں ہے؟ عبد اللہ بن قیس حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ کا نام ہے۔ میں نے جواب دیا تو وہ کہنے لگے چلو آپ حضور ﷺ کی دعوت قبول کریں آپ کو بلا رہے ہیں۔

جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا **"خذ هذين القرينين وهذين القرينين الخ"** تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ جوڑی لے لو اور یہ جوڑی لے لو، چھ اونٹوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا جو حضرت سعد بن عبادہ ﷛ سے اسی وقت خریدے تھے، **"فانطلق بهن إلى أصحابك فقل: إن الله الخ"** پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہنا کہ یہ اونٹ اللہ تعالیٰ نے یا یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو سواری کے واسطے دیئے ہیں، تو تم ان پر سواری کرو۔

"**فانطلقت إليهم بهن فقلت: إن النبي ﷺ يحملكم الخ**" تو میں ان کے پاس لے گیا، لیکن دل میں یہ خیال ہوا کہ ابھی چند لمحات پہلے تو میں نے ان سے آ کر یہ کہا تھا کہ حضور ﷺ نے منع کر دیا ہے اور اب لے کر آ رہا ہوں تو کہیں ان کے دل میں خیال نہ ہو کہ پہلے میں نے جھوٹ بولا تھا تو کہتے ہیں کہ میں آپ کو چھوڑوں گا نہیں جب تک کہ تم میں سے کوئی آدمی میرے ساتھ ایسے شخص کے پاس جائے جس نے رسول اللہ ﷺ کی پہلی بات سنی ہو کہ پہلے آپ ﷺ نے منع کر دیا تھا، "**لا تظنوا أني حدثتكم شيئا الخ**" تاکہ تم لوگ یہ مت سمجھنا کہ میں نے تم کو کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جو حضور ﷺ نے پہلے نہ کہی ہو۔

"**إنك عندنا لمصدق ولنفعلن الخ**" حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم تمہاری تصدیق کرتے ہیں کہ ہمارے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ تم جھوٹ بولو گے لیکن جیسا کہ تمہاری خواہش ہے تو جیسا تم کہو گے تو وہ کریں گے اور ایک آدمی کو بھیج دیتے ہیں۔

"**حتى أتوا الذين سمعوا قول رسول الله ﷺ منعه**" یہاں تک کہ میں اس آدمی کو ایسے شخص کے پاس لے گئے جنہوں نے رسول کریم ﷺ کا قول سنا تھا جب حضور ﷺ نے ان کو منع فرمایا تھا، اونٹ دینے سے پہلے اور بعد میں اونٹ جو دیئے وہ واقعہ بھی انہوں نے دیکھ لیا تھا، "**فحدثوهم بمثل ما حدثهم به أبو موسى**" انہوں نے اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے اپنے ساتھیوں کو بیان کیا تھا۔

اس روایت میں بعض حضرات نے تطبیق بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو چھوڑ کے پانچ تھے اور ان کے اونٹ سمیت چھ تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی تطبیق کی حاجت نہیں ہے۔

راویوں کے ہاں یہ دستور ہوتا ہے کہ وہ حدیث کے مرکزی مفہوم کو پوری طرح محفوظ رکھتے ہیں، بعض اوقات جزوی معاملات میں ان کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے کسی کو پانچ یاد رہا کسی کو چھ یاد رہا۔ [۳]

اس سے حدیث کی اصل صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے اشکال نہیں۔

۴۴۱۶ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن الحكم، عن مصعب بن سعد، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ خرج إلى تبوك واستخلف عليا فقال: أتخلفني في الصبيان والنساء؟ قال: ((ألا ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه ليس نبي بعدي)) وقال أبو داود: حدثنا شعبة، عن الحكم: سمعت مصعبا. [راجع: ۳۷۰۶]

---

[۳] وتقدم في قدوم الأشعريين أنه ﷺ أمر لهم بخمس ذود وقال: هذا بستة أبعرة، فاما تعددت القصة أو زادهم على الخمس واحداً. وأما قوله ((هاتين القرينتين وهاتين القرينتين)) فيحتمل أن يكون اختصاراً من الراوي. فتح الباری، ج ۸ ص ۱۲ ، وعمدة القاري، ج ۱۸ ص ۲۰

ترجمہ: مصعب بن سعد اپنے حضرت سعد بن ابی وقاص ﷜ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے حضرت علی ﷜ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حضرت علی ﷜ نے عرض کیا کیا آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا علی تم کو خوش ہونا چاہئے کہ میرے نزدیک تمہارا مرتبہ یہ ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام کا، مگر یہ کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ابوداؤد نے اسے اس طرح روایت کیا کہ شعبہ نے حکم سے اور حکم نے مصعب سے سنا۔

روافض کا غلط استدلال اور اس کا جواب

اس حدیث سے شیعہ اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور پُرنُور ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی ﷜ کا حق ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا سفر جاتے وقت حضرت علی ﷜ کو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا، اس سے حضرت علی ﷜ کی قرابت، امانت ودیانت تو بلاشبہ معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے اپنے اہل خانہ کی نگرانی وخبر گیری اسی فرد کے سپرد کرتے ہیں جس کی امانت ودیانت اور قرابت داری پر کامل اطمینان ہو، اس کے لئے فرزند اور داماد کو اس کام کے لئے مقرر کر کے اس کے ہی سپرد کرتے ہیں لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ اور قائم مقام ہوگے، اس حدیث کا ان امور سے کوئی تعلق وجوڑ نہیں ہے۔

پھر یہ کہ حضرت علی ﷜ کی یہ قائم مقامی اور نیابت فقط اہل وعیال تک محدود تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسی غزوہ تبوک میں روانگی کے وقت حضرت محمد بن مسلمہ ﷜ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر مسجد نبوی کی امامت حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ﷜ کے حوالے فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا حضرت علی ﷜ کی خلافت ونیابت مطلقاً نہ تھی بلکہ اہل وعیال تک محدود تھی اور بالفرض مطلقاً بھی ہوتی تو صرف اس وقت تک محدود ہوتی جب تک نبی کریم ﷺ مدینہ واپس تشریف نہ لے آتے۔

رہا یہ معاملہ کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی ﷜ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور اس سے تو صراحتاً حضرت ہارون علیہ السلام کی عدم خلافت کی تائید ہوتی ہے نہ کہ خلافت بلافصل۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ اور جانشین نہیں تھے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ہی

وفات پا گئے تھے۔

نیز آپ ﷺ نے اس حدیث میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے تو اسارائے بدر کے بارے میں آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اسوقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تشبیہ دی اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم وعیسیٰ علیہما السلام حضرت ہارون علیہ السلام سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو مثال میں اس لئے پیش کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو وہ حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کے پاس چھوڑ کر گئے تھے اس کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا اور آپ ﷺ کا وصال اس کے تقریباً دوسال بعد ۱۱ھ میں ہوا۔ [۳]

۴۴۱۷ ۔ حدثنا عبید اللہ بن سعید: حدثنا محمد بن بکر: أخبرنا ابن جریج قال: سمعت عطاء یخبر قال: أخبرنی صفوان بن یعلی بن أمیة، عن أبیه قال: غزوت مع النبی ﷺ العسرة، قال: کان یعلی یقول: تلک الغزوة أوثق أعمالی عندی. قال عطاء: فقال صفوان، قال یعلی: فکان لی أجیر فقاتل إنسانا فعض أحدهما ید الآخر، قال عطاء: فلقد أخبرنی صفوان أیهما عض الآخر فنسیته، قال: فانتزع المعضوض یده من فی العاض، فانتزع إحدی ثنیتیه فأتیا النبی ﷺ فأهدر ثنیته. قال عطاء: وحسبت أنه قال: قال النبی ﷺ: ((أفیدع یده فی فیک تقضمها کأنها فی فی فحل یقضمها؟)). [راجع: ۱۸۴۷]

ترجمہ: صفوان بن یعلی اپنے والد حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ عسرۃ یعنی غزوۂ تبوک میں حاضر تھا، صفوان کہتے ہیں کہ یعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے تمام عملوں میں سے اس عمل پر زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔ عطاء نے کہا کہ صفوان نے مجھے بتایا کہ حضرت یعلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو ملازم رکھا، وہ ایک شخص سے لڑا اور پھر دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹا۔ عطاء نے بیان کیا کہ مجھے صفوان نے خبر دی کہ ان دونوں میں سے کس نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا؟ اس کو میں بھول گیا۔ کہتے ہیں کہ جس کے ہاتھ پر کاٹا گیا اس کا گوشت کاٹنے والے نے منہ میں بھر لیا، جسے بڑی

---

[۳] قال الخطابی: هذا انما قاله لعلی حین خرج الی تبوک ولم یستصحبه، فقال: أتخلفنی مع الذریه؟ فقال: أما ترضی ...... الیٰ : فضرب له المثل باستخلاف موسیٰ هارون علی بنی اسرائیل حین خرج الی الطور، ولم یرد به الخلافة بعد الموت، فان المشبه به وهو: هارون کانت وفاته قبل وفات موسی علیه الصلوة والسلام وانما کام خلیفته فی حیاته فی وقت خاص، فلیکن کذلک الأمر فیمن ضرب المثل به. عمدة القاری، ج: ۱۱، ص: ۴۴۷

وقت سے چھڑایا گیا، مگر کاٹنے والے کا دانت نکل پڑا، پھر یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، مگر آپ ﷺ نے دانت والے کو کوئی دیت نہیں دلائی، عطاء کا بیان ہے کہ شاید صفوان نے یہ بھی کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں دے دیتا جو تم اونٹ کی طرح چباڈالتے۔

منشاء بخاریؒ

حضرت یعلی بن امیہ ﷺ کے بیٹے صفوان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ غزوۂ تبوک کی فضیلت اوراس میں پیش آنے والی مشکلات کے متعلق فرماتے ہیں کہ **"غزوت مع النبی ﷺ العسرة"** میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ عسرۃ یعنی غزوۂ تبوک میں شریکِ جہاد کیا تھا۔

"کان یعلی یقول: تلک الغزوۃ أوثق أعمالی عندی" حضرت یعلی بن امیہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جتنے اعمال ہیں اس میں سب سے زیادہ بھروسہ اس کے اوپر ہے۔

اس جملہ کا کیا معنی ہے؟

یعنی جتنے میرے اعمال خیر ہیں ان میں سے اس غزوۂ تبوک میں شرکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ امید ہے کہ اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ مجھے رحمت سے نوازیں گے۔

یہاں پر اس حدیث کو لانے سے یہی جملہ مقصود ومنشاء ہے کہ حضرت یعلی ﷺ غزوۂ تبوک کی فضیلت اتنی بیان کررہے ہیں کہ وہ سارے اعمال میں سب سے زیادہ قابل امید عمل اس غزوہ میں شرکت کو قرار دیتے ہیں۔

حق دفاع کی صورت میں ہدر

ضمناً انہوں نے ایک واقعہ بیان کردیا کہ عطاء کہتے ہیں کہ صفوان نے کہا کہ حضرت یعلی بن امیہ ﷺ نے ایک واقعہ سنایا کہ **"فکان لی أجیر فقاتل إنسانا فعض الخ"** میرے پاس ایک نوکر تھا اوراس کی کسی آدمی سے لڑائی ہوگئی۔ قاتل سے یہاں پر مراد لڑائی ہے، تو ایک نے دوسرے کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔

"قال عطاء: فلقد أخبرنی الخ" عطاء کہتے ہیں کہ صفوان نے نام لے کر بتایا تھا کس نے دوسرے کو کاٹا تھا لیکن میں بھول گیا کہ کون کاٹنے والا تھا اور کس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔

"قال: فانتزع المعضوض یدہ الخ" جس کے ہاتھ پر کاٹا تھا اس نے اپنے ہاتھ کو اس کے منہ سے کھینچا تو ساتھ ساتھ کاٹنے والے کے دانت ساتھ نکل آئے، کیونکہ دانت توڑنے کا بدلہ دانت توڑنا ہے تو اب وہ کہنے لگا جس کے دانت نکالے گئے تھے کہ **"السن بالسن"** کہ دانت کے بدلہ دانت ہونے چاہیے۔

"فأتیا النبی ﷺ فأهدر ثنیته" تو وہ دونوں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس کے دانت کو ہدر قرار دیا، کہ تمہارا جو دانت گیا ہے اس کا کوئی قصاص نہیں، نہ قصاص اور نہ دیت۔

"قال عطاء: وحسبت أنه قال" عطاء کا بیان ہے کہ شاید صفوان نے یہ بھی کہا تھا حضور اکرم ﷺ نے کہ جب انہوں نے کہا کہ میرا دانت توڑ دیا ہے قصاص دلائیں۔

"قال النبی ﷺ: أفیدع یده فی فیک الخ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تم اس کو کاٹتے رہتے جیسے کہ اونٹ ہاتھ کو چباڈالتا ہے منہ میں یعنی تو اس کو کاٹتا رہے اور یہ بس دیکھتا ہی رہے اور چھوڑ دے اپنے ہاتھ کو تمہارے منہ میں کہ تو اسکو کھاتا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا حق دفاع استعمال کیا ہے اس لئے کہ اس کے پاس سوائے کھینچنے کے اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا اور اب کھینچنے سے تمہارا دانت ٹوٹ گیا تو یہ اس کا کوئی قصور نہیں۔

یہ حدیث ہے کہ جس نے ایک بہت بڑا اصول بتادیا اور جنایت کا بیان فرمادیا اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے دفاع میں دوسرے کو کوئی نقصان پہنچائے اور اتنا نقصان کہ جو دفاع کے لئے ضروری ہو تو اس نقصان کا معاوضہ اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتا، وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا اور وہ نقصان ہدر ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کے اوپر گولی تان کے کھڑا ہو جائے کہ ماردوں گا اور اسکو دفاع کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ خود بھی اسکے اوپر گولی چلائے اور ایسی حالت میں گولی چلادے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

مارنے والے کا خون ہدر ہوگا جو حملہ آور تھا اس کا خون ہدر ہوگا۔

اگر وہ یہ ثابت کردے کہ پہلا حملہ اس نے کیا تو یہ جنایت کی باب کی بہت بڑی اصل ہے جو اس حدیث سے مستنبط ہوتی ہے کہ حق دفاع، لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ حق دفاع کو اتنا استعمال کرے جتنا ضروری ہو۔

ضرورت سے زیادہ تجاوز جائز نہیں

دفاع میں یہ گنجائش نہیں کہ دفاع تو ہوسکتا تھا ایک تھپڑ مارنے سے لیکن جوش و جذبہ میں تجاوز کر کے گولی ماردی۔ اسی لئے ضرورت سے زیادہ اگر تجاوز کرے گا تو پھر وہ ضامن ہوگا، لیکن اگر وہ حدود میں رہ کر ضرورت کے تحت دفاع کرتا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔

یہ اس حدیث میں آیا ہے اور یہ حدیث صحیح بخاری میں کئی مقامات آئی ہے لیکن بنیادی اصول جو اس سے نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص دفاع میں کوئی کام کرے اور اس سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو اس صورت میں کوئی ضمان نہیں آتا۔

(۸۰) باب حديث كعب بن مالك

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بیان

یہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے غزوۂ تبوک میں اپنے پیچھے رہ جانے کا واقعہ عجیب وغریب انداز میں بیان کیا ہے، یہ حدیث سیرت کا ایک اہم حصہ ہے ہی، عربی ادب کا بھی شاہکار ہے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ خود شاعر بھی تھے اور شاعر بڑا احساس ہوتا ہے، تو ادبی اعتبار سے ایک ایک فقرہ ان کا موتیوں میں تولنے کے لائق ہے۔

وقول الله تعالى: ﴿وعلى الثلاثة الذين خلفوا﴾ [۵]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اور ان تین آدمیوں پر جو پیچھے رہ گئے۔

۴۴۱۸ ۔ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك: أن عبدالله بن كعب بن مالك وكان قائد كعب من بنيه حين عمي قال: سمعت كعب بن مالك يحدّث حين تخلف عن قصة تبوك، قال كعب: لم أتخلف عن رسول الله ﷺ في غزوة غزاها إلا في غزوة تبوك غير أني كنت تخلفت في غزوة بدر ولم يعاتب أحداً تخلف عنها. إنما خرج رسول الله ﷺ يريد عير قريش حتى جمع الله بينهم وبين عدوهم على غير ميعاد. ولقد شهدت مع رسول الله ﷺ ليلة العقبة حين تواثقنا على الأسلام وما أحب أن لي بها مشهد بدر وإن كانت بدر أذكر في الناس منها. كان من خبري أني لم أكن قط أقوى ولا أيسر حين تخلفت عنه في تلك الغزاة. والله ما اجتمعت عندي قبله راحلتان قط حتى جمعتهما في تلك الغزوة، ولم يكن رسول الله ﷺ يريد غزوة إلا ورى بغيرها حتى كانت تلك الغزوة غزاها رسول الله ﷺ في حر شديد واستقبل سفرا بعيدا ومفازا وعدوا كثيرا. فجلى للمسلمين أمرهم ليتأهبوا أهبة غزوهم، فأخبرهم بوجهه الذي يريد والمسلمون مع رسول الله ﷺ كثير ولا يجمعهم كتاب حافظ - يريد الديوان - قال كعب: فما رجل يريد أن يتغيب

---

[۵] [التوبة: ۱۱۸]

إلاظن أن سيخفى له ما لم ينزل فيه وحى الله. وغزا رسول الله ﷺ تلک الغزوة حين طابت الثمار والظلال. وتجهز رسول الله ﷺ والمسلمون معه فطفقت أغدولکی أتجهز معهم فأرجع ولم أقض شيئا فأقول فی نفسی: أنا قادر عليه. فلم يزل يتمادی بی حتی اشتد الناس الجد فأصبح رسول الله ﷺ والمسلمون معه ولم أقض من جهازی شيئا فقلت: أتجهز بعده بيوم أو يومين ثم ألحقهم فغدوت بعد أن فصلوا لأتجهز فرجعت ولم أقض شيئا ثم غدوت ثم رجعت ولم أقض شيئا. فلم يزل بی حتی أسرعوا وتفارط الغزو، وهممت أن أرتحل فأدرکهم وليتنی فعلت، فلم يقدر لی ذلک فکنت إذا خرجت فی الناس بعد خروج رسول الله ﷺ فطفت فيهم أحزننی أنی لا أری إلا رجلا مغموصا عليه النفاق أو رجلا ممن عذر الله من الضعفاء، ولم يذکرنی رسول الله ﷺ حتی بلغ تبوک فقال وهو جالس فی القوم بتبوک: ((ما فعل کعب؟)) فقال رجل من بنی سلمة: يا رسو ل الله حبسه برداه ونظره فی عطفه. فقال معاذ بن جبل: بئس ما قلت، والله يا رسو ل الله ما علمنا عليه إلا خيرا، فسکت رسول الله ﷺ، قال کعب بن مالک: فلما بلغنی أنه توجه قافلا حضرنی همی فطفقت أتذکر الکذب وأقول: بما ذا أخرج من سخطه غدا؟ واستعنت علی ذلک بکل ذی رأی من أهلی، فلما قيل: إن رسول الله ﷺ قد أظل قادما زاح عنی الباطل وعرفت أنی لن أخرج منه أبدا بشيء فيه کذب، فأجمعت صدقه. وأصبح رسول الله ﷺ قادما وکان إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فيرکع فيه رکعتين ثم جلس للناس. فلما فعل ذلک جاءه المخلفون فطفقوا يعتذرون إليه ويحلفون له وکانوا بضعة وثمانين رجلا، فقبل منهم رسول الله ﷺ علانيتهم وبايعهم واستغفر لهم ووکل سرائرهم إلی الله. فجئته فلما سلمت عليه تبسم تبسم المغضب ثم قال: ((تعال))، فجئت أمشی حتی جلست بين يديه فقال لی: ((ما خلفک؟ ألم تکن قد ابتعت ظهرک؟)) فقلت: بلی، إنی والله يا رسول الله لو جلست عند غيرک من أهل الدنيا لرأيت أن ساخرج من سخطه بعذر، والله لقد أعطيت جدلا ولکنی والله لقد علمت لئن حدثتک اليوم حديث کذب ترضی به عنی ليوشکن الله أن يسخطک علی، ولئن حدثتک حديث صدق تجد علی فيه، إنی لأرجو فيه عفو الله، لا والله ما کان لی من عذر، والله ما کنت قط أقوی ولا أيسر منی حين تخلفت عنک، فقال رسول الله ﷺ: ((أما هذا فقد صدق فقم حتی يقضی الله فيک)). فقمت وثار رجال من بنی سلمة فاتبعونی فقالوا لی: والله ما علمناک کنت

اذنبت ذنبا قبل هذا، ولقد عجزت أن لا تكون اعتذرت إلى رسول الله ﷺ بما اعتذر إليه المتخلفون، قد كان كافيك ذنبك استغفار رسول الله ﷺ لك. فوالله ما ذالوا يؤبنونى حتى أردت أن أرجع فاكذب نفسى ثم قلت لهم: هل لقى هذا معى أحد؟ قالوا: نعم، رجلان قالا مثل ما قلت فقيل لهما مثل ما قيل لك، فقلت: من هما؟ قالوا: مرارة بن الربيع العمرى وهلال ابن أميه الواقفى، فذكروا لى رجلين صالحين قد شهدا بدرا لى فيهما أسوة، فمضيت حين ذكروهما لى، ونهى رسول الله ﷺ المسلمين عن كلامنا أيها الثلاثة من بين من تخلف عنه فاجتنبنا الناس وتغيروا لنا حتى تنكرت فى نفسى الأرض لما هى التى أعرف، فلبثنا على ذلك خمسين ليلة. فأما صاحباى فاستكانا وقعدا فى بيوتهما يبكيان وأما أنا فكنت أشتب القوم واجلدهم فكنت اخرج فاشهد الصلاةُ مع المسلمين، وأطوف فى الأسواق ولا يكلمنى أحد. وآتى رسول الله ﷺ فاسلم عليه وهو فى مجلسه بعد الصلاة فأقول فى نفسى: هل حرك سفتيه برد السلام على أم لا؟ ثم اصلى قريبا منه فأسارقه النظر فإذا أقبلت على صلاتى أقبل إلى. وإذا التفت نحوه أعرض عنى حتى إذا طال على ذلك من جفوة الناس مشيت حتى تسورت جدار حائط أبى قتادة — وهو ابن عمى وأحب الناس الى — فسلمت عليه، فوالله ماردّ على السلام. فقلت: يا أبا قتادة، أنشدك بالله هل تعلمنى أحب الله ورسوله؟ فسكت، فعدت له فنشدته فسكت، فعدت له فنشدته، فقال: الله ورسوله أعلم. ففاضت عيناى وتوليت حتى تسورت الجدار. قال: فبينا أنا أمشى بسوق المدينة إذا نبطى من أنباط أهل الشام ممن قدم بالطعام يبيعه بالمدينة يقول: من يدل على كعب ابن مالك؟ فطفق الناس يشيرون له حتى إذا جاء نى دفع إلى كتابا من ملك غسان فإذا فيه: أما بعد، فإنه قد بلغنى أن صاحبك قد جفاك، ولم يجعلك الله بدار هوان ولا مضيعة فالحق بنا نواسك. فقلت لما قرأتها: وهذا أيضا من البلاء، فتيممت بها التنور فسجرته بها حتى إذا مضت أربعون ليلة من الخمسين إذارسولُ رسولِ الله ﷺ يأتينى فقال: إن رسول الله ﷺ يأمرك أن تعتزل امرأتك، فقلت: أطلقها أم ماذا أفعل؟ قال: لا بل اعتزلها ولا تقربها، وأرسل إلى صاحبى مثل ذلك. فقلت لامرأتى: الحقى بأهلك فتكونى عندهم حتى يقضى الله فى هذا الأمر. قال كعب: فجاءت امرأة هلال بن أمية رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله، إن هلال بن أمية شيخ ضائع ليس له خادم فهل تكره أن أخدمه؟ قال: ((لا ولكن لا يقربك)). قالت: إنه والله ما

بـه حـركة إلـى شـيء، والله ما زال يبكي منذ كان من أمره كان إلى يومه هذا، فقال لي بعض أهـلي: لو استأذنت رسول الله ﷺ فـي امـرأتك كما أذن لامـرأة هلال بن أمية أن تخدمه، فـقلت: والله لا أستأذن فيها رسول الله ﷺ ومـا يدريني ما يقول رسول الله ﷺ إذا استأذنته فيهـا وأنـا رجـل شاب، فلبثت بعد ذلك عشر ليال حتى كملت لنا خمسون ليلة من حين نهى رسول الله ﷺ عـن كـلامـنـا، فـلـما صليت صلاة الفجر صبح خمسين ليلة وأنا وعلى ظهـر بيـت مـن بيـوتـنـا فبينـا أنـا جـالـس على الحال الذي ذكر الله قد ضاقت على نفسي وضـاقـت عـلـى الأرض بـمـا رحبـت، سـمعت صوت صارخ أوفى على جبل سلع بأعلى صـوتـه: يا كعب بن مالك، أبشر. قال: فخررت ساجداً وقد عرفت أن قد جاء فرج وآذن رسول الله ﷺ بتـوبـة الله عـلـيـنـا حين صلى صلاة الفجر فذهب الناس يبشروننا وذهب قبل صـاحبـي مبشـرون وركـض إلى رجل فرسا وسعى ساع من أسلم فأوفى على الجبل وكان الـصـوت أسـرع مـن الـفـرس. فـلـمـا جاء ني الذي سمعت صوته يبشرني نزعت له ثوبي فـكسـوتـه إيـا هـمـا ببشـراه، والله مـا أمـلـك غير هما يومئذ. واستعرت ثوبين فلبستهما وانطلقت إلى رسول الله ﷺ فيتـلقّاني الناس فوجا فوجا، يهنونني بالتوبة يقولون: لتهنك توبة الله عليك. قال كعب: حتى دخلت المسجد فإذا رسول الله ﷺ جالس حوله الناس، فـقـام إلـى طـلـحة بـن عبيـد الله يهـرول حتـى صـافـحني وهنّاني، والله ما قام إلى رجل من الـمهـاجـريـن غيـره ولا أنسـا هـا لطلحة. قال كعب: فلما سلمت على رسول الله ﷺ قال رسول الله ﷺ وهـو يبـرق وجهـه مـن السـرور: ((أبشـر بخير يوم مر عليك منذولدتك أمـك)). قـال: قـلـت: أمـن عندك يـا رسول الله ﷺ أم مـن عـنـد الله؟ قـال: ((لا، بل من عندالله)) وكان رسول الله ﷺ إذا سـر استـنـار وجهـه حتـى كـأنـه قطعة قمر، وكنا نعرف ذلك مـنـه. فـلـمـا جـلسـت بين يديه قلت: يا رسول الله، إن من توبتي أن أنخلع من مالي صـدقة إلـى الله وإلـى رسولـه ﷺ، قـال رسول الله ﷺ: ((أمسك عـلـيك بـعض مـالك فهوخير لك))، قلت: فإني أمسك سهمي الذي بخيبر. فقلت: يا رسول الله، إن الله إنما نـجـانـي بـالـصـدق، وإن من توبتي أن لا أحدث إلا صدقا ما بقيت، فوالله ما أعلم أحدا من الـمسـلـميـن أبـلاه الله فـي صـدق الحديث منذ ذكرت ذلك لرسول الله ﷺ أحسـن مما أبـلاني، ما تعمدت منذ ذكرت ذلك لرسول الله ﷺ إلـى يومي هذا كذبا، وإني لأرجو أن يـحفظني الله فيما بقيت. وأنزل الله على رسوله ﷺ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ

وَالْأَنصَارِ﴾ إلى قوله: ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ فوالله ما أنعم الله علي من نعمة قط بعد أن هداني للإسلام أعظم في نفسي من صدقي لرسول الله ﷺ أن لا أكون كذبته فأهلك كما هلك الذين كذبوا، فإن الله تعالى قال للذين كذبوا حين أنزل الوحي شر ما قال لأحد، فقال تبارك وتعالى: ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ﴾ إلى قوله: ﴿فَإِنَّ اللهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ قال كعب: وكنا تخلفنا أيها الثلاثة عن أمر أولئك الذين قبل منهم رسول الله ﷺ حين حلفوا له، فبايعهم واستغفر لهم وأرجأ رسول الله ﷺ أمرنا حتى قضى الله فيه. فبذلك قال: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا﴾ وليس الذي ذكر الله مما خلفنا عن الغزوة، إنما هو تخليفه إيانا وإرجاؤه أمرنا عمن حلف له واعتذر إليه فقبل منه.
[راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن کعب رحمہ اللہ سے، جو اپنے والد کو نابینا ہوجانے کی وجہ سے پکڑ کر چلایا کرتے تھے، روایت کرتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا، مگر تبوک اور بدر میں پیچھے رہ گیا، مگر بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہیں ہوا۔

جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کی غرض یہ تھی کہ قافلہ قریش کا تعاقب کیا جائے، دشمنوں کو اچانک اللہ تعالیٰ نے حائل کردیا، اور جنگ ہوگئی۔ میں عقبہ کی رات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے سب سے اسلام پر قائم رہنے کا عہد لیا، اور مجھے تو لیلۃ العقبۃ (بیعت عقبہ) جنگ بدر کے مقابلہ میں عزیز ہے، اگرچہ جنگ بدر کو لوگوں میں زیادہ شہرت وفضیلت حاصل ہے۔

جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں، مگر اس غزوہ کے وقت میں دو سواریوں کا مالک بن گیا تھا، آنحضرت ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی غزوہ کا ارادہ فرماتے، تو صاف صاف پتہ، نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے، بلکہ اس کو اس کے غیر کے ساتھ چھپاتے تھے فرماتے، تاکہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے، غرض جب لڑائی کا وقت آیا تو گرمی بہت شدید تھی، راستہ بہت طویل اور بے آب وگیاہ تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کردیا کہ ہم تبوک جارہے ہیں، تاکہ مکمل تیاری کرلیں۔

اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے، مگر کوئی ایسی کتاب وغیرہ نہیں تھی کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری آنحضرت ﷺ کو اس وقت تک معلوم

نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وحی نہ آئے، غرض آنحضرت ﷺ نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اور یہ وقت تھا جب درختوں کے میوے پک رہے تھے، اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان جانے کی تیاریاں کررہے تھے مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کرلوں گا، کیا ضرورت ہے جلدی کرنے کی، میں تو ہر وقت تیاری کرسکتا ہوں، اسی طرح دن گزرتے رہے۔

پھر ایک روز صبح کو آنحضرت ﷺ مسلمانوں کولیکر روانہ ہوگئے، میں نے سوچا ان کو جانے دو، میں دو ایک دن میں تیاری کرکے راستہ میں ان میں شامل ہوجاؤں گا، غرض دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی، مگر نہ ہوسکی، اور میں یوں ہی رہ گیا، تیسرے روز بھی یہی ہوا، اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا، اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے، میں نے کئی مرتبہ قصد کیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ جاکر مل جاؤں، مگر تقدیر میں نہ تھا، کاش! میں ایسا کرلیتا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے یا وہ لوگ نظر آتے جو کمزور، ضعیف اور بیمار تھے، مجھے اس بات پر بہت افسوس ہوتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا، البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کعب بن مالک کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ تو اپنے کبر وغرور کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں، تو معاذ بن جبل ؓ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی، خدا کی قسم اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے متعلق خیر کے سواء اور کچھ معلوم نہیں ہے، آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموش ہورہے۔

حضرت کعب بن مالک ؓ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپس آرہے ہیں، تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آنحضرت ﷺ کے غصہ سے مجھے بچاسکے، پھر میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلے میں کچھ تم بھی سوچو، مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے بالکل قریب آگئے ہیں، تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہوگیا، اور میں نے یقین کرلیا کہ جھوٹ آپ ﷺ کے غصہ سے نہیں بچاسکے گا۔

صبح کے وقت آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے، اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے، یہ لوگ اسی (۸۰) یا اس سے کچھ زیادہ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کے عذر قبول کرلئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی، اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، اور ان کے دلوں کے خیالات کو خدا کے حوالہ کردیا۔

پھر میں بھی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، آپ ﷺ نے، ایسی مسکراہٹ کے ساتھ کہ جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا، جواب دیا اور فرمایا آؤ، تو میں چند قدم چل کر آپ ﷺ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالاں کہ تم نے تو سواری کا انتظام بھی کرلیا تھا؟

میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کا فرمانا درست ہے، اللہ کی قسم! میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا، کیوں کہ میں خوب بول بھی سکتا ہوں، مگر خدا گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر بھی لیا تو، کل اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا، اس لئے میں سچ ہی بولوں گا، چاہے آپ میرے اوپر غصہ ہی کیوں نہ فرمائیں، آئندہ تو خدا کی مغفرت اور بخشش کی امید رہے گی، خدا کی قسم میں قصوروار ہوں، حالاں کہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شریک نہ ہو سکا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کعب نے صحیح بات بیان کردی، اچھا جاؤ اور اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو۔

غرض میں اُٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہولئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے، تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی بہانہ پیش کردیا ہوتا، حضور ﷺ کی دعاءِ مغفرت کے لئے کافی ہوتی، وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کردوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اقرار کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا۔

میں نے ان کے نام پوچھے تو کہا ایک مرارہ بن ربیع عمری اور دوسرے ہلال بن امیہ واقفی، یہ دونوں نیک آدمی تھے، اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے، مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا، غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہوگیا اور میں چل دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع فرمادیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے، مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے بیان کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا، آخر سب لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کردیا، اور ہم ایسے ہوگئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں، گویا آسمان و زمین بدل گئے ہوں، غرض پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔

میرے دونوں ساتھی تو عاجز ہوگئے اور گھر میں بیٹھ کر رونے لگ گئے، مگر میں ہمت والا تھا کہ نکلتا رہا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا، بازار وغیرہ جاتا مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا، میں آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں بھی آتا، آپ ﷺ مصلیٰ پر رونق افروز ہوتے، اور میں سلام کرتا تو مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ ﷺ کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں، پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا، مگر آنکھ چرا کر آپ ﷺ کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ کیا کرتے رہتے ہیں، چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ ﷺ مجھے دیکھتے رہتے، اور جب میری نظر آپ سے ملتی تو آپ ﷺ منہ پھیر لیا کرتے تھے۔

آخر کار جب لوگوں کی یہ بے رخی طویل ہوگئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا، تو میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہ ؓ کے پاس باغ میں آیا اور سلام کیا، اس سے مجھے بہت محبت تھی، مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا اے ابوقتادہ! تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر جواب نہ دیا، پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب ندارد! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا تو ابوقتادہ ؓ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خوب معلوم ہے، پھر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا، آنسو جاری ہوگئے، اور میں واپس چل دیا۔

میں ایک دن بازار میں جارہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا، وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کررہا تھا کعب بن مالک کون ہیں؟ تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک ہیں، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر بہت زیادتی کررہے ہیں، حالاں کہ اللہ نے تمہیں ذلیل نہیں بنایا ہے، تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آجاؤ، ہم تمہیں بہت آرام سے رکھیں گے۔ میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے، اور پھر اس خط کو آگ کے تنور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قاصد نے مجھ سے آکر کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو، میں نے کہا کیا مطلب؟ طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ تو انہوں نے کہا بس الگ رہو اور مباشرت وغیرہ مت کرو، ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا، غرض میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرمادے۔

حضرت کعب ؓ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ ؓ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ میرے خاوند بہت بوڑھے ہیں اور ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، اگر میں ان کا کام کردیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، مگر وہ صحبت نہیں کرسکتا، اس نے عرض کیا اللہ کی قسم! وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کرتے ہیں، اور جب سے یہ بات ہوئی ہے رو رہے ہیں، اور جب سے اس کا یہی حال ہے۔

حضرت کعب ؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے کچھ عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر

اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کرلو، تا کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، جس طرح ہلال ﷺ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے، میں نے کہا خدا کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کرسکتا، معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کیا فرمائیں گے؟ اور میں تو نوجوان آدمی ہوں، ہلال بن امیہ کی طرح ضعیف نہیں ہوں۔

غرض اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور جب سے رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے سے منع فرمایا تھا اس کے پچاس دن پورے ہوگئے، تو میں پچاسویں رات کی صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کی چھت پر اس حال میں بیٹھا ہوا تھا جو اللہ نے ذکر کیا ہے میرا دل مجھ پر تنگ ہوگیا تھا اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی تھی۔

اتنے میں کوہ سلع پر کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک! تم کو بشارت دی جاتی ہے، اس آواز کے سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا، اور یقین کرلیا کہ اب یہ مشکل آسان ہوگئی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کردیا ہے۔

اب تو لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے، ایک آدمی اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے میرے پاس آئے اور بنی سلمہ کا ایک شخص دوڑتا ہوا سلع پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔

اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے، اور اللہ کی قسم! میرے پاس ان کے سوا کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے، میں نے دو کپڑے عاریتاً لے کر پہنے اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جانے لگا، راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت تمہیں مبارک ہو۔

حضرت کعب ﷺ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، اور دوسرے لوگ بھی اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ ﷺ مجھے دیکھ کر دوڑ کر آئے، اور مجھ سے مصافحہ کیا، پھر مبارکباد دی، اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے کوئی ان کے سواء میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا اور طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔

حضرت کعب ﷺ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور آپ کا چہرۂ انور خوشی سے چمک رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے کعب! یہ دن تمہیں مبارک ہو، جو آج تک ان سب دنوں سے اچھا ہے، جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا ہے۔

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ معافی آپ کی طرف سے ہوئی ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے، اور آنحضرت ﷺ جب

خوش ہوتے تھے تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا اور ہم آپ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

پھر میں نے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے خیرات نہ کردوں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھوڑا کرو، اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو، کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے، میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔

پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے، اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا، خدا کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے، اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور میں اُمید کرتا ہوں کہ زندگی بھر خدا مجھے جھوٹ سے بچائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی ﴿**لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ**﴾ تا ﴿**وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**﴾۔

اللہ کی قسم! قبول اسلام کے بعد اس سے بڑھ کر میں نے کوئی انعام واحسان نہیں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے مجھے سچ بولنے کی توفیق دے کر ہلاک ہونے سے بچالیا، ورنہ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تباہ و ہلاک ہو جاتا، جنہوں نے آپ ﷺ سے جھوٹ بولا، جھوٹے حلف اٹھائے۔

نزول وحی کے زمانے میں جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے اتنی شدید وعید فرمائی جتنی شدید کسی دوسرے کے لئے نہیں فرمائی چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ﴿**سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ**﴾ تا ﴿**فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ**﴾۔

حضرت کعب ؓ کہتے ہیں ہم تینوں ان منافقوں سے علیحدہ ہیں، جنہوں نے نہ جانے کتنے بہانے بنائے، اور جھوٹے حلف اٹھائے، اور آنحضرت ﷺ نے ان کی بات کو قبول کرلیا، اور ان سے بیعت لے لی، اور دعائے مغفرت فرمائی، مگر ہمارا معاملہ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿**وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا**﴾ اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو جان بوجھ کر رہ گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے پیچھے رہے، جنہوں نے قسمیں کھائیں، عذر بیان کئے، اور رسول اکرم ﷺ نے ان کے عذر کو قبول کرلیا۔

حدیث کعب ابن مالک ؓ کی تشریح

"**أن عبدالله بن كعب بن مالک و كان قائد الخ**" روایت کرنے والے عبداللہ بن کعب بن

مالکؒ ہیں یعنی حضرت کعب بن مالک ﷺ کے خود اپنے صاحبزادے ہیں اور یہ ان کے بیٹوں میں سے حضرت کعب ﷺ کے قاعد تھے، عمر کے آخری حصے میں حضرت کعب بن مالک ﷺ نابینا ہو گئے تھے تو ان کے بیٹے تو بہت سے تھے لیکن یہ ان کے قاعد ہوا کرتے تھے، یعنی نابینا ہونے کی وجہ سے ان کو ہاتھ پکڑ کر لے جایا کرتے تھے۔

"قال: سمعت كعب بن مالک یحدث الخ" وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک ﷺ کو حدیث سناتے ہوئے سنا جب وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔

آگے حضرت کعب بن مالک ﷺ کی عبارت ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کعب بن مالک ﷺ نے جو الفاظ اس حدیث میں استعمال کئے ہیں یہ زبان سے نہیں بلکہ دل سے سوداء قلب سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔

حضرت کعب بن مالک ﷺ فرماتے ہیں **"لم أتخلف عن رسول الله ﷺ في غزوة غزاها إلا في غزوة تبوک الخ"** میں کسی بھی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا سوائے غزوہ تبوک کے، البتہ ہاں غزوۂ بدر میں بھی میں پیچھے رہ گیا تھا یعنی بدر میں میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن بدر میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے کسی شخص کے اوپر عتاب نہیں ہوا کہ کیوں پیچھے رہ گئے تھے، کیوں شامل نہیں ہوئے۔

"إنما خرج رسول الله ﷺ يريد عير قريش الخ" غزوۂ بدر کا معاملہ تو اچانک پیش آ گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے لیکن کوئی بڑی جنگ کا خیال تھا ہی نہیں لیکن پھر دشمنوں کو اچانک بغیر میعاد کے اللہ تعالیٰ نے حائل کر دیا اور مقابلہ ہو گیا یعنی اس وقت کسی نے جانے کا بہت زیادہ اہتمام بھی نہیں کیا تو اس وقت میں بھی نہیں جا سکا تھا۔

"ولقد شهدت مع رسول الله ﷺ ليلة العقبة الخ" میں بدر میں تو شامل نہیں رہا تھا لیکن میں عقبہ کی رات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے ہم سب سے اسلام پر قائم رہنے کا عہد لیا۔

"ليلة العقبة" یعنی بیعت عقبہ کی رات؛ ہجرت سے پہلے انصار مکہ مکرمہ گئے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور پھر یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

تو حضرت کعب ﷺ فرماتے کہ میں اس میں شامل تھا یعنی بدر میں تو شامل نہیں تھا لیکن عقبہ میں شامل تھا۔

"وما أحب أن لي بها مشهد بدر الخ" اور مجھے تو بیعت عقبہ، جنگ بدر کے مقابلہ میں عزیز ہے یعنی اگر کوئی یہ پیشکش کر کے کہ **"ليلة العقبة"** کے بجائے تم غزوۂ بدر میں شامل ہو جاتے تو زیادہ اچھا تھا، تو مجھے یہ معاوضہ پسند نہیں، میں پسند نہیں کرتا کہ مجھے اس **"ليلة العقبة"** کے بدلہ میں غزوۂ بدر کی حاضری نصیب ہوتی۔

مطلب یہ ہے کہ میں **"ليلة العقبة"** کی حاضری کو بنسبت بدر کی حاضری کے زیادہ بڑی سعادت سمجھتا ہوں، اگرچہ غزوۂ بدر بنسبت **"ليلة العقبة"** کے زیادہ مشہور تھا، اور جو غزوۂ بدر میں شامل ہوئے وہ **"ليلة العقبة"** کے مقابلہ میں اس کو بڑی فضیلت والا سمجھتے تھے لیکن میں ذاتی طور پر **"ليلة العقبة"** کی شمولیت کو اپنی

زیادہ بڑی فضیلت سمجھتا ہوں۔

ایک تو تعارف بتا دیا کہ میں بیعتِ عقبہ میں شریک تھا اور دوسرا یہ کہ غزوۂ بدر کے علاوہ میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا۔

"كان من خبري أني لم أكن قط أقوى ولا أيسر الخ" غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کے متعلق پہلے ہی یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ میرا واقعہ یہ تھا کہ پیچھے رہ جانا میری کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں تھا، افلاس کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے میں اتنا قوی نہیں تھا، کبھی میں اتنا مالدار نہیں تھا جتنا اس غزوہ تبوک کے موقع پر تھا۔

"والله ما اجتمعت عندي قبله راحلتان قط الخ" اللہ کی قسم! اس سے پہلے کبھی بھی میرے پاس دوسواریاں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتی تھی لیکن اس غزوہ کے موقع پر میرے پاس دوسواریاں تھیں۔

"ولم يكن رسول الله ﷺ يريد غزوة إلا الخ" یعنی غزوۂ تبوک سے پہلے حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ سے کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو آپ ﷺ دشمن سے چھپانے کی خاطر توریہ فرماتے۔

یعنی کھل کر اعلان نہیں فرماتے کہ فلاں جگہ جانا ہے بلکہ عملی توریہ بھی کرتے تھے کہ جانا تو ہے مغرب میں لیکن لشکر کو لیکر نکلتے تھے مشرق کی طرف، تاکہ جب کوئی مخبر کسی جگہ خبر دے تو وہ یہ کہ مشرق کی طرف گئے ہیں، پھر مشرق کی طرف جا کر گھوم پھر کر مغرب کی طرف آ جاتے یا شمال کی طرف جانا ہے تو جنوب کو چل دیئے اور جنوب کی طرف جانا ہے تو شمال کی طرف چل دیئے تو آپ کا عام معمول غزوات میں یہ تھا۔

لیکن تبوک میں ایسا نہیں کیا، تبوک میں پہلے سے اعلان عام کر دیا کہ ہمیں روم کی سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے جانا ہے اور تبوک کی سمت جانا ہے۔[۶]

"غزاها رسول الله ﷺ في حر شديد الخ" غرض جب رسول اللہ ﷺ نے جب اس غزوہ کا ارادہ فرمایا تو گرمی بہت شدید تھی، راستہ طویل، بے آب وگیاہ اور چٹیل صحراء تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی، چالیس ہزار کا لشکر تھا جو قیصرِ روم ہرقل نے جمع کیا تھا۔

"فجلى للمسلمين أمرهم الخ" لہٰذا آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا، تاکہ مکمل تیاری کرلیں، کیونکہ یہ مشکلات پیش آنے والی تھی تو مسلمانوں کے سامنے ان کا معاملہ کھول کر واضح

---

[۶] قوله: ((ولم يكن رسول الله يريد غزوة الا ورى بغيرها)) اى اوهم غيرها، والتورية ان يذكر لفظاً يحتمل معنيين احدهما أقرب من الآخر فيوهم ارادة القريب وهو يريد البعيد. وزاد أبوداؤد من طريق محمد بن ثور عن معمر عن الزهري ((وكان يقول: الحرب خدعة)). فتح الباري، ج:۸، ص: ۱۱۷

کر دیا تا کہ وہ مکمل تیاری کر لیں، **"فأخبرهم بوجهه الخ"** تو اپنے رخ کا بتایا جس کا ارادہ آپ ﷺ کا تھا کہ فلاں رخ کی طرف جانا ہے یعنی ہم تبوک جا رہے ہیں۔

"والمسلمون مع رسول الله ﷺ كثير الخ" اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور کوئی ایسا دفتر نہیں تھا کہ جس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں یعنی کوئی ایسا دیوان / دفتر نہیں تھا کہ جس جس کو جانا ہے سب آ کے اپنا نام لکھواؤ تو ایسا کچھ نہیں تھا نام لکھے ہوئے ہوں اور حاضری لی جائے کہ فلاں آیا ہے یا نہیں؟

"قال كعب: فما رجل يريد أن يتغيب إلا ظن الخ" حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جو اس سے غیر حاضر ہونا چاہتا تو اس کی غیر حاضری آنحضرت ﷺ کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وحی نہ آئے، کیونکہ نام رجسٹر میں کہیں لکھے ہوئے نہیں تھے جو شخص بھی چاہتا کہ وہ غائب ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔

یعنی غزوہ میں شریک نہ ہو تو وہ گمان یہ کرتا تھا کہ اگر مدینہ منورہ میں بیٹھ گیا تو میرا معاملہ پوشیدہ ہی رہے گا کیونکہ حاضری تو ہو نہیں رہی تھی کہ دفتر حاضری پکارا جا رہا ہے اور اس سے لوگوں کی حاضری لی جا رہی ہے۔

لوگ بہت زیادہ تھے اور بہت بڑی تعداد میں تھے تو اگر دو ایک آدمی پیچھے رہ جائیں اور شریک نہ ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کون رہ گیا اور کون گیا یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے وحی نہ آ جائے۔

"وغزا رسول الله ﷺ تلك الغزوة حين طابت الثمار والظلال" اور یہ غزوہ آپ ﷺ نے ایسے وقت میں فرمایا تھا جب کہ پھل پک رہے تھے اور سائے بڑے عمدہ ہو گئے تھے، معنی یہ ہے کہ جب درخت کے اوپر پھل لدا ہوا ہو تو ایک طرف تو پھل اعلیٰ درجہ کا لگا ہوا ہے اور دوسری طرف ان پھلوں کے لدے ہونے کی وجہ سے سائے بھی پھیل جاتے ہیں۔

اور جیسا کہ پیچھے بتایا ہے کہ سنبلہ کا موسم تھا تو اس میں فجر کے وقت سے ہی لو چلتی ہے لیکن اگر کوئی آدمی مسجد نبوی ﷺ میں فجر کی نماز پڑھ کر پیدل قبا جائے، قباء نخلستان اور باغات کے درمیان میں ہے، قباء کا راستہ باغات میں سے ہو کر جاتا ہے تو جس وقت دھوپ سے جسم جھلس رہا ہوتا ہے، اور آدمی ان باغات میں سے جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ٹھنڈی ہوا میں سے گذر رہے ہیں۔ ان باغات کے درختوں اور پھلوں کی جو ٹھنڈک ہوتی ہے وہ فضاء میں چھائی ہوتی ہے۔ تو اس واسطے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا، اگر چہ لشکر میں گرمی ہوتی تھی لیکن ان سایوں کے اندر بڑا آرام ہوتا تھا اور لوگوں کو راحت ملتی تھی۔

"وتجهز رسول الله ﷺ والمسلمون معه فطفقت الخ" رسول اللہ ﷺ اور مسلمان جانے کی تیاریاں کر رہے تھے، میں بھی صبح کو اٹھتا اور ارادہ کرتا کہ میں بھی جانے کی تیاری کروں لیکن میں لوٹ آتا اور کچھ

بھی تیاری کئے بغیر واپس آجاتا۔

"فأقول فی نفسی: أنا قادر علیه" اور دل میں سوچتا کل تیاری کرلیں گے اور جانے میں مجھے قدرت تو ہے، کوئی بہت لمبی چوڑی تیاری تو کرنی نہیں ہے، اسی طرح دن گزرتے رہے۔

"فلم یزل یتمادی بی حتی اشتد الناس الجد" تو یہ جو میرے خیالات ہیں کہ کل کرلیں گے کہ کل کرلیں گے یہی خیالات مجھے دیر کراتے رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے سخت محنت شروع کردی۔

بعض روایتوں میں **"اشتدت الناس الجد"** ہے اور بعض روایتوں میں **" اشتد بالناس الجد"** ہے اور بعض روایتوں میں **"اشتدالناس الجد"** ہے۔

اس میں سب سے واضح ہے کہ لوگوں نے سخت کوشش کردی، باقی دونوں کا حاصل مفہوم بھی یہی ہے کہ لوگوں نے کوشش سخت کردی۔ [ے]

"فأصبح رسول اللہ ﷺ والمسلمون معه الخ" ایک دن صبح ہوئی تو حضور ﷺ اور تمام صحابۂ کرام ؓ آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار تھے اور میں نے اپنا سامان بالکل بھی تیار نہیں کیا تھا۔

"فقلت: أتجهز بعده بیوم أو یومین الخ" تو میں نے کہا کہ چلو حضور ﷺ کو جانے دو اور میں ایک آدھ دن کے بعد تیاری کرلوں گا پھر پیچھے سے لشکر سے جاملوں گا۔

"فغدوت بعد أن فصلوا لأتجهز فرجعت الخ" لشکر کی روانگی کے بعد میری صبح ہوئی یعنی جب حضور ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ روانہ ہوگئے تو اس کے بعد اگلے دن میری صبح اس حالت میں ہوئی کہ چلو میں اب تیاری کرلیتا ہوں لیکن پھر لوٹ آیا اور پھر بھی کچھ نہ کرسکا۔

"ثم غدوت ثم رجعت الخ" پھر اگلا دن آیا اور میں پھر لوٹ آیا اور کوئی فیصلہ نہ کیا، میرے ساتھ روزانہ یہی ہوتا رہا۔

ہم محو نالائے جرس کارواں رہے ۔۔۔ یاران تیز گام میں منزل کو جالیا۔

"فلم یزل بی حتی أسرعوا وتفارط الغزو الخ" یہاں تک کہ اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے اور جہاد کرنے والے مجاہدین بہت دور چلے گئے۔ اتنے دور چلے گئے کہ اس وقت بھی مجھے خیال آیا کہ

[ے] قوله: ((حتى اشتد الناس الجد))، بكسر الجيم، وهو الجد فى الشيء والمبالغة فيه، وضبطوا الناس بالرفع على أنه الفاعل والجد بالنصب على نزع الخافض، أوهو نعت لمصدر محذوف أى اشتد الناس الشتداد الجد، وعند ابن السكن: ((اشتد بالناس الجد)) برفع الجد وزيادة الموحدة وهو الذى فى رواية أحمد ومسلم وغيرهما. فتح البارى، ج:۸، ص:۱۱۸، وعمدة القارى، ج:۱۸، ص: ۴۳

اب بھی روانہ ہو جاؤں اور جا کران کو پالوں گا۔

"تفارط" کے معنی ہوتے ہیں اصل میں کسی چیز میں زیادتی کرنا تو انہوں نے زیادتی کی مطلب یہ ہے کہ بہت دور چلے گئے۔ [۸]

"ولیتنی فعلت، فلم یقدر لی ذلک" اور اے کاش! میں اس وقت ایسا کر لیتا اس وقت خیال آیا تھا کہ جاؤں اور جا کران سے مل جاؤں لیکن کر نہیں پایا۔

"فکنت إذا خرجت فی الناس بعد خروج رسول اللہ ﷺ الخ" کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چلے جانے کے بعد میں لوگوں میں نکلتا اور ان میں چکر لگاتا، کبھی مدینہ کے لوگوں میں چکر لگاتا تو اس بات سے مجھے اورغم ہوتا کہ میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں مگر ایسے شخص کو جس کے اوپر نفاق کا دھبّہ لگا ہوا ہے، یہاں جو لوگ پھر رہے ہیں تو کوئی ڈھنگ کا آدمی نظر نہیں آتا جو نظر آ رہا ہے۔

یعنی عام طور سے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ آدمی منافق ہے تو وہ نظر آتا ہے یا کوئی ایسا آدمی نظر آتا ہے کہ بے چارہ معذور ہے، کوئی بڈھا، کوئی بیمار، گویا اللہ کے بندے سب چلے گئے اور جو رہ گئے یا تو منافق ہیں یا معذور ہیں تو میں نے اپنے آپ کو کسی کے ساتھ شامل کر لیا۔

"ولم یذکرنی رسول اللہ ﷺ حتی بلغ تبوک" اور آپ ﷺ کو میں یاد نہیں آیا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے، ظاہر ہے کہ پیدل (تیس ہزار) اور گھڑ سوار (دس ہزار) چالیس ہزار آدمیوں کے لشکر میں ایک آدمی نہیں آیا ہے تو اس کا خیال نہیں آیا اور تبوک پہنچ گئے۔

"فقال وھو جالس فی القوم بتبوک: ما فعل کعب؟" جب آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ تبوک میں بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے وہاں فرمایا کعب کا کیا ہوا؟ یعنی وہ آیا کیوں نہیں؟

"فقال رجل من بنی سلمۃ: یا رسول اللہ حبسہ الخ" تو بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! اس کو تو اس کی دو چادروں نے اور بار بار اپنے کندھوں کو دیکھنے نے اس کو روک کے رکھ لیا۔

یعنی اس کے پاس بڑی قیمتی اور عمدہ چادریں ہیں اور اچھی چادروں کی وجہ سے ہر وقت اپنی شانوں کو دائیں بائیں دیکھتا رہتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اپنے مال و دولت پر بڑا ناز بھی ہے، تو اس ناز نے اس کو روک لیا کہ اس کی وجہ سے طبیعت میں نازک مزاجی آگئی اور اس کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوا۔ [۹]

---

[۸] قولہ: ((وتفارط الغزو)) أی: فات وسبق من الفرط وھو السبق. عمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۷۴

[۹] وھو اشارۃ الی اعجابہ بنفسہ ولباسہ، وقیل: کنی بذلک عن حسنہ وبھجتہ، والعرب تصف الرداء بصفۃ الحسن وتسمیہ عطفاً لوقوعہ علی عطفی الرجل. عمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۷۴

"فقال معاذ بن جبل: بئس ما قلت، واللہ یا رسول اللہ ما علمنا الخ" حضرت معاذ بن جبل ﷺ نے یہ بات سنی تو اس شخص سے کہا کہ تم نے کعب بن مالک کے بارے میں بری بات کہی اور اے اللہ کے رسول! ہم نے کعب کے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی، ہمیشہ ان کو اچھا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو اس بات پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش رہے۔

حضرت معاذ بن جبل ﷺ نے گویا اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ کسی عذر کی وجہ سے رہ گئے ہوں گے ورنہ اس کے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ تکبر ہو۔

"قال کعب بن مالک: فلما بلغنی انہ توجہ قافلا الخ" حضرت کعب بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ جب مجھے پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لا رہے ہیں تو میرا غم میرا شریک زندگی بن گیا۔

یعنی اب دن رات مجھے ایک فکر سوار ہوگئی اور میں دل میں کوئی بہانہ، عذر یاد کرنے لگا کہ جب حضور ﷺ آئیں گے اور مجھ سے پوچھیں گے تو کوئی جھوٹ بنا دو کہ فلاں عذر پیش آ گیا تھا۔

"واقول: بماذا اخرج من سخطہ غدا؟" اور میں دل میں کہتا تھا کہ کل کو میں حضور اقدس ﷺ کی ناراضگی سے کیسے نکلوں گا۔

اس جملے کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں:

ایک معنی یہ کہ جب کل آپ ﷺ تشریف لائیں گے اور پوچھیں گے اور ناراض ہو گئے تو ناراضگی کیسے نکلوں گا، لہٰذا جھوٹ بول دوں۔

دوسرا معنی یہ کہ آج اگر جھوٹ تو بول دیا لیکن کل جب یہ جھوٹ کھلے گا تو اس وقت کی ناراضگی سے کیسے نکلوں گا۔

"واستعنت علی ذلک بکل الخ" پھر میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلے میں کچھ تم بھی سوچو یعنی کوئی جھوٹا عذر مجھے بتائیں جو میں پیش کر سکوں۔

"فلما قیل: إن رسول اللہ ﷺ قد أظل قادما الخ" جب مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اب بس پہنچے ہی والے ہیں تو دل میں جھوٹ بولنے کے جو باطل خیالات آ رہے تھے سب زائل ہو گئے۔

مطلب یہ کہ میرے دل سے اس جھوٹے عذر کا خیال دور ہو گیا اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ مجھے آنحضرت ﷺ کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔

"وعرفت انی لن اخرج منہ ابدا الخ" اور میں نے اس وقت یہ جان لیا کہ اس مخمصہ سے میں کبھی نہیں نکل سکتا کسی بھی ایسی چیز کے ذریعہ سے کہ اس میں جھوٹ کا عنصر شامل ہو، کہ اگر جھوٹ بول بھی دیا تو

نکل نہیں سکوں گا، تو میں نے حضور ﷺ سے سچ بولنے کا پکا ارادہ کرلیا۔ [۱۰]

"واصبح رسول اللہ ﷺ قادما و کان إذا قدم الخ" حضور اکرم ﷺ صبح کے وقت میں تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے اور لوگوں سے ملاقات کی غرض سے تشریف فرما ہوتے تھے۔

"فلما فعل ذلک جاء ہ المخلفون فطفقوا الخ" جب آپ ﷺ مسجد میں بیٹھے تو جتنے غزوہ سے پیچھے رہنے والے لوگ تھے یعنی منافقین انہوں نے آنا شروع کر دیا، یہ اسی (۸۰) سے زیادہ لوگ تھے انہوں نے آکر جھوٹے عذر پیش کر رہے تھے کہ فلاں بات ہوگئی تھی، فلاں عذر تھا۔ [۱۱]

"فقبل منهم رسول اللہ ﷺ علانیتهم الخ" رسول اللہ ﷺ نے ان کی ظاہری بات جو وہ لوگ بیان کر رہے تھے وہ قبول کرلی، ان سے بیعت بھی فرمائی اور دعائے مغفرت بھی کی، ان کے جو پوشیدہ امور تھے ان کو اللہ کے اوپر چھوڑ دیا یعنی ظاہری طور پر تم کہہ رہے ہو کہ تمہارا عذر تھا تو میں نے معاف کیا اور تمہارے باطن کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ یہ معمولی امتحان نہیں تھا، دیکھ رہے تھے کہ دوسروں کو اس طریقہ سے چھٹی مل رہی ہے۔

"فجئته فلما سلمت علیه تبسم تبسم المغضب الخ" تو میں بھی آیا، جب میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا جیسے جو غضب کی حالت میں ہو اس شخص کا تبسم ہوتا ہے یعنی تبسم تھا لیکن اس تبسم میں تھوڑی سی ناراضگی کا عنصر بھی شامل تھا، پھر فرمایا کہ آؤ تو میں چند قدم چل کر آپ ﷺ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔

"فقال لی: ما خلفک؟ ألم تکن قد ابتعت ظهرک؟" پھر حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے کہا کہ کس چیز نے تمہیں غزوہ سے پیچھے روکے رکھا تھا؟ کیا تم نے اپنی سواری خریدی نہیں تھی؟ یعنی حضور اکرم ﷺ کو پتہ تھا کہ میں نے تبوک جانے کیلئے سواری خریدی ہے۔

"فقلت: بلی، إنی واللہ یا رسول اللہ لو جلست عند غیرک الخ" میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کا فرمانا درست ہے، اللہ کی قسم! اگر میں آپ کے علاوہ دنیا والوں میں سے کسی اور شخص کے پاس بیٹھا ہوا ہوتا تو میں یقین سے جانتا ہوں اس کی ناراضگی سے میں کوئی عذر بیان کر کے نکل سکتا تھا۔

---

[۱۰] قوله: ((فاجمعت صدقه)) ای: جزمت بذلک وعقدت علیه قصدی، وفی روایة ابن ابی شیبة: وعزمت انه لاینجینی الا الصدق. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۷۴، وفتح الباری، ج:۸، ص:۱۱۹

[۱۱] وذکر الواقدی ان هذا العدد کان من منافقی الأنصار وأن المعذرین من الأعراب کانوا أیضا اثنین وثمانین رجلاً من بنی غفار وغیرهم، وأن عبداللہ بن ابی ومن اطاعه من قومه کانوا من غیر هؤلاء، وکانوا عدداً کثیراً. عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۷۴، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۱۹، وکتاب المغازی للواقدی، ج:۳، ص: ۱۰۰۲

"واللہ لقد اعطیت جدلا" اللہ کی قسم! مجھے فصاحت اور بلاغت دی گئی ہے۔

"جدل" کے معنی قوتِ مناظرہ کے آتے ہیں مراد یہ ہے کہ بڑا فصیح و بلیغ ہوں اور بڑا چرب لسان ہوں اور لوگوں کو اپنی باتوں سے متاثر کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ [۱۲]

"ولکنی واللہ لقد علمت لئن حدثتک الخ" تو اگر آپ ﷺ کے سوا کسی کے سامنے بیٹھا ہوتا تو میں اپنی معذرت پیش کر دیتا، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپ کے سامنے کوئی ایسی جھوٹی بات کہہ دی جس سے آپ ﷺ مجھ سے راضی ہو گئے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ آپ ﷺ کو مجھ سے ناراض کر دے۔

"ولئن حدثتک حدیث صدق تجد علی فیه الخ" اور اگر میں آپ کو آج سچی بات بتا دوں جس سے آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے مجھے امید ہے کہ آئندہ مجھے معاف فرما دیں گے یعنی آج جھوٹ بول کر چھٹکارا پا لوں گا لیکن آئندہ آپ کی ناراضگی جو مجھے حاصل ہوگی اس سے میں نہیں بچ سکوں گا اور اگر سچ بول کر وقتی ناراضگی مجھے حاصل ہوگئی تب بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں گے۔

"لا واللہ ما کان لی من عذر، واللہ ما کنت قط الخ" اللہ کی قسم! مجھے کوئی عذر نہیں، میں قصوروار ہوں، حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شریک نہ ہو سکا۔

"فقال رسول اللہ ﷺ: اما هذا فقد صدق فقم حتی یقضی اللہ فیک" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ بولا، جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دیں۔

"فقمت وثار رجال من بنی سلمة فاتبعونی فقالوا لی: واللہ الخ" میں کھڑا ہوا اور وہاں چل دیا تو کچھ بنوسلمہ کے لوگ میرے پیچھے چلے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے اس سے پہلے آپ کو کبھی کسی گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے نہیں دیکھا پہلے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔

"ولقد عجزت أن لا تکون اعتذرت إلی رسول اللہ ﷺ" اب تم اتنا عاجز ہو گئے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کوئی عذر بھی نہیں پیش کر سکے جیسے کہ اور مخلفین نے عذر پیش کیا، اگر تم عذر پیش کر دیتے اور حضور ﷺ استغفار کرتے جیسے کہ اوروں کیلئے کیا تو حضور ﷺ کا استغفار تمہارے ذمہ کو دور کرنے کے لئے کافی تھا۔

"فواللہ ما زالوا یؤنبوننی حتی أردت الخ" خدا کی قسم! وہ مجھے ڈانٹ ڈپٹ، ملامت کرتے رہے کہ کیوں نہ تم نے ایسا کیا جیسا دوسروں نے کیا، یہاں تک کہ انہوں نے اتنی ملامت کی کہ میرے دل میں آیا کہ اب بھی واپس چلا جاؤں اور اپنی بات کو جھٹلا دوں اور پھر کوئی عذر پیش کر دوں۔

---

[۱۲] قوله: ((جدلاً)) ای: فصاحة وقوة کلام بحیث أخرج من عهدة ما ینتسب الی ممایقبل ولا یرد. عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۷۵، وفتح الباری، ج:۸، ص: ۱۱۹

"ثم قلت لهم: هل لقی هذا معی احد؟ "، تو میں نے ان سے پوچھا، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے یعنی اور سب لوگوں نے تو عذر کرلیا ہے ،تو کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے عذر نہ کیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، پھر حضور ﷺ نے یہ کہا ہو کہ اس وقت تک چلے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ کرینگے۔

"قالوا: نعم، رجلان قالا مثل ما قلت الخ" انہوں نے کہا ہاں! دو آدمی اور بھی ہیں ایسے انہوں نے بھی ایسی بات کہی ہے جیسی تم نے کہی تھی۔ تو میں نے ان سے پوچھا وہ دو آدمی کون ہیں؟ تو بنو سلمہ کے لوگوں نے بتایا کہ ایک مرارہ بن ربیع عمری اور دوسرے ہلال ابن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما ہیں۔

مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ

حضرت مرارہ بن ربیع عمری ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ حضرت کعب بن مالک ﷺ کی طرح ان کا بھی جانے کا ارادہ تھا لیکن ان کا ایک کھجور کا باغ تھا اور کئی سال سے اس کے اوپر کھجور نہیں آرہی تھی جس کی وجہ سے افلاس کا شکار تھے تو اس سال کھجور آئی اور اس کے اندر پھل لگا جس کی وجہ سے امید تھی کہ حالات درست ہو جائیں گے، چونکہ پھل آیا تھا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ کئی سالوں کے بعد باغ کے اوپر اس طرح پھل لگا ہے اور اس پر سارے سال کی معیشت کا دار و مدار ہے تو حضور ﷺ کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریک ہوا ہوں اور آئندہ بھی ہو جاؤں گا اس مرتبہ ایسا کرلوں کہ بچوں کی معیشت کا سامان ہو جائے۔

حضرت ہلال بن امیہ ﷺ خاصے عمر رسیدہ تھے، انکے گھر والے مدتوں سے وطن سے باہر تھے اور مدتوں سے ان کو نہیں دیکھا تھا، جس وقت غزوۂ تبوک پیش آیا اس وقت کسی طرح کوشش کر کے ان کے گھر والے سارے ایک جگہ جمع ہوئے تھے تو ان کے دل میں خیال ہوا کہ پتہ نہیں کتنے مدتوں کے بعد میرے گھر والے یہاں جمع ہوئے ہیں تو اس واسطے اس مرتبہ رک جاؤں پھر جا کے تلافی کر دوں گا، تو ان کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ [۱۳]

"فذکروا لی رجلین صالحین قد شهدا بدرا الخ" انہوں نے دو ایسے آدمیوں کا ذکر کیا کہ جو نیک تھے اور غزوۂ بدر میں بھی شریک ہو چکے تھے، مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا مطلب یہ کہ آدمی اگر ان کے طریقہ پر چلے تو اس کے لئے سعادت تھی، تو جب انہوں نے ان حضرات کا ذکر کیا تو میرے دل میں جو خیال آیا تھا کہ جا کے عذر پیش کر دوں میں نے اس کو ترک کر دیا اور چلا گیا۔

---

[۱۳] تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ التوبۃ، قولہ تعالیٰ ﴿وعلی الثلاثة الذین خلفوا﴾، رقم: ۱۰۰۸۶، ج: ۶، ص: ۱۹۰۳

"ونهى رسول الله ﷺ المسلمين عن كلامنا أيها الثلاث الخ" رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات کرنے سے منع فرمادیا، سب سے کہہ دیا کہ کوئی بھی ان تینوں سے بات نہ کرے تو لوگوں نے ہم سے کنارہ کشی اختیار کرلی یعنی لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کردیا۔

"وتغيروا لنا حتى تنكرت في نفسي الأرض فما هي التي أعرف الخ" اور ہم ایسے ہوگئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں، گویا آسمان وزمین میرے لئے اجنبی ہوگئے ہوں، یہ وہ زمین نہیں تھی جیسے میں پہچانتا تھا، غرض پچاس راتیں ہم پر اسی حال میں گزر گئیں۔

"فأما صاحباى فاستكانا وقعدا في بيوتهما يبكيان وأما أنا فكنت الخ" میرے دونوں ساتھی تو عاجز ہوگئے یعنی حضرت مرارہ بن ربیع عمری اور حضرت ہلال ابن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما وہ چھپ گئے اور گھر میں بیٹھ کر رونے لگ گئے، میں ان میں سب سے زیادہ جوان تھا اور سب سے زیادہ طاقت ور تھا تو میں نکل کر مسلمانوں کے ساتھ ملاقات کیا کرتا تھا، نماز پڑھنے جایا کرتا تھا اور بازار میں بھی گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔

ان دونوں حضرات کی عمر زیادہ تھی تو انہوں نے سوچا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سب کو بات کرنے سے منع کردیا ہے تو باہر جانے سے کوئی فائدہ نہیں گھر میں بیٹھو، اللہ اللہ کرو، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو تو وہ گھر میں روتے رہتے تھے۔

"وآتي رسول الله ﷺ فأسلم عليه وهو في مجلسه بعد الصلاة الخ" میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کو سلام عرض کرتا اور جب آپ ﷺ نماز کے بعد اپنی مسجد میں مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور میں سلام کرتا تو مجھے ایسا شبہ ہوتا جیسے آپ ﷺ کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید اس وجہ سے کہ میرے سلام کا جواب دے رہے ہیں۔

"ثم أصلي قريبا منه فأسارقه النظر فإذا أقبلت الخ" پھر میں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا اور چوری چوری نظروں سے آپ ﷺ کو دیکھتا جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوتے اور جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ اعراض فرماتے۔

حضور اقدس ﷺ کی شفقت اور رحمت بھی ہے لہٰذا دیکھتے جاتے کہ کعب بن مالک کس حالت میں ہیں؟ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان کو اس حالت میں دیکھ لوں کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں تو وہ جو عتاب کی شدت ہے اس میں کمی واقع ہوجائے، لہٰذا وہ جب نماز کی طرف متوجہ ہوتے تو حضور اقدس ﷺ ان کی طرف دیکھتے، اور جب یہ متوجہ ہوتے تو نظر ہٹا لیتے۔

"حتى إذا طال على ذلك من جفوة الناس" آخرکار جب لوگوں کی یہ بے رخی طویل ہوگئی

اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آگیا۔

"مشیت حتی تسورت جدار حائط أبی قتادة الخ" ایک دن میں چلا اور حضرت ابوقتادہ ﷛ جو میرے چچا زاد بھائی تھے ان کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگیا، جا کر ان کو سلام کیا تو اللہ کی قسم! انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔

"فقلت: یا أبا قتادة، أنشدک باللہ هل تعلمنی أحب اللہ ورسوله؟الخ" میں نے حضرت ابوقتادہ ﷛ سے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابوقتادہ ﷛ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا پھر دوبارہ میں نے ان سے وہی کہا اور پھر قسم دی تو وہ خاموش رہے۔

"فعدت له فنشدته، فقال: اللہ ورسوله أعلم" میں نے تیسری بار قسم دے کر کہا تو تیسری مرتبہ جواب میں حضرت ابوقتادہ ﷛ نے اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

"ففاضت عینای وتولیت حتی تسورت الجدار" میری آنکھیں بھر آئیں یعنی ان کی یہ بے رخی دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور واپس مڑا اور دوبارہ دیوار پھاند کر باہر چلا گیا۔

"قال: فبینا أنا أمشی بسوق المدینة إذا نبطی الخ" حضرت کعب بن مالک ﷛ فرماتے ہیں کہ اسی دوران میں، میں مدینہ منورہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اہل شام کے کاشتکاروں میں سے ایک نصرانی کاشتکار جو شام سے سامان لے کر فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا تھا یعنی غلہ اور گندم لے کر فروخت کرنے کے لئے آیا تھا اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کون ہے جو مجھے کعب بن مالک کے پاس پہنچا دے گا؟ تو لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے یعنی اشارہ کر کے کہ بتایا کہ یہ کعب بن مالک ہیں۔ [۱۴]

"حتی إذا جاء نی دفع إلی کتابا من ملک غسان فإذا فیه: أما بعد الخ" یہاں تک کہ جب وہ میرے پاس آگیا تو اس نے غسان کے بادشاہ کی طرف سے مجھے ایک خط پہنچایا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب یعنی حضور اکرم ﷺ تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں، حالاں کہ اللہ نے تم کو کسی ذلت کی جگہ پر نہیں بنایا اور نہ ہلاکت کی جگہ پر، یعنی تم ہلاکت کے لئے پیدا نہیں ہوئے ہو اور نہ ہی ذلت کے لئے پیدا ہوئے ہو، تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آ جاؤ، ہم تمہیں بہت آرام سے رکھیں گے۔

---

[۱۴] قوله: ((إذا نبطی)) کلمة: اذا للمفاجاة، و: النبطی، بفتح النون والباء الموحدة: الفلاح، سمی بالنبطی لأن اشتقاقه من استنباط الماء واستخراجه، والأنباط کانوا فی ذلک الوقت أهل الفلاح، وهذا النبطی کان نصرانیاً شامیا. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۷۵، وفتح الباری، ج:۸، ص: ۱۲۰

یہ غسان عرب کا علاقہ تھا اور اس کا بادشاہ نصرانی عرب تھا، غسان کے نصرانی بادشاہ کے اور رومی سلطنت کے آپس معاہدات تھے۔ [۱۵]

"فقلت لما قرأتها: وهذا أيضا من البلاء الخ" جب میں نے اس خط کو پڑھا تو میں نے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت آگئی یعنی یہ اور زیادہ بڑی ازمائش آگئی کہ ایسے موقع پر اب نصرانی میری طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور مجھے بلا رہے ہیں، تو میں اس خط کو لے کر سیدھا تندور کے پاس گیا اور اس میں ڈال کر تندور پر اس کو دھکا دیا یعنی اس کو آگ میں ڈال کر نذر آتش کر دیا۔

"حتى إذا مضت أربعون ليلة من الخمسين الخ" جب اسی حالت میں چالیس راتیں گذر گئیں تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے پاس آپ کا پیغام لیکر آیا۔

"فقال: إن رسول الله ﷺ يأمرك أن تعتزل امرأتك الخ" تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرو یعنی باقی سب کے ساتھ تو لاتعلقی تو تھی ہی، گھر میں بیوی تھی تو اب حکم آیا کہ اب اپنی بیوی سے بھی کنارہ کشی اختیار کرو، تو میں نے قاصد سے پوچھا کہ بیوی کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ یعنی ہمیشہ کے لئے علیحدگی کا حکم ہے صرف کنارہ کشی اختیار کرنی ہے؟

"قال: لا بل اعتزلها ولا تقربها الخ" تو اس قاصد نے کہا کہ حکم یہ ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ، بس الگ رہو یعنی مباشرت وغیرہ مت کرو، اور دونوں حضرات یعنی حضرت مرارہ بن ربیع عمری اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما کے پاس بھی یہی پیغام بھیجا۔

"فقلت لامرأتي: الحقي بأهلك فتكوني الخ" جب قاصد نے مجھے یہ پیغام سنایا تو میں نے اپنی بیوی سے کہا تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو یعنی اپنی میکے چلی جاؤ، اس وقت تک جب تک اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرما دے۔

"قال كعب: فجاءت امرأة هلال بن أمية رسول الله ﷺ الخ" کعب بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ ﷺ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آ کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ بوڑھے ہیں اور ان کے پاس کوئی خدمت گذار نوکر بھی نہیں ہے تو کیا میرا خدمت کرنا ناپسند ہے کہ میں ان کی خدمت کروں؟

---

[۱۵] قوله: ((من ملك غسان))، بفتح الغين المعجمة وتشديد السين المهملة، وهو من جملة ملوك اليمن، سكنوا الشام. قيل: هو جبلة بن الأيهم، وفي رواية ابن عائذ، وعن الواقدي: انه الحارث بن ابي بشر، وقيل جندب بن الأيهم. عمدة القاري، ج: ۸، ص: ۷۶

"قال: لاولكن لا يقربك" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدمت سے منع نہیں کرتے لیکن وہ تمہارے قریب نہ آئے یعنی مباشرت مت کریں۔

"قالت: إنه والله ما به حركة إلى شيء، والله ما زال يبكي الخ" انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کرتے ہیں، اور جب سے یہ بات ہوئی ہے وہ مسلسل رو رہے ہیں، یعنی ان میں تو کوئی خواہش ہی نہیں رہی ہے جب سے ان کا یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ مسلسل رو رہے ہیں۔

جب حضور ﷺ نے ان کو حضرت ہلال بن امیہ ؓ کی خدمت کی اجازت دے دی **"فقال لي بعض أهلي: لو استأذنت رسول الله ﷺ في امرأتك الخ"** تو میرے بعض گھر والوں نے کہا کہ آپ بھی اجازت لے لیں جیسے کہ حضرت ہلال بن امیہ ؓ کی بیوی نے لی ہے۔

اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی جو ممانعت تھی وہ عام لوگوں سے تھی لیکن جو گھر کے لوگ تھے وہ ضرورت کے مطابق بول سکتے تھے اس لئے گھر کے بعض لوگوں نے یہ کہا آپ بھی اجازت لے لیں۔ [۱۶]

"فقلت: والله لا استأذن فيها رسول الله ﷺ وما يدريني الخ" تو میں نے کہا کہ پتا نہیں حضورِ اقدس ﷺ کیا فرمائیں گے، اس لئے میں اجازت نہیں لوں گا اور میں ویسے بھی جوان آدمی ہوں اور مجھے خدمت کی ایسی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ حضرت ہلال بن امیہ ؓ کو ضرورت ہے کیونکہ کو ضعیف العمر ہیں۔

"فلبثت بعد ذلك عشر ليال حتى كملت لنا خمسون ليلة الخ" دس راتیں مزید گذریں یہاں تک کہ جب سے آپ ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے سے منع فرمایا تھا اس کے پچاس دن پورے ہو گئے۔

"فلما صليت صلاة الفجر صبح خمسين الخ" تو میں پچاسویں رات کی صبح جب فجر کی نماز پڑھی، اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ایک ایک صبح گن رہا تھا تو پچاسویں صبح کو جب میں نے فجر کی نماز کے بعد میں اپنے گھر کی چھت پر تھا۔

"أنا جالس على الحال الذي ذكر الله قد ضاقت علي نفسي الخ" اور اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے کہ میرا دل مجھے پر تنگ ہو گیا تھا یعنی اپنے اوپر مجھے اپنی جان تنگ محسوس ہو رہی تھی اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی تھی۔

---

[۱۶] قوله: ((فقال لي بعض أهلي)) استشكل هذا مع نهي النبي ﷺ عن كلام الثلاثة. واجيب بانه يحتمل ان يكون عبرعن الاشارة بالقول، وقيل لعله من النساء، لأن النهي لم يقع عن كلام النساء اللاتي في بيوتهم، وقيل: كان الذي كلمه منافقاً، وقيل كان ممن يخدمه ولم يدخل في النهي. عمدة القاري، ج:۱۸، ص:۷۶ وفتح الباري، ج:۸، ص:۱۲۱

"سمعت صوت صارخ فأوفى على جبل سلع" تو اچانک میں نے جبلِ سلع پر سے ایک چیخنے والے کی آواز سنی، جو پہاڑ پر چڑھ گیا تھا، **"بأعلى صوته: یا کعب بن مالک، أبشر"** بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک! تم کو بشارت دی جاتی ہے۔

"قال: فخررت ساجداً وقد عرفت أن قد جاء فرج" حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ اس آواز کے سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا، اور یقین کرلیا کہ اب یہ مشکل آسان ہوگئی ہے۔

"وآذن رسول اللہ ﷺ بتوبة اللہ علینا حین صلی صلاة الفجر" اور آنحضرت ﷺ نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا۔

جس وقت ان حضرات کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہوا اسی وقت دو آدمی، جن میں سے ایک گھوڑے پہ سوار ہو کے روانہ ہوئے اور دوسرے پیدل روانہ ہوئے، انہوں نے کہا کہ میں جلدی خبر پہنچا دوں تو یہ سلع پہاڑ پر چڑھ گئے اور آواز لگا دی۔ یہ مطلب ہے **"فأوفى على جبل سلع"** کا، آگے حضرت کعب بن مالک ؓ ان دونوں خبر دینے والے حضرات کا ذکر الگ سے فرمائیں گے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس رات میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے تو رات میں توبہ قبول ہونے کی وحی نازل ہوئی، تو اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کعب کی توبہ قبول ہوگئی ہے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں ان کو اس خوشخبری کی اطلاع بھیج دوں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت لوگ سو رہے ہوں گے، صبح کا انتظار کرلو۔ [۷۱]

"فذهب الناس یبشروننا الخ" تو صبح فجر کے وقت میں جب آپ ﷺ نے مسجد میں یہ اعلان فرمایا اب تو لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے جیسے میرے پاس لوگ یہ خبر دینے آئے ویسے ہی میرے دو ساتھیوں کے پاس بھی ان کو خبر دینے کیلئے لوگ گئے۔

"ورکض إلى رجل فرسا وسعى ساع الخ" ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور بنو اسلم کا ایک شخص دوڑتا ہوا پیدل گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا، **"وکان الصوت أسرع من الفرس"** اس کی آواز مجھے اس گھوڑے والے سے پہلے میرے کانوں تک پہنچ گئی۔

---

[۷۱] ووقع فی روایة اسحق بن راشد وفی روایة معمر ((فأنزل اللہ توبتنا علی نبیه حین بقی الثلث الأخیر من اللیل، ورسول اللہ ﷺ عند ام سلمة، وکانت ام سلمة محسنة فی شانی معنیة بأمری فقال رسول اللہ ﷺ: یا ام سلمة تیب علی کعب، قالت: أفلا أرسل الیه فأبشره؟ قال: اذا یحطمکم الناس فیمنعوکم النوم سائر اللیلة. حتی اذا صلی الفجر آذن بتوبة اللہ علینا)). صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿وعلی الثلاثة الذین خلفوا الخ﴾، رقم: ۴۶۷۷، و فتح الباری، ج:۸، ص: ۱۲۱

"فلما جاء ني الذي سمعت صوته يبشرني نزعت له الخ " جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے کہ تم نے ایسی خوشخبری سنائی، اور اس دن اللہ کی قسم! میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے وہ میں نے دے دیا۔

"واستعرت ثوبين فلبستهما وانطلقت إلى رسول الله ﷺ الخ" اور میں نے عاریۃً دو کپڑے لیکر پہنے اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جانے لگا راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے، لوگ مجھے کہہ رہے تھے مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمایا۔

"قال كعب: حتى دخلت المسجد فإذا الخ" حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب مسجد میں داخل ہوا تو آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے اور بہت سے لوگ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔

"فقام إلى طلحة بن عبيد الله يهرول الخ" حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، مجھے دیکھ کر وہ دوڑتے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا، پھر مبارکباد دی۔

"والله ما قام إلى رجل من المهاجرين غيره الخ" اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے کوئی ان کے سواء میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا اور طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا یعنی مہاجرین میں سے صرف طلحہ آگے بڑھے تھے۔

ایسے موقع پر آدمی حساس بہت ہو جاتا ہے تو ایسے موقع پر کسی نے اتنی جلدی مبارکباد نہیں دی سوائے ان کے اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مواخات کرائی تھی۔ [۱۸]

"قال كعب: فلما سلمت على رسول الله ﷺ" حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا۔

"قال رسول الله ﷺ وهو يبرق وجهه من السرور" تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور اس وقت آپ ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے چمک رہا تھا، **"أبشر بخير يوم مر عليك منذ ولدتك أمك"** اے کعب! یہ دن تمہیں مبارک ہو، جو آج تک ان سب دنوں سے اچھا ہے، جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا ہے۔

شراح کرام نے اس جملہ میں کلام کیا ہے کہ اس دن کو آپ ﷺ نے بہترین دن فرمایا، حالانکہ دیکھا جائے تو وہ دن زیادہ مبارک ہوگا، جس میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اسلام لائے، لیکن مراد یہ ہے کہ اسلام کی تکمیل اس دن پر ہوئی۔ اگر توبہ قبول نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ —**العیاذ باللہ**—

---

[۱۸] قالوا سبب ذلك ان النبي ﷺ كان آخى بينه وبين طلحة لما آخى بين المهاجرين والأنصار. فتح الباري، ج:۸، ص:۱۲۴

معلوم ہوا کہ اسلام کی تکمیل اس واقعہ سے ہوئی اور پھر اس واقعہ نے اتنا بڑا مقام بخشا کہ قرآن نے اس کے اوپر پورا رکوع نازل کیا تو یہ بشارت اور سعادت معمولی سعادت نہیں تھی۔ [۱۹]

"قال، قلت: أمن عندک الخ" حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟

"قال: لا، بل من عند اللہ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ اللہ کی طرف سے تمہاری توبہ کی قبولیت کا اعلان ہوا ہے۔

"وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا سر استنار وجهه الخ" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تھے تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

"فلما جلست بین یدیه قلت: یا رسول اللہ، إن من توبتي الخ" پھر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ یعنی جو کچھ میرا مال ہے اس سے میں اللہ اور رسول کے واسطے دستبردار ہو جاؤں۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أمسک علیک بعض الخ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑا خرچ کرو اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو، کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔

حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو جب خوشخبری ملی تو پہلا جملہ جو انہوں نے بولا وہ یہ تھا کہ جس مال نے مجھے اس عذاب میں مبتلا کیا ہے وہ سارا مال اللہ کے لئے صدقہ ہے اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی تو اس پر انہوں نے کہا کہ جس اہل کی وجہ سے اور جن لوگوں کی وجہ سے میں اس عذاب میں مبتلا ہوا تو اب میں نے ان کے بارے میں عہد کیا کہ میں اب ان کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گذاروں گا، انہوں نے یہ کہا کہ میں سارا مال اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں۔ [۲۰]

---

[۱۹] استشکل هذا الاطلاق بیوم اسلامه فانه مر علیه بعد أن ولدته أمه وهو خیر أیامه، فقیل هو مستثنی تقدیراً وان لم ینطق به لعدم خفائه، والأحسن في الجواب أن یوم توبته مکمل لیوم اسلامه، فیوم اسلامه بدایة سعادته ویوم توبته مکمل لها فهو خیر جمیع أیامه، وان کان یوم اسلامه خیرها فیوم توبته المضاف الی اسلامه خیر من یوم اسلامه المجرد عنها. فتح الباری، ج:۸، ص:۱۲۲

[۲۰] تفسیر ابن ابی حاتم، سورة التوبة، قوله تعالی: ﴿ثم تاب علیهم لیتوبوا﴾، رقم:۱۰۰۸۷، ج:۶، ص:۱۹۰۴

"**فقلت: یا رسول اللہ، إن اللہ إنما نجانی بالصدق الخ**" پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے، اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا، "**فواللہ ما أعلم احدا من المسلمین أبلاہ اللہ فی صدق الخ**" خدا کی قسم! میں مسلمانوں میں کسی کو نہیں جانتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے، اس وقت جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچی بات کہہ دی۔

"أبلا" کے معنی نعمت کے ہیں۔ [۲۱]

"**ماتعمدت منذ ذکرت ذلک لرسول اللہ ﷺ إلی الخ**" پھر اس وقت سے جب میں اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا اس کے بعد اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور میں اُمید کرتا ہوں کہ زندگی بھر خدا مجھے جھوٹ سے بچائے گا یعنی اب آئندہ بھی جب تک میں زندہ رہوں تو سچ ہی بولوں گا۔

"**وأنزل اللہ علی رسولہ ﷺ**" اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی یعنی ان حضرات کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی برأت میں سورۃ التوبہ کی جو آیات نازل ہوئیں:

﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [۲۲]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل گھڑی

---

[۲۱] قولہ: ((أبلاہ اللہ))، أی: أنعم علیہ. عمدۃ القاری، ج:۱۸، ص: ۷۷

[۲۲] [التوبہ: ۱۱۷،۱۱۸،۱۱۹]

میں نبی کا ساتھ دیا، جبکہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ
کے دِل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ
فرمائی۔ یقیناً وہ ان کیلئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ اور
ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن
کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین
اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں
ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ)
سے خود اُسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو
پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تا کہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع
کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا
مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں
کے ساتھ رہا کرو۔

"فواللہ ما انعم اللہ علی من نعمة قط الخ" پس اللہ کی قسم! میرے اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے بڑھ کر میں نے کوئی انعام و احسان نہیں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے مجھے سچ بولنے کی توفیق دے کر ہلاک ہونے سے بچالیا۔

"ان لا اکون کذبته فاهلک الخ" ورنہ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تباہ و ہلاک ہو جاتا، جنہوں نے آپ ﷺ سے جھوٹ بولا، جھوٹے حلف اٹھائے۔ یعنی اگر میں بھی جھوٹا عذر پیش کر کے اس وقت اپنی جان چھڑوا لیتا تو شاید میں بھی ان منافقین کی طرح تباہ ہو جاتا جنہوں نے اپنے پیچھے رہ جانے پر جھوٹے بہانے تراشے تھے۔

"فان اللہ تعالی قال للذین کذبوا حین الخ" بیشک اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے زمانے میں جھوٹ بولنے والوں پر اتنی شدید وعید فرمائی جتنی شدید کسی دوسرے کیلئے نہیں فرمائی یعنی جھوٹے بہانے تراشے والوں پر جس قدر شدید وعید فرمائی وہ کسی اور کیلئے نہیں کی۔

"فقال تبارک وتعالی" چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا
عَنْهُمْ ؕ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ؕ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ز وَّمَأْوٰهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴾ [۲۳]

ترجمہ: جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تا کہ تم ان پر درگذر کرو۔ لہذا تم بھی ان سے درگذر کر لینا۔ یقین جانو یہ سراپا گندگی ہیں، اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اُس کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

"قال کعب: و کنا تخلفنا أیھا الثلاثة الخ" یہاں پر حضرت کعب بن مالک ؓ اس شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں کہ یہ جو قرآن کریم میں تین حضرات کا ذکر ہے تو اس میں الفاظ یہ ہے **"وعلی الثلاثة الذین خلفوا"** امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب بھی اس پر قائم کیا ہے۔

عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ **"خلفوا"** کے معنی وہ تین آدمی جو پیچھے رہ گئے تھے یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، عموماً یہ معنی سمجھتے ہیں تو حضرت کعب بن مالک ؓ فرما رہے ہیں کہ یہ معنی نہیں ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ وہ تین آدمی جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔

"خلفوا – خلف" کے معنی ہیں پیچھے کر دینا، جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا، مؤخر کر دیا گیا تھا یعنی منافقین کا معاملہ تو معاف کر کے چھوڑ دیا تھا ان کے معاملہ کو پیچھے رکھ دیا گیا تھا کہ تمہارے بارے میں جب اللہ کا فیصلہ آئے گا تو تب دیکھیں گے تو خلفوا کے معنی یہ نہیں کہ غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت کعب بن مالک ؓ نے یہ ایک بہت لطیف بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں تو اس عمل کو اس کے نامۂ اعمال سے مٹا دیتے ہیں، تو بہ صرف یہ نہیں ہے کہ عذاب نہیں ہوگا بلکہ نامۂ اعمال سے وہ عمل مٹ جاتا ہے اور جب مٹ جاتا ہے تو اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے اس گناہ کا حوالہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی سنت نہیں ہے۔

جس گناہ کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا تو دنیا میں کسی کو جائز ہے کہ وہ اس گناہ پر کسی کو عار دلائے۔

---

[۲۳] [التوبة: ۹۵، ۹۶]

کیونکہ حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو نہیں مارتے جب تک کہ وہ اس گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ [۲۴]

اتنی سخت وعید ہے تو انسان کو بھی اجازت نہیں ہے کہ اس کو عار دلائے، اس گناہ تو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا، جب اس گناہ کو مٹا دیا تو اب اس گناہ کے حوالہ دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

فلذلک قال: ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ [۲۵]

اس لئے یہ فرمایا کہ: اوران تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔

"ولیس الذی ذکر اللہ مما خلفنا عن الغزوۃ الخ" اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو جان بوجھ کر غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے، اگر پہلا والا معنی لیا جائے کہ غزوۂ تبوک میں جو پیچھے رہ گئے تھے، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ توبہ کے باوجود ان کے گناہ کا ذکر کیا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ بات بعید ہے۔

اس لئے خاص طور سے ذکر کر رہے ہیں کہ حضرت کعب ﷺ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تین آدمیوں کے معاملہ کو ان لوگوں کے معاملے سے مؤخر کر دیا گیا تھا جنہوں نے قسمیں کھائیں، عذر بیان کئے، اور رسول اکرم ﷺ نے ان کے عذر کو قبول کر لیا اور آپ نے ان سے بیعت کر لی، ان کیلئے استغفار کیا لیکن رسول کریم ﷺ نے ہمارے معاملہ کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ گیا یعنی ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان ہوا۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں جو **"خلفوا"** ہے، یہ اس وجہ سے نہیں کہ ہم غزوہ تبوک سے پیچھے رہے بلکہ اس کے معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملہ کو مؤخر کر دیا اور ان لوگوں کے مقابلے میں ہمارے معاملہ کو مؤخر کر دینا جنہوں نے قسمیں کھائی تھی اور جنہوں نے عذر پیش کئے تھے اور حضور اقدس ﷺ نے ان کا عذر قبول کر لیا تھا۔ حضرت کعب بن مالک ﷺ بڑی اہمیت کی بات بتا رہے ہیں کہ **"خلفوا"** کا معنی یہ مت سمجھنا بلکہ یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے معاملہ میں فیصلہ مؤخر فرما دیا تھا۔

حدیث کعب بن مالک ﷺ ادب کا شاہکار

یہ حدیث حضرت کعب بن مالک ﷺ ہے اور شاید ہی کوئی بڑے سے بڑا فصیح و بلیغ اور بڑے سے بڑا

---

[۲۴] سنن الترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق والورع، باب، رقم: ۲۵۰۵

[۲۵] [التوبة: ۱۱۸]

ادیب وشاعر وہ تأثرات اپنے الفاظ میں بیان کر سکے جو حضرت کعب بن مالک ﷺ نے اس میں بیان فرمائے اور اس واقعہ کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی نہیں چھوڑی اور اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اتنی مؤثر انداز میں بیان کی ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ حضرت کعب بن مالک ﷺ کی حدیث ادب کا بھی شاہکار ہے۔

حدیث کعب بن مالک ﷺ سے حاصل ہونے والے اسباق ورموز

حضرت کعب بن مالک ﷺ کی حدیث کے بارے میں چند باتیں بڑی اہم ہیں ان کو یاد رکھیں۔

یہ حدیث کافی طویل ہے، اس سے مسائل تو بے شمار نکلتے ہیں اور بڑی تعلیمات اس سے حاصل ہوتی ہیں لیکن چند باتوں کی طرف متنبہ کرنا ضروری اور مناسب ہے۔

صحابۂ کرام ﷺ کا عزم واستقامت

آپ حدیث میں یہ دیکھیں گے کہ پوری حدیث میں جو مرکزی واقعہ ہے وہ یہ ہے کہ ان تین بزرگوں کو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے پر زبردست عتاب کا سامنا کرنا پڑا اور ایسی آزمائش سے گذرنا پڑا جو بڑی سخت آمازئش تھی۔

اس سے بعض اوقات جو ہمارے دل میں احمقانہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کاش ہم بھی حضورا کرم ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو اس احمقانہ خیال کی حماقت بھی معلوم ہو جاتی کہ اللہ تعالی وتبارک نے ہمیں کسی حکمت ہی سے اس دور میں پیدا کیا، ورنہ اگر اس دور میں ہوتے تو خدا جانے کس صف میں ہوتے۔

یہ عزیمت، یہ استقامت، اطاعت اور ایمان کا یہ استحکام جو اللہ تعالی نے ان حضرات کو عطا فرمایا تھا انہی کا ظرف تھا کہ وہ جھیل گئے ہم جیسے کمزور اور ہم جیسے غفلت شعار اگر ہوتے تو خدا جانے کس صف میں ہوتے۔

لیکن ساتھ یہ دیکھئے کہ آزمائش اتنی زبردست اور سزا بھی اتنی کڑی اس شخص کو جو سچ بول کر، نادم ہو کر آیا کہ واقعی یا رسول اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی ہے، ندامت ہوئی اس کو بھی پچاس دن تک ایسی سخت اذیت سے گذارا گیا کہ جس کو قرآن میں ذکر کیا ہے کہ میرا دل مجھے پر تنگ ہو گیا تھا یعنی اپنے اوپر مجھے اپنی جان تنگ محسوس ہو رہی تھی۔

یہ اس وقت ہے کہ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لے آئے اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ غزوۂ تبوک میں کسی ایک کافر سے بھی لڑائی نہیں ہوئی، مقابلہ نہیں ہوا۔

لہٰذا اگر اس سفر میں کوئی نہیں گیا تو اس کے نہ جانے سے کوئی نقصان واقع نہیں ہوا اگر لڑائی ہوئی ہوتی

اور خدانخواستہ اس میں شکست ہوئی ہوتی تو کہتے کہ آدمی کی کمی پڑ رہی ہے اور تم تین آدمی یہاں پر بیٹھ گئے، اس وجہ سے مسلمانوں کو اتنا نقصان اٹھانا پڑا۔

لیکن یہاں سرے سے لڑائی ہی نہیں ہوئی اور ان کے نہ جانے سے کوئی نقصان نہیں ہوا کیونکہ لڑائی بھی نہیں ہوئی اور ویسے ہی واپس آگئے تو اچھا ہوا میں نہیں گیا لیکن باوجود اس کے نہ جانے سے کوئی نقصان نہیں ہوا پھر بھی اتنی کڑی سزا۔

دین کا مقصود اتباع ہے

پہلی بات جو اس سے نکلتی ہے وہ یہ کہ شریعت میں اصل چیز ہے اتباع، امر ربی کی اتباع، اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے حکم کے اطاعت اور اس کے آگے سر جھکا دینا یہ ہے قیمتی چیز، اور یہی بذات خود مقصود ہے۔

نہ فتح مقصود ہے اور نہ مال غنیمت مقصود ہے، نہ فوائد حاصل کرنا مقصود ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس وقت جو کہا جا رہا ہے وہ کرو، وہ اگر کرلیا تو مقصود حاصل ہے چاہے شکست ہی ہوگئی، اگر جو کہا گیا اس کو پورا نہیں کیا تو مقصود حاصل نہیں ہوگا، چاہے فتح ہی کیوں نہ حاصل ہوگئی ہو۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوا اصل چیز اتباع ہے۔

اب کوئی پوچھے کہ ہمیں کس بات کی سزا دی جا رہی ہے وہ تو کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی ہی نہیں اور ویسے ہی لشکر لوٹ کر آگیا، تو ہمارے نہ جانے سے کیا نقصان پڑا؟

اس کا جواب یہی ہے کہ نقصان یہ ہے کہ ”خطا اگر راست آید ہم خطا است“ خطا اگر راست پر آجائے یعنی اگر اس کے انجام درست ہوجائے تب بھی خطاء، خطاء ہے۔

خطاء یہ تھی کہ جب حکم دیا گیا کہ نکلو اور نہیں نکلے تو یہ نافرمانی ہوگئی، تو سزا اس کی ہے، تنبیہ اس پر ہے بائیکاٹ اس وجہ سے کیا جا رہا ہے، چاہے نتائج کچھ بھی ہوئے ہوں۔

عمل مقصود ہے، نتائج نہیں!

معلوم ہوا کہ نتائج مقصود نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اتباع، یہ نکتہ ذہن میں آجائے اور دل میں بیٹھ جائے (اللہ تعالیٰ یہ بات ہم سب کے دل میں بھی بٹھا دیں۔ آمین) تو ہزار ہا اعتراض ہزار ہا گمراہیوں اور ہزار ہا غلط فہمیوں کا سد باب ہوجائے۔

اس لئے کہ سارے دین کی مقصود اتباع ہے جس وقت جو کہا جا رہا ہے وہ کرو، نہ اپنا شوق پورا کرنا ہے، نہ اپنے جذبات کو تسکین دینی ہے، نہ نتائج کی کامیابی اور ناکامی کو دیکھنا ہے۔

اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے، بس وہ پورا کرو یہ ہے دین! اس حدیث کا سب سے اہم نکتہ یہی ہے۔
ورنہ عام دنیاوی قوانین کے لحاظ سے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ نہیں گئے تو نہیں گئے لڑائی ہی نہیں ہوئی۔

حقوقِ واجبہ کی رعایت

دوسری بات جو بڑی اہم ہے، وہ یہ کہ حضرت ہلال بن امیہ ؓ کے واقعہ میں آپ نے پڑھا کہ گھر والے سالہا سال میں جمع ہوئے تھے سوچا کہ ان کے ساتھ کچھ وقت گذارلوں، حضرت مرارہ بن ربیع عمری ؓ کے باغ پر کئی سال کے بعد تازہ تازہ پھل آیا تھا، افلاس کے دور سے گذر رہے تھے اور معیشت کا دارومدار، سارے سال کی روزی کا دارومدار اسی پر تھا۔ پھر بھی کہا گیا کہ عذر مقبول نہیں اور اس کے باوجود ان کو تنبیہ اور عتاب کا نشانہ بننا پڑا اور اس آزمائش سے گزرنا پڑا۔

اس کو بعض لوگ غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ دین کا کام کرنے کے لئے اگر اپنے گھر والوں کے حقوق واجبہ کو بھی قربان کرنا پڑے تو کرو، ورنہ اتنی زبردست آزمائش۔

اور خصوصا ہمارے بھائی تبلیغی حضرات، وہ ان کے واقعات بڑے سناتے ہیں اور سنا کر اس سے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ حقوق واجبہ کو بھی قربان کرنا ضروری ہے، اگر بیوی بچے بھوک سے مر رہے ہیں تو مرنے دو اور نکل جاؤ اور نکلنے کے بعد اللہ میاں سے دعا مانگو کہ ان کی روزی کا سامان آپ فراہم کر دیجئے۔

عام لوگ جو پڑھے لکھے سمجھدار لوگ ہیں وہ نہیں کہتے لیکن بعض جوشیلے لوگ اور حقیقت نا آشنا کچے پکے لوگ اس قسم کی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ دیکھو غزوۂ تبوک میں کھجوریں پک رہی تھی سارے سال کی معیشت کا دارومدار اسی پر تھا پھر بھی کہا گیا کہ چھوڑو اور جاؤ۔

تو خوب سمجھ لو کہ دو قسم کی حالتیں ہیں اور دونوں قسموں کی حالتوں کے درمیان فرق ہے۔

ایک وہ حالت ہے کہ جب جہاد کے لئے خروج فرض عین ہو جائے، ہر انسان پر فرض عین ہے کہ نکلے ،اس وقت میں نکلنا ہر شخص پر فرض ہے اور اس صورت میں حقوق واجبہ کی رعایت بھی ضروری نہیں، جیسے کہ حدیث باب ہے۔ اس میں نفیر عام تھی اور کسی کا استثناء نہیں تھا، نکلنا فرض عین ہو گیا تھا۔

اس وقت کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ اجمعین فرماتے ہیں کہ **"فیخرج العبد بغیر إذن مولاہ، والمرأۃ بغیر إذن زوجھا الخ"** یعنی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل جائے اور مولیٰ بغیر اجازت آقا کے نکل جائے۔

اس صورت میں حقوق واجبہ کو ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے جبکہ فرض عین ہو اور یہاں نبی کریم ﷺ نے

فرض عین قرار دے دیا تھا۔ [۲۶]

دوسری وہ حالت ہے کہ جہاں کوئی عمل فرض عین نہ ہوا اس حالت میں کچھ لوگ جا رہے ہیں تو اگر کوئی شخص بیوی کو بغیر نفقہ کے یا والدین کو بیمار چھوڑ کر جائے تو باوجود جہاد میں جانے کے تو گناہ گار ہوگا اور باوجود تبلیغ میں جانے کے کیوں گناہ گار ہوگا؟

اس واسطے کہ یہ عمل اس وقت تم پر فرض عین نہیں۔

تم پر اس وقت فرض عین ہے کہ اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال کرو، اس کے نفقہ کا انتظام کرو، اس کی بیماری کے علاج کا انتظام کرو وغیرہ یہ فرض عین ہے، وہ فرض عین نہیں۔

لہٰذا اس وقت چھوڑ کے جانا تمہارے لئے جائز نہیں اور یہی بات پیچھے گزری ہے کہ اصل نکتہ اتباع ہے، دین کا اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے نہ یہ کہ میرا کیا دل چاہ رہا ہے یا میرا جذبہ کیا ہو رہا ہے، مجھے شوق کس چیز کا ہے، مطالبہ کیا ہے جو اس وقت کیا جا رہا ہے وہ ادا کرو۔

اگر اس وقت مطالبہ یہ ہے کہ والدین کی خدمت کرو، تو اس کو پورا کرو۔

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک صحابی آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے جہاد میں شریک ہونے کا ارادہ کیا ہے اور آپ سے مشورہ کے لئے آیا ہوں لئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ صحابی نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور ان کی خدمت کرو کیوں کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ [۲۷]

نکتہ یہ ہے کہ اس وقت تم سے کیا مطالبہ ہے؟

اور یہ نکتہ سمجھنا صحبت سے حاصل ہوتا ہے وہ بغیر صحبت کے حاصل نہیں ہوتا۔

جب ایک طرف کی اہمیت سوار ہے کہ میں تو مفتی بنوں گا، بعض اوقات طالب علم آتے ہیں کہ جناب مجھے تخصص کرنا ہے، اب حالات کی تفتیش کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ والدین کو بغیر کسی سہارے کے چھوڑ کے آگئے ہیں۔ ان سے کہا کہ خدا کے بندے تو مفتی بننے آگیا اور والدین تو رو رہے ہیں کہ ہمارا کوئی سہارا نہیں اور تم مفتی بننے آگئے کیونکہ مفتی بننے کا شوق ہے تو یہ مفتی بننا نہ ہوا بلکہ یہ گناہ کا ارتکاب ہے۔

واپس جاؤ! ارے اسی شوق کو کچلنے کا نام تو دین ہے، تو طبیعت میں خواہش پیدا ہو رہی ہے اسی خواہش کو اللہ کے لئے کچلو، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت دوسرا کام بتایا ہے۔ [۲۹]

---

[۲۶] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب السیر، فصل فی بیان کیفیة فرضیة الجهاد، ج:۷، ص:۹۸

[۲۷] سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب الرخصة فی التخالف لمن له والدة، رقم: ۳۱۰۴

تبلیغ کا شوق ہوگیا اور یہ نہ دیکھا گیا کہ اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟

جہاد کا شوق ہوگیا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟

اس لئے اس قسم کے واقعات کو جب کہ جہاد فرض عین تھا، ان حالات کو ایسے حالات میں قیاس نہیں کیا جاسکتا جہاں جہاد فرض عین نہ ہونا یا تبلیغ کا فرض عین نہ ہونا یا علم دین کے حصول کا فرض عین ہونا ثابت نہ ہو۔

یہ دو بنیادی باتیں اس سبق سے متعلق تھیں:

دین کی اتباع اور وقت کا تقاضہ۔ [۳۰]

---

[۲۹] قال الحافظ فی "الفتح": قال جمهور العلماء: يحرم الجهاد اذا منع الأبوان، أو أحدهما بشرط أن يكونا مسلمين، لأن برهما فرض عين، والجهاد فرض كفاية فاذا تعين الجهاد فلا اذن. ويشهد له ماأخرجه ابن حبان، فذكر الحديث المتن. ثم قال: وهو محمول على جهاد فرض العين توفيقاً بين الحديثين، وهل يلحق الجد والجدة بالأبوين فى ذلک؟ الأصح عند الشافعية نعم اهـ (۶:۹۸) قلت: وكذا عند الحنفية، وقد خالفوا الشافعية فى اشتراط الاسلام فى الأبوين، بل الحكم عام للكافر أيضا اذا ذكره خروجه مخالة ومشقة، والا بل لكراهة قتال أهل دينه، فلايطيعه مالم يخف عليه الضيعة، اذ لوكان معسرا محتاجا الى خدمته فرضت عليه ولوكان كافراً. وليس من الصواب ترک فرض عين ليتواصل الى فرض كفاية. اعلاء السنن، ج:۱۲، ص: ۱۴

[۳۰] الفرض الجهاد عينا أو كفاية: ثم قال: واختلف فى جهاد الكفار هل كان أولا فرض عين أو كفاية؟ ثم قال فى باب وجوب النفير: فيه قولان مشهوران للعلماء، وهما فى مذهب الشافعى وقال الماوردى: كان عينا على المهاجرين دون غيرهم، ويؤيده وجوب الهجرة قبل الفتح فى حق كل من أسلم الى المدينة لنصر الاسلام. وقال السهيلى: كان عينا على الأنصار دون غيرهم. ويؤيده مبايعتهم النبى ﷺ ليلة العقبة على أن يؤووا رسول الله ﷺ وينصروه فيخرج من قولهما أنه كان عينا على الطائفتين كفاية فى حق غيرهم، ومع ذلک فليس فى الطائفتين على التعميم بل فى حق الأنصار اذا طرق المدينة طارق، وفى حق المهاجرين اذا أريد قتال أحد من الكفار ابتداء. وقيل: كان عينا فى الغزوة التى يخرج فيها النبى ﷺ دون غيرهما. والتحقيق: انه كان عينا على من عينه النبى ﷺ فى حقه وان لم يخرج. وأما بعده ﷺ فهو فرض كفاية على المشهور، الا ان تدعو الحاجة كان يدهم العدو، ويتعين على من عينه الامام. ويتأدى فرض الكفاية بفعله فى السنة مرة عند الجمهور. ومن حججهم أن الجزية تجب بدلا عنه ولاتجب فى السنة أكثر من مرة اتفاقا فليكن بدلها كذلک، وقيل: يجب كلما أمر وهو قوى. قال: والتحقيق أن جنس جهاد الكفار متعين على كل مسلم، امابيده واما بلسانه واما بماله وامابقلبه انتهى (۷:۱۴). قلت: ولم يقل أحد انه أى قتال الكفار يجب بدون الامام، فثبت أن وجوب الجهاد باليد مشروط بوجوده فافهم. اعلاء السنن، ج:۱۲، ص:۸،۷

ایک اشکال اوراس کا جواب

ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما اصحاب بدر میں سے ہیں اور اصحاب بدر کے بارے میں ارشاد ہے کہ **"اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم"** تو پھر عتاب کیوں ہوا؟

بلکہ بعض لوگوں نے اس وجہ سے ان کے بدری ہونے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ اگر بدری ہوتے تو جس طرح حضرت حاطب بن أبی بلتعہ ﷛ نے غلطی کی تھی، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اصحاب بدر میں سے ہے اس واسطے ان کو کوئی سزا نہ دی، اسی طرح ان کو بھی نہ دیتے؟

جواب: یہ خیال بالکل غلط ہے، **"مغفورٌ لہ"** ہونا اور بات ہے اور کسی عمل پر دنیا کے اندر سزا دینا اور بات ہے، اگر بدریین سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جس پر دنیا وی اعتبار سے نبی کریم ﷺ سزا دینا ضروری سمجھتے تو سزا دیدیتے تو یہ ان کے **"مغفورٌ لہ"** ہونے کے منافی نہیں۔

"مغفورٌ لہ" ہونے کا تعلق آخرت سے ہے لیکن دنیا کے اندر کوئی کام ایسا ہو تو سزا دینا درست ہے۔

(٨١) باب نزول النبی ﷺ الحجر

آنحضرت ﷺ کا مقام حجر میں قیام فرمانے کا بیان

حجر قوم ثمود کی بستی کا نام ہے جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور یہ بستی مدینہ منورہ اور شام کے درمیان واقع ہے بلکہ مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان۔

حضور اکرم ﷺ جب تبوک کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو اس علاقہ کے پاس سے گذرے تھے اس گذرنے کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔ [٣١]

ایک اشکال اور اسکا جواب

اس باب میں جو حدیثیں ہیں اس میں فقط مرور کا ذکر ہے نزول کا ذکر نہیں ہے؟

اسی واسطے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ترجمہ میں کسی سے غلطی ہوگئی ہے اصل ترجمہ تھا" **باب مرور نبی ﷺ بالحجر**" یعنی نبی کریم ﷺ کا حجر سے گزرنے کا بیان۔

بعض نے یہ کہا کہ نزول یہاں پر مرور ہی کے معنی میں ہے، کیونکہ نزول سے مراد وہاں پر اتر کر اقامت اختیار کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے سواریوں کا ان علاقوں میں جا کر داخل ہونا ہے۔ [٣٢]

۴۴۱۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن محمد الجعفي: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: لما مر النبی ﷺ بالحجر قال: ((لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم أن يصيبكم ما أصابهم إلا أن تكونوا باكين)). ثم قنع رأسه وأسرع السير حتى أجاز الوادي. [راجع: ۴۳۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ جنگ تبوک کو جاتے ہوئے مقام حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو، ان پر عذاب نازل کیا گیا تھا، ایسا نہ ہو

---

[٣١] الحجر، بكسر الحاء المهملة وسكون الجيم وفي آخره راء: وهي منازل ثمود قوم صالح عليه الصلاة والسلام، بين المدينة والشام عند وادي القرى. عمدة القاري، ج:١٨، ص:٧٩

[٣٢] ولو قال في الترجمة: باب مرور النبي ﷺ، بالحجر لكان أصواب وأقرب. عمدة القاري، ج:١٨، ص: ٧٩

کہ تم پر بھی عذاب آ جائے، لہٰذا اس مقام سے روتے ہوئے گزرو، پھر آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو چھپا لیا، اور تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے اس جگہ سے نکل گئے۔

قومِ ثمود وصالح کے مقامات سے گزر

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مقامِ حجر کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا **"لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم"** کہ ان لوگوں کے گھروں میں بالکل بھی مت داخل ہونا، جنہوں نے اپنی جانوں کے اوپر ظلم کیا تھا یعنی یہ ظالموں کی زمین ہے، جہاں ان کے گھر تھے، ان لوگوں نے خدا کی نافرمانیاں کی جس کے سبب ان کے اوپر عذاب نازل کیا گیا تو تم لوگ ان گھروں میں مت داخل ہو۔

"أن یصیبکم ما أصابهم" ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اس عذاب کا کوئی حصہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا تھا ہاں اگر داخل ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہوں۔

یہ معنی کرنا تو بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا منشا ہو کہ وہی عذاب جو قوم صالح پر آیا تھا وہ عذاب تم پر آ جائے کیونکہ وہ عذاب تو ایک خاص شکل میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر آیا تھا، وہ ایک صیحہ تھا، ایک چنگھاڑ تھی اونٹنی کی جس نے کلیجہ پھاڑ دیئے۔ **العیاذ باللہ**

لیکن وہی چیز دوبارہ گذرنے والے کے اوپر آ جانا یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے، لہٰذا غالباً حضور اکرم ﷺ کا منشا یہ تھا کہ ان لوگوں کے کفر وشرک اور باعثِ عذاب اعمال کے زہریلے جراثیم ونحوست اس علاقے میں پھیلے ہوئے ہوں گے جن کی بنا پر ان پر عذاب نازل ہوا تھا، تو ایسا نہ ہو کہ وہ زہریلے جراثیم اور نحوست جو قوم ثمود کے اوپر عذاب لانے کا باعث ہوئے تھے وہ زہریلے اثرات تمہارے اوپر بھی آ جائیں یہ معنی ہے۔

"إلا أن تکونوا باکین" پھر یہ فرمایا اگر مجبوراً اس جگہ سے گزرنا پڑ جائے یا داخل ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہوں، اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے وہاں سے گزری۔

"ثم قنع رأسه وأسرع السیر حتی أجاز الوادی" پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک کپڑے سے ڈھک لیا اور تیزی سے سواریوں کو گذارا، یہاں تک کہ وادی سے نکل گئے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ جس علاقے میں کسی قوم پر عذاب آیا ہو، اس میں آدمی بلا ضرورت نہیں جائے اور اگر جانا بھی پڑ جائے تو جلدی جلدی سے وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے، بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہوا داخل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حج کے موقع پر جب وادیٔ محسر سے گذرے تو ناقہ کو ایڑ لگائی تو وہ وہاں سے دوڑ گئی، تو وہاں بھی آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا کیونکہ وہ بھی عذاب کی جگہ تھی۔

مقامِ عبرت ہے کہ نہ مقامِ سیاحت

اس واسطے یہ ایک عام اصول معلوم ہو گیا کہ آدمی عذاب کی جگہ میں ایک تو بلا وجہ شوق وذوق سے نہ جائے، اور اگر جائے تو جلدی سے جلدی نکل چلے۔

میں جب تبوک جا رہا تھا تو ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ حجر سے ہوتے ہوئے جائیں اور وہاں جو لوگ گئے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ اب تک ان کے کھنڈرات جو باقی ہیں تو ان کے پہاڑوں کے اندر ان کے گھر بنے ہوئے ہیں اس کے جو مناظر ہیں وہ نظر آتے ہیں۔

ساتھیوں نے کا کہا کہ چل کر دیکھتے ہیں، میں نے کہا کہ مجھے تو ہمت نہیں ہوتی، جہاں سے حضور اکرم ﷺ سر ڈھانک کر تیزی سے تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اپنی سواریوں کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے گذارا اور فرمایا کہ یہاں داخل نہ ہوں، اگر مجبوراً داخل بھی ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہوں، تو ایسی جگہ با قاعدہ شوق وذوق اور اہتمام کے ساتھ جائیں اس کی تو مجھے ہمت نہیں ہوتی۔

میں نے جس راستے پر سفر کیا ہے وہ تبوک جانے کے لئے موجودہ راستہ ہے، اور یہ مقام عین اِس راستے میں نہیں آتا تھوڑا سا نیچے اترنا پڑتا ہے پھر یہ مقامات آتے ہیں، تو عین راستے میں آجائے تو یہ الگ بات ہے لیکن عذابِ الٰہی کی اس جگہ کو با قاعدہ مقصود بنا کر جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

۴۴۲۰ ۔ حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا مالک، عن عبداللہ بن دینار، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ لأصحاب الحجر: ((لا تدخلوا علی ھؤلاء المعذبین إلا أن تکونوا باکین أن یصیبکم مثل ما أصابھم)). [راجع: ۴۳۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجر کے مقام پر لوگوں سے فرمایا تم اس جگہ مت داخل ہو یہاں کے لوگوں پر عذاب نازل ہوا تھا، مگر یہ کہ تم روتے ہوئے گزر جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے، جو ان پر ہوا تھا۔

اصحابِ حجر سے مراد

''اصحاب الحجر'' کا جو لفظ یہاں پر آیا ہے، ویسے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ حجر کے باشندے۔

لیکن یہاں شراح حدیث یہاں پراس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ "اصحاب الحجر" سے وہاں کے باشندے نہیں تھے بلکہ حضور ﷺ کے رفقاء تھے، جو حجر سے گذر رہے تھے ان کے اوپر لفظ حجر کا اطلاق کردیا۔ ۳۳

(۸۲) باب

یہ باب ترجمۃ الباب سے خالی ہے۔

۴۴۲۱ ۔ حدثنا يحيى بن بكير، عن الليث، عن عبد العزيز بن أبي سلمة، عن سعد بن إبراهيم، عن نافع بن جبير، عن عروة بن المغيرة، عن أبيه المغيرة بن شعبة قال: ذهب النبي ﷺ لبعض حاجته فقمت أسكتب عليه الماء ـ لا أعلمه إلا قال: في غزوة تبوك ـ فغسل وجهه وذهب يغسل ذراعيه فضاق عليه كما الجبة فأخرجهما من تحت جبته فغسلهما ثم مسح على خفيه. [راجع: ۱۸۲]

ترجمہ: عروہ بن مغیرہ اپنے والد حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کیلئے تشریف لے گئے، واپس آئے تو میں وضو کیلئے پانی ڈالنے کے لئے کھڑا ہوا، عروہ کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میرے والد مغیرہ ؓ نے کہا کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے، پھر آپ ﷺ نے منہ کو دھویا اور جب کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا ارادہ کیا تو جبہ کی آستین تنگ تھی، اس لئے دونوں ہاتھ باہر نکال لئے تھے، پھر موزوں پر مسح کیا۔

۴۴۲۲ ۔ حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سليمان: حدثني عمرو بن يحيى، عن عباس بن سهل بن سعد، عن أبي حميد قال: أقبلنا مع النبي ﷺ من غزوة تبوك حتى إذا أشرفنا على المدينة قال: ((هذه طابة وهذا أحد جبل يحبنا ونحبه)). [راجع: ۱۴۸۱]

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی ؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس جب مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ طابہ آگیا، (مدینہ کا نام) اور یہ جبلِ اُحد ہے، جو کہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

---

۳۳ قوله: ((لأصحاب الحجر)) قال الكرماني: أى الصحابة الذين مع رسول الله ﷺ في ذلك الموضع، فاضيفوا الى الحجر بملابسة عبورهم عليهم. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۷۹

۴۴۲۳ ۔ حدثنا أحمد بن محمد: أخبرنا عبد الله: أخبرنا حميد الطويل، عن انس بن مالک ﷺ أن رسول الله ﷺ رجع من غزوة تبوک فدنا من المدينة فقال: ((إن بالمدينة أقواما ما سرتم مسيرا ولا قطعتم واديا إلا كانوا معكم)). قالوا: يا رسول الله، وهم بالمدينة؟ قال: ((وهم بالمدينة حبسهم العذر)). [راجع: ۲۸۳۸]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ ہم جنگ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ لوٹے آرہے تھے تو مدینہ کے قریب پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مدینہ میں رہ کر بھی جہاں بھی تم چلے اور جس وادی کو بھی تم نے پار کیا وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مدینہ میں رہ کر؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ہاں مدینہ میں رہتے ہوئے بھی، وہ اپنے عذر کی وجہ سے رہ گئے تھے۔

مجبوراً پیچھے رہ جانے والے صحابہ ﷺ کے لئے بشارت

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اُن حضرات صحابہ کرام ﷺ کا ذکر کیا ہے کہ جو کسی عذر کی وجہ سے جانے سے رہ گئے تھے اور غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

ان صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مدینہ میں رہ کر بھی تمہارے ساتھ تھے، جہاں بھی تم چلے اور جس وادی کو بھی تم نے پار کیا وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے گویا انکے دل تمہارے ساتھ تھے، یعنی جو بھی آپ لوگ سفر کر رہے ہیں اس میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو مدینہ منورہ میں عذر کی وجہ سے رکے رہے ورنہ فی نفسہ انکے اندر بھی غزوہ میں شرکت کا جذبہ تھا۔

(۸۳) باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى وقيصر

نبی ﷺ کے ان خطوط کا ذکر جو کسریٰ اور قیصر کو لکھے گئے

حضور اکرم ﷺ نے قیصر و کسریٰ کے نام خط لکھے ہیں اور یہ سن چھ ہجری میں غزوۂ حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس وقت آپ ﷺ نے مختلف سلاطین کے نام خطوط بھیجے۔ ان میں سے ایک خط یہ ہے جس کا یہاں پر ذکر ہے جو ایران کے بادشاہ کسریٰ کے نام تھا۔

۴۴۲۴ ۔ حدثنا إسحاق: حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا أبي، عن صالح عن ابن شهاب قال: أخبرني عبيد الله بن عبدالله أن ابن عباس أخبره أن رسول الله ﷺ بعث بكتابه إلى كسرى مع عبدالله بن حذافة السهمي. فأمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين فدفعه عظيم البحرين إلى كسرى، فلما قرأه مزقه،فحسبت أن ابن المسيب قال: فدعا عليه رسول الله ﷺ أن يمزقوا كل ممزق. [راجع: ۶۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر کسریٰ کے پاس بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ اس خط کو بحرین کے عامل کو دے دیں، چنانچہ بحرین کے عامل نے وہ خط لے کر کسریٰ کے پاس روانہ کر دیا، جب کسریٰ نے اس خط کو پڑھا تو پھاڑ ڈالا۔ ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ میرا خیال ہے کہ ابن مسیب رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے یہ بددعاء فرمائی کہ اے اللہ! ان کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

کسریٰ کے نام خط بھیجنے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا مکتوب کسریٰ یعنی ایران کے بادشاہ کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔

"فأمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين" اور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافی سہمی کو حکم دیا کہ یہ خط جا کر بحرین کے سردار کو دے دیں۔

کیونکہ اس وقت بحرین کا علاقہ کسریٰ کے زیر تسلط تھا اور اس وقت بحرین کا عامل منذر بن ساوی عبدی

تھا جو کہ کسریٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا۔ [۳۴]

"فدفعه عظیم البحرین إلی کسری" تو آپ ﷺ کے قاصد نے وہ خط بحرین کے عامل کے حوالے کیا اور اس نے وہ خط کسریٰ کے پاس بھجوادیا، **"فلما قرأه مزقه"** جب اس بدبخت کسریٰ نے وہ خط پڑھا تو اس نے اس خط کو چاک کر دیا یعنی پھاڑ دیا۔

"فحسبت أن ابن المسیب قال" ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ سعید ابن مسیب رحمہ اللہ نے بھی یہ بات فرمائی کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ کسریٰ نے خط کو چاک کر دیا ہے، **"فدعا علیه رسول الله ﷺ أن یمزقوا کل ممزق"** تو رسول اللہ ﷺ نے اس بدبخت کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے، یعنی جس طرح انہوں نے رسول کریم ﷺ کے مکتوب مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اسی طرح ان کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

سلطنتِ کسریٰ کی تباہی

چنانچہ رسول کریم ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور کسریٰ کی عظیم سلطنت پارہ پارہ ہوئی، اس وقت کسریٰ کے جس بادشاہ کو خط لکھا تھا اس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا، سلطنت کسریٰ کی تباہی اور زوال کا آغاز اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا۔

کیونکہ ایسے واقعات پیش آئے کہ شاید ہی کسی کے ساتھ پیش آئے ہوں کہ اس کا بیٹا تھا شیرویہ، وہ اس کی بیوی شیرین پر عاشق ہو گیا اور اس کے نتیجے میں اس فکر میں رہنے لگا کہ کسی طرح باپ کو ہلاک کر دوں تاکہ شیرین میری دسترس میں آجائے اور اس نے ایک مرتبہ باپ کو زخمی بھی کر دیا، جب پرویز زخمی ہوا اور اس کو پتہ چلا کہ بیٹا میرے کو قتل کرنے کی تاک میں ہے تو باپ یعنی پرویز نے اپنی حفاظت کی جو بھی تدبیر ہو کی لیکن اس سے زیادہ یہ فکر کی کہ جب یہ مجھے ہلاک کر دے تو خود بھی ہلاک ہو جائے۔

اس نے طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک بڑا شدید زہر تھا، اس زہر کی شیشی کے اوپر لکھ دیا کہ یہ دوا مقوی باہ ہے اور یہ لکھ کر اس شیشی کو اپنی مخصوص الماری میں رکھ دی۔ اس خیال سے کہ اگر میرا بیٹا مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ ضرور اس الماری کو کھولے گا، اس کی تلاشی لے گا اور جب وہ یہ لکھا ہوا پائے گا کہ یہ قوتِ باہ کی دوائی ہے، جس کا وہ بڑا شوقین ہے، تو لازماً اس کو استعمال کرے گا۔

---

[۳۴] ((إلی عظیم البحرین))، هو نائب کسری علی البحرین واسمه المنذر بن ساوی العبدی. عمدة القاری، ج:۱۸، ص:۸۲

چنانچہ یہی ہوا کہ جب بیٹا اس کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے پرویز کی مخصوص الماری کو کھول کر تلاشی لی تو اس میں سے یہ شیشی بھی برآمد ہوئی، جس کو دیکھ کر اس نے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے اور قوتِ باہ کی دوائی سمجھ کر پی گیا جس کے نتیجہ میں اسی وقت وہ بھی ہلاک ہوگیا یوں اس خاندان کی تباہی کا آغاز ہوا۔

اب ان دونوں باپ، بیٹے کی ہلاکت کے بعد سلطنت کے مشیروں اور سرکردہ لوگوں نے شیرویہ کی ایک نوجوان لڑکی جسکا نام بوران بنت شیرویہ بن کسریٰ بن پرویز تھا، اسکو تخت وتاج کا مالک بنادیا، وہ سلطنت کی حکمران بن بیٹھی، جبکہ اسکے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہیکہ اسکی بہن یعنی پرویز کی بیٹی آذرمیدخت کو بھی حکمران بنایا گیا۔

جب سلطنت کسریٰ کی حکمرانی ایک عورت کو سونپے جانے کی اطلاع حضورِ اقدس ﷺ کو ہوئی جیسا کہ حضرت ابی بکرہ ؓ کی اگلی روایت میں آرہا ہے "**ان اھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسری**" کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنالیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا "**لن یفلح قوم ولو امرھم امراۃ**" ہرگز کوئی قوم فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا۔ [۳۵]

اور پھر یوں اس خاندان کی تباہی کے بعد کسریٰ کی سلطنت کی تباہی بھی شروع ہوگئی اور بعد میں حضرت عمر ؓ کے دورِ خلافت میں جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کرلیا تو تب اس سلطنت کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔

۴۴۲۵ ـ حدثنا عثمان بن الھیثم: حدثنا عوف، عن الحسن، عن أبی بکرۃ قال: لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتھا من رسول اللہ ﷺ أیام الجمل بعد ما کدت الحق بأصحاب الجمل فأقاتل معھم. قال لما بلغ رسول اللہ ﷺ أن أھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسری قال: ((لن یفلح قوم ولو أمرھم امرأۃ)). [انظر: ۷۰۹۹] [۳۶]

---

[۳۵] قوله: ((ملكوا عليهم بنت كسرىٰ)) هى بوران بنت شيرويه بن كسرىٰ بن برويز. وذلك أن شيرويه لماقتل أباه كما تقدم كان أبوه لما عرف ان ابنه قد عمل على قتله احتال على قتل ابنه بعد موته فعمل فى بعض خزائنه المختصة به حقا مسموما وكتب عليه: حق الجماع، من تناول منه هذا جامع كذا. فقرأه شيرويه، فتناول منه فكان فيه هلاكه، فلم يعش بعد أبيه سوى ستة أشهر، فلما مات لم يخلف أخا لأنه كان قتل اخوته حرصا على الملك ولم يخلف ذكرا، وكرهوا خروج الملك عن ذلك البيت فملكوا المرأة واسمها بوران بضم الموحدة. ذكر ذلك ابن قتيبة فى المعازى. وذكر الطبرى أيضاً ان أختها آذر ميدخت ملكت أيضاً. فتح البارى، ج:۸، ص:۱۲۸، وعمدة القارى، ج: ۱۸، ص: ۸۳

[۳۶] وسنن الترمذى، ابواب الفتن، رقم: ۲۲۶۲، وسنن النسائى، كتاب آداب القضاة، باب النهى عن استعمال النساء فى الحكم، رقم: ۵۳۸۸، ومسند احمد، باب حديث ابى بكرة نفيع بن الحارث بن كلادة، رقم: ۲۰۴۰۲، ۲۰۴۳۸، ۲۰۴۷۴، ۲۰۴۷۷، ۲۰۴۷۸، ۲۰۵۰۸، ۲۰۵۱۷

ترجمہ: حضرت ابی بکرہ ﷺ نے بیان کیا کہ اللہ نے مجھے جنگ جمل کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے بہت فائدہ پہنچایا، اس کے بعد کہ قریب تھا کہمیں اصحاب جمل کے ساتھ شریک ہوکر لڑوں۔

حضرت ابی بکرہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ کو کسریٰ کی بیٹی کے تخت نشین ہونے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا تھا کہ بھلا وہ قوم کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے جس نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا۔

ابو بکرۃ ﷺ کی جنگِ جمل سے علیحدگی کا واقعہ

"لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتھا الخ" حضرت ابی بکرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے جنگ جمل کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک کلمہ سے نفع پہنچایا جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا۔

"ایام الجمل" یہ **"نفعنی"** کیلئے ظرف واقع ہورہا ہے نہ کہ **"سمعت"** کے لئے، یعنی مجھے اس کلمہ نے فائدہ پہنچایا۔

ایام جمل کے زمانہ میں جب کہ میں قریب تھا کہ اصحاب جمل کے ساتھ مل جاؤں اور ان کے ساتھ مل کر حضرت علی ﷺ سے اختلاف کروں یعنی میرے دل میں یہ خیال آرہا تھا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اصحاب جمل کے ساتھ تھیں اور حضرت علی ﷺ کے خلاف ان کی قیادت کررہی تھیں تو اس واسطے میرے دل میں آیا کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر لڑائی میں شریک ہوں اور حضرت علی ﷺ کے لشکر سے مقابلہ کروں لیکن مجھے نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد یاد آگیا جو میں نے سنا تھا تو مجھے اس نے بڑا فائدہ پہنچایا۔

آپ ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی کہ جب آپ کو پتہ چلا کہ کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنادیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"لن یفلح قوم ولو امرھم امرأۃ"** بھلا وہ قوم کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے، وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے، پنپ سکتی ہے؟، جو اپنا معاملہ کسی عورت کے حوالہ کردیں یعنی جس قوم نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا وہ قوم باقی نہیں رہ سکتی۔

جب مجھے یہ ارشاد یاد آیا اور خیال آیا کہ اصحاب جمل نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سربراہ بنایا ہوا ہے تو یہ اس حدیث مبارک کے خلاف ہے، لہٰذا میں پھر ان سے الگ رہا۔

چنانچہ انہوں نے نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دیا اور نہ حضرت علی ﷺ کا ساتھ دیا بلکہ الگ رہے اور ان صحابہ ﷺ میں سے ہے جنہوں نے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کا بھی ساتھ نہیں دیا تھا۔

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیسے گوارا کرلیا باوجود حضور ﷺ کے اس ارشاد کے، تو یہ ایک دریائے خون ہے جس میں داخل ہونا بڑا خطرناک ہے۔

جیسا کہ میں جنگِ صفین کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ عجیب وغریب حالات تھے، ایسے ہی جنگِ جمل میں بھی ایسے واقعات پیش آئے، غلط فہمیوں کے دروازے کھلے، سازشی فتنہ پرور لوگوں نے بے بنیاد باتیں پھیلائیں اور اِدھر کی باتیں اُدھر کی گئیں، اس کے نتیجہ میں یہ افسوسناک منظر سامنے آیا کہ ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج تھی اور ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج تھی۔

یہ سب قضاء قدرت میں تھا کہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت سی مصلحتیں نکالنی منظور تھی، باقی تشریعی اعتبار سے اس کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کا مؤقف یہ ہے کہ یہاں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

اس کے بعد خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اعتراف کرتی تھیں اور جب یہ آیت پڑھتی تھیں ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ تو بے تحاشہ روتی تھیں، یہاں تک کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جاتی تھی۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعد اپنی ازواج سے فرمایا تھا کہ **"هذه، ثم ظهور الحصر"** اب یہ حج تو کر لیا اب آئندہ تمہارے لئے تمہاری چٹائیوں کی پشت ہے یعنی اپنی چٹائیوں کی پشت سے نہ اٹھنا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اگر حضور ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتی تو کبھی اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوتی، لیکن میں گئی اور حالات ایسے پیش آئے۔ [۳۷]

اللہ بچائے کہ جب چاروں طرف سے غلط فہمیاں پھیلائی جاری ہوں اور طرح طرح کے فتنے اور فتنہ اسی کو تو کہتے ہیں کہ اچھے بھلے آدمی کے سامنے حق ملتبس ہو جاتا ہے، تو اس واسطے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ بڑی غلطی ہوئی، روتی تھیں اور اوڑھنی تر ہو جاتی تھی۔

یہ بات یاد رکھئے کہ جانبین میں سے کسی کا مقصد بدنیتی نہیں تھا، کسی کا بھی مقصد دنیا طلبی نہیں تھا، مقصد اللہ تعالیٰ ہی کو راضی کرنا تھا، اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونا تھا تو اجتہادی غلطی ہوگئی، اسکی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا۔

خلاصۂ جنگ جمل

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج

---

[۳۷] الطبقات الکبریٰ، ذکر ازواج النبی ﷺ، ۱۲۲۸: عائشة بنت ابی بکر الصدیق، ج:۸، ص:۶۴، والسنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الحج، باب المرأة تنهیٰ عن کل سفر لا یلزمها بغیر محرم، رقم: ۱۰۱۴۲، ج: ۵، ص: ۳۲۷، ومسند ابی یعلی الموصلی، حدیث زینب بنت جحش عن النبی ﷺ، رقم: ۷۱۵۴، ج:۱۳، ص: ۸۰

کو گئیں، تو بعض صحابہ کی جانب سے حضرت عثمان ﷺ کے قصاص کا مطالبہ کیا گیا، جن میں حضرت معاویہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ وغیرہ ﷺ شامل تھے۔

وہی قصہ جو حضرت معاویہ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا حضرت طلحہ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے جا کر شکایت کی کہ دیکھیں حضرت علی ﷺ حضرت عثمان ﷺ کا قصاص نہیں لے رہے ہیں، تو شروع میں حضرت علی ﷺ سے کچھ مذاکرات ہوئے اور مذاکرات میں یہ طے پایا کہ جن لوگوں پر حضرت عثمان ﷺ کے قتل کی تہمت ہے حضرت علی ﷺ ان کو خود سے الگ کر دیں پھر یہ سب حضرات حضرت علی ﷺ کے ہاتھ بیعت کرلیں گے اور پھر حضرت علی ﷺ قوت پا کر ان کے سرکوبی کریں گے۔

اب جو قاتلین عثمان تھے ان کو پتہ چل گیا کہ مذاکرات ہو رہے ہیں کسی بھی دن یہ صلح ہو جائے گی تو آدھی رات کو ان کی ایک ٹولی نے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کیمپ پر حملہ کر دیا اور دوسری ٹولی نے جا کر حضرت علی ﷺ کے کیمپ پر حملہ کر دیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت علی ﷺ کے حصے میں یہ مشہور ہو گیا کہ دوسرے فریق نے وعدہ خلافی کی اور قصاص کا مطالبہ کرنے والے فریق میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت علی ﷺ نے وعدہ خلافی کی۔

اس سازش کے نتیجہ میں جنگ چھڑ گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا سربراہ بنا دیا گیا اور دونوں لشکر ٹکرائے اور ہزار جانیں گئیں اور یہاں تک کہ اہل جمل کو شکست ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی ہنگامہ میں اپنے اونٹ سے نیچے گرنے لگیں تو حضرت علی ﷺ نے اسی موقع پر فوراً جنگ بندی کی اور خود آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑے اکرام کے ساتھ واپس مدینہ پہنچایا۔

یہ جنگ جمل کا مختصر خلاصہ ہے۔ [۳۸]

سکوت اختیار کرنے کی صورت

سوال: یہ جو کہا گیا کہ حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے مابین اختلاف میں، حضرت علی ﷺ حق پر تھے اور حضرت معاویہ ﷺ سے اجتہادی خطاء ہوئی یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس بارے میں اجتہادی خطاء ہوئی تھی تو کہنے کا منشأ یہ ہے کہ یہ جزم کے ساتھ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟

اگر سکوت اختیار کیا جائے تو اس میں کیا جرم ہے؟

---

۳۸ سیرۃ ابن ھشام، البدایۃ والنھایۃ، ابتداء واقعۃ الجمل. ج:۷، ص: ۲۵۷، والفتنۃ ووقعۃ الجمل، ج: ۱، ص: ۱۰۷

جواب: اس بات کا جواب یہ ہے کہ سکوت اختیار کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ صحابۂ کرام ﷺ کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہے کہ انہوں نے سکوت ہی اختیار کیا اور ہمارے علماء میں سے بعض علماء نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے۔ اس معاملے میں اس ارشادِ باری تعالیٰ کا حوالہ دیا ہے کہ

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [۳۹]

ترجمہ: وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی۔ جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔

اس مؤقف کو کوئی اگر اختیار کرے تو فی نفسہ کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن جس وجہ سے زیادہ علماء اہل السنّت نے یہ مؤقف اختیار کیا اور تعین کیا کہ حق کس کے ساتھ تھا اور خطاء اجتہادی کس کی تھی اس کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ تعین نہ کی جائے اس کے معنی یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ کو خلیفہ راشد نہیں کہا جا سکتا۔ متعین طور پر حضرت علی ﷺ کو خلیفہ راشد کہنا مشکل ہے، اس صورت میں جب کہ حضرت علی ﷺ کا خلیفہ راشد ہونا یہ بالکل اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ کا لازمی حصہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کی مشاجرات کی ایک تکوینی حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے فقہاء کرام نے بہت سے فقہی احکام نکالے ہیں، ان احکام کا دارومدار اس بات پر ہے کہ حضرت علی ﷺ کو حق پر سمجھا جائے۔ اگر یہ معاملہ بالکل مسکوت عنہ چھوڑ دیں تو اس صورت میں ان احکام کا استنباط درست قرار نہیں پائے گا تو اس وجہ سے زیادہ علماء اہل السنّت اس طرف گئے ہیں۔

لیکن اگر کوئی یہ سکوت کا مؤقف اختیار کرے تو ٹھیک ہے کہ حضرت علی ﷺ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں اور خلیفہ راشد سے بھی جزوی غلطی ہو سکتی ہے، معصوم تو نہیں ہوتا، جزوی طور پر کوئی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو اگر کوئی شخص یہ مؤقف اختیار کرے کہ حضرت علی ﷺ کو خلیفہ راشد تو مانتے ہیں لیکن ہم سکوت اختیار کرتے ہیں۔

ہم یہ فیصلہ کیوں کریں اور ہم کون ہوتے ہیں یہ فیصلہ کرنے والے کہ ان حضرات میں سے کون حق پر تھے اور کون نہیں؟

ہم تو اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑتے ہیں، تو اس صورت میں نہ صرف کوئی حرج بھی نہیں ہے، بلکہ یہ مؤقف بہت سلامتی کا مؤقف ہے۔

---

[۳۹] [البقرة: ۱۳۴]

اہلِ صفین کے بارے میں کسی نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ان کی رائے پوچھی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا **"تلک دماء طهر الله منها يدي فلا أحب أن أخضب بها لساني"** جب اللہ نے ہمارے ہاتھوں یعنی ہماری تلواروں کو ان حضرات کے پاکیزہ خون میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھا تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس معاملہ میں اپنی زبانوں کو خراب کریں۔ [۲۳]

اس لئے سلامتی اس میں بھی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اچھی بات ہے بشرطیکہ حضرت علی ﷺ کو خلیفہ راشد ہونے کو آدمی تسلیم کرے۔ ایک قوم ہے درحقیقت اس کا مقصد حضرت علی ﷺ کی خلافت راشدہ کا انکار ہے اور اس کیلئے یہ سب دھندے کرتی ہے۔

۴۴۲۶ ۔ حدثنا علی بن عبد الله: حدثنا سفيان قال: سمعت الزهری، عن السائب بن يزيد يقول: أذكر أنی خرجت مع الغلمان إلى ثنية الوداع نتلقى رسول الله ﷺ، وقال سفيان مرة: مع الصبيان. [راجع: ۳۰۸۳]

ترجمہ: زہری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید ﷺ نے بیان کیا کہ میں اس بات کو بھولا نہیں کہ میں کچھ لڑکوں کے ہمراہ ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ کا استقبال کرنے آیا تھا، اور سفیان نے ایک مرتبہ اس حدیث میں غلمان کی جگہ صبیان کہا ہے۔

۴۴۲۷ ۔ حدثنا عبدالله بن محمد : حدثنا سفيان ،عن الزهری ،عن السائب : أذكر أنی خرجت مع الصبيان نتلقى النبي ﷺ إلى ثنية الوداع مقدمه من غزوة تبوك .[راجع: ۳۰۸۳]

ترجمہ: زہری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید ﷺ نے کہا مجھے یاد ہے کہ میں بچوں کے ہمراہ ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ کے استقبال کے لئے گیا تھا، جب کہ آپ ﷺ جنگ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے۔

تبوک سے واپسی پر ثنیۃ الوداع میں استقبال

حضرت سائب بن یزید ﷺ کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں لڑکوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع کی طرف نکلا

---

[۲۳] منهاج السنة النبوية، باب: الرد على قول الرافضيان ابن مسعود وكان يطعن على عثمان ويكفره رضى الله عنهما، ج:۶، ص:۲۵۴ و التدوين فى اخبار قزوين، باب: حرف الألف فى آبائهم، ج:۱، ص:۱۹۲

تھا، نبی کریم ﷺ کے استقبال کرنے کے لئے یعنی جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ہم بچے ثنیۃ الوداع میں نکلے تھے اور ثنیۃ الوداع میں کھڑے ہوکر نبی کریم ﷺ کا استقبال کیا تھا

ایسا ہی واقعہ ہجرت کے وقت میں بھی آتا ہے کہ ہجرت کے وقت میں بھی استقبال کیا تھا اور اس وقت "**طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع**" یہ ترانے پڑھے گئے تھے۔

لیکن شبہ یہ ہو رہا ہے کہ ہجرت کے وقت آپ ﷺ آرہے تھے تو مکہ مکرمہ کی طرف سے یعنی جنوب کی طرف سے آرہے تھے اور تبوک سے جب آرہے تھے تو شمال کی جانب سے آرہے تھے۔

مدینہ منورہ جنوبی جانب سے شروع ہوتا ہے اور شمالی جانب ختم ہوتا ہے، یعنی شمال والی طرف تبوک اور جنوب کی طرف مکہ ہے۔ تبوک سے جب آتے ہیں تو شمال سے اور مکہ سے آتے ہیں تو جنوب۔

اس صورت میں تو استقبال کی جگہ وہ ہونی چاہئے جہاں سے شہر شروع ہو رہا اور وہ مقام ہے یعنی جنوبی طرف یعنی مکہ مکرمہ کی سمت میں۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر ثنیۃ الوداع یہاں جنوب کی طرف ہے تو تبوک سے واپسی پر یہاں سے کیسے استقبال ہوگا؟

اگر شمال کی جانب ہے تو ہجرت کے وقت کیسے استقبال ہوگا؟

لوگوں میں یہ اشکال بنا رہا، آج بھی ثنیۃ الوداع جو جگہ کہلاتی ہے یعنی مدینہ منورہ میں ثنیۃ الوداع جس جگہ کو کہتے ہیں تو وہ تبوک والی جانب ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرف ثنیۃ الوداع تھی، یعنی ثنیۃ الوداع دو مقامات ہیں ایک شمال میں اور دوسرے جنوب میں، دونوں جگہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھی۔

اہل مدینہ جب کسی کا استقبال کرتے تو جنوب سے آنے والے کا جنوب میں واقع ثنیۃ الوداع سے کرتے اور شمالی یعنی شام کی جانب سے آنے والے کا شمالی جانب واقع ثنیۃ الوداع سے کرتے، تو ہجرت کے وقت جہاں استقبال کیا وہ قبا میں کیا، وہاں پر بھی ثنیۃ الوداع موجود تھا۔

اس باب کا غزوۂ تبوک کے ساتھ ربط

اس باب کا اصل میں غزوہ تبوک سے تعلق ہے۔

پیچھے ساری احادیث غزوہ تبوک سے متعلق چل رہی تھیں۔ درمیان میں ایک باب لے آئے، کسریٰ کی طرف خط لکھوانے کا اور اس میں قیصر کا لفظ بھی ہے، حالانکہ حدیث میں کہیں پر بھی قیصر کا ذکر میں نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسریٰ فارس کا تو یہ انجام ہوا کہ اس کی سلطنت تباہ و برباد ہوئی، قیصر روم کے خلاف کارروائی کا آغاز غزوۂ تبوک سے ہوا تو اس واسطے اس کو سیاق میں ذکر کر کے پھر دوبارہ تبوک کے متعلق حدیث لے آئے۔ [۸۲]

[۸۲] فتح الباری، ج:۸، ص:۱۲۷

باب

مرض النبی ﷺ ووفاته

(۸۴) باب مرض النبی ﷺ ووفاته،

آنحضرت ﷺ کی بیماری اور وفات کا بیان

وقول الله تعالى: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾. [1]

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے نبی کریم کے مرض اور وفات کے حالات کو بیان کیا ہے۔

مرض الوفات کی ابتداء

اس میں اتنی بات سمجھ لیں کہ روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ کا مرض الوفات تیرہ دن جاری رہا، اس کا آغاز ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مکان سے ہوا تھا، جب حضورِ اقدس ﷺ بیمار ہوئے تھے تو ان کے مکان میں تھے اور اس کے بعد کئی دن تک حسب معمول آپ ازواجِ مطہرات کے پاس باری کے حساب سے جاتے رہے، لیکن بعد میں آپ کو تنفس کی تکلیف ہونے لگی تو خود ازواج مطہرات نے پیش کش کی کہ آپ جس کے گھر میں چاہیں قیام فرمالیں ہم سب کی طرف سے اجازت ہے۔

چنانچہ پھر حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قیام فرمایا اور وفات تک وہیں پر قیام فرمایا۔

تاریخ وفات کے بارے میں اقوال

تاریخ وفات کے حوالے سے اتنی بات متفق علیہ ہے کہ ربیع الاول میں وفات ہوئی، لیکن ربیع الاول کی کون سی تاریخ کو وفات ہوئی اس میں اختلاف ہے:

پہلا قول یہ ہے کہ یکم ربیع الاول کے دن وفات ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دو ربیع الاول بروز پیر کو وفات ہوئی۔

---

[1] [الزمر: ۳۰]

تیسرا قول بارہ ربیع الاول کا ہے اور بارہ ربیع الاول کی روایت ہمارے ہاں مشہور ہوگئی ہے۔
لیکن درست تحقیق یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کی تاریخ صحیح نہیں اور کسی طرح بھی صحیح نہیں بیٹھتی۔
اس واسطے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حجۃ الوداع میں جس دن آنحضرت ﷺ نے عرفہ میں وقوف فرمایا وہ نو ذی الحجہ کی تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ جمعرات کو ہوئی اور پھر ذی الحجہ کی انتیس بھی جمعرات کو ہوئی، اب ذی الحجہ کا چاند چاہے انتیس کا مانو یا تیس کا مانو اور محرم اور صفر کا چاہے دونوں انتیس کے یا دونوں تیس کے یا ایک انتیس کا اور ایک تیس کا، کسی بھی حساب سے بارہ ربیع الاول کو دو شنبہ یعنی پیر کا دن صحیح نہیں بیٹھتا۔
یعنی جتنے عقلی امکانات ہو سکتے ہیں سب حساب کر کے دیکھیں تو کہیں بھی بارہ ربیع الاول صحیح نہیں بیٹھتی، لہٰذا زیادہ تر محققین کا رجحان یہ ہے کہ ان مختلف روایات میں دو ربیع الاول کی روایات زیادہ صحیح ہیں یعنی آپ ﷺ کی وفات دو ربیع الاول کو ہوئی۔ [۲]
پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ تین ربیع الاول کو ہوئی، کوئی کہتا ہے کہ ۹ ربیع الاول اور کوئی کہتا ہے بارہ ربیع الاول، تو مختلف اقوال ہیں اس میں غالباً تین ربیع الاول کی روایت کو زیادہ ترجیح دی گئی ہے۔

۴۴۲۸ ـ وقال یونس، عن الزهری: قال عروة: قالت عائشة رضی الله عنها: کان النبی ﷺ یقول فی مرضه الذی مات فیه: ((یا عائشة ما أزال أجد ألم الطعام الذی أکلت بخیبر فهذا أو ان وجدت انقطاع أبهری من ذلک السم)).

ترجمہ: زہری روایت بیان کرتے ہیں کہ عروہ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض الوفات میں فرماتے تھے کہ اے عائشہ! میں ہمیشہ اس زہر آلود بکری کا گوشت کھانے کی تکلیف محسوس کرتا ہوں جو مجھے خیبر میں دیا گیا تھا، اس وقت میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ یہ درد میری رگیں کاٹ رہا ہے۔

خیبر میں دئے گئے زہر کا اثر

حضرت عروہ بن زبیر ﷺ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں نبی کریم ﷺ اپنے مرض الوفات میں، یعنی وہ مرض جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اس دنیا سے وصال فرما گئے، فرمایا کرتے تھے

---

[۲] فتح الباری، ج:۸، ص:۱۲۹، وعمدة القاری، ج:۱۸، ص:۸۵-۸۴، والروض الانف، ج:۷، ص:۵۷۷-۸۷۹

"یا عائشة ما أزال أجد ألم الطعام الخ " اے عائشہ! میں اب تک اس کھانے کی تکلیف محسوس کرتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔

"فهذا أوان وجدت انقطاع أبهری من ذلک السم " اب وقت ایسا آگیا ہے میں نے محسوس کیا ہے کہ میری رگ وجان اس زہر کی وجہ سے کٹ گئی ہے، اس زہر کا اثر مسلسل چلتا رہا اور اس کی تکلیف بھی محسوس کرتا رہا لیکن اب ایسا وقت آگیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری رگ وجان اس زہر سے کٹ گئی ہے۔

گویا پہلے ہی سے آپ ﷺ کو اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ اب وقتِ رخصت قریب آرہا ہے اور یہ اس **"شاة مسمومة"** یعنی وہ زہریلی بکری کا بھنا ہوا گوشت کا اثر تھا جو فتحِ خیبر کے بعد ایک عورت نے کھلائی تھی، جس کا واقعہ غزوۂ خیبر کے ضمن میں پیچھے گزر چکا ہے۔

۴۴۲۹ ۔ حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب، عن عبید الله بن عبدالله عن عبدالله بن عباس رضی الله عنهما، عن أم الفضل بنت الحارث قالت: سمعت النبی ﷺ یقرأ فی المغرب بالمرسلات عرفا، ثم ما صلی لنا بعدها حتی قبضه الله. [راجع: ۷۶۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اُم فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ المرسلات پڑھتے سنا، اس کے بعد آپ ﷺ نے وفات تک کوئی نماز نہیں پڑھائی، گویا یہ آپ ﷺ کی آخری نماز تھی۔

نبی کریم ﷺ کی امامت میں آخری نماز

ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا بتا رہی ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں نبی کریم ﷺ کو سورۃ المرسلات پڑھتے ہوئے سنا، اس کے بعد آپ نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی یہاں تک آپ کی وفات ہوگئی۔

اگرچہ اس نماز کے بعد بھی آپ ﷺ کا ایک نماز پڑھانا ثابت ہے، جس میں نماز کے دوران آپ ﷺ حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور آپ ﷺ نے نماز مکمل فرمائی۔

وہ نماز اس روایت میں ذکر کردہ نماز کے بعد ہے، لیکن یہاں ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کی مراد اس سے یہ ہے کہ ایسی نماز نہیں پڑھائی جس میں قرأت سنی ہو اور اسی طرح پوری نماز بھی مراد ہوسکتی ہے یعنی اول تا آخر آپ ﷺ نے اس کے بعد دوبارہ نہیں پڑھائی۔

۴۴۳۰ ۔ حدثنا محمد بن عرعرة: حدثنا شعبة، عن أبی بشر، عن سعید بن جبیر،

عن ابن عباس قال: كان عمر بن الخطاب ﷺ يدني ابن عباس، فقال له عبدالرحمن بن عوف: إن لنا أبناء مثله، فقال: انه من حيث تعلم. فسأل عمر ابن عباس عن هذه الآية ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ فقال: أجل رسول الله ﷺ أعلم إياه، فقال: ما أعلم منها إلا ما تعلم. [راجع: ۳۶۲۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ﷺ ابن عباس کو یعنی مجھے اپنے پاس بٹھاتے تھے، تو عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے کہا کہ ہمارے بچے بھی اس جیسے ہیں، یعنی انہیں بھی اپنے پاس بیٹھائے، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ ان سے میرا یہ سلوک جس وجہ سے وہ آپ جانتے ہیں یعنی اس لئے ہے کہ انہیں علم آتا ہے، پھر حضرت عمر ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے **﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾** کے متعلق معلوم کیا، تو انہوں نے کہا کہ اس آیت میں وفات رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے اور اس طرح آپ کو یہ بتا دیا کہ اب وفات کا وقت قریب ہے، حضرت عمر ﷺ نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے جو تمہارا خیال ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآن فہمی

حضرت عمر بن خطاب ﷺ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے سے بہت قریب رکھتے تھے تو اس بات پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے ان سے کہا کہ "**إن لنا أبناء مثله**" ہمارے بھی تو اس جیسے بیٹے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے کبھی آپ اس طرح محبت کا معاملہ نہیں کرتے، جتنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کرتے ہیں۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ "**انه من حيث تعلم**" یہ اس وجہ سے ہے کہ جو آپ بھی جانتے ہیں کہ ان کو زیادہ قریب رکھنا جس وجہ سے ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں یعنی ان کا علم وفضل اور ان کی قرآن فہمی، کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے لئے علم کی دعاء فرمائی تھی۔

پھر حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت **﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾** کے بارے سوال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا "**اجل رسول الله ﷺ أعلم إياه**" یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم عطا فرمایا۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی اس آیت کا وہی مطلب جانتا اور سمجھتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔

۴۴۳۱ ۔ حدثنا قتيبة: حدثنا سفيان، عن سليمان الأحول، عن سعيد بن جبير

قال: قال ابن عباس: يوم الخميس، وما يوم الخميس، اشتد برسول الله ﷺ وجعه فقال: ((ائتوني أكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده أبدا))، فتنازعوا ولا ينبغي عند نبي تنازع، قالوا: ما شأنه أهجر؟ استفهموه فذهبوا يردون عليه فقال: ((دعوني فالذي أنا فيه خير مما تدعونني إليه))، وأوصاهم بثلاث، قال: ((أخرجوا المشركين من جزيرة العرب، وأجيزوا الوفد بنحو ما كنت أجيزهم))، وسكت عن الثالثة أو قال: فنسيتها. [راجع: ۱۱۴]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جمعرات کا دن، اور جمعرات کے دن کیا ہوا؟ اسی دن رسول اللہ ﷺ کے مرض میں شدت آئی، تو اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لیکر آؤ، میں تمہارے واسطے ایک تحریر لکھوادوں کہ اگر تم نے میرے بعد اس پر عمل کیا تو پھر گمراہ نہ ہوگے۔ وہاں پر لوگ تھے وہ اختلاف کرنے لگے اور نبی کے سامنے اختلاف کرنا اچھا نہیں ہے، کسی نے کہا بیماری کی شدت سے آپ ﷺ ایسا بول رہے ہیں، لہذا آپ ﷺ سے دوبارہ پوچھو، لوگوں نے پوچھنا شروع کردیا، آپ ﷺ نے فرمایا رہنے دو، میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے اچھا ہے، جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے (زبانی) تین باتوں کی وصیت فرمائی، اول میرے بعد مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا، دوسرے وفود کو اسی طرح تحفہ تحائف دیا کرو جس طرح میں انہیں دیا کرتا تھا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تیسری بات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان نہیں کی یا بیان کی ہو تو میں اس بات کو بھول گیا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت

اس روایت میں مشہور واقعہ قرطاس کا ذکر موجود ہے، جو کہ کتاب العلم میں بھی گزرا ہے اور وہاں اس پر تفصیلی بحث بھی ہوئی ہے، اس واسطے یہاں بیان کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہاں جو لفظ اس روایت میں مزید ذکر ہیں ان کو ذرا دیکھ لیجئے یعنی جو خاص طور پر یہاں سے متعلق ہیں۔

"وأوصاهم بثلاث"، تین وصیتوں کا ذکر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تین وصیتیں فرمائی۔

ایک وصیت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ **"أخرجوا المشركين من جزيرة العرب"** یعنی مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو یعنی کوئی مشرک بھی جزیرۃ العرب میں باقی نہ رہے۔

دوسری وصیت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ **"وأجيزوا الوفد بنحو ما كنت أجيزهم"** یعنی جو وفود

آئے ہیں ان کا ویسا ہی انعام واکرام کیا کرو جیسا کہ میں کیا کرتا تھا یعنی جو سفیر یا وفود آئیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔

تیسری وصیت جس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خاموش رہے اور کچھ بتایا نہیں یا سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتائی تھی لیکن میں اس کو بھول گیا۔

وہ تیسری وصیت بعض حضرات نے کہا ہے کہ **"الصلوۃ وماملکت ایمانکم"** ہے اور بعض روایات میں ہے کہ **"لاتضربوا رقاب بعض"** ہے، اور بعض نے کچھ اور بیان کی ہیں۔

لیکن یہ وصیتیں مستقل ہیں جو رسول کریم ﷺ نے اس واقعۂ قرطاس کے بعد بیان فرمائیں۔

واقعۂ قرطاس کا خلاصہ

اس روایت کو یہاں ذکر کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ پتہ چل رہا ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی نبی کریم ﷺ نہ صرف تشریف فرما رہے، بلکہ آپ ﷺ نے وصیتیں بھی فرمائی۔

تو اگر اس موقع پر جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے وہ اتنی ہی کوئی ناگزیر چیز تھی کہ اس کے بغیر گزارا نہیں تھا تو ان تین دنوں میں کیوں نہیں لکھوادی، اس لئے روافض کا جو اعتراض ہے وہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔

یہ بات دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس کا لکھوانا واجب تھا یا واجب نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا۔

اگر واجب تھا تو رسول کریم ﷺ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے ایک واجب کو کیسے ترک کر سکتے تھے؟ ایسا قطعاً ممکن ہی نہیں تھا کہ کسی کے کہنے پر ایک امرِ واجب کو ترک کر دیتے۔

اور اگر لکھنا واجب نہیں تھا تو پھر اعتراض ہی فضول ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ بات پہلے سے معلوم تھی آپ ﷺ محض تاکیداً کوئی بات کہنا چاہتے تھے، اس واسطے کوئی اعتراض کا موقع نہیں۔

"ما شانہ اھجر؟ الخ" کا کیا معنی ہے؟ یہ روافض کی مطاعن میں سے ایک بنیادی طعن ہے۔

پہلا طعن

روافض کے مطاعن میں ایک طعن یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو وصیت لکھوانے سے روک دیا تھا، تو یہ امت کو ایک ایسی بات سے محروم کیا جو حضور ﷺ لکھوانا چاہتے تھے، اور ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے۔

دوسرا طعن

اس جملہ کو انہوں نے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا کہ یہ جملہ حضرت عمرؓ نے کہا۔

"ھجر" کے معنی ہوتے ہیں ہزیان بکنا، تو گویا حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے جو یہ بات کہی ہے کہ لکھنے کا سامان لاؤ تا کہ میں لکھوادوں، تو یہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ **العیاذ باللہ**۔

تو اعتراض یہ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کی طرف ہزیان کی نسبت کی ہے۔

جوابات

پہلے طعن کا جواب تو یہ ہے کہ اگر یہ وصیت کرنا واجب تھا تو آپ ﷺ کبھی بھی حضرت عمرؓ کے کہنے سے نہ رکتے اور لازمی لکھواتے، اور اگر واجب ہی نہیں تھا تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں۔

یہی **واقعہ** مسند احمد میں حضرت علیؓ سے بعینہ منقول ہے، حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذرا قلم کاغذ لے کے آؤ میں کچھ لکھوادوں، تو حضرت علیؓ نے کہا مجھے ڈر ہوا کہ مجھ سے یہ بات فوت نا ہو جائے اس لئے میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس لئے آپ زبانی فرما دیجئے میں یاد رکھوں گا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا **"اوصی بالصلاۃ، والزکاۃ، وماملکت أیمانکم"**۔ [۳]

اگر حضرت عمرؓ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے رکوایا، تو مسند احمد میں حضرت علیؓ کی روایت بھی موجود ہے اور حضور اقدس ﷺ کیلئے ممکن ہی نہیں تھا کہ جو چیز اور جس کی تبلیغ آپ ﷺ کے ذمہ واجب ہو اس سے محض حضرت عمرؓ کے کہنے سے رک جائیں۔

دوسرا طعن جو اس لفظ **"ھجر"** کے بارے میں کیا جاتا ہے، **"ھجر"** کے دو معنی آتے ہیں:

ایک یہ کہ اس کا مادہ اگر **"ھُجر"** ہو، **بضم الھاء** تو اس لفظ کے معنی ہوتے ہیں ہزیان اور بے ربط بات کرنا۔

اگر یہ معنی لئے جائیں تو ظاہر ہے کہ کسی روایت میں نہیں ہے کہ یہ حضرت عمرؓ نے کہا ہو۔

وہاں جو لوگ حاضر تھے انہوں نے کہا تو اگر یہ **"ھُجر"** سے ہے جیسے کہ شیعوں کا دعویٰ ہے تو یہ ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے یعنی **"اھجر؟"** بعض روایتوں میں اور جیسا کہ یہاں موجود ہے اور بعض روایتوں میں محذوف ہے **"ھجر"** ذکر ہے۔

---

[۳] مسند احمد، مسند علی بن أبی طالب ؓ، رقم: ۶۹۳

اس طرح عبارت مقدر یوں ہوگی "أهجر رسول الله ﷺ" یعنی لوگوں جو میں اختلاف ہوگیا تھا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ لے آؤ جیسے حضور ﷺ لکھوانا چاہ رہے ہیں تو لکھوا لیا جائے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ ابھی نہیں لیکر آئیں کیونکہ اس سے حضور ﷺ کو تعب ہوگا، مشقت ہوگی، اس لئے نہ لکھوایا جائے۔

جو چاہ رہے تھے کہ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں لکھوا دیا جائے انہوں نے یہ جملہ کہا کہ آپ لوگ منع کر رہے ہیں کہ نہ لکھوایا جائے، تو کیا حضور ﷺ، معاذاللہ، کوئی ہزیان کی بات کر رہے ہیں کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ نہ لکھوایا جائے تو یہ استفہام انکاری ہے یعنی آپ کے ہزیان نہیں ہے آپ ﷺ ایک حکم سنجیدگی کے ساتھ دے رہے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ اس کی تعمیل کریں اور لکھیں۔

یہ ان لوگوں کا قول ہے تو یہ ہمزہ استفہام انکاری کا ہے کہ کیا، معاذاللہ، حضور ﷺ ہزیان میں ہیں کہ وہ ان کی بات پر عمل کرنا نہیں چاہ رہے ہیں؟ تو اس طرح تو کسی پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر یہ جملہ مانا جائے ان لوگوں کا جو لکھوانے کے قائل نہیں تھے تو اس کو "هُجر" سے کیوں نکالا جائے؟ بلکہ بفتح الهاء مراد لیا جائے اور "هَجر يهجر" کے معنی چھوڑنے کے ہوتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی جب بیماری کی حالت میں اپنے اولاد سے یہ کہتا ہے کہ کاغذ قلم لاؤ تاکہ میں تمہیں وصیت لکھ دوں تو اولاد کی کیا حالت ہوگی وہ کہیں گے کہ کیا آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں کہ جو آپ وصیت لکھوانا چاہتے ہیں؟

تو اس صورت میں "هَجر يهجر" سے کیا معنی مراد ہوگا؟

"أهَجر رسول الله ﷺ" کیا رسول اللہ ﷺ کی جدائی کا وقت آگیا ہے، جو آپ ﷺ ہمیں اس طرح وصیت لکھوانا چاہتے ہیں جس طرح کہ وصیت کرنے والا بات لکھوایا کرتا ہے؟

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ کیفیت تھی۔

یہ روافض احمق کیا جانیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی، جب رسول کریم ﷺ کے وصال کا وقت قریب آرہا ہوگا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غم کے کیا کیا پہاڑ ٹوٹ رہے ہوں، تو اس رنج والم کے وقت ان کی زبان سے یہ نکلا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں؟

یہ اس جملے کا اصل مقصد ہے۔ [۳]

۴۴۳۲ ۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن عبيد الله بن عبدالله بن عتبة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما حضر رسول

---

[۳] واقعۂ قرطاس کی مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج: ۲، ص: ۲۱۱ تا ۲۰۳، رقم: ۱۱۴

الله ﷺ وفی البیت رجال فقال النبی ﷺ: ((هلموا أکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده))، فقال بعضهم: إن رسول الله ﷺ قد غلبه الوجع وعندکم القرآن، حسبنا کتاب الله، فاختلف أهل البیت واختصموا، فمنهم من یقول: قربوا یکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده، ومنهم من یقول غیر ذلک، فلما أکثروا اللغو والاختلاف قال رسول الله ﷺ: ((قوموا)).

قال عبیدالله: فکان یقول ابن عباس: إن الرزیة کل الرزیة ما حال بین رسول الله ﷺ وبین أن یکتب لهم ذلک الکتاب لاختلافهم ولغطهم. [راجع: ۱۱۴]

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت گھر میں بہت سے صحابہ موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہارے لئے ایک وصیت لکھ دوں، تاکہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہوسکو۔ بعض حضرات نے کہا اس وقت آنحضرت ﷺ پر بیماری کا غلبہ ہے اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے، ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے، پھر اس کے بعد حاضرین میں اختلاف ہوگیا اور سب جھگڑنے لگے، بعض کہنے لگے سامانِ کتابت قریب کردو تاکہ تمہارے لئے ایسی وصیت لکھ دیں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، اور بعض اس کی مخالفت کرنے لگے، پھر جب بحث و اختلاف زیادہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چلے جاؤ۔

عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما افسوس فرماتے تھے کہ یہ کیسی مصیبت ہے کہ جو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے درمیان اور اس وصیت لکھوانے کے درمیان حائل کردی اپنے اختلاف اور جھگڑنے کی وجہ سے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے

"فکان یقول ابن عباس: إن الرزیة کل الرزیة الخ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث کو سنانے کے بعد کہا کرتے تھے کہ بڑی مصیبت ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور اس خط کے لکھنے کے درمیان جو لوگ حائل ہوگئے۔

اس واسطے کہ لوگوں میں اختلاف اور شور و غل ہوگیا تھا جس کی وجہ سے یہ وصیت لکھی نہیں جاسکی تو اس واسطے انہوں نے کہا کہ بڑی مصیبت ہوگئی مطلب یہ ہے کہ اگر لکھوا دیتے تو اچھا تھا۔

یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے جو انہوں نے بعد میں ظاہر کی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی رائے دوسرے اکابر صحابہ ﷺ پر مقدم تھی۔

اس وقت اکابر صحابہ ﷺ موجود تھے، حضرت صدیق اکبر ﷺ موجود تھے، حضرت عمر ﷺ موجود تھے اور دوسرے اکابر صحابہ ﷺ موجود تھے اور انہوں نے اسی مؤقف کو اختیار کیا کہ نہیں اس وقت حضور اکرم ﷺ کو تعب ومشکل میں نہ ڈالا جائے اور خود آپ ﷺ نے بھی پھر انہی کے قول پر عمل کرتے ہوئے نہیں لکھوایا، گویا ان حضرات کے عمل کی تقریر فرما دی۔

اس واسطے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ان اکابر صحابہ کرام ﷺ کے خلاف حجت نہیں۔

لطیف نکتہ کی طرف اشارہ

ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جو یہاں پر پچھلی حدیث سے پہلے جو حدیث لائے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت قریب رکھتے تھے اور اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔

اس سے اشارہ اس بات کی طرف بھی کرنا مقصود ہے کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما واقعی وہ بات سمجھ رہے تھے جو روافض سمجھ رہے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے امت کا نقصان کر دیا اور امت کو عظیم سرمایہ سے محروم کر دیا اور سارا معاملہ گڑبڑ کر دیا تو وہ ان سے اتنی محبت اور قرب کا تعلق قائم نہ کرتے!

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ انہوں نے امت کو اتنے عظیم سرمایہ سے محروم کر دیا اور سارا معاملہ ہی گڑبڑ کر دیا تو وہ پھر بھی جا کر ان کے اتنے قریب ہو اور وہ ان سے اتنی محبت کریں اور ان کو قرب سے نوازیں اتنی قریبی تعلقات ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

۴۴۳۳ ، ۴۴۳۴ ۔ حدثنا يسرة بن صفوان بن جميل اللخمي: حدثنا إبراهيم بن سعيد، عن أبيه، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: دعا النبي ﷺ فاطمة في شكواه الذي قبض فيه فسارها بشيء فبكت، ثم دعاها فسارها بشيء فضحكت، فسألنا عن ذلك، فقالت: سارني النبي ﷺ أنه يقبض في وجعه الذي توفي فيه فبكيت، ثم سارني فأخبرني أني أول أهله يتبعه فضحكت. [راجع: ۳۶۲۳، ۳۶۲۴]

ترجمہ: حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے قریب وفات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور سرگوشی میں کچھ باتیں کیں، جن کو سن کر وہ رونے لگیں اور پھر بلایا سرگوشی میں باتیں کیں تو وہ ہنسنے لگیں۔ ہم نے ان سے اس کی وجہ پوچھی (یعنی وفات کے بعد) تو انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے پہلے تو کہا تھا کہ میں اس بیماری میں ہی وفات پا جاؤں گا، یہ سن کر میں رونے لگی، پھر سرگوشی کی اور فرمایا کہ میرے اہل بیت سے سب سے پہلے تم ہی مجھے ملوگی، تو پھر میں ہنس پڑی۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم وحزن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی مرض الوفات میں آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور سرگوشی کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا کہ شروع میں آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کا ایک مرتبہ دَور کیا کرتے تھے، اس سال دو مرتبہ دَور کیا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اسی علالت سے میری وفات ہوگی، یہ سن کر میں رُو پڑی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تم سب سے پہلے مجھ سے آملوگی، یہ سُن کر میں ہنس پڑی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چھ ماہ کی مدت کے بعد ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس دارفانی سے رحلت فرما گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تم بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔ [۵]

۴۴۳۵ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن سعد، عن عروة، عن عائشة قالت: كنت أسمع أنه لا يموت نبي حتى يخير بين الدنيا والآخرة، فسمعت النبي ﷺ يقول في مرضه الذي مات فيه وأخذته بحة يقول: ﴿مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ الآية، فظننت أنه خير. [انظر: ۴۴۳۶، ۴۴۳۷، ۴۴۶۳، ۴۵۸۶، ۶۳۴۸، ۶۵۰۹]

ترجمہ: حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے سنا تھا کہ ہر نبی کو موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے، چاہے تو وہ اس جہاں میں رہے اور چاہے تو آخرت کے قیام کو پسند کرے، چنانچہ میں نے اس مرض میں جس میں آپ ﷺ کی موت واقع ہوئی آپ ﷺ کو فرماتے سنا، آپ کی آواز بھاری ہوگئی تھی اور آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

---

[۵] واختلفا فيما سارها به ثانيا فضحكت، ففي رواية عروة أنه اخبار اياها بأنها أول أهله لحوقا به، وفي رواية مسروق أنه اخباره اياها بأنها سيدة نساء أهل الجنة، وجعل كونها أول أهله لحوقا به مضموما الى الأول وهو الراجح. فتح الباري، ج:۸، ص:۱۳۵

﴿مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾

پس میں جان گئی کہ آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے آخرت کو پسند فرمایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو موت سے پہلے اختیار

"کنت أسمع أنه لا يموت نبي الخ" حضرت عائشہ رضی اللہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض الموت میں دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔

"فسمعت النبي ﷺ يقول في مرضه الذي مات فيه الخ" پھر فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مرض الوفات میں مبتلاء ہوئے اور آپ ﷺ کی آواز سخت بھاری ہوگئی تو اس وقت میں نے سنا کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی کہ

﴿مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ [٦]

ان لوگوں کے ساتھ کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

ان الفاظ سے میں سمجھ گئی کہ آنحضرت ﷺ کو دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار دے دیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے دنیا کے بجائے آخرت کی زندگی کو اختیار فرمالیا ہے۔

۴۴۳۶ ۔ حدثنا مسلم: حدثنا شعبة، عن سعد، عن عروة، عن عائشة قالت: لما مرض النبي ﷺ المرض الذي مات فيه جعل يقول: ((في الرفيق الأعلى)).
[راجع: ۴۴۳۵]

ترجمہ: حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ اس مرض میں بیمار ہوئے جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ فرماتے تھے، اعلیٰ مرتبہ کے رفیقوں میں رکھنا۔

۴۴۳۷ ۔ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ وهو صحيح يقول: ((إنه لم يقبض نبي قط حتى يرى مقعده من الجنة ثم يحيا أو يخير))، فلما اشتكى وحضره القبض ورأسه على فخذ عائشة غشي عليه فلما أفاق شخص بصره نحو سقف البيت ثم قال: ((اللّٰهم في

---

[٦] [النساء: ۲۰]

الرفیق الأعلی))، فقلت: إذا لا یجاورنا، فعرفت أنه حدیثه الذی کان یحدثنا وهو صحیح. [راجع: ۴۴۳۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے تندرستی اور صحتیابی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کوئی نبی اس وقت تک انتقال نہیں کرتا جب تک کہ جنت میں اس کی جگہ اسے نہیں دکھائی جاتی، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے وہ چاہے تو دنیا میں رہے اور چاہے تو آخرت کو پسند فرمائے، آنحضرت ﷺ جب بیمار ہوئے اور وفات کا وقت قریب آیا اور آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر تھا تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی، پھر جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ کی آنکھیں گھر کی چھت کی طرف اٹھ گئیں اور فرمایا اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔ تو میں نے سوچا کہ اب آپ ہم لوگوں کے پاس نہیں رہیں گے میں اور میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ نے جو بات تندرستی کے زمانہ میں فرمائی تھی وہ پوری ہورہی ہے۔

ملأ اعلیٰ اور قربِ خداوندی کی دعاء

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ نے چھت کی طرف اپنی نگاہ فرمائی اور پھر فرمایا کہ "**اللّٰهم في الرفیق الأعلی**" اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔

"**فقلت: إذا لا یجاورنا**" تو میں نے کہا یعنی میں نے اپنے دل میں سوچا کہ جب آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئیں یا یہیں باقی رہیں تو اب وہ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے ہمارے قریب نہیں رہیں گے بلکہ رفیق اعلیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جانا چاہیں گے۔

"**فعرفت أنه حدیثه الذی کان یحدثنا**" تو مجھے پتہ چل گیا کہ وہی بات ہے جو آپ ﷺ سنایا کرتے تھے "**وهو صحیح**" جب کہ آپ تندرست تھے۔

یعنی تندرستی اور صحتیابی کی حالت میں جو بات آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کسی نبی کی وفات کا موقع آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتا ہے کہ چاہے تو وہ موت کو اختیار کریں یا حیات، جیسا نبی اختیار کرتا ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں تو اس وقت آپ کو اختیار دیا گیا۔

جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے سر اٹھا کر فرمایا "**اللّٰهم رفیق الأعلی**"، رفیق اعلیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جانا چاہیں گے، پھر وہی بات ظاہر ہوئی یعنی آپ کو بھی اختیار دیا گیا۔

۴۴۳۸ ـ حدثنا محمد: حدثنا عفان، عن صخر بن جویریة، عن عبد الرحمٰن ابن القاسم، عن أبیه، عن عائشة رضی اللہ عنها: دخل عبدالرحمٰن بن أبی بکر علی النبی ﷺ

وأنا مسندته إلى صدري ومع عبدالرحمن سواك رطب يستن به فأبده رسول الله ﷺ بصره فأخذت السواك فقضمته ونفضته وطيبته ثم دفعته إلى النبي ﷺ فاستن به فما رأيت رسول الله ﷺ استن استنانا قط أحسن منه، فما عدا أن فرغ رسول الله ﷺ رفع يده أو إصبعه ثم قال: ((في الرفيق الأعلى))، ثلاثا، ثم قضى. وكانت تقول: مات ورأسه بين حاقنتي وذاقنتي. [راجع: ۸۹۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی بیماری میں آپ ﷺ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر تازہ مسواک سے دانت صاف کرتے ہوئے داخل ہوئے، تو آنحضرت ﷺ نے اس مسواک کو دیر تک دیکھا چنانچہ میں نے ان سے مسواک لے لی اور دانتوں سے چبا کر اچھی طرح جھاڑنے اور صاف کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو دے دی، آپ ﷺ نے اچھی طرح مسواک کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے عمدہ طریقہ سے مسواک کرتے پہلے نہیں دیکھا تھا، پھر جب آنحضرت ﷺ اس سے فارغ ہوئے تو آسمان کی طرف اپنا ہاتھ یا انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں، یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، اور اس کے بعد آپ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری ہنسلی اور تھوڑی کے درمیان ٹکا ہوا تھا۔

دارِ فانی سے کوچ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن اُبی بکر رضی اللہ عنہما یعنی میرے بھائی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ "**وأنا مسندته إلى صدري**" جبکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سینے کا سہارا دیا ہوا تھا یعنی آپ ﷺ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، "**ومع عبدالرحمن سواك رطب يستن به**" جب عبدالرحمٰن آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی جس سے وہ اپنے دانت صاف کر رہے تھے۔ "**فأبده رسول الله ﷺ بصره**" رسول کریم ﷺ نے اس کو اپنی آنکھ کا ایک حصہ دیا۔

یہ لفظی معنی ہے یعنی جب دیکھ رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن اُبی بکر مسواک کر رہے تھے تو ان کی طرف دیکھنا شروع کیا یعنی وہ اشارہ تھا کہ اس مسواک کی طرف اشتیاق ہے۔

"**فأخذت السواك فقضمته ونفضته وطيبته**" تو میں نے وہ مسواک اپنے بھائی سے لی اور اس کو میں نے نرم کرنے کے لئے اپنے دانتوں سے چبایا اور اس کو جھاڑا اور صاف اچھی طرح سے۔

"**ثم دفعته إلى النبي ﷺ فاستن به**" پھر میں نے وہ مسواک آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے اس

سے دانتوں کو صاف فرمایا، **"فما رأیت رسول الله ﷺ استن استنانا قط أحسن منه"** اور میں نے نبی کریم ﷺ کو اس سے پہلے کبھی بھی اتنے بہتر طریقے سے مسواک کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"فما عدا أن فرغ رسول الله ﷺ رفع يده أو إصبعه" پھر جب رسول اللہ ﷺ مسواک کر کے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا یا انگشت مبارک اٹھائی۔

"ثم قال: في الرفيق الأعلى. ثلاثا، ثم قضى" اور پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ **"في الرفيق الأعلى"** میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ کی روح پرواز کر گئی۔

آخر میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ **"مات ورأسه بين حاقنتي وذاقنتي"** حضور ﷺ کا وصال اس حالت میں ہوا کہ آپ کا سر مبارک میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان تھا۔

"ذاقنه - ذقن" ٹھوڑی سے نیچے اور **"حاقنه"** ہسلی کے نیچے جو گڑھا ہے اس سے اوپر کا حصہ۔

پیچھے روایت میں آیا ہے کہ سینے سے لگایا ہوا تھا اور بعض جگہ آیا ہے کہ ران پر سر مبارک رکھا ہوا تھا، تو اس میں تطبیق آسان ہے کہ شروع میں سر مبارک ران پر ہوگا اور کسی مرحلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ران سے اٹھا کر سینہ سے لگایا ہوگا اور یہ صورت ہنسلی اور ٹھوڑی کے اندر داخل ہے۔ [۷]

۴۴۳۹ ۔ حدثني حبان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا يونس، عن ابن شهاب: أخبرني عروة أن عائشة رضي الله عنها أخبرته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا اشتكى نفث على نفسه بالمعوذات، ومسح عنه بيده. فلما اشتكى وجعه الذي توفي فيه طفقت أنفث على نفسه بالمعوذات التي كان ينفث وأمسح بيد النبي ﷺ عنه. [انظر: ۵۰۱۶، ۵۷۳۵، ۵۷۵۱] [۸]

---

[۷] عمدة القاری، ج:۱۸، ص: ۹۳، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۳۹

[۸] وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر من مرض وسفر وغيرهما الخ، رقم: ۶۱۲، وكتاب الآداب، باب استحباب رقية المريض، رقم: ۲۱۹۱، ۲۱۹۲، وباب كرهة التداوي باللدود، رقم: ۲۲۱۳، وسنن ابي داؤد، كتاب الطب، باب كيف الرقى، رقم: ۳۹۰۲، وسنن الترمذي، ابواب الصلاة، باب منه، رقم: ۳۶۲، وسنن النسائي، كتاب الامامة، باب صلاة الامام خلف رجل من رعيته، رقم: ۷۸۶، وكتاب الجنائز، باب شدة الموت، رقم: ۱۸۳۰، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة رسول الله ﷺ في مرضه، رقم: ۱۲۳۲، وكتاب الطب، باب النفث في الرقية، رقم: ۳۵۲۹. وموطا مالك، كتاب قصر الصلاة في السفر، باب جامع الصلاة، رقم: ۸۳، .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾ ....

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو معوّذات پڑھ کر دم کرتے تھے، اور اپنے ہاتھوں کو تمام جسم پر پھیر لیا کرتے تھے، پھر جب آپ ﷺ اس بیماری سے بیمار ہوئے جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی، تو میں آپ پر معوّذات پڑھ کر دم کرتی، جن سے آپ دم کیا کرتے تھے اور میں آپ ﷺ کے ہاتھوں پر دم کر کے، آپ کے جسم مبارک پر پھرا دیا۔

معوذات سے دم

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں **"كان إذا اشتكى نفث على نفسه بالمعوذات"** رسول اللہ ﷺ کو جب بھی کوئی تکلیف ہوتی، تو آپ ﷺ اپنے اوپر معوذات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، معوذات سے مراد یعنی سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔

"ومسح عنه بيده" اور اپنے ہاتھ پر پھونک مار کر اپنے بدن مبارک پر اس کو پھیرا کرتے تھے۔

"فلما اشتكى وجعه الذي توفي فيه" جب آپ ﷺ کو اس درد اور بیماری کی تکلیف ہوئی جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی یعنی مرض الوفات میں ہوا۔

"طفقت أنفث على نفسه بالمعوذات التي كان ينفث" تو میں معوّذات پڑھ کر آپ ﷺ کے اوپر دم کرنے لگی، وہی معوّذات جس کو آپ ﷺ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

"وامسح بيد النبي ﷺ عنه" کیونکہ آپ ﷺ تو اس وقت بیماری کی حالت میں تھے اس واسطے پڑھ نہیں سکتے تھے تو میں پڑھ کر خود رسول کریم ﷺ کے دست مبارک پر پھونکتی اور پھر آپ کے ہاتھ لے کر آپ کے اوپر مسح کرتی یعنی پھرتی تھی۔

۴۴۴۰ ـ حدثنا معلى بن أسد: حدثنا عبد العزيز بن مختار: حدثنا هشام بن عروة، عن عباد بن عبد الله بن الزبير أن عائشة أخبرته أنها سمعت النبي ﷺ وأصغت إليه

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... وكتاب العين، باب التعوذ والرقية من المرض، رقم: ۱۰، ومسند احمد، باب مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضی اللہ عنها، رقم: ۲۴۱۰۳، ۲۴۱۹۹، ۲۴۲۱۶، ۲۴۲۶۳، ۲۴۳۵۴، ۲۴۳۵۴، ۲۴۳۸۳، ۲۴۷۲۸، ۲۴۷۵۱، ۲۴۷۷۴، ۲۴۸۳۱، ۲۴۸۵۸، ۲۴۸۷۰، ۲۴۸۹۱، ۲۴۹۰۵، ۲۴۹۲۷، ۲۴۹۳۵، ۲۴۹۹۵، ۲۵۱۱۳، ۲۵۱۷۹، ۲۵۲۵۶، ۲۵۲۵۷، ۲۵۲۵۸، ۲۵۳۵۳، ۲۵۳۹۸، وسنن الدارمی، کتاب دلائل النبوة، باب فی وفاة النبی ﷺ، رقم: ۸۱

قبل أن يموت وهو مسند إلي ظهره يقول: ((اللّٰهم اغفر لي وارحمني وألحقني بالرفيق)). [انظر: ۵٦۷۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ان کی وفات سے پہلے میں کان لگا کر سنا، اس حال میں کہ آپ اپنی پشتِ مبارک سے میرا سہارا لئے ہوئے تھے، آپ فرما رہے تھے کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ساتھی سے ملا دیجئے۔

۴۴۴۱ ـ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا أبو عوانة، عن هلال الوزان، عن عروة بن الزبير، عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال النبی ﷺ فی مرضه الذی لم یقم منه: ((لعن الله الیهود اتخذوا قبور أنبیائهم مساجد))، قالت عائشة: لو لا ذلک لأبرز قبره، خشی أن یتخذ مسجدا. [راجع: ۴۳۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس بیماری میں جس سے صحتیاب ہو کر نہیں اُٹھ سکے، یعنی وفات سے قبل فرمایا کہ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیں گے تو آپ ﷺ کی قبر کو کھول دیا جاتا۔

قبور پر مزارات بنانے پر ممانعت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مرض الوفات کی حالت میں ارشاد فرمایا کہ "**لعن الله الیهود اتخذوا قبور أنبیائهم مساجد**" اللہ یہودیوں پر لعنت کرے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا یعنی مزارات بنا کر ان پر سجدے اور دیگر شرک و منکرات کا گڑھ بنا لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "**لو لا ذلک لأبرز قبره، خشی أن یتخذ مسجدا**" اگر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے تو آپ کی قبر مبارک کو باہر کھول دیا جاتا۔

یعنی ابھی تو حجرہ مبارکہ میں ہے، تو اس حجرہ کو ختم کر دیتے اور کھلے میدان میں کر دیتے، لیکن اس بات کا اندیشہ کیا گیا یعنی صحابۂ کرام ﷺ نے اندیشہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو بھی مسجد نہ بنالیا جائے، اس واسطے حجرہ میں ہی رکھا اور اس عمارت کو برقرار رکھا۔

۴۴۴۲ ـ حدثنا سعید بن عفیر قال: حدثنی اللیث: حدثنی عقیل، عن ابن شهاب: اخبرنی عبید الله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أن عائشة زوج النبی ﷺ قالت: لما ثقل

رسو ل الله ﷺ واشتد به وجعه استأذن أزواجه أن يمرض في بيتي فأذن له، فخرج وهو بين الرجلين تخط رجلاه في الأرض بين عباس بن عبدالمطلب وبين رجل آخر. قال عبيد الله: فأخبرت عبدالله بالذي قالت عائشة فقال له عبدالله ابن عباس: هل تدري من الرجل الآخر الذي لم تسم عائشة؟ قال: قلت: لا، قال ابن عباس: هو علي بن أبي طالب، وكانت عائشة زوج النبي ﷺ تحدث: أن رسول الله ﷺ لما دخل بيتي واشتد به وجعه قال: ((هريقوا علـيّ من سبع قرب لم تحلل أو كيتهن لعليّ أعهد إلى الناس)). فأجلسناه في مخضب لحفصة زوج النبي ﷺ ثم طفقنا نصب عليه من تلك القرب حتى طفق يشير إلينا بيده أن قد فعلتن. قالت: ثم خرج إلى الناس فصلى بهم وخطبهم. [راجع: ۱۹۸]

۴۴۴۳، ۴۴۴۴ ـــ وأخبرني عبيد الله بن عبدالله بن عتبة أن عائشة وعبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما قالا: لما نزل برسول الله ﷺ طفق يطرح خميصة له على وجهه، فإذا اغتم كشفها عن وجهه فقال: وهو كذلك ((لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد))، يحذر ما صنعوا. [راجع: ۴۳۵، ۴۳۶]

۴۴۴۵ ـ أخبرني عبيدالله أن عائشة قالت: لقد راجعت رسول الله ﷺ في ذلك وما حملني على كثرة مراجعته إلا أنه لم يقع في قلبي أن يحب الناس بعده رجلا قام مقامه أبدا ولا كنت أرى أنه لن يقوم أحد مقامه إلا تشاء م الناس به، فأردت أن يعدل ذلك رسول الله ﷺ عن أبي بكر. رواه ابن عمر وأبو موسى وابن عباس رضی اللہ عنہم عن النبي ﷺ. [راجع: ۱۹۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ نبی ﷺ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے اور مرض نے شدت اختیار کرلی، تو آپ ﷺ نے دوسری سب بیویوں سے اس بات کی اجازت چاہی کہ آپ ﷺ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے تو سب نے اس بات کی اجازت دے دی، تو آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لیکر نکلے اس حال میں کہ آپ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے، آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے شخص کا سہارا لئے کر نکلے تھے۔ راوی حدیث عبیداللہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو دوسرے شخص کو، جن کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں لیا تھا، وہ کون ہیں؟ تو میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے گھر میں آکر رسول اللہ ﷺ کی تکلیف

مزید بڑھ گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اوپر سات مشکیزوں کا پانی ڈالو، جن کی رسیاں کھولی نہ گئی ہوں، شاید میں اس قابل ہو جاؤں کہ کچھ وصیت کرسکوں تو ہم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک بڑے برتن میں آپ کو بٹھایا اور ہم آپ پران مشکیزوں سے پانی بہانا شروع کیا، یہاں تک کہ آپ نے اشارہ سے ہمیں منع فرمایا تو ہم رُک گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسکے بعد آپ ﷺ لوگوں کی طرف تشریف لے گئے، اور انہیں نماز پڑھائی اور پھر کچھ وصیتیں فرمائیں۔

عبیداللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے تو اپنے چہرے کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیتے تھے اور جب دل گھبراتا تو چہرے سے ہٹا دیتے تھے اور پھر آپ ﷺ اسی حالت میں اس طرح ارشاد فرماتے کہ یہود، نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ آپ ﷺ لوگوں کو اس عمل سے ڈراتے تھے جو یہود ونصاریٰ نے کیا۔

زہری کہتے ہیں کہ عبیداللہ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے فرمایا کہ میں نے اس معاملہ میں (جب ایام مرض میں میرے والد ابو بکر ﷺ کو آپ ﷺ نے امامت کا حکم دیا) کئی مرتبہ اس بات کو آنحضرت ﷺ سے پوچھا اور میں بار بار آپ سے اس لئے پوچھ رہی تھی کہ میرا خیال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی جگہ قائم مقام بنے گا لوگ اسے کبھی بھی محبت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے، بلکہ اسے برا خیال کریں گے، لہٰذا میں چاہتی تھی کہ آپ ﷺ ان سے اس معاملے میں اعراض کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے بھی آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے، گویا سب اس میں متفق ہیں۔

مرض الوفات کے احوال

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متعدد احایث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک ساتھ جمع کر دیا ہے، اور یہ سب احادیث حضور اکرم ﷺ کے مرض الوفات سے متعلق ہیں۔

مرض کی ابتداء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں منتقلی

پہلی حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **"لما ثقل رسول اللہ ﷺ واشتد به وجعه استأذن أزواجه أن يمرض في بيتي فأذن له"** جب آپ ﷺ کی طبیعت میں گرانی پیدا ہوئی اور بیماری میں مزید شدت پیدا ہوئی تو آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے اجازت لی کہ آپ کی تیمارداری

میرے گھر میں یعنی حضرت عائشہ کے گھر میں کی جائے، تو انہوں نے اس بات کی اجازت دے دی۔

اس کا طریقہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے آخری وقت میں بھی ازواج مطہرات سے صراحۃً نہیں فرمایا کہ میں وہاں جانا چاہتا ہوں، بلکہ یوں ہوتا تھا کہ ہر روز پوچھتے کہ **"این انا غداً؟"** کل مجھے کہاں جانا ہے؟

ازواج مطہرات نے خود محسوس کیا کہ آپ ﷺ پر ایک جگہ سے دوسری جگہ بار بار جانا مشکل ہو رہا ہے اور آپ ﷺ کیلئے شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں زیادہ آرام ہوگا، لہٰذا سب نے متفقہ طور پر خود ہی کہہ دیا کہ ہم اس بات پر راضی ہیں کہ آپ ہماری بہن عائشہ کے گھر میں مقیم ہو جائیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے۔ چند احادیث کے بعد یہ حدیث آئے گی۔

"فخرج وهو بين الرجلين تخط رجلاه في الأرض" آپ ﷺ جب میرے گھر پہ آئے تو اس حالت میں آئے کہ آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لیکر نکلے اور آپ کے دونوں پاؤں کمزوری کی وجہ سے زمین پر گھسٹ رہے تھے۔

"بين عباس بن عبدالمطلب وبين رجل آخر" دو صاحبان جن کا سہارا لیکر آ رہے تھے، ان میں ایک تو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے کوئی اور صاحب تھے۔

دوسرے صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، نام نہ لینے کی وجہ یہ بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف ذرا انقباض تھا اس لئے نام کی صراحت نہیں کی بلکہ کہا کہ ایک اور شخص کے ساتھ آئے۔

بعض لوگوں نے اس کی وجہ اور بھی بیان کی ہے کہ کوئی ضروری نہیں کہ انقباض کی وجہ سے چھوڑا ہو بلکہ یہ وجہ ہے کہ دوسری جانب یہی لوگ باری باری آتے رہے کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کبھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور کبھی کوئی اور صحابی، تو اس واسطے ان کا نام متعین طور پر نہیں لیا اور یہ شاید ان کے اخلاق کریمہ سے زیادہ مطابق بات ہو۔ [۱۰]

"فاخبرت عبدالله بالذي قالت عائشة" اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ روایت سنائی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسے بیان کیا۔

---

[۱۰] قوله: ((وهو علي)) أي: ابن أبي طالب الذي لم تسمعه عائشة، قال الكرماني: فان قلت: لم قالت رجل آخر وما سمته؟ قلت: لأن العباس كان دائماً يلازم أحد جانبيه وأما الجانب الآخر فتارة كان علي فيه، وتارة أسامة، فلعدم ملازمته لذلك لم تذكره لا لعداوة ولا لنحوها، حاشاها من ذلك. عمدة القاري، ج: ١٨، ص: ٩٢، وفتح الباري، ج:٨، ص: ١٤١

"هل تدری من الرجل الآخر الذی لم تسم عائشة؟" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ دوسرے آدمی کون تھے، جن کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہیں لیا؟

"قلت: لا، قال ابن عباس: هو علی بن أبی طالب" راوی کہتے ہیں میں نے کہا کہ نہیں مجھے نہیں معلوم کہ کون تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ دوسرے شخص حضرت علی بن ابو طالب ﷺ تھے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سنایا کرتی تھیں کہ **"أن رسول الله ﷺ لما دخل بیتی واشتد به وجعه"** جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کے مرض میں شدت ہوگئی۔

"هریقوا علیّ من سبع قرب لم تحلل أوکیتهن لعلیّ أعهد إلی الناس" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اوپر سات مشکیزے پانی ڈالو ایسے مشکیزے جن کی رسیاں کھولی نہ گئی ہوں یعنی سات مشکیزوں کی مقدار میں تازہ پانی میرے اوپر ڈالو شاید میں لوگوں کو کچھ وصیت کرسکوں۔ مطلب یہ ہے کہ پانی ڈالنے سے طبیعت میں کچھ نشاط پیدا ہو تو پھر جا کے لوگوں کو کچھ نصیحت کی بات، وصیت کی بات کرسکوں۔

"فأجلسناه فی مخضب لحفصة زوج النبی ﷺ" تو ہم نے نبی کریم ﷺ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک بڑے برتن میں بٹھا دیا۔

"مخضب" رنگنے کو کہتے ہیں یعنی وہ بڑا برتن جس میں کپڑے وغیرہ رنگے جاتے ہیں، اس کے اندر ہم نے آپ ﷺ کو بٹھا دیا۔

"ثم طفقنا نصب علیه من تلک القرب" پھر ہم نے آپ ﷺ پر وہ پانی کے مشکیزے ڈالنے شروع کئے۔ اب یہ ایک علاج تھا جو نبی کریم ﷺ نے کروایا، بخار بھی نبی کریم ﷺ کو آنا ثابت ہے، تو بخار کی شدت میں پانی ڈالنا مفید ہوتا ہے تو اس لئے آپ ﷺ نے ڈلوایا۔

"حتی طفق یشیر إلینا بیده أن قد فعلتن" یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنا شروع کردیا کہ بس تم لوگوں کو جو کام کہا تھا وہ ہوگیا اب چھوڑ دو۔

"قالت: ثم خرج إلی الناس فصلی بهم وخطبهم" پھر فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ باہر لوگوں کے پاس تشریف لے گئے ان کو نماز پڑھائی اور خطبہ دیا یعنی وعظ ونصیحت فرمائی۔

"أن عائشة وعبدالله بن عباس ﷺ الخ" یہ دوسری حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دونوں نے بتایا۔

"لما نزل به رسول الله ﷺ" جب آنحضرت ﷺ پر بیماری نازل ہوئی یعنی جب حضور اقدس ﷺ مرض الوفات میں مبتلاء ہوئے، **"طفق یطرح خمیصة له علی وجهه، فإذا اغتم کشفها عن وجهه"** تو اپنے چہرے کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیتے تھے اور پھر جب گرمی کی وجہ سے دل گھبراتا تو چہرے سے ہٹا

دیتے تھے۔

اس سے آگے جو بات ہے وہ پچھلی حدیث میں پہلے گذر چکی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کو امامت کا حکم

تیسری حدیث ایام مرض میں حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کی امامت کے متعلق ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **"لقد راجعت رسول اللہ ﷺ فی ذلک"** میں نے اس معاملہ میں یعنی جب ایام مرض میں کمزوری کی وجہ سے آپ نماز پڑھانے پر قادر نہ رہے تو میرے والد حضرت ابو بکر ﷺ کو آپ ﷺ نے امامت کا حکم دیا، تو میں نے کئی مرتبہ اس بات کو آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

یہ بھی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس سے پہلے یہ آیا ہے کہ مرض الوفات کے دوران نماز کا وقت آیا تو حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جا کر ابو بکر کو پیغام بھجوادو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

انہوں نے عرض کیا کہ شاید میرے والد ابو بکر نماز پڑھانے پر قادر نہ ہو کیونکہ رقیق القلب ہیں اور جب وہ آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو تین بار کہا، تیسری بار جب کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو یوسف کی سہیلیوں کی طرح ہو جب یوسف کو انہوں نے بہکایا تھا، ابو بکر کو پیغام بھیجو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ [۱۱]

یہ وہ روایت ہے جو کتاب الاذان میں ہے اور یہاں پر جو حدیث ہے وہ اسی سے متعلق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت فرمائی کہ وہ کس وجہ سے حضرت ابو بکر ﷺ کے امامت نہ کروانے پر اصرار فرما رہی تھیں۔

اب اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ **"وما حملنی علی کثرة مراجعته"** مجھے جس چیز نے کثرتِ مراجعت پر آمادہ کیا تھا، **"إلا أنه لم يقع في قلبي أن يحب الناس بعده رجلا قام مقامه أبدا"** وہ اس بات کے سوا کچھ نہیں تھی جو شخص آپ ﷺ کی جگہ قائم مقام بنے گا لوگ اسے کبھی بھی محبت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

یعنی اصل میں میرے دل میں یہ بات تھی کہ حضرت ابو بکر ﷺ اگر حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں قائم مقام ہو کر نماز پڑھائیں گے اور اسی حالت میں حضور ﷺ کا انتقال ہو جائے گا تو لوگ یہ کہیں گے **۔معاذ اللہ۔** ابو بکر کی یہ نحوست ہے یہ کیا آئے مصلّی پر کہ جو حضور ﷺ دنیا سے رخصت ہی ہو گئے۔

---

[۱۱] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب حد المریض أن یشھد الجماعة، رقم: ۶۶۴

"ولا كنت أرى أنه لن يقوم أحد مقامه إلا تشاء م الناس به" تو میں نہیں چاہتی تھی کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کے بارے میں لوگ اس قسم کی باتیں کریں بلکہ انہیں برا خیال کریں گے۔

"فأردت أن يعدل ذلك رسول الله ﷺ عن أبی بكر" اس واسطے بار بار میں نے اصرار کیا کہ آپ ﷺ ان کو نہ بھیجیں بلکہ کسی اور کو بھیج دیجئے یعنی میں چاہتی تھی کہ آنحضرت ﷺ ان سے اس معاملے میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ سے اعراض کریں۔

۴۴۴۶ ـ حدثنی عبدالله بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثنی ابن الهاد، عن عبدالرحمن بن القاسم، عن ابیه، عن عائشة قالت: مات النبی ﷺ وانه لبین حاقنتی وذاقنتی، فلا أكره شدة الموت لأحد أبدا بعد النبی ﷺ . [راجع: ۸۹۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ نبی کریم ﷺ میرے حلق اور سینے کے درمیان سر رکھے ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کی موت کی سختی کو میں نے برا نہیں سمجھا۔

۴۴۴۷ ـ حدثنی إسحاق: أخبرنا بشر بن شعیب بن أبی حمزة: حدثنی أبی، عن الزهری قال: أخبرنی عبدالله بن کعب بن مالک الأنصاری وکان کعب بن مالک أحد الثلاثة الذین تیب علیهم: أن عبدالله بن عباس أخبره: أن علی بن أبی طالب ﷺ خرج من عند رسول الله ﷺ فی وجعه الذی توفی فیه فقال الناس: یا أبا الحسن، کیف أصبح رسول الله ﷺ؟ فقال: أصبح بحمد الله بارئا، فأخذ بیده عباس ابن عبد المطلب، فقال له: أنت والله بعد ثلاث عبدالعصا، وإنی والله لأری رسول الله ﷺ سوف یتوفی من وجعه هذا، إنی لأعرف وجوه بنی عبد المطلب عند الموت. اذهب بنا إلی رسول الله ﷺ فلنسأله فیمن هذا الأمر؟ إن کان فینا علمنا ذلک، وإن کان فی غیرنا علمناه فأوصی بنا. فقال علی: إنا والله لئن سألناها رسول الله ﷺ فمنعناها لا یعطیناها الناس بعده، وإنی والله لا أسألها رسول الله ﷺ. [انظر: ۶۲۶۶] [۱۲]

ترجمہ: زہری کہتے کہ مجھے عبداللہ بن کعب بن مالک انصاری نے بیان کیا اور کعب بن مالک ﷺ ان تین حضرات میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول کی گئی، انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ مرض وفات کے وقت حضرت علی بن ابی طالب ﷺ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن!

---

[۱۲] وفی مسند احمد، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۲۳۷۴، ۲۹۰۸

رسول اللہ ﷺ نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے کہا الحمد للہ! آج آپ کی طبیعت میں بہتری ہے۔ پھر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ تھاما اور کہا اللہ کی قسم! تین دن بعد تم لاٹھی کے غلام بنو گے، کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں وفات فرما جائیں گے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اولادِ عبد المطلب کا چہرہ موت کے وقت کیسا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو تا کہ ہم معلوم کرلیں کہ آپ کے بعد یہ معاملہ کس کے ہاتھ میں ہوگا؟ اگر آپ ﷺ ہمارے ہاتھ میں دیں تو ٹھیک ہے اور اگر کسی دوسرے کو دیں تو وہ بھی ہمیں معلوم ہو جائے گا، تو پھر اس کو ہمارے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت فرما دیں گے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز رسول اللہ ﷺ اس بات کے بارے میں سوال نہیں کروں گا، کیوں کہ اگر آپ نے منع کر دیا تو پھر لوگ ہم کو کبھی خلیفہ نہیں بنائیں گے، لہٰذا میں آپ ﷺ سے ایسی بات معلوم نہیں کروں گا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان تین حضرات میں سے تھے جن پر غزوۂ تبوک کے بعد ان کی توبہ سورۃ براء یعنی سورۃ التوبہ نازل ہوئی تھی، ان کے بیٹے عبد اللہ بن کعب روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبد اللہ بن کعب کو حدیث بیان کی کہ **"ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الخ"** ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے پاس سے باہر نکلے، اس بیماری کے دوران جس میں آپ کی وفات ہوئی یعنی مرض الوفات کے دنوں میں۔

"یا أبا الحسن، کیف أصبح رسول الله ﷺ؟" جب باہر نکلے تو لوگ تو آپ ﷺ کی خیریت جاننے کو بیتاب تھے لوگوں نے ان سے پوچھا اے ابو الحسن! رسول اللہ ﷺ کی کس حالت میں صبح ہوئی؟ اور ان کی طبیعت کیسی ہے؟ ابو الحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

"اصبح بحمد الله بارئا" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمد للہ حضور ﷺ کی صحت کی حالت میں صبح ہوئی ہے یعنی اچھی حالت میں ہیں۔

"فأخذ بیده عباس ابن عبد المطلب" اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا، بڑے تھے اور چچا تھے حضور ﷺ کے بھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی، **"انت والله بعد ثلاث عبد العصا"** پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم! تین دن کے بعد تم لاٹھی کے بندے ہو جاؤ گے، لاٹھی کے غلام بن جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا وصال قریب ہے اور اب خلافت کسی اور کی طرف منتقل ہوگی اور گویا

خلافت منتقل ہوئی تو تم ان کے تابع فرمان ہو جاؤ گے۔

"وإني واللہ لأرى رسول اللہ ﷺ سوف يتوفى من وجعه هذا" اوراللہ کی قسم! میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب اسی بیماری کی حالت میں وفات پا جائیں گے، **"إني لأعرف وجوه بني عبد المطلب عند الموت"** اور میں اولادِ عبدالمطلب کے چہروں کو پہچانتا ہوں کہ موت کے وقت ان کے چہرے کیسے ہو جاتے ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب ﷛ کا قیافہ، فہم وفراست تو زبردست تھی ہی اس واسطے ان کو اندازہ تھا کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں اور ابھی اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو پوچھ لینی چاہئے اس لئے کہتے ہیں کہ **"اذهب بنا إلى رسول اللہ ﷺ فلنسأله فيمن هذا الأمر؟"** رسول اللہ ﷺ کے پاس چلتے ہیں تو آپ سے جا کر پوچھ لیتے ہیں کہ یہ معاملہ کس کو دیا جائے گا؟ معاملہ سے آپ کی مراد خلافت ہے تو وہ کس کو ملے گی اور کون خلیفہ ہوگا؟

"أن كان فينا علمنا ذلك" اگر خلافت ہمارے خاندان یعنی بنو ہاشم میں ہوگی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا، **"وإن كان في غيرنا علمناه فأوصى بنا"** میں اور ہمارے خاندان کے علاوہ اور کسی کو خلیفہ مقرر فرمائیں گے تو اس کا بھی ہمیں علم ہو جائے گا اور اس کو ہمارے بارے میں کوئی وصیت فرمائیں گے کہ آپ ﷺ کے بعد وہ ہمارا خیال رکھے۔

"فقال علي: إنا واللہ لئن سألناها رسول اللہ ﷺ" حضرت علی ﷛ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے خلافت کے بارے میں آج سوال کر لیا، **"فمنعناها لا يعطيناها الناس بعده"** اور ہمارے پوچھنے پر آپ نے منع کر دیا یعنی یہ کہا کہ نہیں بنو ہاشم کو خلافت نہیں ملے گی تو آپ ﷺ کے بعد لوگ کبھی بھی یہ خلافت ہمیں اور ہمارے خاندان کو نہیں دیں گے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔

کہنے کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ کی طرف سے سکوت رہا تو ٹھیک ہے پہلے نہ سہی بعد میں ہمارے خاندان میں خلافت آ سکتی ہے اور اگر حضور ﷺ نے منع فرما دیا تو پھر کسی بھی مرحلہ پر آنے کی توقع باقی نہیں رہے گی۔

"وإني واللہ لا أسألها رسول اللہ ﷺ" اور میں اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔

مقصد دنیا نہیں بلکہ دین ہے!

دیکھو! صحابہ کرام ﷡ کو اللہ تعالیٰ نے کتنے اونچے مقام پر سرفراز فرمایا تھا لیکن جب بھی صحابہ کرام ﷡ کی

حالات پر غور کیا جائے تو اس بات سے قطع نظر نہیں کرنا چاہئے کہ وہ بھی آخر بشر تھے اور ایک بشر کے ذہن میں جو طبعی وفطری تقاضے ہوتے ہیں، وہ ان کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے تھے۔

فرق یہ ہے کہ ہمارے بشری تقاضے کھلم کھلا گناہوں اور نافرنیوں پر آمادہ کردیتے ہیں، جبکہ ان حضرات کو ان تقاضوں نے نافرمانی پر آمادہ نہیں کیا، الا ماشاء اللہ۔

تو یہ سب بشری تقاضے ہیں ان میں کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

دیکھو! حضور اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے جارہے ہیں تو جس شخص کا بھی حضور ﷺ سے تعلق ہوگا اس کو یہ فکر بھی ہوگی کہ بعد میں معاملہ کیا ہوگا اور ایک مقتداء کے جو اہل بیت میں سے ہوتے، تو ان کے دل میں خواہش پیدا ہونا کہ یہ جو نعمت جو ہمارے گھر میں تھی وہ ہمارے گھر ہی میں رہے۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کو حرص اور طمع سے تعبیر کی جائے کہ یہ ایک بشری تقاضہ ہے کہ بھئی یہ ہمارے گھر کی دولت، مراد دنیاوی دولت نہیں دینی دولت، گھر ہی میں رہے اچھا ہے۔ یہ خواہش پیدا ہونا کوئی بعید بھی نہیں ہے اور کسی کے متقی ہونے کے اور عابد وزاہد ہونے اور بزرگ ہونے کے منافی بھی نہیں۔

ہاں اس غرض کے لئے آدمی طریقہ ایسا اختیار کرے کہ جو غیر مشروع ہو تو وہ منع ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے ایسا کیوں کہہ دیا کہ اگر آج انکار ہوگیا تو پھر ہمیں کبھی نہیں ملے گی؟ ایسا ہوگا ویسا ہوگا وغیرہ وغیرہ؟

جواب یہ ہے کہ یہ بشری تقاضے ہیں جو ان کے دل میں پیدا ہورہے تھے اور جو دل میں پیدا ہوئے ہیں ان کو زبان سے ارشاد بھی فرمادیا تو گناہ کی کوئی بات ہے ہی نہیں کہ گناہ کا کوئی کام کیا ہو، ایک خیال ہے وہ ظاہر کیا جو دل میں آیا اور بتادیا۔

۴۴۴۸ ۔ حدثنا سعید بن عفیر قال: حدثنی اللیث قال: حدثنی عقیل، عن ابن شهاب قال: حدثنی أنس بن مالک ؓ أن المسلمین بینا هم فی صلاة الفجر من یوم الاثنین وأبو بکر یصلی لهم لم یفجأهم إلا رسول الله ﷺ قد کشف ستر حجرة عائشة فنظر إلیهم وهم فی صفوف الصلاة ثم تبسم یضحک، فنکص ابو بکر علی عقبیه لیصل الصف وظن أن رسول الله ﷺ یرید أن یخرج إلی الصلاة، فقال أنس: وهم المسلمون أن یفتتنوا فی صلاتهم فرحا برسول الله ﷺ فأشار إلیهم بیده رسول الله ﷺ أن أتموا صلاتکم ثم دخل الحجرة وأرخی الستر. [راجع: ۶۸۰]

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ؓ نے بیان کیا کہ مسلمان پیر کے دن حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے فجر کی نماز ادا کررہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نظر آئے کہ آپ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھا کر صحابہ کرام کی طرف دیکھا کہ وہ سب نماز میں مشغول ہیں، پھر آپ مسکرا دیئے، حضرت ابوبکر ﷺ نے خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تشریف لا رہے ہیں، تو انہوں نے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ مسلمان آنحضرت ﷺ کی خوشی کی وجہ سے اپنی نماز کے بارے میں فتنے میں پڑ جاتے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز کو پورا کرو، پھر آپ ﷺ حجرہ میں داخل ہو گئے اور پردہ کو چھوڑ دیا۔

وصال کے دن مسجد میں تشریف آوری

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں مسلمان کہ پیر کے دن فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، اور یہ وہی دن ہے جس میں حضور ﷺ کی وفات ہوئی تھی اور مسلمان حضرت ابوبکر ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔

"**لم يفجأهم إلا رسول الله ﷺ قد كشف ستر حجرة عائشة**" ان کو کسی اور چیز نے گھانہ نہ پہنچی یعنی مسلمانوں کی توجہ کسی اور طرف نہیں گئی نماز کے دوران سوائے اس بات کے کہ اچانک حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ کھولا۔

"**فنظر إليهم وهم في صفوف الصلاة ثم تبسم يضحك**" تو آپ نے صحابہ کرام ﷺ کی طرف نظر ڈالی اور اس وقت وہ نماز کی صفوف میں کھڑے تھے پھر ان کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔

گویا زبان حال سے اس بات پر پتہ جانے کیا جذبات ہوں گے ساری عمر کی محنت کا صلہ، ساری زندگی کی قربانیوں اور جد وجہد کا صلہ یہ نظر آ رہا تھا کہ مسلمان کھڑے ہوئے ہیں اور حضرت صدیق اکبر ﷺ کی اقامت میں نماز ادا کر رہے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔

"**فنكص أبو بكر على عقبيه ليصل الصف**" حضرت ابوبکر صدیق ﷺ یہ دیکھ کر اپنے ایڑیوں کے بل سے پیچھے ہٹنے لگے تاکہ صف میں پہنچ جائیں یعنی ایڑیوں کے بل اس وجہ سے پیچھے ہٹنا شروع کیا تاکہ قبلہ سے انحراف نہ ہو سکے۔

"**وظن أن رسول الله ﷺ يريد أن يخرج إلى الصلاة**" اس وجہ سے پیچھے ہٹنے لگے کہ شاید رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ "**وهم المسلمون أن يفتتنوا في صلاتهم فرحا برسول الله ﷺ**" قریب تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر مسلمان فتنہ میں مبتلا ہو جاتے نماز کے اندر خوشی کے مارے یعنی اچانک اس طرح نبی کریم ﷺ کا سامنے تشریف لے آنا اس سے اس قدر خوشی ہوئی کہ صحابۂ کرام ﷺ قریب تھا کہ

نماز میں فتنے میں مبتلا ہو جاتے اور حضور ﷺ کو دیکھ کر نماز توڑ دیتے۔

"فأشار إليهم بيده رسول الله ﷺ أن أتموا صلاتكم" یہ دیکھ کر کہ کہیں صحابہ نماز نا توڑ دیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ تم لوگ اپنی نماز کو مکمل کرو۔

"ثم دخل الحجرة وأرخى الستر" پھر رسول اللہ ﷺ واپس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور پردہ ڈال دیا۔

۴۴۴۹ - حدثني محمد بن عبيد: حدثنا عيسى بن يونس، عن عمر بن سعيد قال: أخبرني ابن أبي مليكة: أن أبا عمرو ذكوان مولى عائشة أخبره أن عائشة كانت تقول: إن من نعم الله علي أن رسول الله ﷺ توفي في بيتي وفي يومي وبين سحري ونحري وأن الله جمع بين ريقي وريقه عند موته. ودخل علي عبدالرحمن، وبيده السواك وأنا مسندة رسول الله ﷺ فرأيته ينظر إليه وعرفت أنه يحب السواك. فقلت: آخذه لك؟ فأشار برأسه أن نعم. فتناولته فاشتد عليه وقلت: أليّنه لك؟ فأشار برأسه أن نعم. فليّنته فأمره وبين يديه ركوة أو علبة - يشك عمر - فيها ماء، فجعل يدخل يديه في الماء فيمسح بهما وجهه يقول: ((لا إله إلا الله إن للموت سكرات))، ثم نصب يده فجعل يقول: ((في الرفيق الأعلى))، حتى قبض ومالت يده. [راجع: ۸۹۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ اللہ کی نعمتوں سے ایک نعمت اور عنایت مجھ پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں اور میری باری کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے وفات پائی، اور وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرا لعاب دہن حضور ﷺ کے لعاب دہن سے بھی ملا دیا۔ بات یہ ہوئی کہ عبدالرحمٰن میرے پاس آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی لئے ہوئے اور آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں تو مجھ جان گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں، اس لئے میں نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کے لئے یہ مسواک لے لوں؟ آپ ﷺ نے سر مبارک کے اشارہ سے ہاں فرمایا، لہٰذا میں نے ان سے مسواک لے لی، آپ اسے چبا نہ سکے تو میں نے پوچھا کہ آپ کے لئے نرم کر دوں؟ آپ ﷺ نے سر مبارک کے اشارہ سے ہاں فرمایا، چنانچہ میں مسواک چبائی اور نرم کر کے دی۔ آپ ﷺ کے سامنے چمڑے کا لکڑی کا یک بڑا پیالہ تھا، راوی حدیث عمر کو اس میں شک تھا، اور اس میں پانی تھا۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ بار بار پانی میں ڈال کر اپنے چہرے پر پھیرتے، اور فرماتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی تکلیفیں ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا **في الرفيق الأعلى**، اس کے بعد آپ ﷺ رحلت فرما گئے، اور ہاتھ نیچے آ گیا۔

آخری عمل

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری عمل جو تھا وہ مسواک کرنا ہے یعنی اس قدر پسند تھا یہ عمل کہ آکری لحات میں بھی مسواک کرنا پسند فرمایا اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ حاضر ہوتا تھا تو اس لئے مسواک فرمائی۔

۴۴۵۰ ـ حدثنا إسماعيل: حدثني سليمان بن بلال: حدثنا هشام بن عروة: اخبرني أبي، عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ كان يسأل في مرضه الذي مات فيه يقول: ((أين أنا غدا؟ أين أنا غدا؟)) يريد يوم عائشة، فأذن له أزواجه يكون حيث شاء، فكان في بيت عائشة حتى مات عندها. قالت عائشة: فمات في اليوم الذي كان يدور علي فيه في بيتي، فقبضه الله وإن رأسه لبين نحري وسحري وخالط ريقه ريقي. ثم قالت: دخل عبد الرحمٰن بن أبي بكر ومعه سواك يستن به فنظر إليه رسول الله ﷺ فقلت له: أعطني هذا السواك يا عبد الرحمٰن، فأعطانيه فقضمته ثم مضغته فأعطيته رسول الله ﷺ فاستن به وهو مستند إلى صدري. [راجع: ۸۹۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض الموت میں بار بار یہ دریافت فرماتے، کہ **این غدا، این غدا**، یعنی کل میں کہاں ہوں گا؟ کل میرا قیام کہاں ہوگا؟ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے منتظر تھے، یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی ازواجِ مطہرات نے اجازت دیدی کہ آپ جہاں مناسب سمجھیں قیام فرمائیں، چنانچہ آپ تاوقتِ وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر مقیم رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب وفات ہوئی تو وہ میری ہی باری کا دن تھا اور رحلت کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میرے سینے اور ہنسلی کے درمیان تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لعاب دہن مبارک کو میرے لعاب دہن کے ساتھ شامل کر دیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بات یہ ہوئی کہ عبدالرحمٰن میرے پاس ہاتھ میں ایک مسواک لئے ہوئے داخل ہوئے تو آنحضرت انے اس مسواک طرف دیکھا تو میں نے کہا اے عبدالرحمٰن یہ مسواک مجھے دے دو، اس نے مسواک مجھے دے دی، میں نے اس مسواک کولیکر اسے تراشا اور اپنے دانتوں سے اسے چبا کر نرم کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو دی، تو آپ ﷺ نے میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے مسواک فرمائی۔

۴۴۵۱ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن ابن أبي

مليكة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: توفي النبي ﷺ في بيتي وفي يومي، وبين سحري ونحري، وكانت إحدانا تعوذه بدعاء إذا مرض فذهبت أعوذه فرفع رأسه إلى السماء وقال: ((في الرفيق الأعلى في الرفيق الأعلى)). ومر عبد الرحمٰن بن أبي بكر وفي يده جريدة رطبة فنظر إليه النبي ﷺ فظننت أن له بها حاجة فأخذتها فمضغت رأسها ونفضتها فدفعتها إليه فاستن بها كأحسن ما كان مستنا. ثم ناولنيها فسقطت يده أو سقطت من يده فجمع الله بين ريقي وريقه في آخر يوم من الدنيا وأول يوم من الآخرة. [راجع: ۸۹۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں، میری باری کے دن، میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے، ہمارا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ بیمار ہوتے، تو ہم آپ کی صحت کے لئے دعائیں پڑھتے، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے لئے دعاء کرنی شروع کردی۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور فرمایا کہ **في الرفيق الأعلى، في الرفيق الأعلى**، اتنے میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر آ گئے، ان کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا، میں جان گئی کہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے، اس لئے میں نے فوراً ان سے مسواک لے لی، پھر اسکا سرا چبایا اور جھاڑ کر آپ ﷺ کو دیدی، پھر آپ ﷺ نے اچھی طرح مسواک کی جس طرح آپ پہلے مسواک کیا کرتے تھے اس سے اچھی طرح سے کی۔ پھر وہ مسواک آپ مجھے دینے لگے تو آپ ﷺ کا وہ ہاتھ گر پڑا یا وہ مسواک آپ کے ہاتھ سے گر پڑی، تو اللہ کا فضل دیکھو کہ اس نے آپ کی دنیا کی زندگی کے آخری دن اور آخرت کی زندگی کے پہلے دن میں میرا لعاب ودہن آپ ﷺ کے لعاب دہن سے ملا دیا۔

۴۴۵۲، ۴۴۵۳ ۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني أبو سلمة: أن عائشة أخبرته: أن أبا بكر ﷺ أقبل على فرس من مسكنه بالسنح حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة فتيمم رسول الله ﷺ وهو مغشى بثوب حبرة. فكشف عن وجهه ثم أكب عليه فقبله وبكى. ثم قال: بأبي أنت وأمي، والله لا يجمع الله عليك موتتين. أما الموتة التي كتبت عليك فقد متها. [راجع: ۱۲۴۱، ۱۲۴۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر ﷺ اپنے گھر سنح سے مدینہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، تو مسجد میں داخل ہوئے، پھر لوگوں سے کوئی بات کئے بغیر خاموشی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حجرے میں آئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف گئے آپ ایک لمبی چادر سے ڈھکے ہوئے تھے۔ تو حضرت ابوبکر نے آپ ﷺ کا چہرۂ انور کھولا اور جھک کر بوسہ دیا اور رونے لگے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ

پر قربان ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں دے گا۔ بس ایک رحلت ہے جو آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ واقع ہو چکی ہے۔

یارِ غار کا رحلت کے بعد آخری دیدار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ **"ان ابابکر ﷺ اقبل علی فرس من مسکنه بالسخ"** حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے تشریف لائے، جو کہ سخ میں واقع تھا۔

ایک گھر تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا یہیں پر تھا جس کا خوخہ یا روشن دان آپ ﷺ نے کھلا رکھنے کی اجازت دی تھی اور ایک اہلیہ ان کی سخ میں آباد تھیں، جو مدینہ منورہ ہی کے ایک محلّہ کا نام ہے اور وہ مسجد نبوی سے تقریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع ہوگا اور اب بھی جاننے والے جانتے ہیں۔

"حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس" یہاں تک کہ اپنے گھوڑے سے اترے پھر مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں سے کوئی بھی بات نہیں کی، **"حتی دخل علی عائشة فتیمم رسول الله ﷺ"** یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوئے یعنی ان کے پاس آئے، کیونکہ آپ ﷺ وہی پر موجود تھے، پھر رسول اللہ ﷺ کا قصد کیا یعنی انکی طرف گئے۔

"وهو مغشی بثوب حبرة" آپ ﷺ ایک لمبی چادر سے ڈھکے تھے یعنی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ چادر ڈال دی ہوگی، **"فکشف عن وجهه ثم أکب علیه فقبله وبکی"** پھر انہوں نے آپ ﷺ کا چہرۂ انور کو کھولا یعنی چادر ہٹائی اور نیچے جھک کر آپ ﷺ کو بوسہ دیا اور رونے لگے۔

"بابی انت وامی، والله لا یجمع الله علیک موتتین" پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں دے گا، دو موتیں جمع نہیں کرے گا، **"أما الموتة التی کتبت علیک فقد متها"** بس ایک موت ہے جو آپ کیلئے لکھی گئی تھی اور بیشک وہ موت واقع ہو چکی ہے۔

دو اموات کی نفی سے مراد

اس کے معنی میں لوگوں نے مختلف تشریح کی ہیں۔

جو بات زیادہ صحیح لگتی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ جب آرہے تھے باہر سے، تو حضرت عمر بن خطاب ﷺ تلوار سونت کر کھڑے تھے کہ حضور ﷺ انتقال نہیں فرما سکتے اور ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ حضور ﷺ اس وقت دنیا سے تشریف لے جائیں گے جب سارے منافقین اور

سارے یہود و نصاریٰ کو ختم کر دیں۔

وہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، اس لئے وہ بار بار کہہ رہے تھے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ کون کہہ رہا ہے کہ ایسا ہوگیا ہے؟ حالانکہ ابھی منافقین باقی ہیں اور جب تک منافقین مر نہیں جائیں گے، ان کو ہلاک نہیں کر دیا جائے گا اس وقت تک حضور ﷺ دنیا سے نہیں جائیں گے، آپ ﷺ پر غشی طاری ہے، سکتہ طاری ہے آپ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔

حجرہ میں تشریف لے جاتے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی تعارض نہیں کیا بلکہ سیدھے چلے آئے اور جب دیدار کیا تو اس وقت یہ جملہ کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کر سکتے یعنی جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ منافقین کو فنا کر کے جائیں گے جبکہ ایک موت تو اب طاری ہوگئی ہے، پھر آپ زندہ ہوں اور زندہ ہونے کے بعد دوسری بار آپ ﷺ کو موت آئے تو اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائیں گے۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہے کہ ایک موت تو آ ہی گئی اور اس کے بعد آپ پر کوئی ایسا صدمہ کہ جس مقصد بعثت کیلئے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے وہ مقصد بعثت مجروح ہو جائے ایسا صدمہ آپ کو پہنچے ایسا نہیں ہوگا، اور اس کو موت سے تعبیر کیا۔ واللہ اعلم۔ [۱۳]

۴۴۵۴ ـ قال: وحدثني أبو سلمة، عن ابن عباس: أن أبا بكر خرج وعمر بن الخطاب يكلم الناس فقال: اجلس يا عمر، فأبى عمر أن يجلس، فأقبل الناس إليه وتركوا عمر. فقال أبو بكر: أما بعد، من كان منكم يعبد محمدا ﷺ فإن محمدا قد مات، ومن كان منكم يعبد الله فإن الله حي لا يموت، قال الله تعالى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ إلى قوله: ﴿الشَّاكِرِيْنَ﴾ وقال: والله لكأن الناس لم يعلموا أن الله أنزل هذه الآية حتى تلاها أبو بكر فتلقاها الناس منه كلهم، فما أسمع بشرا من الناس إلا يتلوها. فأخبرني سعيد بن المسيب أن عمر قال: والله ما هو إلا أن سمعت أبا بكر تلاها

---

[۱۳] قوله: ((موتتين))، انما قال ذلک أبوبکر حين قال عمر حين مات النبي ﷺ: ان الله سيبعث نبيه فيقطع أيدي رجال قالوا انه مات لم يمت آخر الزمان، فأراد أبوبکر رد کلامه، أي: لايکون ذلک في الدنيا الاموته واحدة. وقال الداودي: أي لايموت في قبره موتة أخرى، کما قيل في الکافر والمنافق بعد أن ترد اليه روحه ثم تقبض، وقيل: لا يجمع الله عليک کرب هذا الموت، فقد عصمک من عذابه ومن أهوال يوم القيامة، وقيل: أراد بالموتة الأخرى موت الشريعة، أي: لايجمع الله عليک موتک وموت شريعتک. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۰۲، وفتح الباري، ج: ۸، ص: ۱۴۵

فعقرت حتى ما تقلني رجلاي وحتى أهويت إلى الأرض حين سمعته تلاها أن النبي ﷺ قد مات. [راجع: ۱۲۴۲]

ترجمہ: زہری کہتے ہیں مجھ سے ابوسلمہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر ﷺ جب باہر تشریف لائے، تو دیکھا کہ حضرت عمر ﷺ یہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے (یعنی جوش میں کہہ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے وفات نہیں پائی ہے)، تو حضرت ابوبکر ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو خاموش کرانا چاہا اور کہا بیٹھ جاؤ، مگر حضرت عمر ﷺ نہیں مانے، پھر لوگ حضرت ابوبکر ﷺ کے پاس جمع ہو گئے اور حضرت عمر ﷺ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمر ابوبکر صدیق ﷺ نے فرمایا اے لوگو سنو! تم میں سے جو کوئی محمد کی عبادت کرتا تھا، تو (وہ سن لے) محمد فوت ہو گئے، اور جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، بے شک تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! جب حضرت ابوبکر ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی کو اس آیت کی خبر ہی نہیں ہے اور سب نے آپ سے یہ آیت سیکھی، تو جسے دیکھو وہ یہی آیت پڑھ رہا ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب نے کہا کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! جب حضرت ابوبکر ﷺ نے اس کی تلاوت کی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میرے علم میں یہ آیت تھی ہی نہیں، پھر اس وقت میں کانپ اٹھا اور میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے تھے اور میں زمین پر گر پڑا جس وقت میں نے حضرت ابوبکر ﷺ کو اس کی تلاوت کرتے سنا اور معلوم ہوا کہ واقعی حضور اکرم ﷺ انتقال فرما گئے۔

صحابہ ﷺ کا اضطراب اور صدیق اکبر ﷺ کا صبر وحوصلہ

یہ حدیث پچھلی حدیث کا ہی اگلا حصہ ہے، اس میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا آپ ﷺ کی نعش مبارک کی زیارت کرنے کے بعد باہر آکر لوگوں کے سامنے خطاب کرنے کا ذکر ہے۔

"أن أبا بكر خرج وعمر بن الخطاب يكلم الناس" جب حضرت ابوبکر صدیق ﷺ آنحضرت ﷺ کی زیارت کرنے کے بعد باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عمر ﷺ لوگوں سے جوشیلے انداز میں بات کر رہے تھے اور وہ یہی بات کر رہے تھے کہ خبردار جو کسی نے کہا تو کہ حضور ﷺ کی وفات ہو گئی ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

"اجلس يا عمر، فأبى عمر أن يجلس" حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائیں، یہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا ہی مقام اور رتبہ تھا کہ حضرت عمر ﷺ کو یوں حکم دے رہے ہیں کہ

بیٹھو جاؤ، تو حضرت عمرؓ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغلوبیت کی انتہا پر تھے حضرت فاروق اعظمؓ کہ وہ صدیق اکبرؓ کی اتنی عزت کرتے تھے اس کے باوجود کہ انہوں نے کہا کہ بیٹھو تو نہیں بیٹھے۔

" فاقبل الناس إليه وتركوا عمر '' جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہو گئے تو سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر ان کے پاس جمع ہو گئے اور اس وقت آپ نے یہ خطبہ فرمایا۔

یہ حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام و مرتبہ ہی ہے، اللہ اکبر!

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جس شخص کو محبت زیادہ ہوتی ہے اس کے انتقال کے وقت اس کے اوپر اتنی ہی سکینت اللہ تعالیٰ نازل کر دیتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ **سورۃ النصر** یعنی ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ﴾ کے نازل ہونے پر تو وہ زار و قطار رو رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے جانے کا وقت آ گیا اور جب وصال کا واقعہ پیش آ گیا تو یہ الفاظ اور اس قدر صبر و اطمینان کا مظاہرہ!

یہ حضرت صدیق اکبرؓ ہی کہہ سکتے ہیں یعنی عام حالات میں تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر اس طرح کریں، لیکن یہ مقام انہی کا ہے اگر اس موقع پر یوں ڈٹ کر بات نہ کرتے، تو صحابہؓ کے کلیجے پھٹ گئے ہوتے۔

حضرت عمرؓ جیسے عظیم انسان! وہ اس قدر مغلوب ہو گئے ہوں جذبات کی وجہ سے، حالانکہ یہ وہ عمر بن خطابؓ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر شیطان تمہیں کسی راستے پر چلتا دیکھتا ہے تو راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلتا ہے یعنی جن سے شیطان بھاگتا ہے اور جن کی عقل ہمیشہ محبت پر غالب رہی، لیکن اس وقت وہ بھی جذبات کی شدت کی وجہ سے مغلوب ہو گئے۔ [۱۴]

اگر حضرت صدیق اکبرؓ اس طرح ڈٹ کر، سینہ تان کر یہ بات نہ کرتے تو نجانے کتنوں کے عقائد خراب ہو گئے ہوتے اور کتنے دین سے پھر گئے ہوتے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کھڑے ہو کر وہاں یہ باتیں کر رہے تھے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور اکثر لوگوں نے انہی کی تائید شروع کر دی۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت عمر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ مجھ سے اجازت لیکر حجرہ میں آئے، میں نے آپ کے جسد مبارک پر چادر ڈالی تھی اسکو

---

[۱۴] صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب أبی حفص القرشی ؓ، رقم: ۳۶۸۳

چہرۂ انور سے ہٹایا تو حضرت عمر ﷺ نے کہا کہ آپ پر غشی یا سکتہ سکتہ طاری ہوا ہے۔

جب زیارت کر کے دونوں باہر جانے لگے تو دروازے کے قریب حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ نے حضرت عمر ﷺ سے کہا کہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ واقعی حضور ﷺ کی وفات ہوگئی ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے ان سے کہا کہ تو فتنہ پرداز آدمی ہے، تم مسلمانوں کے اندر فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو، اس طریقہ سے حضرت عمر ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ کو ڈانٹا۔ پھر وہی بات کہی کہ جب تک منافقین ختم نہیں ہوجاتے اس وقت آپ ﷺ کی وفات نہیں ہوسکتی۔

اس دوران مزید لوگ بھی جمع ہوگئے تو کچھ عمر ﷺ کے ساتھ ہوگئے کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور کچھ حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ کے ساتھ ہوگئے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر لوگ حضرت عمر ﷺ کے ساتھ تھے کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور مغیرہ بن شعبہ ﷺ غلط کہہ رہے ہیں، تو زیادہ اکثریت ان کے ساتھ رہی۔ [۱۵]

یہ حالت ہے! جس کا ہم اور آپ تصور ہی نہیں کر سکتے، اس قیامت کا جو صحابہ کرام ﷺ پر ٹوٹ گئی تھی، اس واسطے یہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کا ہی حوصلہ تھا، انہی کا مقام تھا کہ اس حالت میں امت کو سنبھالا اور یہ خطبہ فرمایا۔

صدیق اکبر ﷺ کا خطبہ

حجرہ سے باہر تشریف لانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد!

"من كان منكم يعبد محمد ﷺ فان محمد قد مات" جو کوئی شخص تم لوگوں میں سے محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو وہ یہ بات غور سے سن لے کہ محمد اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔

---

[۱۵] وعند أحمد من طريق يزيد بن بابنوس عن عائشة متصلاً ، اذكرته في آخر الكلام على الحديث الثامن شيء دار بين المغيرة وعمر. ففيه بعد قولها ((فسجيته ثوبا: فجاء عمر والمغيرة بن شعبة فاستأذنا فأذنت لهما، وجذبت الحجاب فنظر عمر اليه فقال: واغشيتاه، ثم قاما، فلما دنوا من الباب قال المغيرة: ياعمر مات، قال: كذبت، بل أنت رجل تحوشك فتنة ان رسول الله ﷺ لايموت حتى يفنى الله المنافقين. ثم جاء أبوبكر فرفعت الحجاب، فنظر اليه فقال: انالله وانا اليه راجعون، مات رسول الله ﷺ)) مسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضى الله عنها، رقم: ۲۸۵۴۱، و فتح البارى، ج:۸، ص:۱۴۶، ۱۴۵

"ومن كان منكم يعبد الله فإن الله حي ولا يموت" اور جو کوئی شخص تم لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کی پرستش اور عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بے شک اللہ زندہ ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آنی ہے۔

پھر یہ آیات تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [۱۶]

ترجمہ: اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں؛ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت کی حالت یوں بیان کرتے ہیں کہ خطبہ کے دوران جب حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو **"والله لكأن الناس لم يعلموا أن الله أنزل هذه الآية"** اللہ کی قسم! لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پہلے لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور قرآن میں موجود ہے۔

یعنی اس آیت سے لوگ اس طرح غافل تھے کہ ایسا لگتا ہے کہ لوگوں کے علم میں نہیں ہے کہ یہ آیت بھی اللہ نے نازل کر رکھی ہے اور قرآن میں موجود ہے۔

"حتى تلاها أبو بكر فتلقاها الناس منه كلهم، فما أسمع بشرا من الناس إلا يتلوها" جب حضرت صدیق اکبر ﷺ نے یہ تلاوت کی تو سب نے آپ ﷺ سے یہ آیت سیکھی، اب جس کو دیکھو یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت کسی کو یاد نہیں تو سب نے وہی تلاوت کرنی شروع کر دی یا یہ کہ جس آیت میں ان کو تسلی کا سامان ملا تو ہر آدمی نے یہی تلاوت کرنی شروع کر دی۔

---

[۱۶] [آل عمران: ۱۴۴]

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ "**أن عمر قال: واللہ ما هو إلا أن سمعت أبا بكر تلاها فعقرت حتى ما تقلني رجلاي**" حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں نے یہ آیت میرے علم تھی ہی نہیں۔ میں نے جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو دہشت زدہ ہوگیا، یہاں تک کہ میرے پاؤں اٹھ نہیں رہے تھے یعنی اب تک تو اپنے آپ کو تسلی دیئے ہوئے تھا وہ تو خود سے دھوکہ تھا۔

تھا تو دھوکہ! لیکن دھوکہ سے آدمی تسلی میں تھا کہ حضور اقدس ﷺ گئے نہیں اور جا بھی نہیں سکتے ہیں دوبارہ زندہ ہوں گے لیکن جب حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت تلاوت کردی تو پتہ چلا کہ حقیقتاً ایسا واقعہ پیش آچکا ہے، اب جو صدمہ لوگوں کو تھا اچانک وہ صدمہ مجھ پر آن پڑا تو میں دہشت زدہ رہ گیا اور میرے پاؤں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ اٹھ نہیں رہے۔

"**وحتى أهويت إلى الأرض حين سمعته تلاها أن النبي ﷺ قد مات**" یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا، جب میں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی تلاوت کو سنا اور یقین ہوگیا کہ واقعی نبی کریم ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔

یعنی اب تک تو اپنے آپ کو دھوکہ دیئے ہوئے تھے اور مختلف خیالات ذہن میں تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس آیت کے تلاوت کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں تو اب وہ صدمہ میرے سامنے بھی کھل گیا اور اس کے نتیجہ میں اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور زمین پر گر پڑا۔

۴۴۵۵، ۴۴۵۶، ۴۴۵۷ ـ حدثني عبد اللہ بن أبي شيبة: حدثنا يحيى بن سعيد، عن سفيان، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبيد اللہ بن عبد اللہ بن عتبة، عن عائشة وابن عباس ؓ: أن أبا بكر ؓ قبل النبي ﷺ بعد موته. [راجع: ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، وانظر: ۵۷۰۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا بوسہ لیا۔

۴۴۵۸ ـ حدثنا علي: حدثنا يحيى وزاد: قالت عائشة: لددناه في مرضه فجعل يشير إلينا أن لا تلدوني، فقلنا: كراهية المريض للدواء فلما أفاق قال: ((ألم أنهكم أن تلدوني؟)) قلنا: كراهية المريض للدواء، فقال: ((لا يبقى أحد في البيت إلا لد وأنا أنظر إلا العباس فإنه لم يشهدكم)). رواه ابن أبي الزناد، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة عن

النبی ﷺ. [انظر: ۵۷۱۲، ۶۸۸۶، ۶۸۹۷] ۱۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے حالتِ مرض میں رسول اکرم ﷺ کے منہ میں دواڈالی، تو آپ ﷺ اشارہ سے منع فرمار ہے تھے کہ مت ڈالو، مگر ہم نے سوچا کہ یہ منع کرنا تو ایسا ہے جیسے ہر مریض کرتا ہے، لہٰذا ہم نے پلا ہی دی۔ جب آپ ﷺ کوافاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو منع نہیں کرتا رہا کہ دوائی مت ڈالو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا خیال تھا کہ آپ ﷺ کا منع کرنا ایسا ہی ہے جیسے عموماً بیمار دوائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اب تم لوگوں کی سزاء یہ ہے کہ گھر میں جتنے آدمی ہیں سب کے منہ میں میرے سامنے دواڈالی جائے، صرف عباس کو چھوڑ دو کہ وہ دوائی ڈالتے وقت حاضر نہ تھے۔ اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے ہشام سے، اورانہوں نے اپنے والد عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اورانہوں نے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔

لدود کے پلائے جانے کا واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے رسول کریم ﷺ کے مرض الوفات میں آپ کو "**لد**" دیا۔

"**لد**" یہ لفظ "**لدود**" سے نکلا ہے اور "**لد**" کہتے ہیں اس دواء کو جو منہ کے ذریعہ ٹپکائی جائے، یعنی منہ کے ہونٹوں کے درمیان سے ٹپکائی جائے اس کو "**لدود**" کہتے ہیں اور "**لددناه**" کا معنی اس طرح منہ میں دواڈالنا۔ ۱۸

---

۱۷ وفی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب ثواب المؤمن فیما یصابه من مرض او حزن او نحو ذلک الشوکة یشاکها، رقم: ۲۵۷۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقی، رقم: ۳۹۰۲، وسنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب منه، رقم: ۳۶۲، وابواب الموعودات، باب، رقم: ۳۴۹۶، وابواب المناقب، باب، رقم: ۳۶۷۲، وسنن النسائی، کتاب الامامة، باب صلاة الامام ضعف اجل من رعیته، رقم: ۷۸۶، وکتاب الجنائز، باب شدة الموت، رقم: ۱۸۳۰، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فی صلاة رسول الله ﷺ فی مرضه، رقم: ۱۲۳۲، وموطا مالک، کتاب قصر الصلاة فی السفر، باب جامع الصلاة، رقم: ۸۳، ومسند احمد، مسند عبدالله بن عمر رضی الله عنهما، رقم: ۱۵۴۱، ومسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی الله عنهما، رقم: ۲۴۰۲۱، ۲۴۱۰۳، ۲۴۱۹۹، ۲۴۲۱۶، ۲۴۲۶۳

۱۸ قوله: ((لددناه))، أی جعلنا فی جانب فمه دواء بغیر اختیاره، وهذا هو اللدود. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۰۳، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۴۷

یہ واقعہ حضور ﷺ کے مرض الوفات کے آغاز کا ہے جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شروع ہوا تھا تو جب آپ کو تکلیف ہوئی، تو جو خواتین اور جو اہل بیت وہاں موجود تھے ان کو گمان یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو **"ذات الجم"** کی تکلیف ہے یعنی نمونیا اور **"ذات الجم"** کی تکلیف میں عام طور سے لد کیا جاتا تھا، یعنی وہ دواء جو منہ سے ڈالی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ **"فجعل یشیر إلینا أن لا تلدونی"** آپ ﷺ ہمیں اشارہ کرتے رہے کہ اس دواء کو مت استعمال کرو۔

"فقلنا: کراھیة المریض للدواء" تو ہم نے سوچا کہ یہ ایسا ہی ہے کہ مریض لوگ دواء سے اعراض اور دواء استعمال کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں تو حضور ﷺ بھی جو منع کر رہے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہے کہ بیماری کی حالت میں لوگ عام طور سے کیا کرتے ہیں۔

لہٰذا اس میں ان کی بات ماننی کوئی ضروری نہیں اور یہ اس مریض کی خیر خواہی میں ہوتا ہے تو اس واسطے ہم نے باوجود آپ ﷺ کے منع کرنے کے دواء ڈال دی۔

"فلما أفاق قال: ألم أنھکم أن تلدونی؟" جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں لد کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟

"قلنا: کراھیة المریض للدواء" ہم نے کہا کہ مریض جیسے دواء کو برا سمجھتے ہیں اس طرح آپ نے بات کہی ہے۔

"لا یبقی أحد فی البیت إلا لد" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھر میں جتنے آدمی ہیں سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے، **"وأنا أنظر إلا العباس فإنه لم یشھدکم"** یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے آنکھوں کے سامنے سب کو لد کیا جائے سوائے عباس کے کیونکہ یہ تمہارے ساتھ اس عمل میں شامل نہیں تھے تو اس واسطے ان کو تو یہ کیا جائے باقی جتنے ہیں ان کو تو لد کیا جائے یعنی گھر میں کوئی باقی نہ رہے کہ جس کو لد نہ کیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سے اس کا بدلہ لوں گا اور سزا دوں گا اور سزا یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو لد کیا جائے چنانچہ جتنے لوگ تھے ان سب کو لد کیا گیا۔

۴۴۵۹ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد قال: أخبرنی أزھر قال: أخبرنا ابن عون، عن إبراھیم، عن الأسود قال: ذکر عند عائشة أن النبی ﷺ أوصی إلی علی فقالت: من قاله؟ لقد رأیت النبی ﷺ وإنی لمسندته إلی صدری فدعا بالطست فانخنث فمات فما شعرت، فکیف أوصی إلی علی؟ [راجع: ۲۷۴۱]

ترجمہ: حضرت اسود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے کسی نے

بات کہی کہ حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو اپنے بعد اپنا جانشین اور وصی بنایا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کون کہتا ہے؟ میں نے تو خود دیکھا کہ آنحضرت ﷺ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے کلی کرنے کے لئے طشت طلب کیا اور ایک طرف جھک گئے پھر آپ ﷺ انتقال کر گئے اور مجھے بھی معلوم نہ ہوسکا، تو کب حضرت علی ؓ کو وصی اور جانشین بنا دیا؟

علی ؓ کو وصی بنانے کے شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو اپنا جانشین اور وصی بنایا ہے۔

"اوصی إلی علی" معنی ہے وصی بنانا یعنی حضرت علی ؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر فرمایا۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا **"من قاله ؟"** ایسا کون کہتا ہے؟

"لقد رأیت النبی ﷺ وإنی لمسندته إلی صدری" میں نے خود نبی کریم ﷺ کو دیکھا یعنی میں اس وقت خود آپ ﷺ کے پاس موجود تھی، اور اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے میرے سینے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی یعنی میں آپ ﷺ کے اتنا قریب موجود تھی۔

"فدعا بالطست فانخنث فمات" آپ ﷺ نے طشت منگوایا تھا تھوکنے کے لئے پھر آپ ڈھیلے پڑ گئے یعنی ایک طرف کو جھک گئے اور اسی حالت میں آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

"فما شعرت" مجھے پتہ بھی نہیں لگا جس وقت وفات ہوئی یعنی مجھے پتہ بھی نہیں لگا اور آپ ﷺ اس دنیا تشریف لے گئے۔

"فکیف اوصی إلی علی؟" تو ایسے وقت میں حضرت علی ؓ کو کیسے وصی بنا سکتے ہیں؟ یعنی اس وقت کہاں موقع تھا کہ کسی کو وصی بناتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ وفات تک میں آپ کے پاس رہی اور آپ کا انتقال اس حال میں ہوا کہ میں آپ کو اپنے سینے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی تو ایسا کیسے ممکن ہے کہ حضرت علی ؓ کے بارے میں وصیت کی ہو اور مجھے اتنا قریب ہونے کے باوجود معلوم نہیں ہے۔

۴۴۶۰ ۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا مالک بن مغول، عن طلحة قال: سألت عبدالله ابن أبی أوفی رضی الله عنهما: أوصی النبی ﷺ فقال: لا، فقلت: کیف کتب علی الناس الوصیة أو أمروا بها؟ قال: أوصی بکتاب الله. [راجع: ۲۷۴۰]

ترجمہ: طلحہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن أبی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ کہتے میں نے کہا پھر لوگوں پر کس طرح وصیت کرنا فرض ہے؟ یا وصیت کرنے کا کیسے حکم دیا گیا؟ حضرت عبداللہ بن أبی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنی کی وصیت کی۔

وصیتِ نبوی ﷺ: قرآن پر عمل

تابعی حضرت طلحہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن أبی اوفی رضی اللہ عنہ سے میں نے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے وفات کے وقت کوئی وصیت فرمائی تھی؟

تو حضرت عبداللہ بن أبی اوفی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں آپ ﷺ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔

"فقلت: کیف کتب علی الناس الوصیۃ أو أمروا بہا؟" تو حضرت طلحہ رحمہ اللہ نے کہا کہ قرآن کریم میں تو حکم ہے کہ لوگوں پر وصیت کرنا فرض ہے؟

ان کا یہ بات کہنے کا مقصد اس آیت کو دیکھتے ہوئے تھا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [19]

ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا وقت قریب آجائے، وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے۔ یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے۔

"قال: أوصی بکتاب اللہ" حضرت عبداللہ بن أبی اوفی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رحمہ اللہ کی یہ بات سن کر جواب دیا کہ کتاب اللہ کی وصیت کی ہے یعنی آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی۔

ساتھ اشارہ بھی دیا کہ جو **"کتب علیکم"** حکم آیا ہے، وہیں ساتھ میں **"ان ترک خیرا الوصیۃ"**

---

[19] [البقرۃ: ۱۸۰]

اگر کچھ مال چھوڑ کے گیا تو تب وصیت کرے، اگر کوئی مال واسباب نہیں تو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ کے پاس تو مال واسباب کچھ بھی نہیں تھا، ہاں البتہ قرآن چھوڑ کے گئے ہیں اور مسلمانوں کواس پرعمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔

۴۴۶۱ ۔ حدثنا قتيبة: حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن عمرو بن الحارث قال: ما ترک رسول الله ﷺ دينارا ولا درهما ولا عبدا ولا أمة إلا بغلته البيضاء التي كان يركبها وسلاحه، وأرضا جعلها لابن السبيل صدقة. [راجع: ۲۷۳۹]

ترجمہ: طلحہ ابواسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن حارث ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو دینار چھوڑا تھا نہ کوئی درہم، اور نہ ہی کوئی غلام چھوڑا نہ ہی کوئی باندی، سوائے اپنے سفید خچر کے جس پر آپ ﷺ سواری کرتے تھے اور اپنے ہتھیاروں کے اور وہ زمین جس سے آپ ﷺ مسافروں یعنی غریب مسلمانوں کو صدقہ دیا کرتے تھے۔

۴۴۶۲ ۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد، عن ثابت، عن أنس ﷺ قال: لما ثقل النبي ﷺ جعل يتغشاه، فقالت فاطمة: واكرب أباه، فقال: ((ليس على أبيک کرب بعد هذا اليوم)). فلما مات قالت: يا أبتاه أجاب ربا دعاه، يا أبتاه من جنة الفردوس مأواه، يا أبتاه إلى جبرئيل ننعاه. فلما دفن قالت فاطمة: يا أنس، أطابت نفوسكم أن تحثوا على رسول الله ﷺ التراب؟ [۲۰]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روتے ہوئے کہا، ہائے میرے والد کو بہت تکلیف ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے والد کو پھر کبھی تکلیف نہیں ہوگی۔ پھر جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کہہ کر روئیں کہ ہائے میرے والد آپ نے اللہ کے بلاوے کو قبول کرلیا ہے، ہائے میرے والد آپ کا مقام جنت الفردوس ہے، ہائے میرے اباجان ہم آپ کی وفات کی خبر حضرت جبریل کو سناتے ہیں۔ جب آپ ﷺ کی تدفین ہوگئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اے انس! تم لوگوں نے کیسے گوارہ کرلیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو مٹی میں چھپادو۔

---

[۲۰] وفي سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب في البكاء على الميت، رقم: ۱۸۴۴، وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ﷺ، رقم: ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ومسند أحمد، مسند أنس بن مالک ﷺ، رقم: ۱۲۴۴۴، ۱۳۰۳۱، ۱۳۱۱۷، وسنن الدارمي، كتاب دلائل النبوة، باب في وفاة النبي ﷺ، رقم: ۸۸

صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالت

جب آپ ﷺ مرض کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے بے چین تھے تو آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھی **"واکرب اباہ"** تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ ہائے میرے والد کتنے بے چینی میں ہیں؟

تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"لیس علی ابیک کرب بعد ھذاالیوم"** آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی کرب نہیں ہوگا۔

کیا جملہ ارشاد فرما گئے یعنی اس وقت جو کرب رتکلیف ہے وہ تو ہے ہی، لیکن اگر تم اس بات کی جانب دیکھو کہ ساری عمر امت کی غم میں، امت کے کرب ہی میں گزری اور قربانیوں میں گزری، اب تو وہ منزل آگئی ہے کہ اس کے بعد تمہارے باپ کو کوئی کرب وغم نہیں ہوگا۔

صد شکر کہ آپہنچا لب گور جنازہ لو کہ بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

پھر جب آپ ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو اس وقت یہ الفاظ بے ساختہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکل رہے تھے۔

"یاأبتاہ أجاب ربا دعاہ" ہائے میرے ابا جان! ان کے رب نے ان کو پکارا تو ان کی دعوت قبول کر لی۔

"یا ابتاہ من جنة الفردوس ماواہ" ہائے میرے ابا جان! آپ کا مقام جنت الفردوس ہے، یعنی اللہ کی اس دعوت اور بلاوے کو قبول کرنے کے بعد آپ کا مقام جنت الفردوس میں ہے۔

"یاأبتاہ إلی جبرئیل ننعاہ" ہائے میرے ابا جان! ہم آپ کی وفات کی خبر جبریل کو پہنچاتے ہیں۔

حضور ﷺ کی تدفین کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا **"یا انس، اطابت نفوسکم ان تحثوا علی رسول اللہ ﷺ التراب؟"** اے انس! کیا تمہارے دل نے اس بات کو کیسے گوارا کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اوپر مٹی ڈالو؟ یعنی جذبات کے عالم میں یہ بات فرما رہی تھیں کہ تمہارا دل کیسے آمادہ ہوا اور کس دل سے تم نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کی کہ آپ ﷺ پر مٹی ڈال دی اور سپرد خاک کر دیا۔

آپ ﷺ کا انتقال ہوگیا تو اس غم وحزن پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ شعر نکلے۔

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَد إِنْ لَمْ يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

جو شخص احمد کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی کوئی خوشبو نہ سونگھے۔

مجھ پر جو مصیبتیں آپڑیں اگر وہ دِنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔ [۱۱]

(۸۵) باب آخر ما تكلم به النبي ﷺ

آنحضرت ﷺ کے وفات سے قبل آخری کلام کا بیان

۴۴۶۳ ـ حدثنا بشر بن محمد: حدثنا عبد الله: قال يونس: قال الزهري: أخبرني سعيد بن المسيب في رجال من أهل العلم أن عائشة قالت: كان النبي ﷺ يقول وهو صحيح: ((إنه لم يقبض نبي حتى يرى مقعده من الجنة ثم يخير))، فلما نزل به ورأسه على فخذي غشي عليه ثم أفاق، فأشخص بصره إلى سقف البيت ثم قال: ((اللّٰهم الرفيق الأعلى)). فقلت: إذا لا يختارنا، وعرفت أنه الحديث الذي كان يحدثنا به وهو صحيح. قالت: فكان آخر كلمة تكلم بها: ((اللّٰهم الرفيق الأعلى)). [راجع: ۴۴۳۵]

ترجمہ: امام زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن میتب رحمہ اللہ نے مجھ سے کئی اہل علم حضرات کی موجودگی میں بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ حالتِ صحت میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبی کو جنت میں اس کا ٹھکانہ اور مقام دکھا دیا جاتا ہے اور پھر اسے یہ اختیار دیا جاتا ہے (کہ وہ اگر چاہیں تو دنیا کو پسند کرلیں، اگر چاہیں تو آخرت کو پسند کرلیں)، جب رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا، آپ پر غشی طاری ہوئی پھر جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے آنکھیں کھولیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا اے اللہ! مجھے بلند مرتبہ رفقاء میں شامل فرمالے۔ میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے اور آپ ہم لوگوں میں رہنا پسند نہیں فرماتے اور مجھ کو وہ حدیث یاد آگئی جو آپ ﷺ تندرستی میں فرمایا کرتے تھے اور آپ کا آخری کلام بھی یہی تھا کہ اے اللہ! مجھے بلند رفیقوں میں رکھنا۔

نبی کریم ﷺ کے آخری کلمات

آخری کلمہ جو نبی کریم ﷺ کی زبان سے جاری ہوا وہ **"اللهم رفيق الأعلى"** ہے۔

---

[۱۱] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، سورة الشعراء، ج: ۱۰، ص: ۱۴۶، ومرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، ج:۳، ص: ۱۲۳۹

اس بات سے یہ پتہ چلا کہ حدیث میں جو آتا ہے کہ **"من كان آخر كلام لا إلـه إلا الله، دخل الجنة"** جس شخص کا موت سے قبل آخری کلام / بات **"لا إله إلا الله"** ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ۲۲

محدثین علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس سے خاص کلمہ **"لا إلـه إلا الله"** مقصود نہیں، بلکہ اللہ جل جلالہ کا جو بھی ذکر ہو وہ مقصود ہے، تو اللہ جل جلالہ کے کسی بھی ذکر پر خاتمہ ہوا اور آخری کلمہ ذکر ہو تو انشاء اللہ وہ فضیلت اس سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس واسطے کہ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر جو الفاظ جاری تھے وہ بھی ذکر اللہ ہی تھا **"اللّٰهم في الرفيق الأعلى"** اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔

رفيق الأعلى

"رفيق الأعلى" سے کیا مراد ہے؟

لفظ **"رفيق"** اسم جنس ہے کہ جس میں اس کا اطلاق فرد واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

رفیق سے یہاں کون مراد ہے اس بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں:

ایک قول: **"رفيق الأعلى"** سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جو اعلیٰ علیین میں پہنچ چکے ہیں۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اس دعاء کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ انبیاء کے ساتھ، صدیقین کے ساتھ، شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ کہ وہی لوگ **"رفيق الأعلى"** ہیں۔

دوسرا قول: بعض حضرات کے نزدیک **"رفيق الأعلى"** سے مراد ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت یعنی آسمانوں میں رہنے والے فرشتے وغیرہ ہیں۔

تیسرا قول: بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ **"رفيق الأعلى"** سے مراد اللہ رب العزت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بھی رفیق کا اطلاق منقول ہے۔ ۲۳

---

۲۲ سنن ابی داؤد، باب في التلقين، رقم: ۳۱۱۶

۲۳ قوله: ((في الرفيق الاعلىٰ)) قال الجوهري: الرفيق الأعلى الجنة، وكذا روى عن ابن اسحاق، وقيل: الرفيق اسم جنس يشمل الواحد ومافوقه والمراد به الأنبياء عليهم السلام، ومن ذكر في الآية. وقال الخطابي: الرفيق الأعلىٰ هو الصاحب المرافق، وهو ههنا بمعنى الرفقاء، يعني: الملائكة، وقال الكرماني: الظاهر أنه معهود من قوله تعالىٰ: ﴿وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا﴾ [النساء: ۶۹] اى: ادخلني في جملة أهل الجنة من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين. والحديث المتقدم يشهد بذلك، وقيل: المراد بالرفيق الأعلىٰ الله سبحانه وتعالىٰ لأنه رفيق بعباده. كذا ذكره العيني في: عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۹۱

(۸۶) باب وفاة النبي ﷺ

آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک اور وفات کا تذکرہ

۴۴۶۴، ۴۴۶۵ ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا شيبان، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن عائشة وابن عباس رضی اللہ عنہم: أن النبي ﷺ لبث بمكة عشر سنين ينزل عليه القرآن وبالمدينة عشرا. [انظر: ۴۹۷۸] [۲۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نبوت کے بعد دس سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے، اس عرصہ میں قرآن کریم آپ ﷺ پر برابر نازل ہوتا رہا، پھر ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے، اور دس برس قیام فرمایا۔

نزولِ قرآن کا زمانہ

اس روایت میں نزولِ قرآن کے بارے میں جو دس سال کا عرصہ کہا ہے یہ یا تو مکی زندگی کے تیرہ سال میں سے قصر حذف کر دیا ہے یا تین سال جو فطرت کا عرصہ تھا وہ بیچ میں سے نکال دیا تو تسلسل کے ساتھ جو قرآن نازل ہوا وہ دس سال ہوا۔

۴۴۶۶ ـ حدثنا عبد الله بن يوسف: حدثنا الليث: عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ توفي وهو ابن ثلاث وستين. قال ابن شهاب: وأخبرني سعيد بن المسيب مثله. [راجع: ۳۵۳۶]

ترجمہ: عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ۶۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ابن شہاب کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب نے بھی اسی طرح کی روایت مجھ سے بیان کی ہے۔

---

[۲۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب كم اقامة النبي ﷺ بمكة ومدينة، رقم: ۲۳۹۱، وسنن الترمذي، ابواب المناقب، باب في مبعث النبي ﷺ، وابن كم كان حين بعث؟ رقم: ۳۶۱۲، ۳۶۲۲، باب في سن النبي ﷺ، وابن كم كان حين مات؟ رقم: ۳۶۵۰، ومسند احمد، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۱۸۴۲، ۱۹۵۴، ۲۰۱۷، ۲۰۳۵، ۲۱۱۰، ۲۳۹۹، ۱۵۲۳، ۲۶۳۰، ۲۶۸۰، ۲۶۹۶، ۲۸۴۶

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت نبی کریم ﷺ کی رحلت ہوئی اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔

یہی جمہور علماء کا قول ہے، زیادہ مشہور صحیح یہی قول ہے۔

جبکہ اس کے علاوہ بعض حضرات کے نزدیک پینسٹھ اور بعض کے نزدیک ساٹھ سال عمر ہے۔ [۲۵]

(۸۷) باب

یہ باب ترجمۃ الباب سے خالی ہے

۴۴۶۷ - حدثنا قبيصة: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة رضي الله عنهما قالت: توفي النبي ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين، يعني: صاعا من شعير. [راجع: ۲۰۶۸]

ترجمہ: اسود رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کی کی وفات ہوئی تو آپ کی ذرع ایک یہودی (ابوالشحم) کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی تیس صاع اناج کے عوض میں۔

فقرِ کونین ﷺ نہ درہم چھوڑا نہ دینار

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایک زرہ جس کا نام ذات الفصول تھا، ایک یہودی ابوالشحم کے پاس گروی تھی، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے لئے اس یہودی سے تیس صاع جو یا اس سے کم قرض لیا تھا۔

---

[۲۵] واکثر ماقيل في عمره انه خمس وستون سنة أخرجه مسلم من طريق عمار بن أبي عمار عن ابن عباس، ... الخ وفي رواية هشام بن حسان عن عكرمة عن ابن عباس ((لبث بمكة ثلاث عشرة وبعث لأربعين ومات وهو ابن ثلاث وستين)) وهذا موافق لقول الجمهور. فتح الباري، ج:۸، ص: ۱۵۱

یہ زرہ ایک سال تک گروی رہی پھر حضرت صدیق اکبر ﷺ نے اس یہودی کا قرض ادا کر کے آپ کی زرہ چھڑا لیا۔ ۲۶

(۸۸) باب بعث النبي ﷺ أسامة بن زيد رضى الله عنهما فى مرضه الذى توفى فيه

آنحضرت ﷺ کا مرض وفات میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغرض جہاد امیر لشکر بنا کر روانہ فرمانے کا بیان

۴۴۶۸ ـ حدثنا أبو عاصم الضحاک بن مخلد، عن الفضيل بن سليمان: حدثنا موسى بن عقبة، عن سالم، عن أبيه: استعمل النبي ﷺ أسامة فقالوا فيه، فقال النبي ﷺ: ((قد بلغني أنكم قلتم فى أسامة، وإنه أحب الناس إلى)). [راجع: ۳۷۳۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنا کر روانہ کیا، تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو کچھ تم لوگ اسامہ کے بارے میں کہہ رہے ہو، حالانکہ اسامہ مجھ کو سب لوگوں سے زیادہ پسند ہے۔

۴۴۶۹ ـ حدثنا إسماعيل: حدثنا مالک، عن عبدالله بن دينار، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما: أن رسول الله ﷺ بعث بعثا وأمر عليهم أسامة بن زيد فطعن الناس فى إمارته فقام رسول الله ﷺ فقال: ((ان تطعنوا فى امارته، فقد كنتم تطعنون فى امارة أبيه من قبل، وايم الله إن كان لخليقا للإمارة و إن كان لمن أحب الناس إلى، وإن هذا لمن أحب الناس إلى بعده)). [راجع: ۳۷۳۰]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی امارت میں لشکر روانہ فرمایا تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہو، تم اس سے پہلے اس کے باپ پر بھی اعتراض کر چکے ہو، اللہ کی قسم! وہ

---

۲۶ من اراد التفصيل فليراجع: انعام الباری، كتاب البيوع، باب شراء النبي ﷺ بالنسيئة، ج: ۶، ص: ۱۱۰، رقم: ۲۰۶۸

امیر بنائے جانے کے لائق تھا اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، اسی طرح یہ بھی اب اس کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔

سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

۲۶ صفر سن ۱۱ ہجری، دوشنبہ کے روز آپ ﷺ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام ابنی کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا، یہ وہ مقام ہے، جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا اور جس میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے والد حضرت زید بن حارث، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہم ﷺ شہید ہوئے۔

یہ آخری سریہ تھا جسکے بھیجنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا۔

یہ لشکر درحقیقت آنحضرت ﷺ حضرت زید بن حارثہ اور ان کے رفقاء ﷺ کا بدلہ لینے کے لئے بھیجنا چاہتے تھے، غزوہ موتہ، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، اس میں حضرت زید بن حارثہ، جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید اور دیگر صحابۂ کرام ﷺ ہوئے تو اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر بھیجنا چاہتے تھے۔

اس لشکر کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا تھا، جو اس وقت سترہ سال کے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو امیر اس لئے بنایا تھا کیونکہ حضرت زید بن حارث ﷺ کے صاحبزادے تھے اور جیسے حضرت زید بن حارث ﷺ حضور اکرم ﷺ کو محبوب تھے، اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی بہت محبوب اور عزیز تھے۔

آپ ﷺ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، علالت کے باوجود آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو دیا اور فرمایا کہ:

"اغز باسم اللہ فی سبیل اللہ، فقاتلوا من کفر باللہ"

یعنی اللہ کے نام پر، اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ کا کفر کرنے والوں سے مقابلہ مقاتلہ کرو۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نشان لیکر باہر تشریف لائے اور حضرت بریدہ اسلمی ﷺ کے سپرد کیا اور لشکر کو مقام جوف پر جمع فرمایا۔ [۲۷]

---

[۲۷] عمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۰۸، وکتاب المغازی للواقدی، ج: ۳، ص: ۱۱۱۷، وسیرۃ ابن ھشام، ج: ۲، ص: ۶۴۱

اس کم عمر امیر کی نگرانی میں آنحضرت ﷺ نے بڑے بڑے اور تجربہ کار مہاجرین اور انصار صحابہ کرام ﷺ کو ان کی زیر قیادت بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس پر بعض لوگ اعتراض کر رہے تھے کہ یہ کم عمر ہیں اور ان سے زیادہ تجربہ کار لوگ بھی ہیں جن کو امیر بنایا جاسکتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ تک ان باتوں کی خبر پہنچی، تو آپ ﷺ خطبہ کرنے کھڑے ہوئے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ **"ان تطعنوا فی امارته، فقد کنتم تطعنون فی امارته أبیه من قبل"** مجھے خبر ملی ہے کہ تم لوگوں نے اسامہ کی بارے میں باتیں بنانا شروع کر دی ہیں اور تمہاری یہ روش کوئی نئی بات نہیں ہے اور قابل تعجب نہیں ہے، تم اس سے پہلے اس کے باپ یعنی زید بن حارث ﷺ کی امارت پر بھی اعتراضات کر چکے ہو۔

"وایم اللہ إن کان لخلیقا للإمارۃ" اللہ کی قسم! زید بن حارث امارت کے حق دار شخص تھے۔

"وإن کان لمن أحب الناس إلی" اور ان لوگوں میں سے تھے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا،" **وإن هذا لمن أحب الناس إلی بعده"** اسی طرح یہ اسامہ بن زید بھی اب کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے یعنی جیسے زید بن حارث میرے کو محبوب تھے، اسی طرح اسامہ بن زید بھی مجھے بہت محبوب اور عزیز ہے۔

(۸۹) باب

یہ باب ترجمۃ الباب سے خالی ہے

۴۴۷۰ ۔ حدثنا أصبغ قال: أخبرنی ابن وهب قال: أخبرنی عمرو، عن ابن أبی حبیب، عن أبی الخیر، عن الصنابحی أنه قال له: متی هاجرت؟ قال: خرجنا من الیمن مهاجرین فقدمنا الجحفة فأقبل راکب فقلت له: الخبر؟ فقال: دفنا النبی ﷺ منذ خمس. قلت: هل سمعت فی لیلة القدر شیئا؟ قال: نعم، أخبرنی بلال مؤذن النبی ﷺ أنه فی السبع فی العشر الأواخر. [۲۸]

ترجمہ: ابی الخیر نے کہا میں نے حضرت صنابحی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ نے کب ہجرت کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم یمن سے کچھ لوگ ہجرت کی نیت کر کے نکلے اور جب ہم جحفہ مقام پر پہنچے تو ہم کو ایک سوار

---

[۲۸] مسند أحمد، حدیث بلال ﷺ، رقم: ۲۳۸۹۰

آتا ہوا ملا، جب ہم نے اس سے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ ہم نے پانچ دن پہلے نبی کریم ﷺ کو دفن کیا ہے۔
راوی ابوالخیر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ کیا آپ نے شبِ قدر کے متعلق کچھ سنا ہے؟ تو انہوں نے کہاہاں! مجھے نبی کریم ﷺ کے مؤذن حضرت بلال ؓ نے خبر دی کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ستائیسویں رات ہوتی ہے۔

صنابحی رحمہ اللہ کی مدینہ ہجرت

"عن الصنابحی" تابعی حضرت عبداللہ بن عسیلہ صنابحی رحمہ اللہ، ان کا تعلق یمن سے تھا ان کے متعلق سنن ترمذی میں تفصیل سے ذکر آیا ہے۔ [۲۹]

ان سے انکے شاگرد ابوالخیر نے سوال کیا **"متی هاجرت؟"** کہ آپ نے کب ہجرت کی؟

"قال: خرجنا من اليمن مهاجرين فقدمنا الجحفة فأقبل راكب" انہوں نے کہا کہ ہم یمن سے ہجرت کر کے آرہے تھے جب جحفہ کے مقام پر پہنچے تو ایک سوار سامنے سے آرہا تھا یعنی مدینہ کی جانب سے آرہا تھا، **"فقلت له: الخبر؟"** تو میں نے اس سے کہا کوئی خبر ہے تو بتاؤ؟

اس زمانے میں آج کی طرح خبر رسانی کے تیز ترین ذرائع تو نہیں تھے اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے والے قافلوں کے ذریعہ خبریں پہنچا کرتی تھیں کہ جہاں سے آرہے ہو وہاں حال احوال سناؤ۔

"فقال: دفنا النبی ﷺ منذ خمس" تو اس گھڑسوار نے کہا کہ ہم نے پانچ دن پہلے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کی ہے یعنی اپنے ہجرت کے وقت کا بتایا کہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت میں نے ہجرت کی تھی۔

آگے پھر ابوالخیر کہہ رہے ہیں کہ حضرت صنابحی رحمہ اللہ سے میں نے پوچھا کہ **"هل سمعت في ليلة القدر شيئا؟"** کیا لیلۃ القدر یعنی شبِ قدر کے بارے میں آپ نے کوئی حدیث سنی ہے؟

"قال: نعم" تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے اس بارے حدیث سنی ہے، **"أخبرني بلال مؤذن النبي ﷺ أنه في السبع في العشر الأواخر"** مجھے حضرت بلال ؓ نے جو حضور ﷺ کے موذن تھے یہ خبر سنائی کہ شبِ قدر رمضان کے عشرۂ آخرہ کی ساتویں رات ہے یعنی ستائیسویں شب ہے۔

---

۲۹ والصنابحی،: وهو عبدالله بن عسيلة مصغر العسلة ـ بالمهملتين: ابن عسل بن عسال الشامی، وأصله من اليمن ونسبته الی صنابح بن زاهر بن عامر بطن من مراد، رحل الی النبی ﷺ ، فقبض وهو بالجحفة، ثم نزل الشام ومات بدمشق. وليس له فی البخاری سوی هذا الحديث. عمدة القاری، ج:۱۸،ص:۱۱۰

(۹۰) باب كم غزا النبي ﷺ؟

آنحضرت ﷺ کے جہاد اور اس کی تعداد کا بیان [۳۰]

۴۴۷۱ ـ حدثنا عبد الله بن رجاء: حدثنا اسرائيل، عن ابى اسحاق قال: سألت زيد بن أرقم ﷺ: كم غزوت مع رسول الله ﷺ؟ قال: سبع عشرة، قلت: كم غزا النبي ﷺ؟ قال: تسع عشرة. [راجع: ۳۹۴۹]

ترجمہ: ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کتنے غزوات میں شریک ہونے کا موقع ملا؟ انہوں نے کہا کہ سترہ غزوات میں شرکت کی۔ میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ کل انیس غزوات میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی۔

۴۴۷۲ ـ حدثنا عبد الله بن رجاء: حدثنا اسرائيل، عن أبى إسحاق: حدثنا البراء ﷺ قال: غزوت مع النبي ﷺ خمس عشرة. [۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ پندرہ غزوات میں شرکت کی ہے۔

۴۴۷۳ ـ حدثنى أحمد بن الحسن: حدثنا أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال: حدثنا معتمر بن سليمان، عن كهمس، عن ابن بريدة، عن أبيه قال: غزا مع رسول الله ﷺ ست عشرة غزوة. [۳۲]

---

[۳۰] نبی کریم ﷺ کے غزوات کی تعداد پر تفصیل – انعام الباری، کتاب المغازی، ج: ۹ – کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۳۱] وفى مسند احمد، حديث البراء بن عازب، رقم: ۱۸۵۵۹، ۱۸۵٦۱، ۱۸۵۸٦، ۱۸٦٦۹

[۳۲] وفى صحيح مسلم، كتاب الجهاد، والسير، باب عدد غزوه النبى ﷺ، رقم: ۱۸۱۴، ومسند احمد، حديث البريدة الأسلمى، رقم: ۲۲۹۵۳، ۲۲۹۵۴

ترجمہ حضرت ابن بریدہ رحمہ اللہ نے بیان کی کہ میرے والد حضرت بریدہ ﷺ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سترہ غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی ہے۔

اللّٰھم اختم لنا بالخیر

کمل بعون اللہ تعالیٰ الجزء العاشر من "إنعام الباری" ویلیہ إن شاء اللہ تعالیٰ الجزء أحد عشر : أوّلہ "کتاب التفسیر"، رقم الحدیث: ٤٤٧٤۔

نسأل اللہ الاعانۃ و التوفیق لا تمامہ۔

و الصلوٰۃ و السلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمّد خاتم النبیین و إمام المرسلین و قائد الغر المحجلین وعلی الہ و أصحابہ أجمعین و علی کل من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین۔

آمین ثم آمین، یا رب العالمین۔

انعام الباری شرح صحیح البخاری

تصانیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

- ☆ انعام الباری شرح صحیح البخاری - ۱۲ جلد
- ☆ اندلس میں چند روز
- ☆ اسلام اور جدید معیشت وتجارت
- ☆ اسلام اور سیاست حاضرہ
- ☆ اسلام اور جدت پسندی
- ☆ اصلاح معاشرہ
- ☆ اصلاحی خطبات
- ☆ اصلاحی مواعظ
- ☆ اصلاحی مجالس
- ☆ احکام اعتکاف
- ☆ اکابر دیوبند کیا تھے؟
- ☆ آسان نیکیاں
- ☆ بائبل سے قرآن تک
- ☆ بائبل کیا ہے؟
- ☆ پُر نور دعائیں
- ☆ تراشے
- ☆ تقلید کی شرعی حیثیت
- ☆ جہانِ دیدہ (بیس ملکوں کا سفرنامہ)
- ☆ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق
- ☆ حجیت حدیث
- ☆ حضور ﷺ نے فرمایا (انتخاب حدیث)
- ☆ حکیم الامت کے سیاسی افکار
- ☆ درسِ ترمذی
- ☆ دنیا مرے آگے (سفرنامہ)
- ☆ دینی مدارس کا نصاب ونظام
- ☆ ذکر وفکر
- ☆ ضبط ولادت
- ☆ عیسائیت کیا ہے؟
- ☆ علوم القرآن
- ☆ عدالتی فیصلے
- ☆ فرد کی اصلاح
- ☆ فقہی مقالات
- ☆ تاثر حضرت عارفیؒ
- ☆ میرے والد میرے شیخ
- ☆ ملکیت زمین اور اس کی تحدید
- ☆ نشری تقریریں
- ☆ نقوش رفتگاں
- ☆ نفاذ شریعت اور اس کے مسائل
- ☆ نمازیں سنت کے مطابق پڑھئے
- ☆ ہمارے عائلی مسائل
- ☆ ہمارا معاشی نظام
- ☆ ہمارا تعلیمی نظام
- ☆ تکملہ فتح الملهم (شرح صحیح مسلم)
- ☆ ماهی النصرانية؟
- ☆ نظرة عابرة حول التعليم الاسلامی
- ☆ احكام الذبائح
- ☆ بحوث فی قضایافقیهة المعاصره
- ☆ An Introduction to Islamic Finance
- ☆ The Historic Judgement on Interest
- ☆ The Rules of I'tikaf
- ☆ The Language of the Friday Khutbah
- ☆ Discourses on the Islạmic way of life
- ☆ Easy good Deeds
- ☆ Sayings of Muhammad ﷺ
- ☆ The Legal Status of following a Madhab
- ☆ Perform Salah Correctly
- ☆ Contemporary Fatawa
- ☆ The Authority of Sunnah

منشورات مکتبة الحراء

اِنْعَامُ الْبَارِی

دُرُوسِ بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

Publisher
Maktabatul Hira
8/131, Double Room 'K' Area
36-A, Korangi, Karachi. 74900
Ph: 021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com, & info@deeneislam.com
Website: www.deeneislam.com